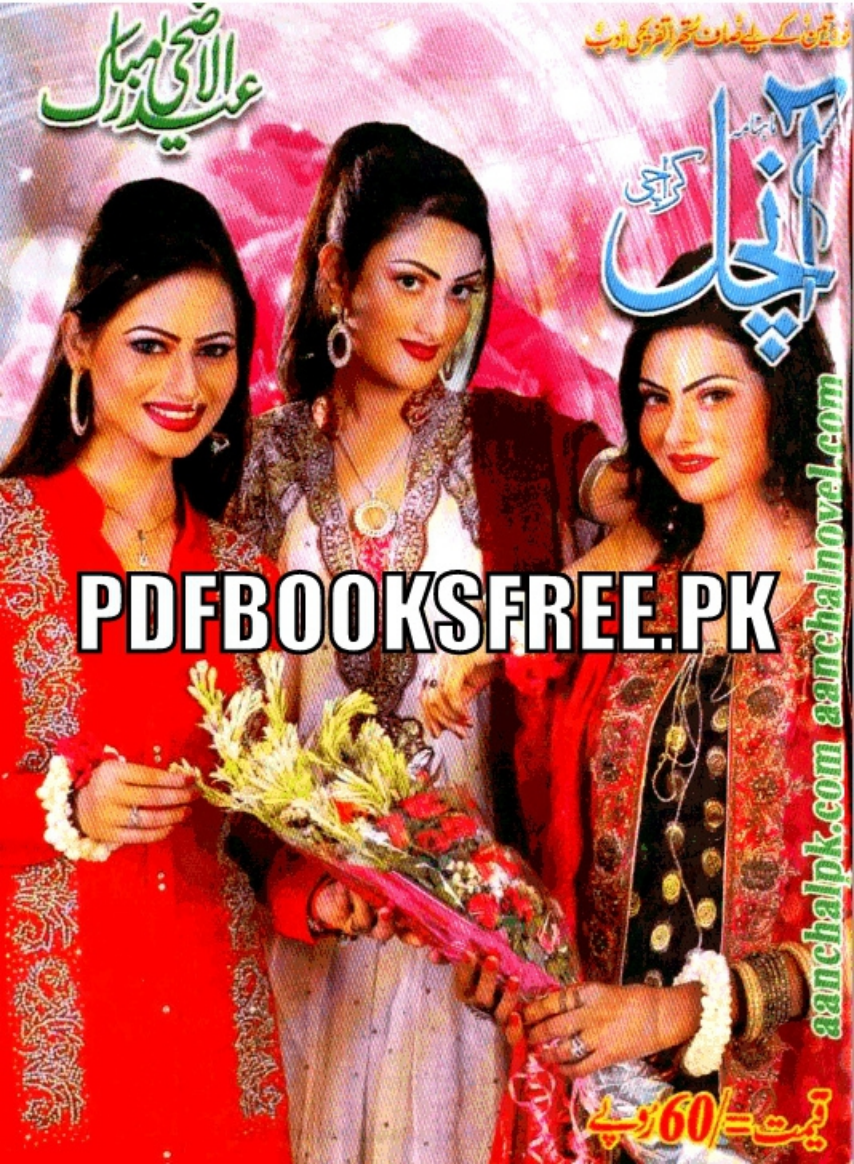

خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
عیدالاضحی مبارک
PDFBOOKSFREE.PK
aanchalpk.com aanchalnovel.com
قیمت =/60 روپے

اس شمارے میں

ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 12
حمد — راحت عالم — 13
نعت — محمد امین ساجد — 13
در جواب آں — مدیرہ — 14

دانش کدہ

مالکِ یومِ الدین — مشتاق احمد قریشی — 18

ہمارا آنچل

رکین حیدر / ثنا اشاہ / ہما فرخ
فرخ ناہید / طاہرہ سید — ملیحہ احمد — 23

بہنوں کی عدالت

نازیہ کنول نازی — ادارہ — 27

سلسلہ وار ناول

موم کی محبت — راحت وفا — 79
ٹوٹا ہوا تارہ — سمیرا شریف طور — 131

مکمل ناول

برف کے آنسو — نازیہ کنول نازی — 33
زمین پہ چاند اترا — صدف آصف — 197

ناولٹ

شکستِ آرزو — عتیقہ ملک — 173
تیرے میرے درمیان — نازیہ جمال — 223
مجھے ہے حکم اذاں — ام مریم — 247

افسانے

محبت ہم سفر میری — نادیہ فاطمہ رضوی — 113
زیست کے صفحات — سلمیٰ غزل — 121
بہار آتے آتے — نزہت جبین ضیا — 193
کچا گھڑا — صبا جاوید — 239
وہ ایک لمحۂ آگہی — سمیرا غزل صدیقی — 243
اپسرا — فاطمہ ماریہ — 265
محبت صرف محبت ہے — رشک حبیبہ — 273

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: فرینہ افرا نیناں بتول...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

روحانی مسائل کا حل — حافظ شبیر احمد — 280
بیاضِ دل — میمونہ رومان — 282
ڈش مقابلہ — طلعت آغاز — 284
بیوٹی گائیڈ — روبینہ احمد — 288
نیرنگ خیال — ایمان وقار — 290
دوست کا پیغام آئے — ہما احمد — 295
یادگار لمحے — جویریہ سالک — 300
آئینہ — شہلا عامر — 305
ہم سے پوچھیے — شمائلہ کاشف — 311
آپ کی صحت — ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا — 314
کام کی باتیں — حنا احمد — 318
حنا کے رنگ آنچل کے سنگ — خدیجہ احمد — 320

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھیں، اسی وقت ابن ام مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آگئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "ان سے پردہ کرو۔" میں نے کہا "یہ تو نابینا ہیں؟ ہمیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔" آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟" (ترمذی، مشکوٰۃ)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۴ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

تمام مسلمانوں اور اہل وطن کو عیدالاضحی مبارک!

سمجھ میں نہیں آرہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کریں۔ گزشتہ ماہ سیاسی دھرنوں نے وطن عزیز کی فضا کو مکدر کیا جو اب تک بدستور جاری ہے۔ میرے خیال میں تو یہ بھی عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے کہ ہزاروں لوگوں کو چند لوگوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے بے گھر بے در کر رکھا ہے اور عوام کو مسلسل بغاوت کی ترغیب دی جارہی ہے۔ وطن عزیز کے لیے یہ کیا کم عذاب الٰہی تھا کہ ہمارے گناہوں کی سزا طوفانی بارشوں اور سیلاب کی صورت نازل ہورہی ہے۔ ہمیں پھر بھی ہوش نہیں آرہا دھرنوں کے نام پر رنگ رلیاں منائی جارہی ہیں ان دھرنوں کو لوگوں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے بجائے روز مرہ کی تفریح کا ذریعہ بنالیا ہے۔ سیاسی و مذہبی لیڈران کرام کے اغراض و مقاصد کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان کے سامنے مجمع تو محض تفریح طبع کے لیے دھرنوں کی زینت بڑھا رہا ہے۔ آئیں ہم سب مل کر وطن عزیز کی سلامتی اور بقا کی دعائیں کریں چاہے حکمران ہوں یا ان کے مخالفین جس کے بھی مذموم عزائم ہوں اللہ اسے نابود کرے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان جو دین اسلام کے نام پر قائم کیا گیا آج اس ملک عظیم میں دین اسلام نافذ کرنے والے لیڈران کرام ناچ گانوں اور مخلوط اجتماعات کے ذریعے وطن عزیز میں اسلام نافذ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ بہت خوب کوشش ہے جس کا دین اسلام سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں اللہ ہمارے سیاسی و مذہبی اکابرین کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین

گزشتہ ماہ آنچل کی بہنوں سے ان کی اپنی فرمائش پر پرچے کے نام اور دیگر تجاویز طلب کی تھیں جواب میں تجاویز اور نئے نام سامنے آرہے ہیں یہ سلسلہ چونکہ ابھی چل رہا ہے اس لیے فیصلہ اگلے ماہ تک کے لیے فی الحال موخر کیا جارہا ہے جیسے ہی آنچل کا ادارتی بورڈ کسی نام پر متفق ہوگا وہ آپ کے سامنے آجائے گا ان شاء اللہ۔

اس ماہ کے ستارے

☆ برف کے آنسو — بہن نازیہ کنول نازی ایک شاہکار مکمل ناول کے ساتھ شریک محفل ہیں۔
☆ زمین پہ چاند اترا — صدف آصف ایک اچھوتے موضوع کے ساتھ حاضر محفل ہیں۔
☆ شکست آرزو — عفیفہ ملک شکست آرزو کو بہت ہی خوب صورت پیرائے میں بیان کررہی ہیں۔
☆ تیرے میرے درمیاں — نازیہ جمال ایک نئے انداز تحریر کے ساتھ شریک محفل ہیں ان کو پڑھ کر یقیناً مزا آئے گا۔
☆ محبت ہم سفر میری — نادیہ فاطمہ رضوی محبت کی ہم سفری کو اپنے انداز میں بیان کررہی ہیں۔
☆ زیست کے صفحات — سلمٰی غزل زیست کو ایک نئے پیرائے میں بیان کررہی ہیں کہاں تک یہ آپ پڑھ کر بتائیں۔
☆ کچا گھڑا — صبا جاوید ایثار و قربانی کے جذبے کو کہانی تحریر کے ساتھ حاضر ہیں۔
☆ وہ ایک لمحہ آگہی — سمیرا غزل قربانی کی اصل بیان کرتے ہوئے شریک محفل ہیں۔
☆ اپسرا — اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے حوالے سے ایک عمدہ تحریر کے ساتھ فاطمہ ماریہ۔
☆ محبت صرف محبت ہے — رشک حبیبہ محبت کی اصل روح کو بیان کررہی ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

حمد

تکوین کائنات میں جلوہ نما بھی تو
لیکن تجلیوں سے وراء الوریٰ بھی تو

نقطہ بھی تو، لکیر بھی، زاویہ بھی تو
محور بھی تو، رداس بھی دائرہ بھی تو

مہمل ہیں سب زمان و مکان کی حکایتیں
غیب و خبر کی حد سے سوا ما سوا بھی تو

تیرا ہی زمزمہ ہے سرود حیات میں
آہنگ و ساز و نغمہ و صوت و صدا بھی تو

ہر چیز تیری سمت سفر در سفر میں ہے
منزل بھی تو، مقام بھی تو، رہنما بھی تو

تیری صفات ذات ہیں سرچشمہ حیات
گلزار ہست و بود کی نشو و نما بھی تو

ثابت ہے تیری ذات سے جبروت و جلال بھی
حجت بھی تو، دلیل بھی تو، فلسفہ بھی تو

راحتؔ! برائے حمد یہ ورد زباں رہے
اے ذوالجلال! مالک روز جزا بھی تو

راحتؔ عالم رحیم

نعت

سکون قلب پانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں
غموں کو بھول جانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

نبی کے عشق کی مشعل لحد میں کام آئے گی
یہی مشعل جلانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

نہیں اعمال دامن میں اگر کچھ ہے ندامت ہے
ندامت کو مٹانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

عقیدت سے محبت سے چراغاں کرتا رہتا ہوں
بزم آقا ﷺ سجانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

حسینؓ ابن علیؓ کا واسطہ مجھ کو بلا لینا
ترے قدموں میں آنے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ٹلی مشکل پڑھا جب بھی وظیفہ نعت کا میں نے
مصائب کو مٹانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ثناخوانوں میں آجائے میرا بھی نام محشر میں
یہی اعزاز پانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ہمیشہ نعت ہو لب پر یہی ہے آرزو ساجدؔ
مقدر کو جگانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

محمد امین ساجدؔ سعیدی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHA

درجواب آں

مدیرہ

حمیرا فضا ...... رحیم یار خان

حمیرا ڈیئر! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ اور جہاں تک نظموں کی اشاعت کی بات ہے تو گڑیا شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں اچھی اور معیاری چیز کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے آپ نظموں کے ساتھ ہی اپنا افسانہ بھی ارسال کرسکتی ہیں امید ہے کہ آنچل کے معیار پر پورا اترے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

اقراء اکبر ...... سانگلہ ہل

پیاری اقرا! شاد و آباد رہو آپ کا محبت نامہ موصول ہوا جس میں ہلکا سا خفگی کا شائبہ بھی موجود تھا۔ ہمیں یہ انداز بھی بہت پسند آیا گڑیا آپ کا پیغام تاخیر سے موصول ہونے کی سبب شامل اشاعت نہ ہوسکا آئندہ کے لیے محفوظ کرلیا گیا ہے۔ دلچسپ پیرائے میں اپنا تعارف بمعہ ملک اسٹیشن کا احوال اور نہر کنارے کا حسین منظر ملی کی ٹاپ پر سے ہوا کے دوش پر ارسال کردیں امید ہے یہ مایوسی و خفگی اب باقی نہیں رہے گی۔

ادم کمال ...... فیصل آباد

ڈیئر ادم! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو کہنا چاہوں گی کہ تعارف کے چھپنے پر شکریہ کی ضرورت نہیں ہے یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے آپ تعارف ارسال کردیں لیکن اس سلسلے میں "اب میرا انتظار کر" والا معاملہ ہے لہٰذا آنچل کے صفحات کی زینت بننے میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے امید ہے سمجھ سکیں گی۔ ملکی حالات کے لیے کیا کہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمران اور سیاستدانوں کو محب وطن بنادے اور یہ جو میوزیکل چیئر کا کھیل ہے یہ ختم ہوجائے۔

زیبا حسن مخدوم ...... سرگودھا

پیاری زیبا! شاد و آباد رہو شاہینوں کے شہر سے ارسال کردہ آپ کا خط موصول ہوا بھیگا بھیگا آنچل اور بھیگی بھیگی آنکھیں بہت خوب شاعرانہ انداز ہے آپ کا آپ کے بھائی نے ناول کے ساتھ جو قصائی والا حال کیا اور اس حالت پر آپ کا جو حال ہوا ہے بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کرگیا۔ بہرحال یہی چھوٹی چھوٹی شرارتیں زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آئینہ میں آپ کا رخ روشن نہ جھلملا سکا آپ کا انداز تحریر پختہ اور بہتر ہے اسی طرح اصلاحی موضوعات پر طبع آزمائی کرتی رہیں۔

نوبیہ صابر ...... سیالکوٹ

ڈیئر نوبیہ! سدا خوش رہو پہلی مرتبہ بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ ناول بھیجنے سے پہلے آپ اپنا مختصر افسانہ ارسال کردیں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

نادیہ سلیمان ...... توحید کالونی' ایبٹ آباد

ڈیئر نادیہ! سدا ہنستی رہو آپ کی تحریر "نیت" پڑھ ڈالی لیکن کچھ خاص تاثر قائم نہ کرسکی موضوع کا چناؤ ٹھیک ہے لیکن کہانی پر آپ گرفت قائم نہ رکھ سکیں۔ انداز تحریر کی اسی کمزوری کی بناء پر آپ کی تحریر ناقابل اشاعت ٹھہری ہے وسیع مطالعہ اور محنت کی بناء پر آپ اچھا لکھ سکتی ہیں کوشش جاری رکھیں۔

فائزہ بتول ...... قصور' چونیاں

ڈیئر فائزہ! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "شوق تو" آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ نہ بناسکی اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ ابھی آپ کو بہت محنت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے آپ دیگر بڑے لکھاری بہنوں کے انداز تحریر موضوعات و اسلوب کا بغور مطالعہ کریں اس کے بعد قلم اٹھایئے گا جبکہ دیگر سلسلوں میں آپ شرکت کرسکتی ہیں۔

سنبل زرگر' اقصیٰ زرگر ...... جوزہ

ڈیئر سسٹرز! جگ جگ جیو آپ کے لیے اتنا ہی کہوں گی "جو تو نہیں تھا شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا؟" مطلب آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہے۔ پرچہ تکمیلی مراحل میں ہوتا ہے اب ایسے میں آپ کی نگارشات کیسے شامل کریں؟ بہرحال آئندہ کے لیے محفوظ کرلی جاتی ہیں۔

ساحل دعا بخاری ...... بھیر پور' اوکاڑہ

پیاری دعا! سدا خوش رہو پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آپ

کی تحریر "عالم برزخ" آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ نہ بناسکی معذرت خواہ ہیں۔ آپ کا موضوع کا چناؤ کمزور ہے اس موضوع پر اس سے پیشتر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے آپ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں اور صفحے کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں امید ہے آئندہ خیال رکھیں گی۔

چندا چوہدری ...... حویلیاں کینٹ

پیاری چندا! سدا سہاگن رہو آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نہایت محنتی اور ہر فن میں طاق ہیں جان کر اچھا لگا جہاں تک تنقید برائے تعمیر والی بات ہے تو آپ کے مہندی کے ڈیزائن اس بار شامل نہ ہوسکے اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں لیجیے آپ کو ہم نے تنقید کا موقع فراہم کردیا ہے اب دل کھول کر اپنی خفگی کا اظہار کرلیں بہرحال......

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسیں لگتے ہو
بس یہی سوچ کر تم کو خفا رکھا ہے

آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی ہمارے پاس یہ ڈیزائن محفوظ ہیں جلد شائع کردیں گے البتہ آپ کا افسانہ "میں بولوں کہ نہ بولوں" منتخب ہوگیا ہے۔

نصرت عارف ...... وار برٹن

پیاری نصرت! ہنستی رہو شکوہ و شکایات سے بھرپور خط موصول ہوا جواب شکوہ حاضر ہے۔ آپ کی شاعری اور دیگر نگارشات متعلقہ شعبے میں ارسال کردی ہیں رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے افسانہ لکھنے کے لیے وسیع مطالعہ گہرا مشاہدہ ہونا ضروری ہے آپ مشہور لکھاری بہنوں کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں اس کے بعد قلمی سفر کا آغاز کیجیے گا امید ہے تشفی ہوسکے گی۔

شہزادی شاہانہ ...... نواب شاہ

پیاری شہزادی! ہنستی رہو اتنی خفگی اور اس قدر غصہ شہزادیوں کو زیب نہیں دیتا آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کردی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور شامل کرلی جائے گی اور جہاں تک تحریر کا سوال ہے تو ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

طیبہ منیر مغل ...... وہاڑی' ماچیوال

پیاری طیبہ! شاد و آباد رہو طویل عرصے کی خاموشی کو توڑ کر آپ نے قلم اٹھایا جان کر بے حد اچھا لگا آنچل سے متعلق آپ کا والہانہ پن اور وارفتگیاں جان کر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی بہرحال اب ناکامی کے خوف سے قلم نہ اٹھانا تو حماقت ہے مگر مشہور لکھاری بہنیں بھی اسی مرحلے سے گزر کر آج اس مقام تک پہنچی ہیں لہٰذا آپ بھی رد ہونے کا خوف دل سے نکال کر اپنا مختصر افسانہ ارسال کردیں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

بلوشہ گل ...... کوٹ ادو

ڈیئر گل! انگوں کی طرح مہکتی رہو آپ کا خط ہمیں 8 تاریخ کو موصول ہوا جبکہ پرچہ تکمیلی مراحل میں ہے دیگر سلسلے بھی فائنل ہیں پھر بھی کوشش کی ہے جہاں ممکن ہو آپ کی ڈاک شامل کرلی جائے اس معاملے میں اب ہم اس سے زیادہ کیا کرسکتے ہیں۔ آپ اپنی نگارشات جلد ارسال کردیا کریں تاکہ شامل اشاعت ہوسکے۔

ندا حسنین ...... گلشن اقبال' کراچی

ڈیئر ندا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "گھر کی رحمت" موضوع کا چناؤ بہت خوب نہایت اصلاحی موضوع کا آپ نے انتخاب کیا لیکن انداز تحریر کمزور ہے اسی لیے ناقابل اشاعت ٹھہری۔ آپ مطالعہ وسیع کریں اور اسی طرح کے موضوعات پر کوشش جاری رکھیں امید ہے کامیابی مقدر بنے گی۔

ام عمارہ ...... چیچہ وطنی

پیاری عمارہ! جگ جگ جیو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید مگر رائٹرز تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے آپ دوست کا پیغام سلسلے کے ذریعہ شرکت کرسکتی ہیں۔ آپ کی نگارشات محفوظ کرلی گئی ہیں آپ نے ایک ہی صفحہ پر تمام سلسلوں کو یکجا کردیا ہے ہر سلسلے کے لیے الگ صفحہ پر سلسلے کا نام اور اپنا نام لکھ کر ایک ہی لفافے کے ذریعے ارسال کردیں امید ہے آئندہ خیال رکھیں گی۔

حبا قریشی ...... عبد الحکیم

پیاری حبا! سدا سلامت رہو آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ہمارے قارئین نہایت باریک بین اور معاملہ فہم ہیں جان کر اچھا لگا آپ نے جس غلطی کی طرف نشاندہی کی ہے آپ کا کہنا بجا ہے۔ ادارہ بھی اس کوتاہی پر معذرت خواہ ہے امید ہے آپ کے خط کی وساطت سے لکھاری بہنیں بھی آئندہ خیال رکھیں گی۔

ثناء عرب سنی ...... ٹوپی ضلع صوابی

ڈیئر ثناء! شاد و آباد رہو سب سے پہلے تو امتحان میں شاندار کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ اپنا پیغام بنام دوست ارسال کردیں شامل اشاعت ہوجائے گا تجاویز نوٹ کرلی ہیں

جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

حمیرا قریشی..... لاہور

اچھی حمیرا! شاد و آباد رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید قلمی سفر کا آغاز کر چکی ہیں تو اسے ارسال کرنے کی ہمت بھی پیدا کیجیے اور اللہ کا نام لے کر ریجیکٹ ہونے کا خوف دل سے نکال کر تحریر ڈاک کے سپرد کر دیجیے آنچل کے معیار پر تحریر پوری اتری تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

عائشہ کنول عاشی..... کھوتہ' راولپنڈی

عاشی ڈیئر! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "دن کے اجالے خوشیاں ہماری" آنچل کے معیار پر پوری نہ اتر سکی انداز تحریر کمزور ہے کہانی میں موضوع کا چناؤ بھی کافی پرانا ہے۔ قسط وار ناول کی فی الحال گنجائش نہیں ہے اس لیے معذرت خواہ ہیں۔

ثانیہ مغل..... سرگودھا

ڈیئر ثانیہ! جیتی رہو آپ کا خط پڑھ کر ہمیں تمام صورت حال کا اندازہ ہو گیا ہے۔ بہر حال اب پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے آپ کی یہ تحریر "کانچ کے ٹوٹنے دو" آپ کے کہنے پر اب آنچل کے صفحات پر رقم نہیں ہوگی اب آپ پُر سکون ہو جائیے اور ہماری جانب سے مطمئن بھی۔

ماریہ کنول ماہی..... جلت ورکاں

ماہی ڈیئر! سدا خوش رہو کہانی و نام آگہی سے بھر پور خط موصول ہوا آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل اشاعت ہونے سے محروم رہ جاتی ہے کہانی آپ کی بہت کمزور تھی اس لیے ناقابل اشاعت ٹھہری۔ امید ہے جلد یہ ناراضگی دور ہو جائے گی۔

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

عزیزی مدیحہ! سدا مسکراؤ آپ کی تحریر "عورت" پڑھ ڈالی لیکن کچھ متاثر نہ کر سکی بے شک آپ حساس موضوعات پر قلم اٹھاتی ہیں مختصر پیرائے میں لکھتی ہیں لیکن آپ کا انداز تحریر کمزور اور بچکانہ ہوتا ہے ابھی آپ کو وسیع مطالعے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنی کہانیوں کا موازنہ دیگر رائٹرز کی تحاریر سے کر کے دیکھیں فرق آپ کو خود معلوم ہو جائے گا اور اس عمل کے ذریعے آپ کو سیکھنے کو بھی ملے گا امید ہے آپ سمجھ پائیں گی۔

فریحہ شبیر..... شاہ نکڈر

ڈیئر فریحہ! سدا مسکراؤ آپ کا ارسال کردہ خط 12 تاریخ کو موصول ہوا جبکہ دیگر مستقل سلسلے اختتامی مراحل میں ہیں اسی وجہ سے اس بار آپ کی ڈاک شامل اشاعت نہ ہو سکی آپ کا کہنا بجا ہے ام آگہی کی تحریر کے پیچھے ایک مقصد کار فرما تھا جسے آپ بخوبی سمجھ گئی ہیں لیکن جو لوگ اس مقصد تک نہ پہنچ پائے وہ تنقید برائے تنقید کرتے نظر آئے بہر حال ہر کسی کا اپنا نظریہ ہوتا ہے اور سوچ پر کوئی پابندی نہیں دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عزہ یونس..... حافظ آباد

ڈیئر عزہ! سدا مسکراؤ آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی آپ نے جس طرح حالات و مصائب کا مقابلہ کیا بے شک قابل تحسین ہے ہر اندھیری رات کے بعد روشن صبح ہماری منتظر ہوتی ہے آپ نے قلمی سفر کا آغاز کیا ہے جان کر اچھا لگا آپ دیگر بڑے رائٹرز کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں تا کہ آپ کی سوچ میں وسعت پیدا ہو گی رب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو زندگی کے ہر میدان میں آسانیاں عطا فرمائے آمین۔

ثمن گیلانی' این صدیقی
ہٹیاں بالا' آزاد کشمیر

ڈیئر سسٹرز! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو اچھے نمبروں سے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ ہمارا آنچل میں شرکت کے لیے الگ سلسلے ہیں اپنا تعارف دلچسپ پیرائے میں لکھ کر ارسال کر دیں باری آنے پر لگ جائے گا کیونکہ آپ جیسی دیگر بہنوں کے تعارف کا جم غفیر ہمارے پاس لگا ہوا ہے اس لیے دیر سویر ہو جاتی ہے۔

انمول فاطمہ' عائشہ صدیقہ..... چکوال

ڈیئر سسٹرز! جگ جگ جیو آپ نے خفگی ختم کر دی جان کر خوشی ہوئی گڑیا! محکمہ ڈاک کی عنایت کی بدولت آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہوتی ہے اب کیسے شامل کریں آپ ہی بتلائیں کہ ہم بتلائیں کیا؟ آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ شہد کی مٹھی پھول بھجوا کر آپ سے پیار کرتے آ گئی ہو گی بہر حال اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے آئندہ یہ دلچسپ معاملہ بھی ساتھ بھیجنے کا امید ہے تشفی ہو سکی گی۔

نینا خان..... نہتری' بھری پور

ڈیئر نینا! جیتی رہو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید گڑیا! ہمیں اس سے پہلے آپ کا کوئی خط موصول نہیں ہوا تو جواب کیسے دیتے آپ کی تحریر جاہتوں کا "سرپرائز" اس عنوان کے تحت ہمیں کوئی کہانی موصول نہیں ہوئی غالباً محکمہ ڈاک کی نذر ہو گئی ہے۔ اس بار تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آپ کی

ڈاک شامل نہ کر سکے آئندہ کے لیے محفوظ کر لی گئی ہے۔

عشرت سید محمد اسلم
یثرب کالونی' اسلام آباد

پیاری عشرت! سدا خوش رہو مصروفیات سے بھرپور لمحات میں آپ نے چند پل آنچل کے نام کیے بے حد خوشی ہوئی۔ آپ نازیہ کنول کے لیے اپنا خط ارسال کر دیں وہ سوالات بھی جو آپ ان سے کرنا چاہتی ہیں آپ کا یہ خط ان تک پہنچ جائے گا۔ نازیہ کی شاعری کی کتاب حاصل کرنے کے لیے علم و عرفان پبلشر لاہور سے رابطہ کریں۔ آنچل کی فیس بک آئی ڈی درجواب آں سلسلہ کے اوپر اور شروع کے صفحات پر بھی موجود ہے آپ رابطہ کر سکتی ہیں۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

پیاری بہن! سدا سلامت رہو آپ کی تحریر "واپسی کا سفر" ہمارے پاس محفوظ ہے ان شاء اللہ باری آنے پر لگا دیں گے۔ آپ نے روحانی مسائل کی ڈاک بھی ایک ہی لفافے کے ذریعے ارسال کر دی ہے آئندہ خیال رکھیے گا۔ آپ کی صحت اور روحانی مسائل کے لیے الگ سے لفافہ استعمال کریں اور اس سلسلے کا نام بھی ضرور لکھیں تا کہ آپ کی ڈاک محفوظ ہاتھوں تک با آسانی پہنچ سکے دیگر بہنیں بھی اس بات کا خیال رکھا کریں بصورت دیگر ڈاک ضائع ہو جاتی ہے عید نمبر کے لیے موصول ہونے والی آپ کی تحریر "روشنی کا سفر" منتخب ہو گئی ہے۔ خوش ہو جائیے۔

شمائلہ شہزادی..... سیالکوٹ

ڈیئر شمائلہ! جگ جگ جیو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید سمیرا شریف طور کا یہ ناول کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ ناول حاصل کرنے کے لیے آپ مکتبہ القریش پبلی کیشنز لاہور سے رابطہ کریں وہاں سے با آسانی آپ یہ کتاب حاصل کر سکتی ہیں۔

ناقابل اشاعت:۔

محبت عیدی کی صورت' عید کا تحفہ' منتظر چاند کی رات' چھوٹی سی نیکی' مسلمان ایک جسم نہیں' ویران دل' ماں ایک سائبان' خوابوں کے سوداگر' اسی مقروض ہیں ہم' ان کے لب' ابھی شوق تو زندہ ہے' ہو تو یہ مٹی ہو' وہ غلط انسان' بے حسی کا خول' انوکھا محبوب' احساس جرم' عالم برزخ' بڑا بھائی' غربت میں پلتی کہانی' پچھتاوا' عورت' گھر کی رحمت' احساس ندامت' ارمان رہ گئے' خالی ہاتھ' زندگانی عبادت ہے' تیرے جینے سے' مہربان بیٹی کا دکھ' نیت' خوشیوں بھری عید' مجھے کچھ اور کہنا تھا' موسن تک کا سفر' بھی الوداع' نہ کہنا' دل کا خواب' دل کا دروازہ' زندگی کے ادھورے خواب' صبر و ہمت' تاوان' زندگی' یہ جو عشق' آزمائشوں سے معتبر' یوں بھی ہوتا ہے' خوف' محبت ہو گئی' آخر دن' کے اجالے' خوشیاں ہماری۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں' صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7 فرید چمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

سانحہ ارتحال

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز کے دیرینہ تزئین کار نور الدین شہروز کے والد محترم عبدالمجید دل کا دورہ پڑنے سے اللہ کو پیارے ہو گئے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○" ادارہ کے تمام ارکان اپنے ساتھی نور الدین شہروز کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین سے التماس دعا ہے۔

مالک یوم الدین

مشتاق احمد قریشی

ترجمہ:۔(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر (تم کہوتو) میں تمہیں بتادوں کہ بہ اعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ (لوگ) ہیں جن کی دنیا کی زندگی کی تمام کی تمام کوششیں بیکار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کررہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا اس لئے ان کے (تمام) اعمال ضائع ہوگئے۔ پس قیامت کے دن ہم ان کو کوئی وزن نہیں دیں گے۔ (الکہف۔۱۰۳تا۱۰۵)

آیات مبارکہ میں رب کائنات واضح تنبیہ فرمارہا ہے مطلع کررہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے خبردار کررہا ہے کہ ایسے تمام اعمال جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہیں لیکن لوگ بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں جیسے یہود ونصاریٰ اور بعض دیگر قومیں اور مشرکین وہ یہ "کہتے" کرتے اور سمجھتے بھی ہیں کہ وہ جو کچھ کررہے ہیں وہی درست ہے باقی سب غلط ہے۔ قران کریم کے تمام احکامات عام ہیں جس میں ہر ہر فرد اور گروہ شامل ہے۔ جس میں بھی یہ صفات ہوں کہ وہ احکام الٰہی ہدایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے نہ تسلیم کرے۔ اپنی من مانی کرے ایسے ہی لوگوں کی بابت وعیدیں بیان ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کے کفر سے مراد توحید الٰہی کے وہ دلائل جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں جن سے رات ودن فیض انحار ہے ہیں اور وہ آیات تشریعی جو اللہ نے اپنی کتابوں میں نازل فرمائی اور پیغمبروں نے تبلیغ وتوضیح کی اور پروردگار سے ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی سے انکار کرنا یعنی دوبارہ جلائے جانے کو نہ ماننا ہے۔

منکرین آخرت مشرکین وکفار کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کے اعمال کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہ فرمائے کہ ان کے اعمال کو تولا ہی نہ جائے اس لئے کہ اعمال تو ان لوگوں اور موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامہ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی' جب منکرین' منافقین' مشرکین اور کفار کے نامہ اعمال حسنات سے بالکل ہی خالی ہوں گے تو پھر ان کا وزن کس طرح ہوسکے گا ان کے اعمال تو ایک ہی پلڑے میں آئیں گے نیکی والی پلڑا تو خالی ہی رہ جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "قیامت والے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا' اللہ کے یہاں اس کا اتنا وزن نہیں ہوگا جتنا کہ ایک مچھر کے پر کا ہوتا ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری' سورہ الکہف)

ترجمہ:۔اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ پس تم دیکھو گے کہ گناہ گار اس کی تحریر سے خوف زدہ ہورہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہماری کوئی چھوٹی بڑی

حرکت ایسی نہیں جو درج نہ کی ہو' اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا (سا بھی) ظلم وستم نہیں کرے گا۔ (الکہف۔۴۹)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ واضح فرمارہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کسی نے کوئی جرم تو نہ کیا ہو اور وہ خواہ مخواہ ہی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ کسی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دی جائے یا کوئی بے گناہ پکڑا جائے اور سزا دے ڈالی جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی عادل' بڑا ہی باخبر بڑا ہی جاننے والا دیکھنے اور سننے والا ہے۔ روز محشر سب کے نامہ اعمال اپنے اپنے ہاتھوں میں ہوں گے سب کا دنیا میں کیا کرایا ان کے سامنے ہوگا' ہر ظاہر پوشیدہ موجود ہوگا کسی بھی بات سے کسی بھی طرح کوئی انکار نہیں کرسکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ کھول کرتا دیا کہ نیک لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا اور بدلوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا قیامت کیسے برپا ہوگی روز محشر کیسے لوگ سمیٹ کر جمع کردیے جائیں گے اور پھر میزان میں سب کے اعمال تولے جائیں گے سب کے ساتھ پورا پورا انصاف عدل الٰہی کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر انسان اب بھی ہوش میں نہ آئے اور اعمال حسنات وصالحہ کی طرف توجہ نہ دے تو یہ اس کی انتہائی بدنصیبی ہی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سب نیک وبد سمجھا دیئے ہیں کوئی بات راز نہیں رکھی۔

روز محشر کی دائمی زندگی کے آغاز کے فیصلے سے لے کر جہنم میں داخل ہونے تک جو مختلف کیفیات مجرمین الٰہی پر گزریں گی ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ کھول کر بیان فرمادیا ہے تاکہ انسان اس حادثے یوم الحساب سے پہلے سب حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ جو کچھ وہ کرنے جارہا ہے اس کا انجام کیا ہوگا اور آخرت کی دائمی زندگی کیسے گزارنا ہے؟ سورۃ ق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹادیا ہے پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ (ق۔۲۲)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس حالت اور کیفیت سے بھی آگاہ فرمارہا ہے جس سے روز محشر دوچار ہونے والے ہیں۔ انسان اپنی ناسمجھی نادانی میں جب احکام الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور دین الٰہی کے قوانین واحکامات کو نظر انداز کررہا ہوتا ہے تو اسے یہ قطعی یاد نہیں رہتا کہ احکام دین کو نظر انداز کرنے ان سے انکار یا انحراف کرنے کی جو وعید جو سزا بتائی گئی ہیں ان سے بھی کبھی دوچار ہونا پڑے گا جب روز محشر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضری ہوگی تب انسانی فہم وادراک پر پڑے سارے پردے اٹھادیے جائیں گے اور اُسے اپنے سامنے وہ سب ہدایات الٰہی احکامات وقوانین کی خلاف ورزی وانحراف کی سزائیں دکھائی دے رہی ہوں گی آج کے روز یعنی حشر کے روز ایسے بدکاروں بے ایمانوں کفر اور شرک کرنے والوں سے جنت دور اور جہنم قریب ہوگی ہر مجرم دیکھ رہا اور سمجھ رہا ہوگا کہ آج وہ سب یہاں موجود ہے جس کی خبر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی دے دی تھی۔ اگر دنیا میں انسان اللہ کے ہدایات نامے قرآن کریم سے رہنمائی وہدایت نہیں لیتا اور اپنی من مانی کرتے ہوئے شیطان کے پیچھے چلتا رہتا ہے اور اس پر اللہ کی نافرمانی وبغاوت سے کوئی مصیبت کوئی عذاب نازل نہیں ہوتا تو وہ اپنے اعمال کو ہی درست مانتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس

کیفیت کے بارے میں بھی قرآن حکیم میں ارشاد فرمادیا ہے کہ ہم ایسوں کی رسی دراز کرتے ہیں اسی کیفیت کے بارے میں سورۂ ابراہیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (ابراہیم۔۴۲)

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کو کچھ زیادہ ہی مہلت دے دیتا ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اسے بالکل چھٹی دے دی اس کا کوئی مواخذہ ہی نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کو اللہ اس لئے ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنے ارادے کے اختیار کو کس قدر اور کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ قیامت کے دن میدان حشر میں جب سب جمع ہو جائیں گے اور میزان عدل لگادی جائے گی تب پھر کوئی کسی بھی طرح مواخذے سے نہیں بچ سکے گا۔ روز حشر کافر و منکروں مشرکوں بدکاروں کے لئے ایسا ہولناک اور شدید ہوگا کہ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

قرآن حکیم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر کی ہولناکیوں سے اللہ کے مجرم جو دنیا میں اللہ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف و بغاوت کے رویے اپنائے رہے اور دین حق کو نظر انداز کرتے رہے اور من مانی زندگی بسر کرتے رہے ایسے لوگ اللہ کی قدرت سے آخرت کی ہولناکیوں اور مناظر کو اپنی شامت اعمال کے نتائج کو جب خود دیکھیں گے۔ تو ان کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی تکمیل نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرمائی تو ہر ہر عمل ہر ہر چیز کو خوب کھول کھول کر بار بار ہر بات قرآن کریم میں بیان فرمادی تمام سابق ادیان جن کی اصل بنیاد اسلام ہی تھی کی کتب الٰہیہ کو قرآن کریم میں ضم کر دیا اس طرح تمام سابقہ امتیں از خود جو اصل میں اسلام کا ہی حصہ تھیں وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل کر دی گئیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دین اسلام کی تکمیل کر دی گئی اور مزید کسی نبی کی کسی نئی کتاب کی ضرورت ختم کر دی گئی۔ قرآن کریم وہ ہدایت نامہ ہے جس سے انسان اپنے ہر ہر عمل ہر ہر قدم کے لئے رہنمائی وہدایت حاصل کر سکتا ہے اور یہ دنیا جو درحقیقت ایک بڑی امتحان گاہ ہے اور امتحان کی تیاری کے لئے جو نصاب امتحان یا نصاب زندگی انسان کو عطا کیا گیا ہے وہی ہدایت نامہ الٰہی قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کیا ہے اس کی بابت بھی اللہ تعالیٰ نے خوب وضاحت سے ارشاد فرمادیا ہے۔ یہاں صرف سورۃ الشوریٰ کی آیت پر ہی اکتفا کریں گے ویسے تو بہت سی آیات اس بارے میں بیان کی گئی ہیں۔

ترجمہ:۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل فرمائی اور تمہیں کیا خبر شاید قیامت (فیصلے کی گھڑی) قریب ہی ہو۔ (الشوریٰ۔۱۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر جو جو کتب نازل کی وہ سب حق سچ تھیں اُن کے احکام کو بھی قرآن کا حصہ بنا کر مکمل کر دیا گیا ہے یہاں حق سے بطور خاص قرآن حکیم مراد ہے اس کی صداقت کو واضح کیا جارہا ہے۔ میزان سے مراد اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط کو حق و باطل کو عدل وراستی اور

ناراستی کا فرق واضح کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت کی اساس عادلانہ فیصلوں پر رکھی ہے قرآن کریم میں عدل کے لئے میزان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا عدل جس کے مطابق حقوق کا وزن کیا جا سکے اور اعمال اور تصرفات کو تولا جا سکے۔ یہ برابری و انصاف کا ایسا آلہ ہے۔ جس کے ذریعے لوگوں کے درمیان عدل وانصاف اور برابری ممکن ہے۔

آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم نہیں جانتے تمہیں خبر نہیں ہے کہ قیامت کتنے قریب ہے۔ جس طرح تمہارے اعمال کا وزن روز محشر ترازو سے کیا جائے گا یعنی آخرت میں میزان سے ہی عدل وانصاف ہوگا۔ قیامت، روز محشر چونکہ غیب ہے اس کی گھڑی کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے بے پناہ شفقت ومحبت فرماتا ہے ان کی فلاح وبھلائی کے دروازے کھولتا رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے زیادہ سے زیادہ اس کی رضا کے حصول کی کوشش کریں تاکہ ہر قسم کی سزا سے محفوظ رہیں اس لئے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ذریعے ایک ایک بات کھول کر رکھ دی ہے تاکہ اہل ایمان بندے اپنی آخرت کی دائمی زندگی کا بندوبست کسی بے خبری لاعلمی میں نہ کریں پوری طرح سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں۔ قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نا صرف قیامت کے قرب کی خبر بتادی ہے وہیں یہ بھی فرمادیا ہے کہ اس کی تیاری کیسے کرنا ہے اس تیاری کے لئے ایک مکمل نسخہ کیمیا عطا فرمادیا قرآن کریم جو حق ہے سچ ہے اور عدل وانصاف قائم کرنے کے تمام طور طریقوں سے آگاہ کرتا ہے تاکہ انسان قرآن کی روشنی میں راہ حق پر چلے اور انصاف وعدل کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے۔ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا ہے ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ (الحدید۔۲۵) دنیا کی زندگی بسر کرنے کے لئے قرآن کریم اور شریعت ایسی میزان ایسی ترازو ہے جو سراسر حق وانصاف اور عدل کی تعلیم دیتی ہے جو لوگ اپنے آپ کو دنیا کی زندگی میں اس قرآن کی ترازو میں تول لیں گے وہی کامیاب اور سرخرو ہوں گے قیامت ان کے لیے ان کی دائمی زندگی کی ابتدا کی خوش خبری ہوگی جبکہ بدکار اور قرآن پاک سے انحراف کرنے والے احکامات الٰہی کو نظر انداز کرنے والوں کے لئے ہولناک عذاب اور جہنم کی دائمی زندگی کی ہیبت ناک خبر ہوگی۔

ایک حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز ترازو نصب کی جائے گی (یہ ترازو اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سب آسمان اور زمین کا وزن کیا جائے تو بھی یہ وسیع رہے۔ فرشتے کہیں گے یارب! یہ کس کے اعمال کو تولے گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اپنی مخلوق میں سے جس کا (اعمال کا) وزن چاہوں گا“ (البدور السافرۃ جلال الدین سیوطی۔ ابن مبارک فی الزھد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہیں۔ (سیوطی۔ قرطبی)

حضرت حزیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میزان کے ذمہ دار حضرت جبرائیل علیہ السلام ہوں گے۔ (ابن جریر، سیوطی، قرطبی)

دراصل قیامت کی ہیبت اور ہولناکی اور جہنم اور میدان حشر کی سختیاں میزان کی تول یہ سب ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو دنیا کی زندگی میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑتے تھے قیامت کا دن ان کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ ہوگا اور یہ بات قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ بار بار جتا رہا ہے تاکہ انسان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ راہ حق پر جما رہے اور احکام الٰہی کی پاسداری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے کرتا رہے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اگر ایسا نہ کیا اور دنیا کے حصول میں اس قدر رنگ گیا کہ دین اور ہدایات دین یاد ہی نہیں رہیں اور دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتا رہا تو ایسے ہی لوگوں کو ہوشیار کرنے اور جگانے کے لیے قرآن کریم بار بار آخرت اور قیامت کی ہولناکی کی اطلاع دیتا ہے تاکہ کبھی نہ کبھی تو اسے اپنی غلط روش کا احساس ہوگا اور اسے احساس ندامت ہوگا اور وہ اپنے مالک وخالق اپنے رب کی طرف پلٹ آئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے بے پناہ شفقت ومحبت کی علامت ہے جس کی انسان پرواہ نہیں کرتا ایسے ہی بے پرواہ لوگوں کے لیے قیامت اور اس کی سختیاں اور عذاب بیان کیے گئے ہیں سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہے۔

ترجمہ۔ جس میں ہمیشہ ہی رہے گا اور ان کے لیے قیامت کے دن (بڑا) برا بوجھ ہے۔ (طٰہٰ۔ ۱۰۱)

آیت کریمہ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کے درس ونصیحت سے منہ موڑے گا اور اس کی ہدایت ورہنمائی قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ وہ اپنا نقصان خود ہی کرے گا۔ اس کے نہ ماننے سے نہ اللہ تعالیٰ کا نہ اس کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نقصان ہوگا۔ ہدایت کو نہ ماننے والے شخص کا ہی نقصان ہے وہ خود اپنے ساتھ آپ دشمنی کر رہا ہے۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جس کسی کو بھی قرآن حکیم کی نصیحت پہنچی اور پھر وہ اسے قبول کرنے سے پہلو تہی کرے تو ایسا شخص آخرت میں سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ قرآن حکیم رہتی دنیا کے ہر ہر شخص کے لیے ویسے ہی کارآمد اور قابل عمل ہے جیسا کہ ابتدائے اسلام کے وقت تھا اس سے کسی بھی طرح کسی بھی شخص کا انکار یا انحراف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت شمار ہوگی۔ جس شخص کو بھی قرآن کی ہدایت پہنچے اس کے لیے صرف دو ہی راستے بچتے ہیں ایک اسے تسلیم کرلے اور اطاعت وبندگی کے طور طریقے اپنائے جس کی ہدایت ورہنمائی قرآن کریم کر رہا ہے یا اس سے انکار کر دے اسے تسلیم نہ کرے ایسے ہی حق کو تسلیم نہ کرنے والوں کے بارے میں آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں ایسے لوگوں کا بڑا ہی خوفناک حشر ہوگا اور ان کی دائمی زندگی کا آخری ٹھکانا جہنم ہوگا جہاں وہ مسلسل عذاب الٰہی میں گرفتار رہیں گے۔

(جاری ہے)

روکین حیدر

ملیحہ احمد

آنچل اسٹاف کو میری طرف سے سلام۔ میرا نام روکین حیدر لغاری ہے 14 نومبر کی ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں اس دنیا میں آ کر اپنے ماما اور پاپا کی زندگی کو اور خوشگوار بنا دیا۔ میں اسلام آباد سے تعلق رکھتی ہوں ہم دو بہن بھائی ہیں۔ طلال بھائی مجھ سے پانچ سال بڑے ہیں اور اس وقت سات سمندر پار جرمنی میں زیر تعلیم ہیں ان شاء اللہ اگلے سال ڈاکٹر بن جائیں گے جبکہ میں قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ماس کمیونیکیشن میں ماسٹر کر چکی ہوں اور ایک ایف ایم DJ-RJ کے طور پر کام کر رہی ہوں جو کہ میرا اولین شوق ہے۔ آنچل سے میری وابستگی دو سال پرانی ہے یہ وابستگی میری کزن تقویٰ ارسل کی وجہ سے ہے۔ جبھی وہ فری ہوتی آنچل پڑھتی نظر آتی اکثر آنچل کے ناولز اور تحاریر کا اس کی باتوں میں بھی تذکرہ ہوتا۔ میں پوچھتی انٹرنیٹ کے ہوتے ہوئے تم کیا رسالہ خرید کر پڑھتی ہو؟ لیکن جب میں نے پڑھا تو یقین ہوگیا کہ واقعی یہ لاجواب ہے پھر ایسی عادت پڑی کہ آج تک آنچل خرید کر پڑھتی ہوں۔ میری لائبریری کا پیار ایک آنچل سے بھرا پڑا ہے انٹرنیٹ پر کتابیں پڑھنے کا اب مزہ نہیں آتا۔ اس دفعہ ریڈیو اسٹیشن پر سامعین کے خطوط کو پڑھ کر میرا دل چاہا کہ میں بھی آنچل میں لکھوں کیونکہ جو مزہ لیٹر لکھنے اور پڑھنے میں ہے وہ لیپ ٹاپ میں ای میل کرنے اور پڑھنے سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ تو ہوا آنچل کا تذکرہ اب آ جائیں میری لاتعداد خامیوں اور محدود خوبیوں کی طرف سب سے بڑی خامی جو مجھ میں گنی جاتی ہے وہ میرا رعب ہوتا ہے بقول میری کزنز کے کوئی بھی شخص تم سے بات کرنے سے پہلے کئی دفعہ سوچتا ہے کہ کرے یا نہ کرے۔ جبکہ میں اس عادت کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ ہماری یہ خاندانی بیماری ہے۔ غصہ بہت کم آتا ہے لیکن جب بھی آ جائے تب گھر والوں سے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے سچ منہ پر کہہ دیتی ہوں چاہے کسی کو برا لگے اور خوبیاں ماما سے پوچھ کے بتا رہی ہوں بہت لونگ اور کیئرنگ ہوں۔ دوسرے کو پریشانی میں دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہوں اپنے کام ذمہ داری سے کرتی ہوں اور سہارے ڈھونڈنے والوں میں سے نہیں جیسی اندر سے ہوں ویسی باہر سے ہوں۔ پسند اور ناپسند کی بات کریں تو پہننے میں لانگ قمیص ٹراؤزرز شرٹس اور جینز شوق سے پہنتی ہوں کھانے میں رشین سیلڈ گرینڈ سوپ اور چکن فرائیڈ رائس میری پسندیدہ ڈشز ہیں جہاں تک پکانے کا تعلق ہے تو جب کبھی چھٹی پر ہو تب ماما کی مدد کر دیتی ہوں اگر فری ہوں تو...... ورنہ پاپا ماما اور طلال (بھائی) کی سالگرہ پر سارا دن صرف کرکے کیک خود بیک کرتی ہوں اور ہمیشہ تعریف ہی وصول کی ہے۔ بارش مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہے بارش میں گاڑی لے کر سڑکوں پر نکل جاتی ہوں اور انجوائے کرتی ہوں۔ فیورٹ سنگرز راحت فتح علی خان عاطف اسلم سونو نگم اور ہمیش ریشمیا ہیں۔ کتابیں پڑھنا ریسرچ کرنا لانگ ڈرائیونگ اور اپنے لان کو طرح طرح کے پھولوں سے سجانا میری ہابیز ہیں۔ بلیک ڈارک گرے اور پنک کلرز مجھے پسند ہیں۔ شاعروں میں وصی شاہ کو شوق سے پڑھتی ہوں اور آنچل رائٹرز میں مجھے نازیہ کنول نازی سمیرا شریف طور اور عشنا کوثر بہت نائس لگتی ہیں بہت عمدہ لکھتی ہیں یہ سب۔ فرینڈز کا سرکل اتنا وسیع نہیں ہے اس معاملے میں بہت چوزی ہوں۔ میری سب سے بیسٹ فرینڈ مہک ملک (کوثر) ہے میری شیئرنگ ماما اور بھائی کے علاوہ مہک سے ہوتی ہے۔ مہک بھی آنچل میں انٹری دے چکی ہے۔ اس میسج کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اپنا ہر رشتہ اللہ سے رکھیں خوشی اور غم میں بھی وہ ہر حال اور ہر وقت آپ کو سننے والا اور دیکھنے والا ہے آپ کو کبھی ناامید نہیں ہونے دے گا دنیاوی شخصیات سے تعلق کی خواہش کو روک کر اس پاک ذات سے تعلق جوڑیں جو کہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ مالا مال کر دے گا آپ کو اللہ حافظ۔

تاراشاہ

السلام علیکم! ناچیز کو تارا شاہ کہتے ہیں اور چکوال کے نواحی گاؤں سے تعلق ہے جنوری کی 27 تاریخ کو اس خوب صورت دنیا اور خوب صورت سرزمین پر جلوہ افروز ہوئی۔ دعا ہے رب العزت سے کہ وہ امت مسلمہ کو تاقیامت اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ خوبیوں کی بات کروں تو خود میں خود کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی' دوستوں کا کہنا ہے کہ میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوسروں کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہوں۔ بھی بات خود اس طرح سے کہوں گی کہ جہاں تک ممکن ہوسکے سب کی پریشانی دور کرنا چاہتی ہوں۔ تاحال تو ایسے کسی اونچے عہدے پر نہیں مگر اپنی بساط کے مطابق بھی کوشش یہی ہوتی ہے کسی کو تکلیف میں دیکھ سکتی اور میری بیسٹ فرینڈ کے مطابق سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ بہت جلدی سب سے گھل مل جاتی ہوں' ہنسی مذاق کرتی ہوں۔ (اپنی اسی عادت کی وجہ سے دل بھی کئی بار بہت دکھتا ہے مگر عادت جو ہے تو پھر نادانستہ سرزد ہوجاتی ہے)۔

جھوٹ سے اور جھوٹ بولنے والوں سے نفرت ہے جب میں خود مخلص ہوں تو پھر یہ گوارا نہیں کہ مخاطب مجھ سے جھوٹ بولے یا مجھ سے کی ہوئی بات سے مکر جائے۔ ہاں جی تو گھر میں امی ابو میں اور میرے ایک بھائی ہیں۔ بس جی ہماری یہ مختصر سی فیملی ہے بھائی اور میں ایک دوسرے سے لڑتے بھی بہت ہیں مگر ایک دوسرے پر جان بھی دیتے ہیں۔ بھائی اور میری عمروں میں بھی کوئی زیادہ فرق نہیں۔ اللہ پاک کے حکم سے پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں انسان سب ہی اچھے ہوتے ہیں مگر جھوٹے دھوکے باز اور منافق پسند نہیں۔ زندگی ایک بار ملتی ہے اسی لیے زندگی کو زندہ دلی سے جینا چاہتی ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دل میں بہت سی خواہشات ہیں۔ نہیں جناب ایسا قطعی نہیں ہے۔ نہ ہی بہت زیادہ شاہ خرچ ہوں بلکہ یوں کہو کہ ہوں ہی نہیں بس ضرورت کے تحت سب کام کرتی ہوں۔ ضرورت ہوئی تو خرچ کیا ورنہ نفاست پسند ہوں۔ سادگی پسند ہوں بقول ہماری ایک ٹیچر کہ سادگی کا اپنا حسن ہوتا ہے جو لڑکیاں روز تیار ہوتی ہیں انہیں دیکھ دیکھ کر ملنے والوں کے دل بھر جاتے ہیں پھر کچھ خاص امپریشن نہیں رہتا۔ دوست بنانا اچھا لگتا تھا...... تھا اس لیے کیوں کہ اب دوستوں نے اتنے سبق دیئے ہیں کہ مزید اسباق کی خواہش باقی نہیں رہی پھر بھی حنا میری بیسٹ فرینڈ ہے اور کچھ فرینڈز ہیں جن میں عدیلہ' ربیعہ' نمی' ماریہ' عاصمہ' کنیز' رومانہ اور صبا ہیں۔ رات کا سفر بہت پسند ہے یہ خواہش پوری ہوتی رہتی ہے اور گھڑ سواری کا شوق ہے مگر یہ خواہش پوری نہیں ہوئی اور شاید موقع ملے تو میں پوری نہ کرپاؤں کیوں کہ ڈر تو بہرحال فطری ہے۔ ڈارک بلو کلر پسند ہے اور باقی بھی سارے ہی رنگ اچھے ہیں پھولوں میں سرخ گلاب اور چنبیلی کا پھول پسند ہے۔ گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے اسی شوق کی تکمیل کی خاطر پچھلی چھٹیوں میں سندھ گھوم کر آئے ہیں۔ کھانا پکانا پسند ہے مگر گھر کے کام بہت کم کرتی ہوں تو پھر کام چور کے خطاب اکثر ملتے ہیں۔ کھیل کود سے بچپن میں کافی محظوظ ہوئی مگر اب ترجیحات بدل گئی ہیں۔ دوستوں سے ناراض نہیں رہ سکتی اگر میری غلطی ہو تو منانے میں دیر نہیں کرتی اور حنا تو لکی فرینڈ ہے اگر غلطی اس کی بھی ہو تو بھی میں ہی مناتی ہوں مگر ایسا کم ہی ہوتا ہے وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے تو ناراض ہم کم ہی ہوتے ہیں۔ موسم میں مجھے سردیاں پسند ہیں اور پہاڑوں اور وادیوں کی سیر سردیوں میں ہی مزہ دیتی ہے۔ اجازت دیجیے ضرور بتایئے گا تعارف کیسا لگا۔ سدا ہنستے مسکراتے رہو اللہ نگہبان۔

ہما فرخ

السلام علیکم! آج ہم آپ کا تعارف ایک انوکھی اور لاڈلی لڑکی سے کرواتے ہیں جی ہاں (حیران نہ ہوں منہ بند

کرکے پڑھیں) ہم نے 29 دسمبر 1995ء کو ضلع چکوال کے ایک خوب صورت سے گاؤں میں آنکھ کھولی۔ ہمارا نام ہمارے خالو نے رکھا۔ آنچل کا اور ہمارا ساتھ بہت پرانا ہے جی ہاں ہم نے 6th کلاس سے آنچل پڑھنا شروع کیا۔ ہمارا فیورٹ رسالہ ہے ہم صرف دو بہنیں ہیں بڑی بہن کا نام نیلوفر ہے جو شادی شدہ ہیں اور پھر ہمارا نمبر آتا ہے۔ ہم کو بیت اللہ جانے کا بہت شوق ہے اپنے ہاتھوں سے روضہ کی جالیوں کو چومنا اپنے دل کی اولین خواہش ہے۔ زندگی میں سب سے پیاری ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہماری امی بہت پیاری ہیں' کھانے میں بریانی اور پکوڑے بہت پسند ہیں۔ پھلوں میں انگور مالٹے پسند ہیں۔ پھولوں میں گلاب کا پھول پسند ہے' موسموں میں بہار اور خزاں کا موسم بہت پسند ہے۔ کپڑوں میں فراک اور ساڑھی پسند ہے' رنگوں میں گلابی سرخ اور کالا سفید پسند ہے۔ جیولری میں ٹاپس اور بریسلیٹ پسند ہے' ایکٹرز میں ارم اختر اچھی لگتی ہیں۔ رات کو چاند دیکھنا ہمیں بہت اچھا لگتا ہے' دسمبر کی شامیں ہمیں بہت اداس لگتی ہیں۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف' ہماری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہم جلد لوگوں پر اعتبار کرلیتے ہیں جس سے ہم نے کافی نقصان بھی اٹھایا ہے' دوسرا غصہ بہت آتا ہے۔ تیسری خامی یہ ہے کہ جھوٹ بھی کافی بولتی ہوں۔ اب آتے ہیں خوبیوں کی طرف تو سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بہت حساس دل ہوں' کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی' دکھی لوگوں کی مدد کرکے دل کو سکون ملتا ہے۔ پانچ ٹائم نماز پڑھتی ہوں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتی ہوں۔ ہماری پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد اور نمیرا شریف طور ہیں' ہم کو سوئٹزر لینڈ جانے کا بہت شوق ہے اب آپ بور ہورہے ہوں گے اگر زندگی نے وفا کی تو پھر حاضر ہوجاؤں گی اللہ حافظ۔

فرحانہ ناہید

سب پڑھنے والوں کو محبت بھرا سلام۔ تاریخ پیدائش 10 مئی ہے اس لحاظ سے اسٹار ٹورس ہے۔ میرا تعلق خیبر پختونخوا کے خوب صورت شہر کوہاٹ سے ہے۔ مادری زبان ہماری پشتو ہے۔ کوہاٹ کے امرود اور ایس ایس جی ٹریننگ سینٹر تو پاکستان میں مشہور ہے اس کے علاوہ یہاں کی ڈیم بھی ہے' ہمارے کوہاٹ کا پانی بھی بہت میٹھا ہے۔ تعلیم میری ماسٹر ہے' اس کے علاوہ بی ایڈ اور سی ٹی بھی کرچکی ہوں۔ آنچل سے میرا رشتہ عفت سحر پاشا کے ناول "محبت دل پہ دستک" کی وجہ سے استوار ہوا۔ ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں' ماشاء اللہ سے والدین دنیا کا قیمتی اثاثہ ہیں لیکن افسوس ہم باپ کی شفقت سے محروم ہیں۔ ابو ہمارے ایئر فورس میں فلائٹ لیفٹیننٹ تھے۔ امی انتہائی صابر عورت ہیں اللہ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ بھائی اور ہم دو بہنوں کی شادی ہوچکی ہے' میری بہن فرزانہ کے ماشاء اللہ سے چار بچے ہیں اور میری ایک پیاری سی بیٹی فاریہ گل ہے اور میری دو بھتیجیاں بھی تو ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب بہنوں کے ساتھ میری دو بہنوں رخسانہ اور بشریٰ کا نصیب بھی اچھی جگہ پر کرے آمین۔ سسرال میں میں سب سے زیادہ کلوز اپنے سسر کے ساتھ تھی وہ میرے بہترین دوست تھے۔ میں اپنا ہر مسئلہ ان کی ساتھ شیئر کرتی تھی وہ ہمارے پورے خاندان کا سائبان تھے انہوں نے مجھے بالکل اپنی بیٹی سمجھا۔ 7 جولائی 2012ء کو وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے' سسرال میں انہوں نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا اللہ سب مومنین مومنات کے ساتھ ان کے درجات بلند عطا فرمائے آمین۔ اب بات ہوجائے اپنی پسند ناپسند کی تو میں بڑی عاجز سی بندی ہوں جو ملے کھالیتی ہوں لیکن آئس کریم اور شوارما بہت پسند ہے۔ مالٹا اور آم پسند ہیں لیکن باقی سب پھل بھی کھالیتی ہوں۔ خوشبو میں کوئی خاص چوائس نہیں' فراک اور چوڑی دار پاجامہ بہت پسند ہے۔ جیولری میں کانچ کی چوڑیاں اور نازک سی پازیب اچھی لگتی ہے۔ خامی یہ ہے کہ حد سے زیادہ حساس ہوں' چھوٹی سی بات پر بھی کئی دنوں تک کڑھتی رہتی ہوں۔

خوبی یہ ہے کہ اپنے سے وابستہ رشتوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ کالج میں گزرا وقت اکثر یاد آتا ہے ہمارا لڑکیوں کا گروپ تھا اور ہماری ایک مخصوص بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی۔ بحث ومباحثہ سے دور بھاگتی ہوں پسندیدہ کلر بلیک ہے جو کہ میرے شوہر کو بھی بہت پسند ہے۔ آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' میری پیاری امی اور میرے پیارے سر ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت سے اطمینان ملتا ہے۔ ٹی وی دیکھنا اچھا لگتا ہے لیکن ٹائم بہت کم ملتا ہے۔ میرے خیال میں کافی باتیں ہوگئی ہیں آخر میں ایک بات کہ یہ دعا ضرور کریں کہ آخرت میں اللہ ہمیں کامیاب کرے' دنیا تو فانی ہے ہمارے ایک ایک پل کا حساب لیا جائے گا۔ تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا' اپنی دعاؤں میں مجھ ناچیز کو ضرور یاد کریں' والسلام۔

طاہرہ سعید

السلام علیکم! قارئین کو میری طرف سے بہت بہت سلام اور آنچل کی تمام ٹیم کو بھی۔ میرا نام طاہرہ سعید ہے میں گجرات میں رہتی ہوں' سب سے زیادہ یقین اور توکل اللہ تعالیٰ پر ہے۔ معلموں میں میرے بیسٹ معلم ہیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے بعد میری استاد محترمہ منزہ چوہدری جنہوں نے مجھے اچھی طرح دین سکھایا۔ میری پسندیدہ عظیم ہستی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی سمجھ کر سب کچھ عشق خدا میں قربان کردیا لیکن صبر کی اعلیٰ مثال قائم کی اور دشمن کو ہمیشہ قابل نفرت اور خود کو تاقیامت قابل احترام بنالیا یعنی ہمارے دینی ہیرو نواسۂ رسول حضرت امام حسینؓ ...... میری فیورٹ ہستی جن کے نقش قدم پر میں چلنا چاہتی ہوں حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ دوستوں میں میری بیسٹ فرینڈ ناہید ہے اس کے بعد ماریہ۔ پہلے دوستی کا مجھے اتنا شوق نہیں تھا لیکن ناہید سے دوستی کے بعد احساس ہوا کہ اچھے دوست واقعی خدا کی نعمت ہوتے ہیں اس لیے میں تمام آنچل پڑھنے والیوں کو دوستی کی دعوت دوں گی وہ دوست جس میں خلوص ہو اگر آپ میں سے کوئی بھی لڑکی مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو جواب ضرور دیجیے گا۔ ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہے مجھ میں پہلی خوبی تو یہ ہے کہ میں احسان یاد رکھنے والی ہوں' اللہ تعالیٰ سے سچا پیار ہے اور اس کی ذات کو محسوس بھی کرتی ہوں اگر جھوٹ بولوں تو ضمیر کی مان کر اس غلطی کی اصلاح کرتی ہوں۔ غیبت سے سخت نفرت ہے' کوئی تکلیف آئے تو استغفار کرتی ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میری ہر خطا بخش دے۔ اگر گناہ ہوجائے تو دل بے چین رہتا ہے' ضمیر بہت ہی ملامت کرتا ہے۔ اگر چھوٹی سی نیکی بھی کروں تو دل بہت ہی خوش ہوتا ہے' پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث میرے لیے درس ہے۔ وصی شاہ' علامہ اقبال' پیر مہر علی شاہ' بلھے شاہ' پیر نصیر الدین شاہ میرے فیورٹ شاعر ہیں۔ اب جو مجھ میں خامیاں ہیں وہ آپ کو بتاؤں پہلی تو یہ ہے کہ میں اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوتی ہوں۔ دوسرا یہ کہ صبر کی کوشش کرنے کے باوجود صبر نہیں کرپاتی' دوسروں پر بھروسہ کرکر کے دھوکہ ہی کھایا ہے اب کچھ سمجھدار ہوئی ہوں۔ چکن قیمہ' مٹر پلاؤ' وائٹ مسور کی دال پسند ہے اور چائے بہت پیتی ہوں۔ رنگوں میں پرپل' بلیک اور ڈارک گرین اچھا لگتا ہے۔ موسم بہار پسند ہے' اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا اچھا لگتا ہے' گلابی اور سرخ گلاب اچھے لگتے ہیں۔ شہروں میں اسلام آباد' ملکوں میں سعودی عرب اور فرانس بیسٹ ہے۔ آپ سب میرے لیے بہت دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ میرے علم میں بے پناہ اضافہ کرے' ہمیں دنیا میں کامیابی عطا فرمائے اور آخرت میں بھی آمین۔ اب دیجیے اجازت' اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو' اللہ حافظ۔

نازیہ کنول نازی

ادارہ

نجانے کب بچھڑ جائے گا مجھ سے
وہ میری زندگی ہوتے ہوئے بھی

بارش ہورہی ہے!

مجھے بارش بہت پسند ہے مگر اس وقت جب کوئی سیلاب نہ آئے، جب کہیں کسی کچے مکان کی چھت تلے آکر ننھے معصوم بچے اور بزرگ نہ مریں، جب چہروں پر زندگی کی حسرتیں اور دکھ لیے، پریشان چہرے کیمرے کی زینت نہ بنیں۔ جب ہمارا ازلی دشمن بھارت قدرت کی اس آفت میں اپنی روایتی دشمنی نکالتے ہوئے لاکھوں کیوسک پانی ہمارے ڈیموں کی طرف نہ چھوڑے۔

خیر "برف کے آنسو" اپنے اختتام کو پہنچا امید ہے آخری قسط پسند آئے گی۔ بہنوں کی عدالت کی آج کی اس نشست میں سب پرانے خط شامل کروں گی جو ماہ اپریل سے ابھی تک پینڈنگ میں پڑے ہوئے ہیں مگر اس سے پہلے، بہن امن فاطمہ، فتح پور اور سدرہ صدیق، پدا گوہ جہلم، کی ریکویسٹ پر ایک چھوٹی سی مگر بہت ضروری بات آپ سے شیئر کرنا چاہوں گی۔

چند روز قبل، بہن سدرہ صدیق، جہلم نے بتایا کہ ان کے کالج میں ایک لڑکی ہے جو خود کو میری یعنی "نازیہ کنول نازی" کی سگی بھانجی کہتی ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے میری فیملی ممبران کے نام بھی بنا رکھے ہیں۔ وہ پورے کالج کی لڑکیوں کو قسمیں اور قرآن اٹھا اٹھا کر اس کا یقین بھی دلاتی ہیں اور خوب تحفے تحائف و داد وصول کرتی ہیں کالج کی دیوانی لڑکیوں میں سے اسی طرح ایک یونیورسٹی میں پریکٹیکل کے دوران ایک لڑکی "نازیہ کنول نازی" بن کر لڑکیوں کو خوب بے وقوف بناتی رہی اور تحفے تحائف وغیرہ وصول کرتی رہی۔ ایک صاحب نے خط لکھا کہ انہیں ایک لڑکی نے خوب لوٹا یہ کہہ کر وہ نازیہ کنول نازی کی قریبی دوست ہیں اور نازیہ کنول نازی کو ان سے ملوائیں گی۔ جہلم والی لڑکی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ نازیہ میرڈ ہے اور اس کے تین بچے ہیں۔

یہ سب واقعات بے حد قابل افسوس ہیں ایک قطعی جھوٹی بات پر اللہ رسول کی قسمیں کھانا اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر مالی فائدہ اٹھانا نہایت گری ہوئی حرکت ہے۔ میں اس تحریر کے ذریعے سب قاری بہنوں کو کلیئر کرنا چاہوں گی کہ یہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے' حقیقی نازیہ کنول نازی اپنی فیملی یا بہت قریبی رشتوں کے کسی کے بے انتہا خلوص کے باوجود اس سے ایک "سوئی" لینا بھی قطعی گوارا نہیں کرتی صرف اسی بات پر بہت سی دوستوں کو ناراض کردیتی ہوں۔ پلیز کسی بھی ایسے بے ضمیر انسان کے ہاتھوں بے وقوف مت بنیں میری فیملی اور فرینڈز بہت بہت محدود ہیں میرا ایسی کسی لڑکی سے کوئی واسطہ نہیں۔

اب آپ کے خوب صورت خطوط کی طرف۔

○ ماہ ستمبر میں ادارہ آنچل کی معرفت موصول ہونے والا تقریباً بارہ صفحات پر مشتمل یہ خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا گیا خط بہن عاصمہ اقبال عاصی کا ہے عارف والا سے بے شمار دعاؤں اور محبتوں کے اظہار کے بعد انہوں نے والدین کے احترام اور مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ساتھ آرمی کے نوجوانوں پر بھی بہت خوب لکھا ہے ساتھ ہی مکمل خلوص کے ساتھ آرمی میں شامل اپنے بھائی کا پروپوزل بھی پیش کیا ہے۔

عاصمہ ڈیئر آپ کی اس بے تحاشہ محبت کے لیے دل آپ کا قرض دار ہے اللہ آپ کو خوش اور سلامت رکھے آپ کے بہت اچھے پرپوزل کا بھی بہت شکریہ میری جان مگر میرے لیے فی الحال ایسا ممکن نہیں ہے وہ سب ایک مذاق میں چل رہا تھا آپ کے چند پر حل خوب صورت سوالات شامل کر رہی ہوں۔

ا:۔ آپی آپ کی نظر میں چہرے کے نقوش میں سب سے زیادہ کون سی چیز سوٹ کرتی ہے؟

آنکھیں اور ہونٹ۔

۲:۔ دن اور رات میں کون سا پہر زیادہ اچھا لگتا ہے؟

رات۔

۳:۔ آپ سادہ لباس زیادہ پسند کرتی ہیں یا فیشن ایبل؟

سادہ۔

۴:۔ آپ کی نظر میں آج کل کی لڑکیوں کو کیسا ہونا چاہیے؟

میری نظر میں آج کل کی لڑکیوں کو باشعور، سمجھدار اور کردار کے لحاظ سے بہت مضبوط ہونا چاہیے آپ کے بہت طویل خط اور محبتوں کا ایک مرتبہ پھر بے حد شکریہ۔

○ کوٹ ادو سے بہت پیاری بہن حنا اشرف کا سوال ہے۔

ا:۔ آپ کی زندگی کا خوب صورت ترین دن، جو آپ کے لیے بے حد خوشی کا باعث بنا ہو؟

وہ دن جب میرا بھائی جھوٹ اور مکر و فریب کے جال سے رہا ہو کر آیا، وہ دن میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا اس کے بعد جب ڈاکٹر نے میری مما کو بالکل صحت مند قرار دیا۔ اس دن کی خوشی میں بھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔

۲:۔ پاکستان کے جو آج کل حالات ہیں آپ کی نظر میں اس کی بڑی وجہ کیا ہے؟

کرپشن، عوام کی جہالت، جذباتیت اور سادگی جبکہ حکمرانوں کی فرعونیت۔

۳:۔ پتھروں کی پلکوں پر کے ہیرو "شاہ زر آفندی" کی آپ کی نظر میں سب سے بڑی خوبی اور خامی؟

سب سے بڑی خوبی محبت اور احساس، سب سے بڑی خامی جذباتیت۔

۴:۔ بہترین اور خوب صورت زندگی گزارنے کے آپ کی نظر میں اصول؟

رشتوں میں ایمانداری، خلوص اور اعتبار اللہ کی رضا میں صبر اور شکر کے ساتھ راضی رہنا۔

۵:۔ آپی جی آپ میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں میں آپ سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ اس کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ بھی نہیں ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور سلامت رکھے آپ اور زیادہ کامیابیاں حاصل کریں آمین۔

ثم آمین، بہت شکریہ میری جان جو دعائیہ نظم آپ نے لکھی ہے اس کے لیے بھی بے حد شکریہ۔

○ گجرات سے میرے ہاتھ میں یہ خط ہے مریم مہدی خان کا پوچھتی ہیں۔

ا:۔ السلام علیکم نازی آپی آپ کی تحریریں ہمیشہ "Optimistic" ہوتی ہیں ہمیشہ اچھا اینڈ کرتی ہیں آپ اس کی کیا وجہ ہے، کیا آپ اپنے ریڈرز کو مایوس نہیں کرنا چاہتی یا اس لیے کہ امید اچھی چیز ہے یا پھر حقیقی زندگی سے آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ مشکلات چاہیں جتنی بھی ہوں ایک دن ختم ہو جاتی ہیں؟

مریم ڈیئر، آپ پہلی ہو جس کا یہ کہنا ہے کہ میں Optimistic تحریریں لکھتی ہوں ورنہ تو بہت سی گرلز نے صرف اس لیے مجھے پڑھنا چھوڑ دیا کہ میں رلاؤں گی بہر حال میری تحریروں اور انداز میں تبدیلی

آئی ہے اور اس کی وجہ بھی ہے کہ میں نے اپنی حقیقی زندگی کی تلخیوں سے واقعی بہت کچھ سیکھا ہے۔

۲:۔ ہر مصنفہ کی ہیروئن اتنی تیز اور پھرتیلی کیوں ہوتی ہیں کہ جب اس کے گھر مہمان آتے ہیں تو اس کے پاس پہلے سے ہی شامی کباب گلا ہوا گوشت اور صبح کا بچا ہوا دہی پڑا ہوتا ہے کیا وہ باسی اور خراب نہیں ہوتا؟

بہت خوب صورت اور دلچسپ سوال مریم، میں نے خود بھی یہ بات اکثر نوٹ کی ہے مگر خود بھی نہیں لکھی حالانکہ میں خود بھی ایسی ہی ہوں صرف پانچ منٹ میں سب تیار۔

○ میرے ہاتھ میں ایک گمنام خط ہے، جس پر لکھنے والی بہن نے نہ اپنا نام لکھا نہ اپنے شہر کا بہر حال ان کا سوال ہے۔

ا:۔ آپ کی کامیابیوں کا سہرا کس کے سر جاتا ہے؟

اللہ رب العزت کی پاک ذات کے بعد میری فیملی، میری فرینڈز اور میرے قارئین کے سر، مگر ان کامیابیوں میں جو کردار ماہنامہ آنچل کے مدیران کا ہے وہ اللہ رب العزت کے بعد اور کسی کا نہیں۔

۲:۔ آپ بہت گہرائی میں ڈوب کر لکھتی ہیں کیسے؟

بالکل ویسے ہی جیسے آپ میری تحریریں بہت گہرائی میں ڈوب کر پڑھتی ہیں۔

۳:۔ آپ نے آج تک جتنے بھی ناول لکھے پسندیدہ کردار کون سا لگا؟

"ارش احمر" اے مژگان محبت۔

۴:۔ کھانے میں کیا پسند ہے؟

فاسٹ فوڈ، پھل اور ہری سبزیاں۔

۵:۔ پسندیدہ کلر؟

موسٹ فیورٹ وائٹ اینڈ بلیک، فیورٹ گرے، ڈارک بلو۔

○ برنالی سے بہت پیاری بہن مدیحہ نورین مہک کا سوال۔

ا:۔ آپی آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں؟

کوئی حساب ہی نہیں یار، جتنے بھی ناول لکھے ہیں الحمدللہ سب کتابی شکل میں آ چکے ہیں۔

۲:۔ کس چیز نے، کس انسان نے آپ کو متاثر کیا اور آپ نے قلم اٹھایا؟

میرے اندر کے تجسس اور بے چین فطرت نے۔

۳:۔ آپی ایک رائٹر کی حیثیت سے آپ آج کل کے حالات پر کیا لکھنا چاہتی ہیں؟

وہی جو "جھیل کنارہ کنکر" میں لکھا تھا۔

۴:۔ آپی آپ کب سے لکھ رہی ہیں اور رائٹر والی زندگی کیسی لگ رہی ہے؟

بہت اچھی، جہاں تک لکھنے کا سوال ہے تو صدیوں سے لکھ رہی ہوں یار مگر قلم کی تشنگی ہے کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔

○ کھڈیاں خاص سے پیاری بہن خدیجہ الکبریٰ کا سوال۔

ا:۔ آپی آپ کی کاسٹ کیا ہے، ایجوکیشن بھی بتا دیں؟

میرا تعلق "ملک برادری" سے ہے اور ایم اے اردو کیا ہے۔

۲:۔ نازی آپی ہم مذہب سے اتنا دور کیوں ہو گئے ہیں؟

قرب قیامت کی نشانی، غیر اخلاقی تربیت اور یہود و نصاریٰ کی سازشیں۔

۳:۔ نازی آپی آپ کی مما کا کیا حال ہے کوئی خوش آئند سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

الحمدللہ رب العزت کے خاص کرم اور آپ سب کی دعاؤں سے میری مما بالکل ٹھیک ٹھاک بخیر و عافیت

ہیں اللہ آپ کو خوش رکھے اور عزت واستقامت والی لمبی عمر نصیب کرے آمین۔

○ بوسال مصور سے صدف مختار کے معصوم سے سوالات۔

ا:۔ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟

ہوں، دل میں کر لیتی ہوں کسی کے ساتھ اعتراف کرنا تھوڑا مشکل لگتا ہے (ہاہاہا)

۲:۔ والد یا والدہ کی دو نصیحتیں جو گرہ سے باندھ لی ہوں؟

نصیحت صرف میری امی کرتی ہیں انہوں نے ہمیں سکھایا ہے کہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں بددیانتی نہیں کرنی، اپنی حدود وقیود کو کراس نہیں کرنا، اپنی عزت اور عزت نفس پر کسی صورت ضرب نہیں پڑنے دینی خواہ فاقے ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔

دوسری نصیحت جو انہوں نے کی وہ کردار کی ہے میری ماں نے ہمیں زندگی کی ہر خوشی اور آسائش دی ہے بدلے میں ہم سے صرف یہی مانگا ہے کہ ہم اپنے کردار اور عمل سے کبھی ان کے اعتبار کو ٹھیس نہ پہنچائیں ان کی تربیت پر حرف نہ آنے دیں اور ہم سب بہن بھائیوں نے اس کا خیال رکھا ہے۔

۳:۔ کوئی ایسا خوف جس نے آج بھی آپ میں پنجے گاڑ رکھے ہوں۔

رشتوں کے کھو جانے کا خوف، کسی بھی پل کسی بھی لمحہ کسی انہونی کے ہو جانے کا خوف، میں نے زندگی میں اتنا کچھ غیر متوقع ہوتا دیکھا ہے کہ اب یہ خوف میرے اندر جڑیں پھیلا کر بیٹھ گیا ہے۔ میں اکثر راتوں میں کسی بھی انہونی کے ڈر سے اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں۔

۴:۔ کس قسم کے رویے دکھ کا باعث بنتے ہیں؟

وہ رویے جو آپ کا اعتبار توڑ دیں، مشکل اور مصیبت کے وقت میں جب آپ کو ضرورت ہو آپ کا ساتھ چھوڑ دیں اور بدل جائیں۔

۵:۔ اللہ سے آپ کا تعلق؟

بہت دوستانہ، مگر بہت مضبوط نہیں، وہ پاک ذات ایسا دوست ہے، جس نے آج تک کبھی میری کسی دعا اور خواہش کو مایوس نہیں لوٹایا اور میں ایسی دوست ہوں جس نے سوائے مانگنے کے کبھی اور کچھ نہیں کیا۔

۶:۔ وہ قوانین جن کو نافذ کر کے ملک سنوارا جا سکتا ہے؟

صرف اور صرف اسلامی قوانین میں دعوٰی کے ساتھ کہتی ہوں کہ ارض پاک میں اگر اب بھی اسلامی قوانین نافذ اور رائج کر دیے جائیں تو ہمارا معاشرہ پوری دنیا میں ایک مثالی معاشرہ بن کر سامنے آ سکتا ہے۔

۷:۔ آپ کیا سمجھتی ہیں ہمارے ملک کو تباہ کرنے میں صرف حکمرانوں کا ہاتھ ہے۔ کیا ہم اس ملک کی جڑیں کاٹنے میں برابر کے شریک ہیں؟

بالکل ہیں، تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، اس ملک کی تباہی میں شاید حکمرانوں سے زیادہ ہم عوام کا ہاتھ ہو۔

۸:۔ زندگی کب بری لگتی ہے؟

جب انسان کے خواب مر جائیں سہارے چھوٹ جائیں اور زندہ رہنے کا کوئی مقصد باقی نہ رہے۔

۹:۔ تنہائی پسند ہیں یا؟

بہت تنہائی پسند ہوں میری ذات ایک سنسان ویران کھنڈر کی مانند ہے جس میں اگر کوئی صدا بلند کی جائے تو دیر تک آواز گونجتی رہتی ہے۔

۱۰:۔ آپ کی شاعری میں "خوشبو کی سفیر" اور حبیب اللہ جالب کے عکس کی وجہ؟

کچھ خاص نہیں بس دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

○ اوکاڑہ سے سونیا امادس کا سوال۔

ا:۔ آپ کا ناول "جھیل کنارہ کنکر" بہت زبردست کاوش تھی لیکن ہمیں آپ سے ایک شکوہ ہے کہ آپ نے اس میں نہال کو کیوں مار دیا کیا اس کا مرنا ضروری تھا؟

جی سونیا، کچھ تحریروں کو یادگار بنانے کے لیے کچھ کرداروں کی موت ضروری ہوتی ہے۔

۲:۔ محبتوں سے گندھی آپ کی تحریریں ہمیں اپنے اندر جکڑ لیتی ہیں ایسا سحر کہاں سے سیکھا؟

سب اللہ کا کمال ہے میری جان، ورنہ جیسے میں لکھتی ہوں بے حد افراتفری میں شاید ہی کوئی لکھ سکے۔

۳:۔ کوئی ایسی نصیحت جو میرے لیے مشعل راہ ثابت ہو؟

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

○ چکوال سے عائشہ صدیقہ کا بے حد خوب صورت تفصیلی خط میرے سامنے، پوچھتی ہیں۔

ا:۔ السلام علیکم نازیہ آپی، کیا حال ہیں آپ کی دیوانی محفل میں حاضر ہیں آج کل کیا مصروفیات ہیں فیس بک اور آنچل میں بہت کم کم پائی جاتی ہیں؟

وعلیکم السلام، میرے آنچل والوں کو تو مجھ سے گلہ رہتا ہے کہ میرے سوا آنچل میں کوئی اور نظر ہی نہیں آتا (ہاہاہا) غیر مصروفیات کا بس کچھ نہ پوچھیں مجھے خود کچھ نہیں لگتی میں کون سے بینک میں بیٹھی ہوں جو اٹھ کر پانی تک پینے کی فرصت نہیں ملتی۔ فیس بک اور آنچل میں کوشش تو کرتی ہوں غیر حاضری نہ ہو پھر بھی ہو جاتی ہے۔

۲:۔ آپی مجھے آپ سے دوستی کرنے کی بہت چاہ ہے میرے اندازے کے مطابق آپ ابھی تک سنگل ہیں اگر یہ ٹھیک ہے تو ڈبل ہونے کا ارادہ کب تک ہے؟

یار جہلم کے ایک گرلز کالج میں میری ایک جوان سالہ فرضی بھانجی نے مجھے "ڈبل" کر تو دیا ہے تین بچے بھی ہو گئے ہیں اب تو۔ (ہاہاہا)

۳:۔ جھیل کنارہ کنکر نے بہت متاثر کیا حورعین کے کردار میں مجھے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی جھلک نظر آئی کیا میرا اندازہ درست ہے؟

جی ہاں۔

○ تونسہ شریف سے میرے پاس یہ بہت خوب صورت سوالات بہت پیاری بہن فوزیہ سلطانہ کے، فوزیہ پوچھتی ہیں۔

ا:۔ نازیہ آپی میرا آپ سے براہ راست بات کرنے کا یہ پہلا موقع ہے میں بتا نہیں سکتی کہ میں آپ کو کتنا پسند کرتی ہوں، میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ آپ مجھ سے دوستی کر لیں۔ بلکہ میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنی چھوٹی بہن بنا لیں کیا ایسا ممکن ہے؟

بالکل ممکن ہے فوزیہ، بس آج سے آپ میری سگی چھوٹی بہن ہیں خوش؟

۲:۔ کوئی ایسا لمحہ جس میں آپ نے خود کو نہایت بے بس محسوس کیا ہو؟

وہی لمحہ جب میری مما کے معالج ڈاکٹر نے کہا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے اور میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لمحے میرا ہاتھ زخمی تھا اس زخمی ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر مجھے کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا یوں جیسے ہر احساس مر گیا ہو۔

۳:۔ ایسی دو شخصیات جن کے بغیر جینا دشوار لگتا ہے آپ کو؟

نہیں دو نہیں، میرے دل اور روح کے ساتھ جتنے رشتے بھی جڑے ہیں مجھے ان سب کے بغیر جینا بہت دشوار لگتا ہے۔

۴:۔ آپی آپ قلم سے جہاد کر رہی ہیں آپ کی

معلومات بھی غضب کی ہیں تو یہ تمام معلومات (گوانتا موبے جیسی جیلوں کے بارے میں) کون فراہم کرتا ہے؟

مطالعہ، کتابیں اور زندہ انسان جو ظلم کا شکار ہوئے۔

۵:۔ آپی آپ کی تقریباً تمام کہانیوں کے نام میں پتھر ضرور ہوتے ہیں، ایسا کیوں، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

آبلہ پا چلے ہم راہ میں آئے پتھر
بھر کے دامن میں گلے ہم نے لگائے پتھر
دوستی ہو نہ سکی کرنوں سے تو رات گئے
ہم نے پہلو میں چپ چاپ سلائے پتھر
اب تمہیں کیسے بتائیں کہ میرے جیون میں
اک اثاثے کی طرح کس قدر آئے پتھر

○ شازیہ فاروق احمد خان بیلہ سے پوچھتی ہیں۔

۱:۔ آپ میری دوستی کی پیشکش کو قبول کر کے اپنی دوستوں کی لسٹ میں جگہ دیں گی؟

بالکل جی مل گئی جگہ، خوش؟

۲:۔ مجھے لکھاری بننے کا شوق ہے نصیحت اور اصول بتائیں؟

نصیحت تو کوئی نہیں بس محنت پر بھروسہ رکھیں کیونکہ محبت اور محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

۳:۔ آپ کی تحریروں میں ملک سے محبت کے رنگ جھلکتے ہیں اگر تقدیر موقع دے تو ملک میں کون سی تبدیلیاں کرنا چاہیں گی؟

بہت دلچسپ سوال ہے سب سے پہلے تو ہر ممکن طور پر ملک میں اسلامی قوانین نافذ کروں گی جن سے صرف قصوروار کو سزا ملے، بے گناہ پھانسی چڑھ کر روز آخرت کے لیے گلے کا طوق نہ بنیں، پھر ایک ایک لاکھ سے اوپر جتنے بھی عمر رسیدہ سرکاری ملازم تنخواہیں لے رہے ہیں ان سب کو ریٹائرمنٹ دے کر اس ایک ملازم کے ایک لاکھ میں دس نوجوان پڑھے لکھے آگے لاؤں گی دس دس ہزار میں یوں سیکڑوں نہیں لاکھوں نوجوانوں کو روزگار ملے گا بچوں اور بوڑھوں کو سرکاری خزانے سے ماہانہ وظیفہ ملے گا اور ان کی مشقت پر سخت پابندی ہوگی۔

گاؤں اور قصبوں میں تعلیم کا ایسا شیڈول ہوگا کہ جو والدین اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے اسکول نہیں بھیجیں گے وہ بھی بالکل مفت تو انہیں سرکاری قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ جیلوں میں جتنے بھی پندرہ سال سے کم عمر بچے اور خواتین قید ہیں انہیں صرف ایک ہی نشست میں فوری رہائی دے دوں گی کیونکہ شب کے اندھیروں میں قانون کے مزار پر ان کی عزتوں کی جو چادریں روز داغدار ہوتی ہیں وہ مائیں، بہنیں، بیٹیاں سب کی سانجھی ہیں۔

سزائے موت سب کے سامنے کھلے میدان میں رائج کروں گی مگر صرف قصوروار یا خطرناک مجرموں کے لیے ورگرنہ عام قیدیوں کے لیے جیلوں کو دوزخ کا دوسرا روپ نہیں بلکہ ایک یونیورسٹی کی طرز دوں گی تاکہ لوگ وہاں سے پاگل ہو کر یا عادی مجرم بن کر نہ نکلیں بالکل انسان بن کر باہر آئیں۔

یتیم خانوں میں رشتوں کو ترستے معصوم بچے اور بوڑھے ان کے لیے ایسا نظام بناتی کہ انہیں نا صرف رشتے میسر آتے بلکہ گھر کی چار دیواری بھی ملتی۔

اس ماہ کے لیے فی الحال اتنا ہی ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر تفصیلاً ملاقات ہوگی۔

(جاری ہے)

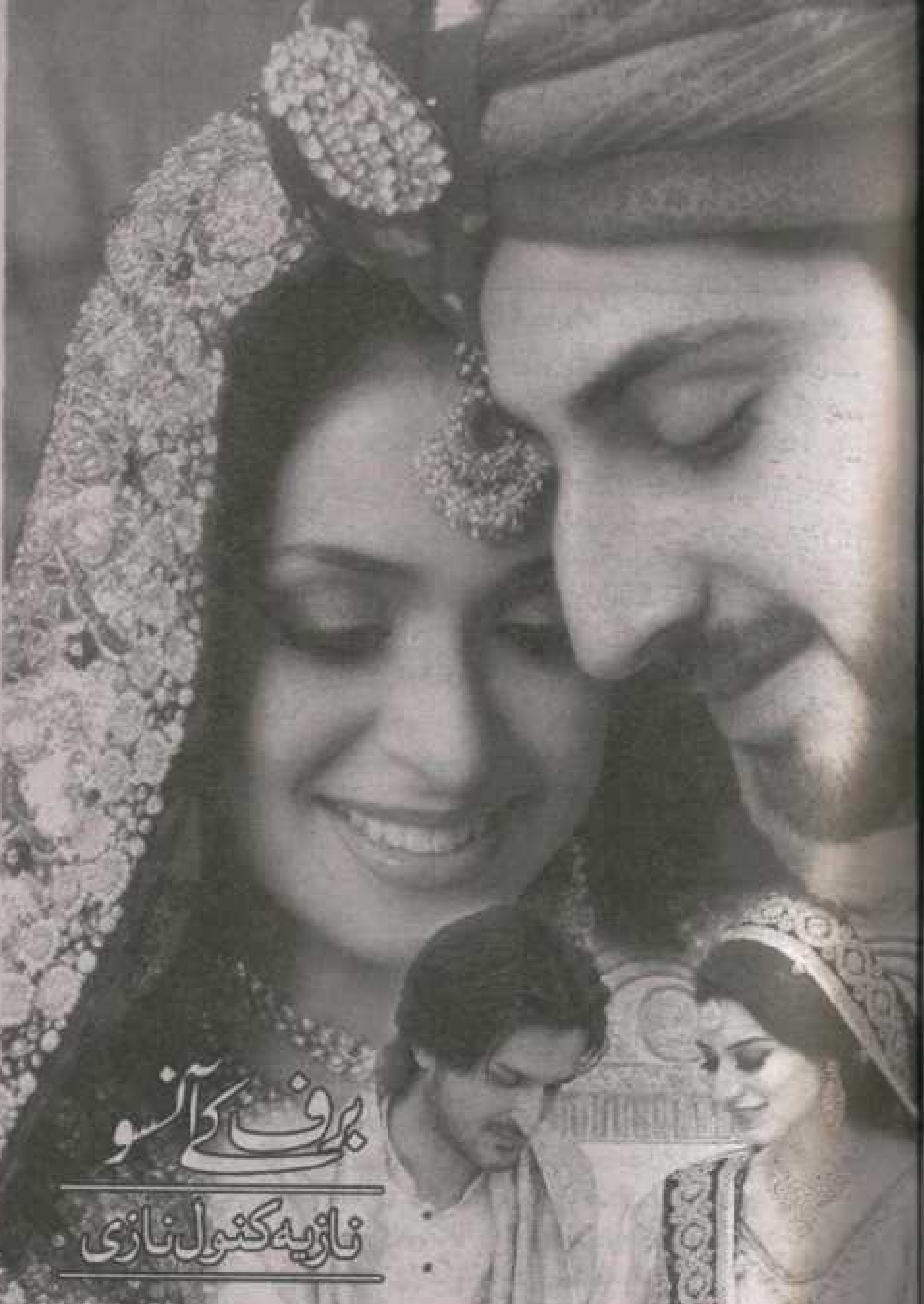

تو میرے پاس نہ تھا پھر بھی سحر ہونے تک
تیرا ہر سانس میرے جسم کو چھو کر گزرا
قطرہ قطرہ تیرے دیدار کی شبنم ٹپکی
لمحہ لمحہ تیری خوشبو سے معطر گزرا

شریر چڑیو......
سنو مجھے اک گلہ ہے تم سے
کہ منہ اندھیرے
تمہاری بک بک تمہاری چہک چہک تمہاری چوں چوں
سماعتوں پر تمہاری دستک
یہ غل مچانی، مجھے جگاتی، بڑا ستاتی
شریر چڑیو......!
یہ تم نہ جانو
میں رات مشکل سے سو سکی تھی
اداسیوں کے سمندروں میں میں اپنی آنکھیں ڈبو چکی تھی
بہت سے سپنے سنجو چکی تھی
چلے گئے سب ہی جانے والے تو میں جدائی کے روگ کالے
پڑے ہیں کیوں مجھ کو جاں کے لالے
یہ تم نہ جانو یہ تم نہ سمجھو
شریر چڑیو......!
ہے چہچہانا اگر ضروری نئی سحر کی نوید لاؤ
کوئی تو پیارا سا گیت گاؤ
مجھے جگانا ہے گر ضروری
تو سن لو پہلے شریر چڑیو
میرے مقدر جو ایک مدت سے سو رہے ہیں
انہیں جگاؤ شریر چڑیو انہیں جگاؤ

❀ ❀ ❀

موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا وہ آفس سے نکلا تو اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا۔ تھکن حد سے سوا تھی وہ جانتا تھا گھر پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد ایک بار اگر وہ بستر پر لیٹ گیا تو پھر دوبارہ اٹھنا ممکن نہیں ہوگا۔ ابھی آفس سے واپسی پر اس نے پاس ہی نظر آنے والی مسجد کے قریب گاڑی روکی تھی۔

عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، جماعت تیار کھڑی تھی اس نے جلدی جلدی وضو کر کے نماز کی نیت کی اور تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آیا تو باہر مسجد کی سیڑھیوں پر بلیک چادر میں ملبوس کسی مفلس سی عورت کو بیٹھے دیکھا، وہ جلدی میں تھا اسے گھر پہنچنا تھا۔ مسجد کی سیڑھیوں پر یوں نماز کے وقت کسی عورت یا مرد کا بیٹھے ہونا کوئی تعجب والی بات نہیں تھی لوگ بھیک مانگنے کے لیے عموماً مسجد کی سیڑھیوں کا انتخاب ہی کرتے تھے کہ نماز سے فارغ ہو کر لوگ جب اپنے گھروں کو لوٹیں تو ان کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو نظر انداز نہ کر سکیں مگر...... وہ بھکاری نہیں تھی۔

وہ ٹھٹکا اور رک کر اسے دیکھ رہا تھا جو مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھی، مسجد سے باہر رکھے نمازیوں کے جوتوں کو نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی چادر سے صاف کر رہی تھی، وہاں کے لوگ شاید اس کی اس عادت اور معمول سے واقف تھے جبھی ان کا اطمینان ظاہر کرتا تھا کہ انہیں اپنے جوتے چوری ہونے کا ڈر نہیں۔

سندان کے لیے یہ سب بہت انوکھا تھا، بمشکل اس سیاہ چادر سے نظر چراتے ہوئے وہ گھر پہنچا جہاں حیا کھانا تیار کیے اسی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی، عظیم صاحب گھر پر نہیں تھے وہ اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے تھے اس نے فریش ہو کر حیا کو کھانا لگانے کے لیے کہا۔

تھکن حد سے سوا تھی مگر بھوک بھی بہت لگی تھی جبھی وہ رغبت سے کھانا کھا رہا تھا جب وہ سر جھکائے گھر میں داخل

ہوئی۔ حیا نے سندان سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا ہر روز کی مانند آج بھی اس کا پورا وجود سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

وہ اسے کھانے کے لیے بلانا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کھانا نہیں کھائے گی جبھی گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ سندان بنا اس پر کوئی نظر ڈالے رغبت سے کھانا کھانے میں مصروف رہا، اگلے روز وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ اس کے بیڈ روم میں آئی تھی۔

پچھلے تین ماہ میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ یوں خود سے اس کے اور حیا کے بیڈ روم میں آئی ہو جبھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا عکس دیکھتے ہوئے بے ساختہ وہ پلٹا تھا۔ حیا اس وقت کچن میں تھی اور بچی اسکول جانے کے لیے تیار۔ اسے دیر ہو گئی تھی وہ زیادہ دیر رک نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

زرنگار نے صرف ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے نظر جھکالی۔

"السلام علیکم! میں جانتی ہوں میں آپ سے کچھ بھی مانگنے کی حق دار نہیں ہوں پھر بھی مجھے کچھ پیسے چاہئیں میں جلد لوٹا دوں گی۔" جتنے دھیمے لہجے میں عاجزی کے ساتھ اس نے درخواست کی تھی وہ حیران رہ گیا تھا۔

"کتنے پیسے؟"

"دس ہزار۔"

سندان جانتا تھا وہ اس سے کم نہیں مانگ سکتی تھی اس کی ضرورتوں کا اسے بہت اچھی طرح سے علم تھا مگر پھر بھی ہمیشہ کی طرح اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے وہ پلٹا اور دراز سے چیک بک نکال کر اس نے اس پر دس ہزار کا اماؤنٹ درج کر کے اسے تھمادیا۔

"یہ لو...... فی الحال میرے پاس کیش نہیں ہے۔"

"شکریہ۔" جھکی جھکی نگاہوں سے سندان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی اور پھر نرمی سے چیک تھامتے ہوئے فوراً واپس پلٹ گئی۔ سندان کو اس وقت اس کی شخصیت میں بہت بڑی تبدیلی کا احساس ہوا تھا وہ بہت سادہ کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس کے پیروں میں اس وقت بہت معمولی سی سادہ چپل تھی ہمیشہ کی طرح اس کی خمدار بھنوئیں ترشی ہوئی نہیں تھیں۔ چیک تھامتے وقت اس نے جو دایاں ہاتھ آگے کیا تھا اس کے ناخن بھی بڑھے ہوئے نہیں بلکہ ترشے ہوئے پالش سے پاک تھے۔ سندان کو اس کے چہرے پر بے حد تازگی اور سکون محسوس ہوا تھا وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تھی تو اس کا پورا وجود سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا وہ بے ساختہ چونک اٹھا...... سیاہ چادر...... اس نے پہلے بھی کہیں دیکھی تھی مگر کہاں؟ کیا اسے یاد نہیں آ رہا تھا اس روز پورا دن آفس میں کام کے دوران بار وہ اس کے دھیان میں آتی رہی۔ شام میں آفس سے واپسی کے بعد لان میں عظیم صاحب کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہوئے وہ ان سے کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"پاپا! آپ نے کچھ محسوس کیا زرنگار کتنی بدل گئی ہے۔"

"اچھا...... کیسے بدل گئی ہے مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔"

"وہ بدل گئی ہے پاپا! کتنے دن ہوئے اس نے گھر میں کوئی ہنگامہ نہیں کیا بہت چپ چپ اور سادہ رہنے لگی ہے۔"

"تو یہ کون سی بڑی بات ہے حیا بیٹی نے جس طرح سے گھر سنبھالا ہے کیا اس کا ہنگامہ کرنا بنتا ہے؟ یہ تو تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے جو عورت کی حیثیت سے اس کا بدترین روپ دیکھنے کے باوجود تم نے اسے بنا طلاق دیے گھر سے باہر نہیں نکالا ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک شاید کب کا اسے مار کر دفنا چکا ہوتا۔"

"نہیں پاپا! پلیز ایسا مت کہیں اس نے وہی کیا جو میں کرتا تھا اللہ نے اس کی صورت میرے اعمال مجھ تک پلٹائے تھے اگر آپ لوگوں نے مجھے مار کر نہیں دفنایا تو میں اسے مار کر دفنانے والا کون ہوتا ہوں؟ اگر میرے لیے مرد ہو کر معافی کی گنجائش ہے تو اس کے لیے بھی ہونی چاہیے پاپا! پہلے ہی بہت کچھ غلط ہو چکا ہے اب اور نہیں۔"

"ہوں...... مگر وہ بھی سدھر سکتی ہے یہ توقع مت کرنا، جس عورت کو ایک بار بُرائی کی عادت پڑ جائے وہ پھر بھی تائب نہیں ہوتی۔ دیکھو اب بھی وہی معمول ہے اس کا صبح گھر سے نکلتی ہے اور شام ڈھلے عشاء کے بعد بے شرموں کی طرح منہ اٹھائے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا

نہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں پتا نہیں سارا دن کہاں کہاں آوارہ پھرتی رہتی ہے۔"

عظیم صاحب کے لہجے میں زرنگار کے لیے حقارت تھی اور شاید ٹھیک ہی تھی کیونکہ اس کی مصروفیات جواب تک ان کی نظر میں رہی تھیں کچھ خاص اچھی نہیں تھی تبھی وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا اس کے دونوں بچے اب پاؤں پاؤں چلنے لگے تھے۔ حیا ان دونوں کا بے حد خیال رکھتی تھی سندان بھی روز آفس سے واپسی کے بعد اسے کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا' کبھی وہ ڈنر یا شاپنگ کے لیے نکل جاتے جب سے اس کی چھوٹی بہن گھر سے بھاگی تھی بڑی کے سسرال والوں نے اس پر پابندی عائد کردی تھی کہ وہ ہرگز اپنے باپ بھائی کے گھر نہیں جائے گی تبھی وہ دونوں' کبھی کبھار خود ہی اسے مل آتے تھے اس روز بھی وہ کچھ ایسے ہی ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔

زرنگار گھر پر تھی مگر اپنے کمرے میں بند تھی' حیا نے اپنے دونوں بیٹوں کو دودھ پلا کر سلا دیا اس کی بیٹی عظیم صاحب کے ساتھ کھیل رہی تھی' تبھی وہ دونوں مطمئن ہو کر گھر سے نکل آئے تھے ان کا ارادہ پہلے کچھ شاپنگ کرکے پھر بہن کی طرف جانے کا تھا مگر شاپنگ کے بعد جیسے ہی وہ مین سڑک پر آئے کسی نے ان پر اندھا دھند فائرنگ کردی' سندان کی سمجھ ہی نہیں آیا کہ یوں اچانک ایک دم سے بھلا کیا ہوا ہے؟

موٹر سائیکل پر سوار کچھ بھیانک سی اشکال کے دو لڑکے بنا کسی کی پروا کیے ادھر ادھر اندھا دھند گولیاں برساتے ہوئے جارہے تھے اور انہی گولیوں کی زد میں ان کی گاڑی بھی آ گئی تھی۔ سندان کے بازو میں گولی لگی تھی جبکہ گاڑی کی ونڈو توڑتے ہوئے دو گولیاں بڑی تیزی سے حیا کی کمر اور ٹانگ میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ اس اچانک افتاد پر چلائی تھی جبکہ سندان نے بنا زخم اور تکلیف کی پروا کیے گاڑی تیز رفتاری سے بھگائی اور ٹھیک بیس منٹ کے بعد ایک قریبی پرائیوٹ ہسپتال کے سامنے رکی تھی حیا اور اسے فوری طبی امداد دی گئی مگر پھر بھی حیا کو لگنے والی دو گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لیے معذور بنا دیا تھا۔ پورے اٹھارہ گھنٹے آئی سی یو میں رہنے کے بعد وہ زندہ تو بچ گئی تھی مگر اپنی ٹانگوں پر کھڑی نہ ہو سکی جو گولی اسے کمر پر لگی تھی وہ ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہوگئی تھی اور وہی اس کی معذوری کا باعث بھی بنی۔ زرنگار کو جب تک خبر ملی سندان تمام معاملات سنبھال چکا تھا اس کے بازو میں لگی گولی زیادہ گہرائی تک نہیں گئی تھی بس بچت ہوگئی تھی۔

وہ دن ہسپتال میں گزرنے کے بعد تیسرے روز جب وہ گھر واپس آئے سندان کی آنکھیں بے حد اداس تھیں ایک کے بعد ایک دل پر لگنے والے زخموں اور حادثات نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا' خود عظیم صاحب بھی بہت رنجیدہ تھے۔ حیا کی تکلیف اور اس کا حال ان سے دیکھا نہ جاتا تھا ایسے میں بس ایک زرنگار تھی جو مستقل چپ اور با حوصلہ تھی۔

حیا کی غیر موجودگی میں اسی نے اس کے دونوں بیٹوں اور اپنی بیٹی کو سنبھالا تھا' حیا کی گھر واپسی کے بعد اگلی صبح فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد جب اس نے سب کی پسند کا ناشتا ٹیبل پر لگایا تو سندان حیرت سے گنگ رہ گیا مگر زرنگار نے بنا اس کی حیرانی کی پروا کیے حیا کے لیے الگ سے ناشتا بنایا اور جس وقت سندان نے آفس کے لیے تیار ہونے کے بعد حیا کو خدا حافظ کہنے کے لیے اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا وہ اپنے ہاتھوں سے آخری نوالہ بنا کر اسے کھلا رہی تھی' حیرانی سی حیرانی تھی۔

سندان بمشکل بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا' زرنگار کا یہ روپ اس کے لیے قطعی حیران کن تھا بھلا وہ اتنی اچھی گھریلو خاتون اور ایک خدمت گزار بیوی کیسے ہوسکتی تھی؟ اس کی طرح حیا بھی بے یقین تھی شاید اسے بھی گمان نہیں تھا کہ زرنگار یوں گھر سنبھال سکتی ہے۔ سندان اس روز خواہش کے باوجود حیا کی پیشانی چوم کر اسے خدا حافظ نہیں کہہ سکا تھا وہ وہیں دہلیز سے ہی دونوں کو خدا حافظ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

آفس میں سارا دن پھر زرنگار اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ وہ ابھی ایک میٹنگ سے فارغ ہوا تھا جب اس کا سیل فون بج اٹھا اس نے دو تین بیلز کے بعد ہاتھ بڑھا کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں اس کے گھر کا لینڈ لائن نمبر جگمگا رہا تھا اس نے کال پک کی تو دوسری جانب زرنگار کی آواز سن کر پھر

ساکت رہ گیا۔

"میں نے دوپہر کے لیے کھانا پکالیا ہے آپ مصروف نہ ہوں تو گھر آ کر کھانا کھا لیجیے۔" اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے مختصر اطلاع دے کر فون بند کردیا جبکہ وہ کتنی ہی دیر تک حیران سا بیٹھا رہا تھا۔

زرنگار کی اتنی بڑی تبدیلی نہ اس سے ہضم ہو رہی تھی نہ اس کی سمجھ میں آرہی تھی تبھی اس وقت وہ اس کے بلاوے پر گھر کھانے کے لیے نہیں گیا تھا تاہم رات کا کھانا بھی زرنگار نے ہی تیار کیا تھا اور اس کی بھوک بھی زوروں پر تھی۔ سندان نے دیکھا وہاں کھانے کی میز پر ساری اس کی فیورٹ ڈشز بنی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک نظر ٹیبل کا جائزہ لینے کے بعد چکن بریانی کی ڈش اپنی طرف کھسکائی اور اس میں سے ذرا سے چاول اپنی پلیٹ میں ڈال لیے۔

زرنگار اس کی نظر میں ایک پھوہڑ عورت تھی اس کے اندازے کے مطابق اسے کھانے پکانے کا کوئی تجربہ نہیں تھا مگر جس وقت اس نے چاولوں کا پہلا چمچ منہ میں ڈالا اسے زور کا جھٹکا لگا۔ اپنی پوری زندگی میں اس نے اتنی لذیذ چکن بریانی نہیں کھائی تھی وہ پلیٹ چاول کیسے وہ چٹ کر گیا اسے پتا ہی نہ چلا اور پھر بریانی کے بعد چار گوشت' نگٹس اور خاص کھوئے کی کھیر' اس کا دل لوٹ گئی تھی۔ ہر چیز کا ذائقہ پہلی سے بڑھ کر تھا اسے گمان ہی نہیں تھا کہ اس لڑکی کے ہاتھ میں خدا نے اتنا ذائقہ رکھا تھا' حیا بھی اچھا کھانا پکاتی تھی مگر زرنگار کے مقابل اس کے ہاتھ کا ذائقہ کچھ بھی نہیں تھا۔

سندان کی طرح عظیم صاحب بھی زرنگار سے خفگی کے باوجود اس کے ہاتھ کے بنے کھانے کی تعریف کرنے پر مجبور ہوگئے تھے مگر اسے تعریف کی پروا نہیں تھی۔ حیا کو وہ پہلے ہی کھانا کھلا کر سلا چکی تھی تبھی ٹیبل لگانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی' عشاء کی نماز کا وقت کافی ہوچکا تھا مگر اسے فرصت نہیں تھی اب فرصت ملی تو فوراً وضو کرکے جائے نماز پر جا کھڑی ہوئی اور پھر اسی طرح کب پوری رات بیت گئی پتا نہیں چلا۔

اگلے روز اتوار تھا' فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر آرام کرکے وہ کچن میں آئی تو وہاں سندان پہلے سے موجود تھا اور اپنے دونوں بیٹوں کے لیے دودھ بوائل کر رہا تھا۔

"السلام علیکم!" آہٹ کی آواز پر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور پھر زرنگار کے سلام کرنے پر اسے چند لمحوں تک یک ٹک دیکھتا رہا۔

"وعلیکم السلام!"

"آپ بیٹھیں میں دودھ بوائل کردیتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے پہلے ہی کل آپ نے اپنی مصروفیات ترک کرکے گھر کو اتنا ٹائم دیا۔ میں بہت شکر گزار ہوں آج ان شاء اللہ نئی ملازمہ آجائے گی تب تک میں ہینڈل کرسکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" سندان کی اطلاع پر بنا کوئی بحث کیے وہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گیا کہ کچھ ہی دیر کے بعد جب وہ حیا کو دوا کھلا کر باہر لان میں آیا اس نے زرنگار کو سیاہ چادر میں ملبوس گھر کا گیٹ پار کرتے ہوئے دیکھا تھا ایک لمحے کے لیے اس کا اندر جلا اور پھر جیسے وہ چونک اٹھا' یہ چادر اس نے کہیں دیکھی تھی اور کہاں دیکھی تھی اسے ایک دم سے یاد آ گیا تھا۔

اس روز خدا کے گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھی سیاہ چادر میں لپٹی نمازیوں کی جوتیاں صاف کرتی وہ عورت کوئی اور نہیں' زرنگار نصیر تھی۔

وہ زرنگار نصیر جس کی بہن کی زندگی اور عزت کو اس کی فریبی محبت کا ناگ ڈس گیا تھا جو اس سے اپنی مری ہوئی بہن کی بربادی کا انتقام لینے کے لیے اس کی زندگی کا حصہ بنی تھی جسے صرف اور صرف اس کی ذلت اور اذیت درکار تھی اور اس کے لیے اس نے خود کو گناہ کی محفلوں کی زینت بنایا تھا۔ بنا اللہ کی ناراضی اور اپنے نقصان و انجام کی پروا کیے جس نے خاردار رستوں پر سفر شروع کردیا تھا جو اس کے لیے اک سزا بن گئی تھی وہی زرنگار نصیر اب مسجد کی سیڑھیوں پر اللہ کے مہمانوں کی جوتیاں صاف کر رہی تھی۔

اس کے ہاتھ سے پانی کا پائپ چھوٹ گیا تقریباً دس منٹ کے بعد ٹرانس کی کیفیت سے نکل کر اس نے گاڑی

نکالی اور اس کے پیچھے نکل پڑا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بدلی ہوئی زرنگار کا پورا دن' گھر کی چار دیواری سے باہر کن کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ ایک طرح سے وہ اس کی جاسوسی کر رہا تھا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ اسے مل گئی۔ اسی سادہ سی سیاہ چادر میں ملبوس' وہ سیلاب زدگان کی عارضی پناہ گاہوں میں کھانا تقسیم کر رہی تھی' وہاں اس کے ساتھ کچھ اور بھی لڑکیاں تھیں مگر سندان نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ اس کے لیے اجنبی تھیں۔ شاید ان سب لڑکیوں کا ایک ہی گروپ تھا جو کسی فلاحی تنظیم سے وابستہ تھا یا پھر وہ اپنے طور پر یہ سب کر رہی تھیں مگر جو بھی تھا وہ سب بہت قابل ستائش تھا۔ قدرتی آفات کے شکار پریشانی اور مصیبت میں گھرے ان لوگوں کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر تک چپ کر اسٹیرنگ پر ہاتھ جمائے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا جو خود نہیں بدلی تھی بلکہ اللہ نے اسے بدل دیا تھا اور صرف اسے ہی کیا اس کی تو ساری زندگی ہی بدل گئی تھی۔

❁......❁......❁

ریان ملک نے خودکشی کر لی تھی ازہان کو اس کی میل پر اس کی طرف سے آخری پیغام موصول ہوا تھا اور پھر جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا' ٹھیک دو گھنٹے بعد اس کی موت کی تصدیق بھی ہو گئی تھی ازہان اور معید جس وقت کمرے سے نکل کر دوبارہ لان سے گزرے ان کی آنکھوں میں پھیلی ویرانی واضح محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہ دونوں چند لمحوں کے لیے عینا اور فجیہ کے پاس رک گئے تھے۔

"تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے عینا!" ازہان نے ضبط سے لب بھینچتے ہوئے کہا تھا جبکہ اس کی آنکھوں میں فوراً نمی جھلکی تھی عینا پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا تھا۔

"کیسی خوش خبری؟"

"ریان بھائی نے خودکشی کر لی ہے تمہیں برباد کرنے والا آخر خود برباد ہو گیا۔" اسے اطلاع دیتے ہوئے وہ خود رو پڑا تھا۔

عینا کو لگا جیسے اس کے سر پر پہاڑ گر پڑا ہو' کس قدر دکھ کے ساتھ بے یقین نگاہوں سے اس نے ازہان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو رو رہا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے اس نے مجھ سے کہا تھا وہ جیے گا؟"

"اس نے کہا تھا اور تم نے یقین کر لیا؟"

"تو کیا کرتی میں؟ اس نے مجھ سے سارے حق چھین لیے تھے میں کیا کرتی پھر؟" اب وہ رو رہی تھی۔ فجیہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"چلو ازہان ابھی بہت کام باقی ہیں۔" اس کا رونا شاید معید سے برداشت نہیں ہوا تھا ابھی ازہان کو کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا تو مجبوراً ازہان کو بھی اس کی تقلید میں قدم آگے بڑھانے پڑے۔ عینا کے ہاتھ بالکل برف ہو رہے تھے فجیہ اسے خود سے لگائے اندر لاؤنج میں آ گئی جہاں مرینہ بیگم کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ اگلے تقریباً ڈھائی گھنٹے میں سب شہر پہنچ چکے تھے مگر ریان کی میت نہیں پہنچی تھی۔

وہ گھر جس میں اس بدنصیب انسان کے جیتے جی کوئی جگہ نہیں تھی اب اسی گھر کے در و دیوار اس کی صورت کو ترس رہے تھے مگر وہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ آسیہ بیگم بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں خود اعظم ملک صاحب کا حال بھی دیکھنے لائق تھا بیٹے کی معذوری کی خبر ہی ان پر قیامت بن کر گزری تھی کجا کہ وہ دنیا سے ہی چلا گیا تھا۔

زندگی کی کتاب میں ایک اور زندہ جاوید کردار نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں' مگر یہ کہانی بھلا ختم کہاں ہوئی تھی' صرف ایک کردار کی موت سے بھلا ایسی کوئی کہانی ختم ہو بھی کیسے سکتی ہے؟

❁......❁......❁

ریان ملک کی تدفین پاکستان میں ہی ہوئی تھی اس کی وصیت کے مطابق اسے پاکستان میں اس کے سگے رشتوں نے پوری سوگواریت کے ساتھ سپرد خاک کیا تھا۔ عینا اور عائزہ دونوں کے لبوں پر جیسے چپ کے قفل لگے تھے' دونوں اذیت میں تھیں یہ الگ بات کہ دونوں کے دکھ کی نوعیت مختلف تھی۔

معید کو سرکاری جاب مل گئی تھی لہٰذا تقریباً دو ہفتوں کے بعد وہ اکیلا گاؤں واپس چلا گیا تھا جس سے ازہان کی تنہائی اور درد کا احساس مزید گہرا ہو گیا۔ سارا سارا دن وہ گھر سے باہر رہتا' رات میں اکثر بہت لیٹ گھر واپس آتا تو کمرا لاک کر کے بنا کسی سے کوئی بات کیے خود کو قید کر لیتا۔

اس گھر میں جو کچھ بھی ہوا اس میں اس کا قصور نہیں تھا مگر پھر بھی وہ سب سے نظریں چراتا پھر رہا تھا' شیو بھی بڑھ رہی تھی مگر اسے بھلا اپنی پروا ہی کب تھی۔ مرینہ بیگم اس کی فجیہ میں دلچسپی کو جانتی تھیں' تبھی اس روز جب فجیہ گاؤں روانگی کے لیے پر تول رہی تھی انہوں نے اس کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"تم نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا سوچا ہے فجیہ!" فجیہ کو ان سے ڈائریکٹ اس سوال کی امید نہیں تھی تبھی وہ چونکی تھی۔

"کچھ نہیں میں نے خود کو اپنے اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔"

"اللہ نے عورت اور مرد دونوں کے لیے نکاح کا حکم دیا ہے کیا تم ساری زندگی ایسے ہی گزارو گی؟"

"پتا نہیں امی کی رحلت اور اپنے ساتھ ہوئے حادثے کے بعد میں نے کبھی اس ٹاپک پر سوچا ہی نہیں۔"

"دیکھو فجیہ! میں جانتی ہوں میری وجہ سے تمہاری ماں نے بہت دکھ برداشت کیے' تمہارا باپ تمہاری ماں کے حق میں ایک روایتی بدترین مرد ثابت ہوا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے باپ کے کردار کو لے کر اپنے لیے اپنی زندگی کو مشکل بنا لو' عورت چاہے جتنی بھی سمجھ دار اور بہادر ہو ایک غمگسار مرد کے بغیر اس کی زندگی ہمیشہ ادھوری رہتی ہے۔ تم اپنے ددھیال کو جانتی ہو وہ لوگ کتنے ظالم ہیں جواد اور میں کتنے عرصہ زندہ رہ سکیں گے' معید بھی شادی کے بعد مصروف ہو جائے گا پھر کیا کرو گی؟"

"پتا نہیں میرے لیے یہ ٹاپک بہت تکلیف دہ ہے ممانی! میں اپنی ماں جیسی صابر نہیں ہوں نہ دوبارہ کوئی چوٹ کھانے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔ مرینہ بیگم نے پیار سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
آنچل بہنا نئے افق
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے
افریقہ' امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
5000 روپے (ایک ساتھ منگوانے)
6000 روپے (الگ الگ منگوانے پر)
مڈل ایسٹ' ایشیائی' یورپ کے لیے
4500 روپے (ایک ساتھ منگوانے)
5500 روپے (الگ الگ منگوانے پر)
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔
رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز
کمرہ نمبر 7' فرسٹ فلور' عبداللہ ہارون روڈ' کراچی۔
فون نمبر: +922-35620771/2
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Circulationn14@gmail.com

"مجھے غلط مت سمجھنا فجیہ! جو کچھ ماضی میں میری نادانیوں کی وجہ سے ہوا میں اس پر بہت شرمندہ ہوں مگر میری جگہ کوئی بھی عورت ہوتی وہ یہی کرتی اپنے شوہر کے پیار کی تقسیم کسی عورت کو گوارا نہیں ہوتی مگر پھر بھی پلیز مجھے معاف کردو میں چاہتی ہوں تم ایک پرسکون زندگی گزارو تاکہ تمہاری ماں کی روح کو بھی قرار آئے۔"

"مجھے اپنی زندگی سے کوئی گلہ نہیں ممانی! میں خوش ہوں اپنی زندگی سے۔"

"تم ہو مگر تمہارے ماموں تمہاری زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں ہیں' وہ جلد از جلد تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اسی لیے انہوں نے تمہارے لیے ازہان کو پسند کیا ہے۔"

"کیا.....؟"

"ہاں فجیہ! ازہان ایک سمجھدار اور بہترین لڑکا ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

"آپ تو کہیں گی کیونکہ آپ کا بھتیجا جو ہے' مگر میں اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچتی کیونکہ عینا کی زندگی میرے سامنے ہے۔ اس کا بھائی اتنا ظالم اور بے حس شخص ثابت ہوسکتا ہے تو وہ کیوں نہیں۔"

"بھائی بھائی کے مزاج میں فرق ہوتا ہے فجیہ!" فجیہ کی بدتمیزی پر بھی ضبط سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنا نمبر پھر لوز نہیں کیا تھا۔

"ریان اور ازہان میں بہت فرق ہے۔"

"ہوگا مگر فی الحال مجھے دنیا کے کسی مرد میں دلچسپی نہیں ہے۔" عجیب بے زار کن لہجے میں کہتے ہوئے وہ فوراً ان سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ مرینہ بیگم کتنی ہی دیر تک وہیں بیٹھی جانے کن سوچوں میں کھوئی رہی تھیں۔

ریان کی رحلت کو پورے دو ماہ ہوگئے تھے مرینہ بیگم عینا کو اپنے ساتھ گاؤں لے گئیں کیونکہ اس کی تعلیم کا حرج ہو رہا تھا جبکہ عائزہ زیم کے ساتھ اس کے فلیٹ پر واپس آگئی تھی۔

وہ لوگ جب ملک ہاؤس سے نکلے تھے تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا زیم راستے میں دو تین کام نپٹاتا جس وقت اپنے فلیٹ پر پہنچا بے حد تیز موسلادھار بارش شروع ہوچکی تھی گاڑی سے نکل کر دروازے کا لاک کھولنے تک دونوں بُری طرح بھیگ چکے تھے۔

زیم نے جس وقت اندر داخل ہوکر لائٹس آن کیں' عائزہ کا بھیگا سراپا اسے ٹھٹکا گیا۔ بنا کسی میک اپ کے بھی اس وقت وہ اس کے اعصاب پر بجلیاں گرا رہی تھی' وہ پلٹا اور عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ کھلے ہوئے دروازے سے بے حد سرد ہوا کے جھونکے اندر آتے' عائزہ کو بے اختیار کپکپانے پر مجبور کررہے تھے۔ رات کی خاموشی اور بارش کی بوندوں کے شور نے اس پر جیسے طلسم سا کردیا تھا عائزہ نے بے اختیار اس کے پہلو سے نکلنا چاہا کیونکہ اس وقت اس کی آنکھوں کے رنگ وہ بخوبی پہچان گئی تھی مگر زیم نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کے کندھوں پر جما کر اسے وہیں فریز کردیا تھا۔

اس کا دل اس وقت پوری شدت سے دھڑک رہا تھا جبکہ پلکوں کے ساتھ ساتھ ہونٹوں کی کپکپاہٹ بھی بڑھ گئی تھی۔ سارا ماحول جیسے جادوئی ہوگیا تھا وہ سر جھکائے کھڑی تھی اور زیم عجب بے خود سے انداز میں اسے دیکھتا جارہا تھا بلاشبہ وہ کسی سنگ تراش کے ہاتھوں کا مجسمہ لگ رہی تھی اس کے سرخ خوب صورت لب اس کا دل بیکڑ رہے تھے۔

اگلے ہی پل اس کا بھیگا چہرہ زیم کے ہاتھوں کے پیالے میں تھا عائزہ نے اپنے پہلو میں اٹھتے شور سے خوف زدہ ہوکر آہستگی سے پلکیں موند لیں تبھی وہ جھکا تھا مگر...... اس سے پہلے کہ اس کے لب ان خوب صورت یاقوتی ہونٹوں پر اپنا تسلط قائم کرتے وہ ایک دم سے ہوش میں آکر پیچھے ہٹ گیا۔

عائزہ نے بے ساختہ آنکھیں کھولیں' زیم نرمی سے اسے ایک طرف کرکے بیرونی دروازہ لاک کرنے لگا۔ دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ عائزہ کتنی ہی دیر ہکا بکا سی وہیں کھڑی اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتی رہی بھلا اس سے بڑھ کر بھی حسن کی توہین ہوتی تھی؟

مرے مرے قدموں سے چلتی وہ ساتھ والے کمرے میں آئی کپڑے بدلے اور وضو کرکے جائے نماز پر آ کھڑی ہوئی۔ اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہی اس کی آنکھیں بے ساختہ بھر آئی کتنی ہی دیر وہ اپنے مالک کے سامنے سربسجود عبادت میں کھوئی اپنے اضطراب اور بے کلی کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر قدرے پرسکون ہوکر قرآن پاک کھول لیا۔

اللہ نے اسے مسلمان اور اپنے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کرکے اس پر کتنا بڑا احسان کیا تھا اس وقت وہ سمجھ سکتی تھی یقیناً نماز اور قرآن پاک سے بڑھ کر کسی بھی بھٹکے ہوئے مضطرب انسان کے لیے اور کوئی تحفہ نہیں۔ نماز اور قرآن پاک سے فراغت کے بعد وہ بستر پر لیٹ گئی اس کا دل زیم کی سنگدلی کی وجہ سے بے حد خراب ہورہا تھا۔ رات جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ لگی تھی۔ اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو فجر کی نماز کا وقت نکل چکا تھا اسے بے حد افسوس ہوا' زیم جلدی اٹھ جاتا تھا مگر نماز کے لیے اسے خود ہی جاگنا پڑتا تھا وہ اسے اٹھانے یا جگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تھا۔

بستر چھوڑتے وقت اس کے دل نے بے ساختہ دعا کی تھی اس کا سامنا زیم سے نہ ہو اور اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی اس کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا شاید وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ عائزہ نے ایک لمبی سکون آمیز سانس بھری اور جلدی سے کچن میں چلی آئی۔

زیم جس وقت فریش ہوکر کمرے سے باہر آیا وہ ناشتا تیار کرچکی تھی مگر اس نے ناشتا نہیں کیا ماتھے پر بکھرے بالوں کے ساتھ بنا اسے خدا حافظ کہے وہ گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ شام میں اس کی واپسی جلدی ہوگئی تھی مگر وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت نوعمر لڑکی بھی تھی جس کی خوب صورت آنکھوں کے حسن نے اسے بے ساختہ چونک جانے پر مجبور کردیا تھا۔

وہ جو کپڑے دھو رہی تھی ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی' زیم شاید اس کی الجھن سمجھ گیا تھا تبھی اس کے پاس رک کر بتانے لگا۔

"یہ نجہت ہے' شہزاد کی بہن' جس کا پچھلے دنوں گاؤں میں قتل ہوگیا تھا اسی کے کیس کے سلسلے میں میں اسے شہر لایا ہوں۔ اب کچھ دن تک یہ ادھر ہمارے ساتھ اسی فلیٹ میں رہے گی۔" اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا' عائزہ نو وارد کو سلام کرنے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہوگئی زیم جانتا تھا وہ ایسا ہی کرے گی تبھی اس لڑکی کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا خیال تھا کہ عائزہ جیسی اکھڑ مزاج لڑکی شادی کے بعد اسے بہت پریشان کرے گی مگر عائزہ کی مسلسل خاموشی نے نہ صرف اس کا خیال باطل ثابت کردیا تھا بلکہ اب وہ اسے مسلسل الجھا بھی رہی تھی۔ اسے زیم کے کسی رویے سے کوئی گلہ نہیں تھا الٹا اس نے بھرپور گھریلو عورتوں کی طرح اس کا گھر سنبھال لیا تھا' وہ کھانا بھی بہت اچھا بناتی تھی۔ صفائی ستھرائی میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں تھا' وہ زیم کو کسی چیز کے لیے چیخنے چلانے کا موقع نہیں دیتی تھی تبھی وہ الجھ جاتا تھا۔

زیم نے نجہت کے لیے اپنے بیڈ روم کے ساتھ والا کمرا سیٹ کردیا تھا وہ خاموش رہی اس نے اسے پورا شہر گھمایا' کھانا بھی دونوں نے بنا اسے مطلع کیے باہر کھایا وہ پھر بھی خاموش رہی۔ گھر آنے کے بعد وہ دیر تک اس کے کمرے میں گھسا اسے کیس سے متعلق جانے کون کون سی پٹیاں پڑھاتا رہا' وہ اس پر بھی خاموش رہی۔ اگلی صبح ناشتے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ عدالت لے گیا اور دونوں سارا دن گھر سے باہر رہے پھر بھی کچھ نہ بولی مگر اسی روز شام میں جب وہ کچن کا بچا ہوا کھانا کھا کر برتن سمیٹ رہی تھی جب اسی نجہت نے اسے اتنی عجیب بات بتائی کہ اس کی خاموشی قائم نہ رہ سکی۔

زیم کیس کی سماعت کے بعد نجہت کو فلیٹ پر چھوڑ کر اپنے کسی کام سے نکل گیا تھا تبھی وہ عائزہ کے پاس آ بیٹھی تھی جو کچن کا بچا ہوا کھانا کھا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" عائزہ نے اس کے سلام پر اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"وعلیکم السلام!"

"مجھے لگتا ہے آپ کو میرا یہاں آکر رہنا اچھا نہیں لگا

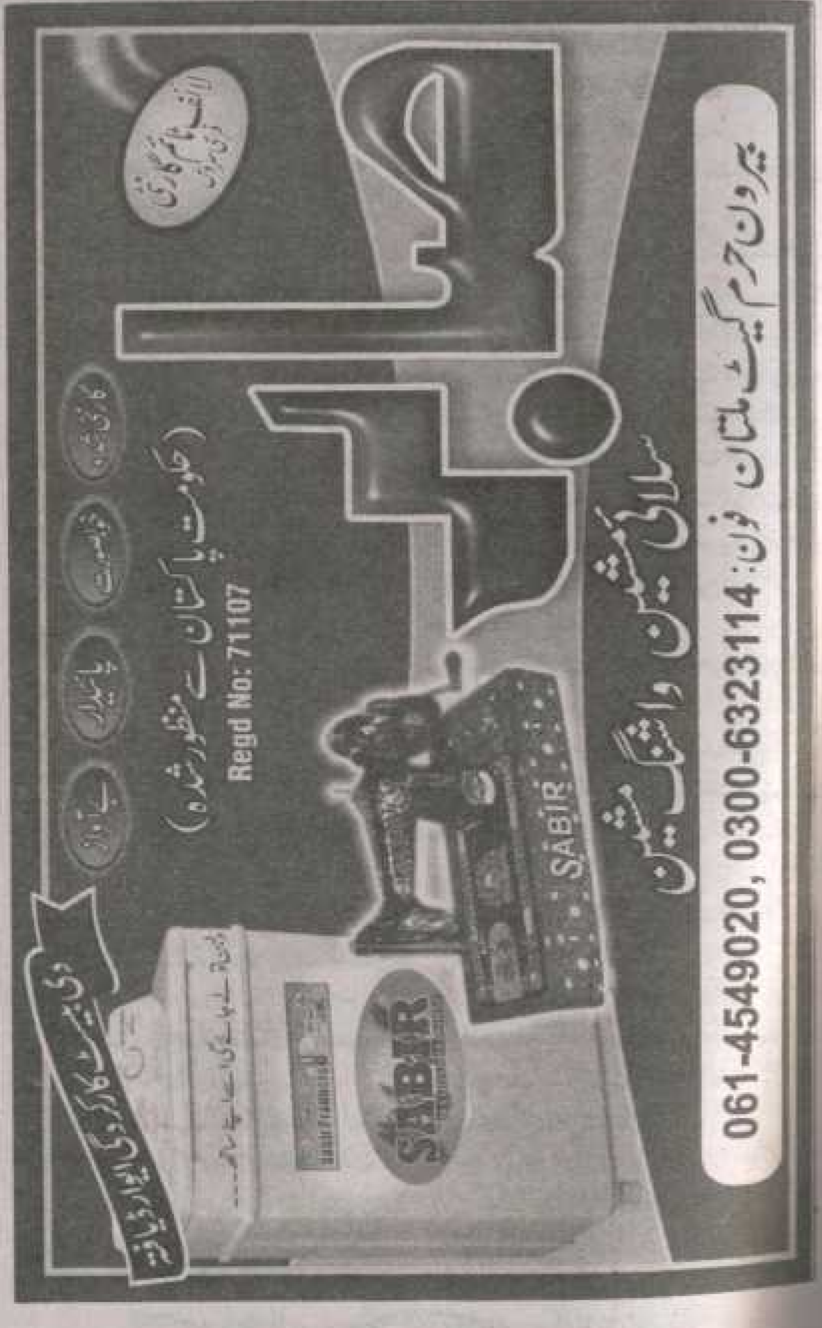

تبھی آپ مجھ سے بات نہیں کرتیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اس کے شکوے پر حیران ہوئی۔

"تمہارے بھائی کا گھر ہے مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟"

"میرے بھائی نہیں ہیں وہ۔" عائزہ کے الفاظ پر جتنی شدت سے برہم ہوکر اس نے کہا تھا وہ حیران رہ گئی تھی۔

"میں بچپن سے انہیں چاہتی ہوں بے حد...... اور وہ اس بات سے بے خبر بھی نہیں ہیں اسی لیے تو آپ کو گاؤں سے اٹھا کر ادھر شہر میں رکھا ہوا ہے تاکہ میں بھی ان کے ساتھ رہ سکوں اور کوئی اعتراض بھی نہ کرسکے بچپن سے ان کا ہمارے گھر میں آنا جانا ہے۔ بھائی کی موت کے بعد بھی یہی ہماری ساری مدد کررہے ہیں انہوں نے کبھی مجھے بہن کہہ کر نہیں بلایا نہ ایسی نظر سے دیکھا میں نہیں جانتی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ شادی کیوں کی مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔" قطعی جذباتی ہوکر وہ بولتی گئی تھی اور ادھر عائزہ کے اندر سناٹے اترتے گئے تھے ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ بھلا وہ اس کے ساتھ خوش کہاں تھے؟

اسے بے ساختہ پرسوں رات کے وہ لمحے یاد آئے جب وہ اس سے قریب تھا مگر پھر ایک دم بدک کر پیچھے ہٹ گیا تھا جیسے وہ اس کے لیے نامحرم ہو۔ بھلا کیوں کیا تھا اس نے ایسا؟ کل رات کے ساتھ ہی اسے اپنی شادی کی پہلی رات یاد آئی تھی اور پھر جیسے دل کی وادی میں بہت کچھ ٹوٹتا بکھرتا چلا گیا تھا۔

ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی اگر وہ اس سے کلوز نہ ہوتا تو بھلا اپنی زندگی کی اتنی اہم رات کیوں ضائع کرتا جس میں وہ پور پور تھی اس کا انتظار کررہی تھی مگر وہ اسے قطعی کوئی اہمیت دیئے کسی اور کو تسلی دلاسے دے رہا تھا کسی اور کی دل جوئی کررہا تھا۔

اسے یکلخت ہی اپنے خسارے کا احساس ہوا تھا اس کی بدنصیبی تھی کہ محبت کے امتحان میں ذلت اور بے وفائی کے بعد اب شادی نے بھی سوائے ذلت اور فریب کے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ اٹھی اور اندر اپنے کمرے میں آکر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑی تھی زندگی نے کتنے مشکل دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی نہ آگے ہی اسے کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

دکھ لفظوں میں نہیں کھلتے
کسک صرف اشکوں اور یادوں میں نہیں تیرتی
کچھ احساس ہمیشہ نظر بند رہتے ہیں
کچھ خوابوں کو کبھی پیرہن نہیں ملتا
ایسے میں بھلا
تمہاری اسیر آنکھوں کو
میرے غریب جذبوں پر پڑی
"اذیت کی دھول
کیسے دکھائی دے سکی؟

معید کی جاب لگ گئی تھی صبح کا گیا وہ اب رات کو ہی گھر واپسی کی راہ لیتا تھا مسیحائی کی دنیا میں بہت سے ینگ ڈاکٹرز کی طرح اس کی آمد چونکہ نئی نئی تھی لہٰذا ابھی کبھی رات بھی ہسپتال اور مریضوں کی نذر کردیتا کیونکہ ابھی اس کے اندر انسانیت کا درد تھا۔ ابھی بے رحمی اور بے حسی نے اسے اپنے حصار میں نہیں لیا تھا۔

حنا کے ساتھ اس کی بات چیت بہت کم ہوکر رہ گئی تھی ریان کی موت کے بعد بہت کم وہ دونوں کہیں مل کر بیٹھے تھے اس روز وہ یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔

سردیوں کی آمد آمد تھی لہٰذا مرینہ بیگم اور فیجے دونوں شاپنگ کی غرض سے شہر گئی تھی۔ وہ پہر ڈھل رہی تھی وہ تب کچھ دیر ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھنے کے بعد معید کے کمرے میں چلی آئی جہاں بہترین کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا اس کا ارادہ بھی اس وقت کسی اچھے سے ناول کے مطالعے کا تھا تبھی وہ اس کی کتابوں کی لائبریری کی طرف آگئی تھی جہاں ایک سے بڑھ کر ایک دلچسپ ناول موجود تھے۔

وہ ایک ایک ناول کو ستائش بھری نظروں سے دیکھتی عمیرا احمد کا ناول "دربار دل" نکال رہی تھی جب اس کی نظر اچانک ان کتابوں کے درمیان رکھی ایک چھوٹی سی چابی پر جا پڑی۔ قطعی غیر محسوس انداز میں اس چابی کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑکا

تھا یقیناً وہ مخصوص چابی معید کی لاکر کی چابی تھی اور لاکر میں اس کی زندگی کا راز چھپا تھا اس کی ہتھیلیاں یکلخت پسینے سے بھیگ گئیں۔ اس نے چابی سے نظر چرائی اور جلدی سے اپنا مطلوبہ ناول لے کر وہاں سے نکل آئی وہ ایک ایمان دار لڑکی تھی کسی کی امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوسکتی تھی۔

معید اس رات گھر نہیں آیا تھا عینا دیر تک جاگتی اس کے بارے میں سوچتی رہی اسے اب اس کے ساتھ شادی سے انکار والا اپنا فیصلہ بالکل درست لگ رہا تھا بھلا جس دل میں پہلے ہی کوئی اور آباد تھا وہ اس دل میں اپنے لیے کیسے کوئی جگہ بنا سکتی تھی؟

اگلے روز وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو فیحہ لان میں بیٹھی تھی اور اس کے چہرے سے گہرا اضطراب جھلک رہا تھا وہ سیدھی اسی کے پاس چلی آئی۔

”السلام علیکم! یہاں اکیلی کیوں بیٹھی کیا سوچا جارہا ہے؟“

”وعلیکم السلام! کچھ نہیں بیٹھو۔“ وہ چونکی اور پھر مسکرادی تھی عینا اس کے مقابل ٹک گئی۔

”کوئی پریشانی ہے؟“

”نہیں تو۔“

”مگر مجھے تو محسوس ہورہی ہے پلیز بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟“

”کچھ ایسا خاص نہیں ہے یار! تم تھکی ہوئی آئی ہو پلیز فریش ہوجاؤ۔“

”میں فریش ہوں تم بتاؤ پلیز لڑکیوں کے مسائل ویسے بھی ہمیشہ کچھ خاص نہیں ہوتے۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو لڑکیوں کی اکثریت کے دکھ ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

”میں ہمیشہ ٹھیک کہتی ہوں اب بتاؤ پلیز کیا بات ہے۔“ وہ بضد تھی فیحہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

”کچھ خاص نہیں بس وہ لڑکا مجھے بہت تنگ کررہا ہے جس سے مجھے محبت ہوئی تھی اور پھر عین نکاح کے وقت جس کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوگئی اب اس کا کہنا ہے کہ اس نے میرے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اگر میں نے اس کے ساتھ شادی نہ کی تو وہ کسی کے ساتھ بھی میری شادی نہیں ہونے دے گا۔“

”ہوں..... تم نے معید کو بتایا یہ سب؟“

”نہیں وہ آج کل بہت مصروف ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اسے ایک نئی پریشانی میں مبتلا کروں۔“

”تو پھر تم کیا چاہتی ہو..... کیا تم اسے دوبارہ قبول کرسکتی ہو؟“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں ایک ہی شخص کے ہاتھوں بار بار دھوکہ نہیں کھاسکتی۔“

”تو پھر؟“

”پھر کچھ نہیں میں سوچ رہی ہوں اپنے گھر واپس پلٹ جاؤں وہاں بے شک کوئی میرا اپنا نہیں ہے سب مجھ سے بے زار ہیں مگر پھر بھی میں وہاں محفوظ تو رہ سکوں گی۔ ماں سوتیلی سہی باپ بے نیاز سہی مگر وہ لوگ میری عزت کی حفاظت تو کریں گے یہاں تو اب ہر لمحہ گھر سے نکلتے وقت بھی خوف اعصاب پر سوار رہتا ہے کہ کہیں وہ کمینہ شخص اپنی ضد میں مجھے کوئی نقصان نہ پہنچادے۔“

”ہوں..... میرے خیال سے تمہیں معید اور جواد انکل کو اعتماد میں لے کر یہ بات بتادینی چاہیے۔“

”نہیں یار! میں مزید کوئی تماشا کھڑا نہیں کرنا چاہتی بس میں نے سوچ لیا ہے میں بنا کسی کو کچھ بتائے اپنے گاؤں چلی جاؤں گی اور پھر وہاں پہنچ کر یہاں فون کردوں گی کہ مجھے اب وہیں رہنا ہے بس۔“

”مگر تمہارے اس فیصلے سے مرینہ پھپو اور جواد انکل کتنا ہرٹ ہوں گے یہ سوچا تم نے؟“

”نہیں کوئی ہرٹ نہیں ہوگا دنیا میں جن کی ماں نہیں ہوتی وہ کسی کے لیے اہم نہیں ہوتے پلیز تم بھی ابھی یہ بات کسی سے مت کرنا۔“ عینا کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر التجا کرتی ہوئی وہ بہت شکستہ دکھائی دے رہی تھی۔

عینا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور آہستہ سے اثبات میں سر ہلادیا اسی روز عصر کی نماز کے بعد جب وہ مرینہ بیگم کے پاس بیٹھی پالک کو باریک کاٹنے میں ان کی مدد کررہی تھی انہوں نے اس سے

پوچھا تھا۔

”عینا! تمہیں فیحہ کیسی لگتی ہے؟“ وہ چونکی تھی مگر پھر مسکرادی۔

”اچھی لڑکی ہے بلکہ بہت اچھی مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“

”بس یونہی میں سوچ رہی تھی ماشاء اللہ سے معید کی جاب لگ گئی ہے۔ فیحہ ازہان کے لیے رضامند نہیں تو کیوں ناں معید کے ساتھ ہی اس کی شادی کردوں کیونکہ تم بھی تو معید کے لیے راضی نہیں ہو۔“ انہوں نے کہا اور عینا کا چہرہ فوراً سپاٹ ہوگیا تھا۔

”پھپو وہ معید میں بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔“

”ہوجائے گی دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں بہت اچھی طرح ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہیں مجھے اور کیا چاہیے۔“

”پھر بھی آپ کو معید اور اس سے پوچھ لینا چاہیے ایک بار۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے معید میرا بیٹا ہے وہ میری بات کو مانتا ہے جہاں تک فیحہ کی بات ہے تو وہ بھی مان جائے گی بھلا میرے بیٹے جیسا انمول ہیرا کہاں ملے گا اسے۔“

مرینہ بیگم جتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھیں عینا کے اندر جانے کیوں اتنی ہی بے چینی پھیلتی گئی تھی۔ وہ معید میں انٹرسٹڈ کب تھی وہ اس کا صرف دوست تھا بہت اچھا دوست پھر جانے کیوں وہ اس کی شادی کا سنتے ہی یونہی بے چین ہوجاتی تھی۔ اس وقت وہ پالک چھوڑ کر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اس رات معید گھر آیا تو بہت تھکا ہوا تھا عینا نے دیکھا کھانا کھانے کے بعد وہ لان میں واک کررہا تھا تبھی وہ بھی وہیں چلی آئی تھی۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام! شکر ہے تمہارا کمرے کا چلہ پورا ہوا۔“ وہ پلٹا اور اسے دیکھ کر مسکرایا تو عینا بے اختیار ہنس پڑی۔

”ایسی کوئی بات نہیں بس مجھے کمرے کی تنہائی اچھی لگتی ہے تم بتاؤ کیسی چل رہی ہے جاب؟“

”چل کہاں رہی ہے دوڑ رہی ہے یار! دکھی انسانیت کی مسیحائی میں جو مزہ ہے وہ کسی اور کام میں نہیں۔“

”ہوں یہ تو ہے مگر کاش تمام مسیحاؤں کے احساسات ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔“

”ہائے لوئے کاش..... یہ تم لڑکیاں کاش کاش بہت کرتی ہو زندگی میں پتا نہیں کیوں؟“ اب وہ اس کی ناک دباتے ہوئے مسکرارہا تھا عینا اسے گھور کر رہ گئی۔

”کل رات گھر کیوں نہیں آئے؟“

”کیوں..... تم نے انتظار کیا تھا؟“

”جی نہیں۔“

”پتا ہے مجھے تم جیسی چڑیل اتنا اچھا کام کر بھی نہیں سکتی۔“ وہ چڑا تھا عینا مسکرادی۔

”تمہیں پتا ہے پھپو تمہاری شادی کررہی ہیں۔“

”اچھا؟“ اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

”ہوں اور جانتے ہو وہ بے چاری بدنصیب کون ہے؟“

”نہیں یہ بتانے کی نیکی بھی تم ہی کرلو۔“

”فیحہ!“

”پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟“ وہ بدکا۔

”پھپو کہہ رہی ہیں ان کا خیال ہے کہ تم اب جاب کررہے ہو تو تمہاری شادی ہوجانی چاہیے۔“

”خیال تو اچھا ہے مگر انتخاب اچھا نہیں ہے۔“

”کیوں فیحہ میں کیا کمی ہے بھلا؟“

”کوئی کمی نہیں اور تم چھوڑو اس ٹاپک کو یہ بتاؤ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔“

”اے ون۔“

”یونیورسٹی میں دل لگ جاتا ہے؟“

”ہوں لڑکیوں کے دل کہیں بھی لگ جاتے ہیں۔“

”روتی تو نہیں ہوناں۔“

کتنے فکر اور سنجیدگی سے وہ پوچھ رہا تھا عینا حیرانی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاگئی۔

”گڈ گرل! اچھا اب دروازہ اندر سے بند کرلو میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔“ کہہ کر وہ پلٹا اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے

ہوئے وہ بیرونی دروازے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ عینا اس کے پیچھے چلتی کتنی ہی دیر دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

***

شام ڈھل رہی تھی مگر فجہ یونیورسٹی سے گھر نہیں پہنچی تھی، مرینہ بیگم پریشان سی بار بار اس کے سیل پر ٹرائی کر رہی تھیں مگر اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔ جواد صاحب ابھی کل رات کی فلائٹ سے ملک سے باہر گئے تھے اور معید جاب پر تھا تبھی انہوں نے ازہان کو فون کر کے فوراً گاؤں بلوایا تھا، اس کے ساتھ مرینہ بیگم فجہ کی یونیورسٹی پہنچی تھیں مگر وہاں پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ فجہ یونیورسٹی نہیں آئی تھی، پاؤں تلے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں کوئی اس وقت ان سے پوچھتا۔ بھلا وہ یوں بغیر بتائے کہاں جا سکتی تھی، اوپر سے موسم بھی اتنا خراب تھا۔

پریشانی سی پریشانی تھی تاہم عینا بالکل مطمئن تھی وہ جانتی تھی کہ فجہ اپنے گاؤں گئی ہے اور وہاں پہنچ کر لازمی وہ ان کو کال کرے گی مگر اس نے کال نہیں کی تھی۔

صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہونے کو آئی تھی مگر اس کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا جس سے عینا کو بھی ٹینشن ہونے لگی تھی۔ فجہ نے جو کچھ اس سے شیئر کیا تھا وہ اب مرینہ بیگم کو بتانا ضروری ہو گیا تھا کیونکہ اگر وہ اپنے گھر پہنچ گئی تھی تو اسے لازمی طور پر اپنی خیریت سے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ معید سے یہ سب وہ کل رات ہی شیئر کر چکی تھی اور اس نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ وہ فی الحال اس کی ماں کو یہ بات نہ بتائے وہ اپنے طور پر اس مسئلے کا حل تلاش کرے گا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

مرینہ بیگم نے عینا سے ساری بات سننے کے بعد اس کی ددھیال میں فون کیا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں تھی الٹا وہ لوگ اس کے بارے میں پوچھ گچھ سے مشکوک ہو گئے تھے۔ اس کا باپ اور دادی تو باقاعدہ انہیں اور جواد صاحب کو گالیاں دے رہے تھے کہ اگر وہ ان کی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے تو اسے اپنے پاس رکھا کیوں؟ مرینہ بیگم نے فون رکھ دیا تھا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا مرینہ بیگم کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی، ملکی اور شہری حالات بھی ان سے پوشیدہ نہیں تھے۔ اوپر سے ازہان اور معید دونوں صبح سے نکلے ہوئے تھے مگر تا حال ان کی طرف سے کسی کامیابی کی نوید نہیں ملی تھی۔ عینا کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اگر اپنے گھر نہیں گئی تھی تو پھر بھلا کہاں جا سکتی تھی؟

***

فجہ صبح گھر سے یونیورسٹی کے لیے نکلی تھی، رات اسے معمولی بخار تھا مگر ذہنی کشمکش کی وجہ سے اس نے چھٹی کرنے کی بجائے یونیورسٹی جانے کو ترجیح دی تھی، جب تک معید کی جاب نہیں لگی تھی وہی اسے اور عینا کو یونیورسٹی چھوڑنے اور لینے جاتا تھا مگر معید کی جاب کی مصروفیت کے بعد دونوں پبلک کنوینس سے یونیورسٹی آتی جاتی تھیں۔ عینا کا ڈیپارٹمنٹ اس کے ڈیپارٹمنٹ سے الگ تھا لہٰذا دونوں کی کلاسز اور ٹائمنگ میں بھی فرق تھا اس روز عینا نے چھٹی کی تھی مگر فجہ کو پروا نہیں تھی۔

اپنی الجھن میں کھوئی وہ وین کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی تھی جب ایک کار تیزی سے اس کے قریب رکی مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر جائزہ لیتی، کسی نقاب پوش نے تیزی سے گاڑی سے نکل کر اس کا بازو دبوچا اور اگلے ہی پل گاڑی میں گھسیٹ لیا اور پھر وہ گاڑی تیز رفتاری سے فراٹے بھرنے لگی تھی۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ آس پاس کھڑے افراد کو بھی کچھ کرنے اور سمجھنے کا موقع نہ مل سکا تھا خود فجہ جب تک سمجھتی بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ شاید بہت دنوں سے جاسوسی کی زد میں تھی اسی لیے آج موقع ملتے ہی اس قطعی غیر متوقع بھیانک حادثے کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔

گاڑی میں گرتے ہی اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا تقریباً سات گھنٹوں کے بعد وہ ہوش میں آئی تو شام ڈھل چکی تھی جس کمرے میں وہ پڑی تھی وہاں مکمل اجالا تھا۔ ہوش بحال ہوتے ہی اسے اپنے ساتھ صبح ہونے والا سانحہ یاد آیا تو وہ چکراتے سر کے ساتھ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اسے گھر سے غائب ہوئے پتا نہیں لوگ اس کی گمشدگی کو کیا معنی دے رہے ہوں گے اسے کہاں کہاں تلاش کیا جا رہا

ہوگا؟ پریشانی بڑھتی جا رہی تھی اس نے بستر سے اٹھ کر لاکڈ دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا مگر باہر کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف عجیب سناٹا بکھرا تھا وہ ابھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا اور اندر آنے والے شخص کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"تم......؟"

"ہوں...... کیوں اچھا نہیں لگا مجھے دیکھ کر؟" سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ لبوں پر دلکش مسکراہٹ پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا۔ فجہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"تم اتنا گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"اس میں گرنے والی کون سی بات ہے، تم میری محبت ہو تمہارے لیے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ میں صرف تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں بتاؤ کیا یہ غلط ہے؟"

"ہاں...... کیونکہ میں تمہاری زندگی میں شامل ہونا نہیں چاہتی۔"

"پہلے تو چاہتی تھیں۔"

"پہلے پاگل تھی اب نہیں ہوں میں نفرت کرتی ہوں اب تم سے سنا تم نے؟" وہ چلائی تو ادھیان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تو ٹھیک ہے جب تک تمہاری نفرت ختم نہیں ہو جاتی تم اس حویلی میں میری معزز مہمان بن کر رہو گی میں بھی دیکھتا ہوں کون اپناتا ہے تمہیں میرے سوا" وہ ایک ضدی اور بگڑا ہوا رئیس زادہ تھا، کچھ بھی کر سکتا تھا فجہ تڑپ اٹھی۔

"نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں...... کیوں نہیں کر سکتا میں کیا مرد نہیں ہوں؟"

"ادھیان پلیز مجھ پر رحم کرو، میں ایسا کوئی حادثہ افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"تو ٹھیک ہے ابھی نکاح کر لو مجھ سے آئی پرامس میں تمہیں ابھی گھر چھوڑ آؤں گا۔" اس کے پاس ہر سوال کا جواب تھا فجہ کو لگا جیسے اس کا دل رک جائے گا۔

"نہیں تم میرے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں کر سکتے۔"

"تم کر سکتی ہو تو میں بھی کر سکتا ہوں۔"

"میں نے نہیں کی۔"

"تم نے کی ہے۔" فجہ کے چلانے پر وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

"زندگی برباد کر کے رکھ دی تم نے میری اور تم کہتی ہو تم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ صرف تمہارے لیے میں اپنے باپ سے لڑا اپنی بیوی اور بچوں سے کنارہ کشی کی اپنی ماں کا دل دکھایا اور تم ایک چھوٹی سی بات پر مجھے ہی چھوڑ گئیں۔ میں...... جس سے تمہارے سب خواب وابستہ تھے جسے تم پاگلوں کی طرح چاہتی تھیں۔" وہ جذباتی ہو گیا تھا فجہ کے آنسوؤں کی روانی میں شدت آ گئی۔

"بھول تھی وہ میری زندگی کی سب سے بڑی خطا تھی۔"

"خطا تھی تو اس خطا کی سزا بھی بھگتو۔" وہ ہرٹ ہوا تھا تبھی خفگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فجہ اس کے پیچھے لپکی مگر وہ بنا پروا کیے کمرے سے چلا گیا تھا بے بسی سی بے بسی تھی۔

پورا کمرا صاف شفاف اور لاکڈ تھا، کہیں کوئی جائے فرار نہیں تھی۔ اسے اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رونا آ رہا تھا آنے والی رات ساری عمر کے لیے اس کی پاکیزگی پر دھبہ لگانے والی تھی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ ساری دنیا کے سامنے گناہ گار ہونے جا رہی تھی۔ پاک دامن ہوتے ہوئے بھی اس کا دامن داغدار ہونے جا رہا تھا۔

ساری رات بیڈ کی پٹی سے سر مارتے ہوئے وہ روتی رہی تھی مگر وہاں کوئی اس کا احساس کرنے نہیں آیا تھا۔ صبح ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی جب پیشانی سے بہنے والے خون اور نقاہت کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد اس کمرے کے دروازے پر قدموں کی چاپ ابھری تھی اور اگلے ہی پل کوئی ہلکے سے دروازہ پش کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

***

ازہان کی طبیعت خراب تھی اس کا بخار کسی طور نہیں ٹوٹ رہا تھا۔ معید نے اسے ایڈمٹ کر لیا تھا۔ فجہ کی گمشدگی کو دوسرا دن تھا اور ان دو دنوں میں اس نے اور ازہان نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی تھی جہاں اسے تلاش نہ کیا ہو۔

ریان ملک کی وفات کے بعد وہ دوسرا سانحہ تھا جس نے انہیں اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ فجیہ کی گمشدگی کسی طور سمجھ میں نہیں آرہی تھی جانے وہ خود کہیں گئی تھی یا اس کے ددھیال والوں نے اسے کہیں چھپادیا تھا۔ عینا نے اسے جو بات بتائی تھی اس کے مطابق اسے اس کے ددھیال پر ہی شک ہورہا تھا تبھی وہ اور جواد صاحب ان پر ایف آئی آر درج کروانے کا سوچ رہے تھے۔

ازہان کے لبوں پر مستقل چپ کا قفل تھا پچھلے دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ شیو بڑھی تھی نہ ہی کپڑے تبدیل کیے تھے معید اس کے دکھ اور اذیت کا اندازہ کرسکتا تھا مگر وہ فجیہ کے ساتھ کتنا سنجیدہ اور فیئر تھا اس کا اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل تھا۔

❁ ❁ ❁

فجیہ کی آنکھ کھلی تو اس کا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا وہ کمبل میں تھی اور ادھیان اس کے قریب بیٹھا اس کی نبض چیک کررہا تھا۔ اس کی آنکھیں آپ ہی آپ آنسوؤں سے بھرآ گئیں۔ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچتے ہوئے اس نے رخ پھیر لیا تھا۔

"گڈ مارننگ اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان نہایت سازگار تعلقات استوار ہیں فجیہ خاموش رہی۔

"تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا اوپر سے اپنی حرکتیں دیکھو کیا ہوگیا ہے تمہیں، تم ایسی تو نہیں تھیں فجیہ؟" اس بار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے شکوہ کیا تو فجیہ کے اندر جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا۔

"دور رہو مجھ سے خبردار جو تم نے دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش کی۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں کیونکہ تم ایک دھوکے باز فریبی انسان ہو جیف کیا تم نے میرے ساتھ۔ بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے مجھے بے وقوف بنایا محبت کا سوانگ رچایا میں مر بھی جاؤں تب بھی کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"مت کرنا مگر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ میری پسند نہیں صرف ابو کی وجہ سے جائیداد بچانے کی خاطر میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی خدا کا واسطہ ہے تمہیں مجھے آزاد کردو پلیز۔" بالآخر اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے ادھیان نے نظر پھیر لی۔

"بھول جاؤ آزادی کو جب تک تمہارا دل میرے حق میں نہیں ہوجاتا دنیا تم پر حرام ہے۔"

"میں مرجاؤں گی مگر میرا دل تمہارے حق میں کبھی نہیں ہوگا۔"

"تو ٹھیک ہے مرجاؤ پھر......" اس بار سنگدلی سے کہتا وہ پھر اسے اکیلا چھوڑ گیا تھا فجیہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک دن گزرتے گئے مگر ادھیان کو اس پر ترس آیا نہ اس نے اپنی ضد چھوڑی مسلسل روتے رہنے اور پانی کے سوا کچھ نہ کھانے کی وجہ سے اس کی طبیعت خاصی بگڑ گئی تھی۔ ادھیان نے اپنے قابل بھروسہ ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروایا مگر اس کی طبیعت اتنی بگڑ چکی تھی کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر مجبوراً فجیہ کو ہسپتال ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔

اس نے یہ ہوشیاری دکھائی تھی کہ فجیہ کے گاؤں کے پاس پاس کسی بھی شہر کے ہسپتال سے رجوع نہیں کیا تھا مگر پھر بھی وہ ہوگیا تھا جس کا اسے ڈر تھا۔ جس ہسپتال میں اس نے فجیہ کو ایڈمٹ کروایا تھا اسی ہسپتال میں اتفاق سے معید کے بہت قریبی دوست کی ڈیوٹی تھی اور وہ فجیہ کو بہت اچھی طرح سے جانتا تھا تبھی اس کا حال دیکھ کر اسے ڈرپ وغیرہ لگانے کے بعد اس نے فوری معید کو کال کی تھی اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں نہایت رش ڈرائیو کے ساتھ وہ اور ازہان متعلقہ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

فجیہ کے ساتھ ادھیان کو دیکھ کر معید کو جہاں بے حد حیرانی ہوئی تھی وہیں اس کا فشار خون بھی رگوں میں ٹھوکر مارنے لگا تھا۔ غصے سے بے حال ہوتے ہوئے اس نے لپک کر ادھیان علی کا گریبان پکڑا اور اسے مارنا شروع کردیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہلچل مچ گئی تھی۔

ازہان کو کچھ پتا نہیں تھا کہ معید ادھیان کو کیوں مار رہا ہے اس کا فجیہ سے کیا واسطہ ہے تبھی وہ اسے روکنے کی کوشش کررہا تھا فقط چند لمحوں میں اچھے خاصے لوگ وہاں جمع ہوگئے تھے خود ادھیان اتنی بے عزتی پر خاصا غضب ناک ہوگیا تھا۔ معید کے دوست نے بڑی مشکل سے ان دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

ادھیان کے مطابق فجیہ اس کی یونیورسٹی فیلو تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے شادی کرنا بھی چاہتے تھے مگر معید جانتا تھا کہ یہ بکواس ہے کیونکہ فجیہ کو وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ ادھیان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی چہ جائیکہ اس کے ساتھ شادی کرنا اسے سو فیصد یقین تھا کہ لازمی طور پر اس نے ہی فجیہ کو اغوا کیا تھا جس کی تصدیق خود فجیہ نے ہوش میں آتے ہی کردی تھی۔

معید کو دیکھتے ہی وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی جبکہ سائیڈ پر کھڑے ازہان کا دل جیسے مزید سنسان ہوگیا تھا۔ معید کی طرف سے ادھیان پر اغوا کا مقدمہ درج ہوا مگر وہ اگلے ہی روز اپنے پیسے کے بل پر ایف آئی آر ختم کرواکر ملک سے باہر فرار ہوگیا۔

فجیہ گھر آئی تو جیسے ایک طوفان اس کا منتظر تھا اس کے سارے ددھیالی رشتہ دار اس کی بازیابی کی خبر سنتے ہی جواد صاحب کے گھر جمع ہوگئے تھے۔ وہ اتنے سارے لوگوں کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئی پورے تیرہ دن کے بعد اسے آزادی نصیب ہوئی تھی مگر ان تیرہ دنوں میں اس کے پیچھے کیا قیامت آگئی تھی اسے قطعی علم نہیں تھا۔

پورا گاؤں اس کی گمشدگی پر اس کے بارے میں ایسی ایسی شرمناک باتیں کررہا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹتے تھے خود اس کے ددھیال والوں کی رائے اس کے حق میں اچھی نہیں تھی تبھی اس کی دادی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"لو بھئی آگئی گناہوں کی پوٹ خود ہی گھر چل کر اب میں پوچھتی ہوں اب کون قبول کرے گا اسے؟ کس کے ساتھ بیاہ کرکے اپنے ہاتھ صاف کرو گے۔ پہلے تو جوان بھائی کو ٹھکانے لگاکر چلو بیٹے کا دل بہلتا ہے مگر اب کو بیٹے سے کہ قبول کرلے اسے تمہیں تو دو ٹکڑے کرکے کسی گڑھے میں دبا دینے تو بہ بہ ہم نے تو ایسی بے حیائی نہ کبھی دیکھی نہ سنی۔"

لفظ ہر پا آسمان کیسے گراتے ہیں فجیہ کو اس لمحے پتا چلا تھا وہ نڈھال سی ساکت آنکھوں سے اپنی ہی دادی کو دیکھتی رہ گئی تبھی معید بولا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کریں دادی! فجیہ میرے لیے بہنوں کی طرح ہے۔"

"بس رہنے دو بہن کہنے سے کوئی بہن نہیں بن جاتی ہم کیا اندھے ہیں جو کچھ جان نہیں سکیں گے۔ اسے تمہارے لیے ادھر رہتی ہے یہ ورنہ ددھیال مر نہیں گیا تھا نامرد کے باپ کو چھوڑ کر آگئی تھی میں نے تو اسی دن کہہ دیا تھا اس کے باپ سے کہ بیٹی کے چال چلن ٹھیک نہیں مگر اسے میری بات سمجھ میں نہیں آئی اب دیکھ لیا ناں انجام بڑا آیا بھائی بننے والا بے غیرت......"

"کمال ٹھیک کہہ رہی ہیں تم لوگوں میں غیرت ہوتی تو یہ یوں غیر مردوں کے ساتھ راتیں گزار کر بے شرمی سے گھر واپس آتی؟ ارے چھلانگ لگادیتی کسی نہر میں مگر واپس نہ آتی، حرافہ کہیں کی۔" یہ ارشاد اس کی سوتیلی ماں کا تھا فجیہ کو لگا جیسے وہ پتھر ہوگئی ہو اور شاید یہی حال باقی سب کا تھا۔

"میرا بس چلے تو ابھی گڑھا کھود کے دفن کردوں اسے ایسی بے غیرت بیٹی سے میں بے اولاد اچھا۔" اس کا باپ سنگ باری میں کیوں پیچھے رہتا؟ وہ ساکت کھڑی ٹھہری نگاہوں سے سب کو دیکھتی رہی۔

جواد صاحب کے کندھے جھک گئے تھے مرینہ بیگم اور عینا یوں کھڑی تھیں گویا کاٹو تو جسم میں خون نہیں۔ شہر سے آئیں بیگم شگفتہ بیگم اور اعظم صاحب بھی آئے ہوئے تھے فجیہ کا حال کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھا مگر جو کچھ ہوچکا تھا وہ لوگ اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کرسکتے تھے؟

مارنے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا تھا مگر بولنے کی زبان نہیں اور پھر صورت حال ہی ایسی تھی کہ سب لوگ حق پر لگ رہے تھے۔ فجیہ کو لگا وہ کسی بھی پل چکرا کر گر جائے گی۔

"چلو بھئی ہم پر تو آج سے اس گھر کا کھانا پینا حرام...... ہمارا بیٹیوں کے جسم بیچ کر کمائی کرتے ہیں اور الزام ہم پر۔ ہمارے گھر میں ہوتی تو ٹانگیں توڑ دیتے۔ ایسی بے حیائی

سے پہلے دیکھ لی تمہاری تربیت اور شرافت میاں! بہت اچھی تعلیم دلوا رہے ہو بھانجی کو اپنی بیٹی ہوتی تو میں دیکھتی کیسے اس کا یوں سودا کرتے تم۔ ذرا سی شرم ہو تو ڈوب مرو پانی میں سارا گاؤں تھو تھو کر رہا ہے جاؤ بلاؤ اسی لونڈے کو ورنہ پڑھا دو دو بول اور نہیں کوئی قبول کرنے والا۔" ایک طرف کھڑے جواد صاحب کو دیکھتے ہوئے فجیہ کی دادی نے پھر لفظوں کی جگہ نشتر چلائے تھے تبھی ازہان بولا تھا۔

"میں قبول کروں گا کیونکہ میرا دل اس کی پاکیزگی کی گواہی دیتا ہے آپ بلائیں کسی مولوی کو میں نکاح کے لیے تیار ہوں۔" اتنے لوگوں میں خاموش کھڑے ازہان کی آواز یوں گونجی تھی جیسے صور پھونک دیا گیا ہو۔ دادی سمیت اس وقت سب نے اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو خود فجیہ کی آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔

"ازہان...... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" اعظم ملک صاحب کو اس کی قربانی پسند نہیں آئی تھی کچھ اپنی ساکھ کا بھی خیال تھا تبھی وہ چپ نہیں رہ سکے تھے مگر ازہان کو ان کی پروا نہیں تھی وہ اس وقت کسی کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں فجیہ سے شادی کر رہا ہوں ابو! کیونکہ میری نظر میں وہ گناہ گار نہیں ہے۔"

"وہ گناہ گار ہے یا نہیں اس کا فیصلہ وقت کرے گا مگر تم ابھی شادی کے حوالے سے کوئی جذباتی فیصلہ مت کرو۔"

"یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے ابو! میں نے بہت سوچ سمجھ کر دل کی پوری رضامندی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے پلیز اگر آپ حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے تو حوصلہ شکنی بھی مت کیجیے گا۔ معید تم مولوی صاحب کو بلا دو پلیز۔" آف وائٹ کاٹن کے سوٹ میں بکھرا بکھرا سا وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا فجیہ پتھر کی مورت بنی اسے دیکھتی رہی۔

اگلے دو گھنٹوں نے اس کی پہچان بدل کر رکھ دی وہ فجیہ علی سے فجیہ ازہان ہو چکی تھی طوفان آیا تھا اور تھم گیا تھا۔ اس کے ددھیال کے لوگ خاموش ہو کر واپس جا چکے تھے اور جواد صاحب نے خود کو کمرے میں بند کر لیا جو کچھ آج فجیہ کی وجہ سے انہیں سننے کو ملا تھا ان کا بس نہ چلتا تھا کہ زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتے۔

مرینہ بیگم اور عینا کی چپ ہنوز برقرار تھی پورے تیرہ روز کے بعد فجیہ کی واپسی بہت سے سوال ساتھ لے کر آئی تھی کہ جن کے جواب ان دونوں کے پاس نہیں تھے۔ خود معید بھی اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا بس بڑے بھائیوں کی طرح اس نے اس کے نکاح کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد اسے اپنے ساتھ لگا کر رخصت کر دیا تھا مگر یہ رخصتی وہ رخصتی نہیں تھی جو لڑکیاں دلہن کے دلکش روپ میں اپنے بابل کے گھر سے جدا ہو کر لیتی ہیں بلکہ یہ رخصتی ایسی رخصتی تھی جیسے کوئی لاش ایمبولینس میں ڈال کر منزل مقصود تک پہنچا دی جائے۔ سب چپ تھے کسی نے نکاح کے بعد ازہان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا مگر وہ جانتی تھی کوئی بھی اس نکاح سے خوش نہیں تھا۔

وہ کسی پہاڑ سے نہیں نظروں سے گری تھی پھر بھلا اسے معاف کیسے کیا جا سکتا تھا۔

❀ ❀ ❀

بارش ہو رہی تھی عائزہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ زعیم نگہت کے ساتھ گاؤں گیا ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر کھڑکی میں کھڑی اس کی واپسی کی راہ دیکھتی رہی جانے کیا بات تھی جتنا وہ اس سے بے نیازی برت رہا تھا اس کا دل اتنا ہی اس کے بارے میں حساس ہوتا جا رہا تھا۔

اسے اس کا نگہت کو اہمیت دینا، اس کے ساتھ گھومنا پھرنا، لڈو کھیلنا، کیس ڈسکس کرنا کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر عجیب بے بسی تھی کہ وہ نہ اس پر اپنا دکھ ظاہر کر سکتی تھی نہ اس سے اس کے اس ظلم اور بے نیازی کا گلہ کر سکتی تھی اور دل نے جو بے ایمانی نکاح کے بعد اس کے ساتھ کی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ دل کو اس بے ایمانی کے لیے کیا سزا دے؟

بارش کا زور بڑھتا جا رہا تھا وہ کھڑکی کے پٹ بند کر کے اپنے بیڈ کی طرف واپس چلی آئی۔ ابھی تھوڑی دیر میں دن کا اجالا بکھرنے والا تھا پوری رات زعیم کے انتظار میں آنکھوں میں کٹ گئی تھی صبح نماز اور قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کے وہ سو گئی۔

دن کے تقریباً بارہ بج رہے تھے جب اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تھی زعیم گاؤں سے واپس آ گیا تھا اور اب اپنے کمرے میں مزے سے سو رہا تھا وہ ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد واپس پلٹ گئی تھی۔

عصر کی نماز کے بعد اس نے شام کے کھانے کی تیاری شروع کر دی تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ عائزہ نے آج تک بنا زعیم کی اجازت کے دروازہ نہیں کھولا تھا تبھی دستک کی آواز سن کر وہ دروازے تک آئی باہر زعیم کا کوئی دوست تھا جسے زعیم سے کام تھا۔ وہ اسے انتظار کا کہہ کے خود زعیم کو جگانے چلی آئی۔

"زعیم!" دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے اسے پکارا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"زعیم باہر دروازے پر آپ کے دوست ہیں آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس بار ذرا آگے آ کر اس نے بلند آواز میں اطلاع دی تھی تبھی زعیم نے کسمسا کر مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"انہیں کہہ دو میں صبح خود ملتا ہوں ان سے۔" آواز اتنی مدھم تھی کہ اس کے کچھ پلے نہ پڑا وہ بے اختیار جھنجلائی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"انہیں کہو میں خود کل ملوں گا ان سے۔" اس بار اس نے بمشکل آواز بلند کی وہ اثبات میں سر ہلاتی واپس پلٹ گئی۔

دروازے پر جا کر اس نے زعیم کا پیغام اس کے دوست کو دیا پھر کچن میں گھس گئی سبزی بن گئی تھی اس نے سالن پکانا شروع کر دیا۔ سالن تیار ہوا تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اس نے نماز پڑھی پھر آٹا گوندھا عشاء کے قریب کچھ تسبیحات مکمل کر کے روٹی ڈالی۔ زعیم تب تک سویا ہوا تھا اسے بھوک لگ رہی تھی مگر زعیم کے بغیر پہلے ہی خود کھا لینا مناسب نہیں لگ رہا تھا تبھی ٹیلی وژن لگا کر بیٹھ گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا تو عشاء کی نماز بھی پڑھ لی مگر زعیم تا حال کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔

عائزہ کو اسے خود سے جگانا مناسب نہیں لگ رہا تھا تبھی وہ حس سی بیٹھی رہی تھی مگر کب تک؟ باہر بارش پھر شروع ہو گئی تھی تبھی مجبوراً اسے اٹھ کر کمرے میں آنا پڑا۔

رات ہونے والی شدید بارش کی وجہ سے موسم بے حد سرد ہو رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کیں پھر اس کے بستر کی طرف چلی آئی جہاں وہ کمبل میں دبکا بے سدھ پڑا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ عصر کے وقت دیکھ کر گئی تھی۔

"زعیم!" ذرا سا جھک کر اس نے اسے آواز دی تھی مگر وہاں گہرا سکوت تھا عائزہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کمبل ہٹا دیا۔

"زعیم پلیز اٹھیں بہت وقت ہو گیا ہے۔" اب کے تھوڑا اور قریب جھکتے ہوئے اس نے اسے پکارا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا اس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا جبکہ لب بالکل خشک تھے سانس بھی نارمل نہیں آ رہی تھی عائزہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"زعیم آپ ٹھیک ہیں۔" اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس نے اس کا ماتھا چھوا تھا اور جیسے تڑپ اٹھی تھی وہ کسی دہکتے انگارے کی مانند جل رہا تھا عائزہ کی جان پر بن گئی۔

اس کے پاس نہ سیل فون تھا نہ وہ قرب و جوار میں کسی کو جانتی تھی جو مدد کے لیے بلا لاتی۔ اوپر سے بارش پھر تیز ہو گئی تھی۔ سردی کی شدت بھی کچھ بڑھتی جا رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ بخار کی شدت ہی اتنی تھی کہ زعیم جیسا مضبوط طاقتور مرد بھی نڈھال ہو کر رہ گیا تھا تبھی اسے یاد آیا کہ اگر کسی کو بہت تیز بخار ہو تو اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کی جاتی ہیں تاکہ بخار کا زور ٹوٹ جائے۔ اسی سوچ کے زیر اثر وہ باؤل میں فریج سے ٹھنڈا پانی بھر لائی تھی زعیم کے اوپر سے کمبل ہٹا کر اس نے پہلے اس کی کشادہ پیشانی پر اپنا دوپٹہ بھگو کر رکھا پھر تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں پر دوپٹہ گیلا کر کے پھیرنے لگی۔

زعیم کا جسم آگ بنا ہوا تھا مگر پھر بھی اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ عائزہ ساتھ ہی ساتھ دعائیں اور قرآنی آیات بھی پڑھتی جا رہی تھی۔

زعیم اس کی قربت پا کر ذرا سا کسمسایا تھا اور اب پانی مانگ رہا تھا وہ جلدی سے اٹھی اور گلاس میں پانی ڈال لائی

اس نے اکثر شگفتہ بیگم اور آسیہ بیگم کو دیکھا تھا کہ گھر میں اگر کسی کو بخار ہو جاتا تو وہ پانی پر اکیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر انہیں پلاتی تھیں اور چند بخار سے متعلق دعائیں پڑھ کر دم کرتی تھیں اور وہ لوگ کسی ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی بھلے چنگے ہو جاتے تھے۔

اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا بسم اللہ شریف کی ایک تسبیح کے ساتھ اس نے اکیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر پانی پر دم کیا اور پانی زعیم کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ نقاہت کی وجہ سے زعیم کے لیے خود سے اٹھ کر بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا تب اس نے اسے اپنی کمزور بانہوں کا سہارا دے کر بٹھایا اور پھر پانی پلانے کے بعد اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ زعیم نے اس کے سرد ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے قطعی بے خودی کی کیفیت میں وہ اس کے سرد ہاتھوں کو کبھی اپنے جلتے ہوئے گالوں پر رکھتا' کبھی آنکھوں پر' کبھی ہونٹوں پر' کبھی سینے پر...... عائزہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے بخار کا زور ٹوٹ گیا تھا تاہم عائزہ کے ہاتھ اب بھی اس کے گرم ہاتھوں کی گرفت میں تھے اور اس کا سر اب بھی عائزہ کی گود میں تھا۔ قرآنی آیات پڑھتے پڑھتے کب زعیم کے ساتھ اس کی بھی آنکھ لگ گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔ صبح تقریباً آٹھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو وہ زعیم کے کمبل میں دبکی مزے سے سو رہی تھی جبکہ وہ خود کمرے میں نہیں تھا عائزہ حیران سی اٹھ بیٹھی۔

اگلے دس منٹ کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تو زعیم کچن میں تھا وہ اسے ناشتا تیار کرتے دیکھ کر ٹھٹک گئی خود زعیم نے بھی اس کے قدموں کی آہٹ پر اسے پلٹ کر دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں' آپ آرام کریں میں ناشتا بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں ناشتا بنا چکا ہوں۔"

رات بے خودی میں وہ جتنی شدت دکھا رہا تھا اس وقت اس کے لہجے میں اتنی ہی بیگانگی تھی۔ عائزہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ رات سے بھوکی تھی مگر اس کی بھوک اور تکلیف بھلا کیا معنی رکھتی تھی۔

"شکریہ رات جتنا آپ نے میرا خیال رکھا اور تیمارداری کی۔" وہ پلٹ رہی تھی جب اس نے کہا تو عائزہ کے اندر جیسے گہرا اضطراب بکھر گیا اس شخص کو اس کے احساسات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔

شام میں اس کا بخار ابھی مکمل نہیں اترا تھا کہ اس نے اسے شکار پر جانے کی نوید سنا دی حالانکہ ابھی نقاہت باقی تھی مگر اسے پروا ہی کہاں تھی وہ تیار ہو رہا تھا جب عائزہ اس کے پاس چلی آئی۔

"میں گاؤں جانا چاہتی ہوں کچھ دنوں کے لیے پلیز آپ جاتے ہوئے مجھے گاؤں چھوڑ دیجیے گا۔" وہ چونکا اور گن صاف کرتے ہوئے اس نے بے ساختہ پیچھے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا......؟"

"جی ہاں میں گاؤں میں رہنا چاہتی ہوں کیونکہ یہاں شہر میں آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔"

"سوری فی الحال یہ ممکن نہیں ہے جب تک شہزاد کا کیس کسی طرف نہیں لگ جاتا۔"

"شہزاد کا کیس میرا مسئلہ نہیں ہے۔" بنا اس کی حیرانی کی پروا کیے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی اور واپس پلٹ گئی تھی زعیم اس کی آنکھوں میں سرد سے تاثر کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

برف کے لہجے میں نہ صداؤں میں
برف ہونٹوں پر نہ دعاؤں میں
برف موسم میں نہ ہواؤں میں
برف جھرنوں میں نہ فضاؤں میں
برف سے گر قربات میں میری
بھیگے ہر دن ہر رات میں میری
میرے آنسو' برف کے آنسو ہیں
برف بکھری ہے ذات میں میری

سرد احساس پر جمی ہے برف
میری آنکھوں میں بھیگی ہے برف
دیکھنے والے مجھ کو غور سے دیکھو
میرے لفظوں میں آ تھمی ہے برف

سندان حسن نے اپنی خودداری کا بھرم رکھنے کے لیے ہی ملازمہ رکھ لی تھی مگر زرنگار کو پروا نہیں تھی وہ تو جیسے ساری دنیا سے ہی غافل ہو کر رہ گئی تھی۔

کہاں اس کا وجود جو نازیبا کپڑوں میں' محفلوں میں سب کے لطف کا سامان بنتا تھا اب ہمہ وقت سیاہ چادر میں لپٹا رہتا۔ وہ چہرہ جس پر وہ پارلروں میں ہزاروں روپے خرچ کر کے خوب صورتی اور چمک لاتی تھی اب بنا کسی خرچ کے اس چہرے پر ایسی تازگی اور نور دیکھنے کو ملتا تھا کہ خود سندان کی آنکھیں ٹھٹک کر رہ جاتی تھی۔

وہ نہایت خوش طبع ہوا کرتی تھی' ٹیلی وژن دیکھنا' ملنا ملانا' شاپنگ کرنا' گھومنا پھرنا سب چھوڑ دیا تھا اس نے اب یا تو وہ گھریلو کاموں میں مصروف نظر آتی تھی نہیں تو خود کو اپنے کمرے میں بند کیے بس قرآن پاک سامنے رکھے پڑھتی رہتی اور روتی رہتی۔

سندان کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ وہ ہر دوسرے تیسرے دن روزے سے ہوتی تھی' عرصہ ہوا اس نے سب کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ فرصت کے لمحات میں وہ اپنی بیٹی اور دونوں جڑواں بیٹوں کو اسلام کی ہسٹری اور دینی واقعات سناتی رہتی' انہیں روزمرہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی دعائیں یاد کرواتی رہتی اس طرح وہ ان کی اخلاقی تربیت کر رہی تھی وہ تربیت جو ماہانہ ہزاروں روپے لے کر بڑے بڑے ادارے بھی نہیں کرپاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تینوں بچے اب اس کے آگے پیچھے گھومتے دکھائی دیتے تھے' روز وہ انہیں کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی سے متعلق کچھ بتا رہی ہوتی تو کبھی حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہر بار اس کا انداز اتنا دلچسپ ہوتا تھا کہ بچے اگلی رات کا بے چینی سے انتظار کرتے رہتے۔

انہیں کسی نام چیری' کسی سنڈریلا' کسی شہزادے یا پری کی کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دلچسپی تھی تو اس بات سے کہ جانے آج ان کی ماما' کس صحابی' کس نبی' کس اللہ کے برگزیدہ بندے کی زندگی کے خوب صورت واقعات انہیں بتائیں گی۔

میٹھے میٹھے پیارے نام والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قریبی رشتوں' ساتھیوں' ان کی پسند ناپسند' ان کے حالات' مشکلات' خاندان' قبائل' جنگوں کا بتائیں گی۔ انہیں ان ساری باتوں سے روشناس کروائیں گی کہ جو فی الحال ان کی درسی کتب اور استاد انہیں نہیں بتاسکے تھے۔

یہ زرنگار ہی تھی جس کی بتائی ہوئی دلچسپ معلومات نے انہیں قرآن پڑھنے اور اسے صحیح ترجمے کے ساتھ سمجھنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ وہ جو بھی انہیں سناتی تھی ساتھ میں یہ ضرور بتاتی تھی کہ اللہ نے اس واقعے کا ذکر فلاں سورۃ میں کیا ہے آپ لوگ جب یہ سورۃ پڑھیں گے تو لازمی طور پر اس واقعے کا سارا پس منظر آپ کے سامنے آجائے گا۔

اسی جاننے کے تجسس نے انہیں آگے سے آگے پڑھنے پر اکسایا تھا اللہ اور اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سیکھنے اور سمجھنے پر مجبور کیا تھا۔ یہی چیز تھی جس نے ان معصوم پھولوں کے ذہنوں کو کسی بھی برائی کا زنگ لگنے سے محفوظ رکھا تھا۔

وہ لوگ کہیں جاکر بھی نہ کوئی غلط حرکت کرتے تھے' نہ گالی گلوچ' نہ شرارت' نہ ٹیلی وژن دیکھنے کی خواہش الٹا سندان اگر کچھ غلط کہہ بیٹھتا تو وہ فوراً اسے سمجھانے بیٹھ جاتے کہ بابا یہ غلط ہے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ ایسے نہیں کرتے تھے اور وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتا' وہ بچے ہی تھے جن سے اسے گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کرنے کی عادت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا۔

جس عورت نے اس کی زندگی کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اب اسی عورت کو اللہ رب العزت نے اس کے لیے زادِ راہ بنا دیا تھا وہ اندر ہی اندر کمزور پڑتا چلا گیا جو ملازمہ اس نے رکھی تھی فقط چند دنوں میں ہی اس نے اسے

عاجز کر کے رکھ دیا تھا صرف تنخواہ کے لالچ میں وہ کوئی بھی کام سلیقے سے نہ کرپاتی تھی۔ اوپر سے ایک نمبر کی چور تھی فقط چند روز میں موقع کا فائدہ اٹھا کر وہ کتنی ہی چیزوں پر ہاتھ صاف کر چکی تھی۔ سندان کو مجبوراً اسے فارغ کرنا پڑا کیونکہ زرنگار کے ہاتھ کا ذائقہ چکھنے کے بعد اب کسی اور کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اسے پسند نہیں آ رہا تھا۔

وہ ابھی عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تھی جب وہ تھکا تھکا سا آفس سے سیدھا اسی کے کمرے میں چلا آیا' مکمل بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس بکھرے بکھرے سے سراپے کے باوجود وہ بے حد جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا' زرنگار کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی وہ جائے نماز سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" توجہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا' زرنگار جائے نماز رکھ کر ایک لفافہ اٹھا لائی۔

"یہ لیں' یہ آپ کے پیسے ہیں' میں نے واپس کرنے کے وعدے پر لیے تھے۔"

اتنی خودداری اور وعدے کی پاسداری...... وہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

"ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے واپس لینے کی نیت سے نہیں دیے تھے' تو یہ بھی جہاں وہ پیسے خرچ ہوئے ہوں گے یقیناً کوئی اچھا کام ہوگا' تھوڑا ثواب کا حق دار مجھے بھی بن جانے دو۔" جس طرح سے وہ زرنگار کو دیکھ رہا تھا وہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی۔

"اچھی بات ہے مگر میں نے نہایت مجبوری کے تحت وہ پیسے مانگے تھے۔"

"ہوں میں جانتا ہوں' تم اب اپنی ضرورت کے لیے نہیں مانگتی' مگر کیا میں اتنی بڑی تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اب وہ بھی اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیسی تبدیلی؟"

"یہی شر سے خیر کی طرف جو تم میں ہوئی اسی تبدیلی کی بات کر رہا ہوں میں۔"

"میں نہیں جانتی مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میں صرف ایک لمحے کے لیے اپنے گناہوں پر نادم ہوئی تھی اور میرے اللہ نے اسی ایک لمحے کو پسند فرما کر میری زندگی بدل دی اس نے مجھے بتادیا کہ میرے لیے کون سا راستہ درست ہے کون سا غلط؟"

"کاش یہ تبدیلی چند سال پہلے آجاتی تو میری زندگی برباد ہونے سے بچ جاتی۔"

"نہیں ایسا مت کہیں خدا نہ کرے جو آپ کی زندگی برباد ہو آپ اس وقت برباد زندگی گزار رہے تھے جب آپ کو گناہ اور ثواب کا شعور نہیں تھا اب تو اللہ نے آپ کو سب کچھ دے دیا ہے اب اگر ایسا کچھ کہیں گے تو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔"

"ٹھیک ہے نہیں کہتا مگر ایک درخواست تو کرسکتا ہوں ناں؟" پہلی بار وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے نہایت اپنائیت سے بول رہا تھا زرنگار کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش آگئی۔

"جی حکم کریں۔"

"حکم نہیں درخواست ہے پلیز کھانا آپ خود پکایا کریں میں نے ملازمہ کو فارغ کردیا ہے اب یہ گھر آپ کے سپرد ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اک اور درخواست بھی کرنی تھی۔" اسے سر جھکاتے دیکھ کر وہ تھوڑا قریب ہوا تھا زرنگار کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"جی۔"

"اللہ نے اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ ایک بیوی پر شوہر کے کچھ حقوق بھی فرض کیے ہیں' خیال اب اس فرض کی ادائیگی کے قابل نہیں ہے مگر......" لب دباتے ہوئے اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی زرنگار کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

"میں جانتا ہوں میں تمہارا گناہ گار ہوں بدلے میں تم نے بھی میرا دل دکھانے اور خون جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر میں یہ بھی جانتا ہوں زرنگار تم نے اپنی حدود کا خیال رکھا ہے' تم نے میری امانت میں خیانت جیسی بددیانتی نہیں کی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت وہی سانحہ ہے جس نے تمہاری زندگی بدل دی اسی لیے میں چاہتا ہوں اب میں

تمہارا اور تم میری گناہ گار نہ رہو۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟" سر جھکائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا زرنگار کو اپنی جان فنا ہوتی محسوس ہوئی بھلا اس سے پہلے ان دونوں کے درمیان اس ٹاپک پر کہاں بات ہوئی تھی؟ اس نے تو کبھی اسے فرصت سے دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ کتنا شاندار مرد تھا؟

وہ تو اس پر صرف اپنی نفرت ظاہر کر پائی تھی محبت ظاہر کرنے کی تو ہمت ہی نہیں تھی مگر اس کے پیارے رب نے خود بخود سارے فاصلے سمیٹ دیئے تھے زرنگار نے مان لیا جب وہ کہتا ہے کہ "میرا ہو کر تو دیکھ سب کو تیرا نہ کر دوں تو کہنا" تو ہمیشہ ایسا ہو جاتا ہے اپنی طرف آنے والوں کے لیے واقعی وہ اپنے سارے بندوں کے دل بدل دیتا ہے پھیر دیتا ہے محبت سے بھر دیتا ہے۔

اس روز رات کا کھانا کھانے کے بعد عظیم صاحب کو چائے دے کر حیا کو کھانا کھلا کر اور بچوں کو ان کے من پسند واقعات سنا کر سلانے کے بعد وہ سندان کے کمرے کی طرف بڑھی تو اس کی ٹانگیں واضح کپکپا رہی تھیں۔ اس نے عشاء کی نماز پڑھی تھی تسبیحات بھی پڑھی تھیں مگر اس روز کمرا بند کر کے ساری رات قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر پائی تھی۔

سندان نے کہا تھا کہ اسے اللہ رب العزت کے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کے حقوق کا بھی خیال رکھنا چاہیے لہٰذا وہ اس کے پاس چلی آئی تھی جو اس کا محافظ تھا سائبان تھا اس کے لیے ایک سایہ دار درخت کی مانند تھا۔ جس نے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اسے تنہا نہیں کیا تھا معاف کیا تھا۔ دروازہ ہلکے سے پش کرتے ہوئے اس نے اندر کمرے پر نگاہ ڈالی سندان بیڈ پر نیم دراز نیند کو شکست دیئے پوری شدت کے ساتھ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی پھر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا وہ شخص اپنی تمام تر وجاہت اور خوبیوں کے ساتھ اسی کا تھا اور اسے ہمیشہ اس کا رہنا تھا۔

❁ ❁ ❁

عائزہ زعیم کے ساتھ گاؤں آ گئی تھی بے حد کشادہ گھر کے کچے صحن میں پانی کے چھڑکاؤ کے بعد قطار در قطار لگی چارپائیوں پر نزہت بھابی نے خوب صورت کھیس ڈال دیئے تھے۔ عائزہ خاموشی سے انہیں مشین کی طرح کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ماں جی بابا نزہت آپا کلیم بھاؤ سب عائزہ کے گاؤں واپس آنے پر بے حد خوش تھے۔ ماں جی تو بار بار اس کا منہ چوم رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ وہ اس کی صحت کے لیے بھی متفکر تھیں اور زعیم کو ڈانٹ رہی تھیں کہ اس نے اس کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ زعیم کن اکھیوں سے یہ مناظر دیکھ رہا تھا۔

کل رات وہ بہت ٹینس تھا تھکن بھی بہت تھی اسی لیے شاید وہ بخار کے حصار میں آ گیا تھا مگر اس کی توقع کے خلاف جس طرح کل عائزہ نے اس کا خیال رکھا تھا اس کا دل قابو میں نہیں رہا تھا۔ ایک ایک لمحے کا تصور پاگل کر رہا تھا اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے سینے سے لگا کر ساری حسرتیں نکال لیتا مگر انا کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہتا سو وہ خاموش تھا۔

اس کے گاؤں میں قیام کے فیصلے سے جہاں اسے خوشی ہوئی تھی وہیں وہ بے حد مضطرب بھی ہو کر رہ گیا تھا کہ اب بھلا اس سنگدل لڑکی کو دیکھے بغیر اسے رات میں نیند کہاں آتی تھی۔ تاہم عائزہ کو اس کی ڈسٹربنس کا اندازہ نہیں تھا تبھی وہ اس کی طرف سے رخ موڑے بیٹھی تھی شاید اس نے شہر میں اپنی تنہائی اور زعیم کی بے نیازی سے تنگ آ کر ہی گاؤں میں رہنے کو ترجیح دی تھی تاہم اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ وہ اپنا بخار بھی بھول گیا تھا۔

اس روز پہلی بار عائزہ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر چارپائی پر نہایت لذیذ کھانا پیٹ بھر کر کھایا تھا زعیم کی چھوٹی بہن آصفی تو عائزہ پر صدقے واری جا رہی تھی کیونکہ وہ شہری تھی اور اسے پورے گاؤں میں اس کی وجہ سے شو مارنے کا موقع مل گیا تھا اور عائزہ کو بھی وہ سادہ سی پیار کرنے والی لڑکی بہت اچھی لگی تھی جسے پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا مگر اس کے باوجود اسے میٹرک سے آگے نہ پڑھنے دیا گیا کہ گاؤں میں دور نزدیک کوئی کالج نہیں تھا اور گاؤں سے باہر پڑھنے کی اسے اجازت نہیں تھی۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے عشاء کی نماز پڑھی پھر عائزہ کی چارپائی پر آ کر اس کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ زعیم اپنے بابا اور کلیم بھاؤ کے ساتھ سیاسی گفتگو میں مصروف ہو گیا اس رات وہ سب بہت لیٹ سوئے تھے۔

بے حد کشادہ صحن میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے کب عائزہ کو اپنی گود میں لے لیا اسے پتا ہی نہیں چلا۔ ماں جی بابا نزہت بھابی کلیم بھاؤ سب سو چکے تھے مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بے چینی سے کروٹ پر کروٹ بدلتے ہوئے اس نے یونہی عائزہ کی چارپائی پر نظر ڈالی وہ نہایت سکون و بے خبری سے مزے کی نیند سو رہی تھی مگر اس کا دوپٹہ اس کے اوپر نہیں تھا جس سے اس کے جسم کے نشیب و فراز خاصے عیاں ہو رہے تھے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا وہ لڑکی واقعی گاؤں کے ماحول میں رہنے کے لائق نہیں تھی۔

قدرے فاصلے پر ہونے کے باوجود اگر وہ اسے دیکھ سکتا تھا تو کلیم بھاؤ یا ابا کی نظر بھی پڑ سکتی تھی تبھی وہ اٹھا اور اس کی چارپائی کے قریب چلا آیا عائزہ کا دوپٹہ اس کی کمر کے نیچے آیا ہوا تھا زعیم کا دل چاہا وہ اس کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر زور سے دبا دے مگر اس طرح اس کے جاگ کر چیخ مارنے کا خدشہ تھا تبھی اس نے کھیس اٹھا کر اس کے اوپر ڈال دیا مگر وہ ابھی اپنی چارپائی پر واپس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ عائزہ نے نیند میں کھیس اپنے اوپر سے ہٹا دیا شاید وہ گرمی محسوس کر رہی تھی یا پھر سوتے میں اپنے اوپر کپڑا لینے کی عادی نہیں تھی۔

اسے بہت تاؤ آ رہا تھا۔ عجیب بے بسی تھی کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا اور کسی کے بھی جاگ جانے کا امکان تھا بہت سوچ کر وہ پھر اٹھا اور اس کی چارپائی کے قریب آ کھڑا ہوا پھر جھکتے سے اس نے عائزہ کا بازو ہلا کر اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئی تب غصے میں آتے ہوئے مجبوراً اس نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور اس سے پہلے کہ اس کے حواس بیدار ہوتے یا وہ چیخ مارتی اندر اپنے کمرے میں بیڈ پر لا کر پٹخ دیا جس سے عائزہ کی آنکھ اس افتاد پر فوراً کھل گئی تھی سامنے ہی وہ کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بمشکل یہی پوچھ سکی تھی زعیم کو اور تاؤ آیا۔ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اس کا چہرہ اپنے دائیں ہاتھ میں دبوچا تھا۔

"کل سے تم ادھر کمرے میں سوؤ گی باہر سب کے ساتھ نہیں' سمجھی۔" رات کے ایک بجے بنا کسی قصور کے اس کی یہ ہدایت اور غصہ اسے حیران ہی تو کر گیا تھا۔

"کیوں؟" بال سمیٹتے ہوئے اس نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جواب میں زعیم کی سلگتی نگاہیں اس کے خوب صورت سراپے پر پھسل گئی۔

"حلیہ دیکھو اپنا' دوپٹے کا کوئی ہوش ہے تمہیں؟ یہ گاؤں ہے یہاں کی عورتیں باپ بھائیوں کے سامنے دوپٹے کے بغیر نہیں گھومتیں اور تم ہو کہ وہاں سب کے درمیان مزے سے دعوت نظارہ بنی سو رہی تھی؟" اس کے غصے اور جلن کی اصل وجہ سامنے آ گئی تھی عائزہ نے ذرا سی گردن جھکا کر دیکھا اس کی قمیص کا گلا واقعی بڑا تھا۔

"اوکے ایم سوری' مجھے نیند میں واقعی خیال نہیں رہتا آپ میرا دوپٹہ لا دیں۔ میں ادھر اندر سو جاتی ہوں۔" اس نے تو جیسے قسم کھائی تھی کہ وہ اس کی کسی بات سے اختلاف نہیں کرے گی۔

زعیم نے اٹھ کر اے سی آن کر دیا پھر باہر اس کی چارپائی سے اس کا دوپٹہ اٹھا کر بھی اس کے حوالے کر دیا تاہم عائزہ کے کمرے میں سونے کے بعد وہ خود بھی وہیں لیٹ گیا تھا۔ نیند تو کیا آنی تھی ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اسے ہی دیکھتا رہا۔

صبح بابا اور کلیم بھاؤ کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر باہر کھیتوں میں نکل گیا واپس آیا تو سب جاگ رہے تھے ناشتا بھی تیار تھا بس عائزہ کی صبح نہیں ہوئی تھی اسے خود بخود ہی شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

ماں جی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اب تسبیح نکالتے ہوئے آنگن میں رزق تلاش کرتی چڑیوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ڈال رہی تھیں وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم ماں جی!"

"وعلیکم السلام! صبح صبح کدھر نکل گیا تھا؟ تیرے بابا پوچھ رہے تھے۔"

"اُدھر ہی تھا ماں جی! نماز کے لیے گیا تھا پھر کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ عائزہ کو نہیں جگایا آپ نے؟ نزہت آپا کی مدد کروا دیتی۔"

"ارے نہیں بیٹے! سونے دے اسے ابھی کل ہی تو آئی ہے۔ اسے عادت نہیں ہے اتنی جلدی جاگنے کی، نزہت تو عادی ہے وہ کر لے گی۔"

"مگر ماں جی! وہ یہاں رہے گی تو اسے یہاں کے طور طریقے بھی سیکھنا پڑیں گے میں نہیں چاہتا اس کی وجہ سے مجھے آپ لوگوں کے سامنے کوئی شرمندگی ہو۔" اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کمرے میں بیڈ پر لیٹی عائزہ تک پہنچ جاتی جو شاید اسے سویا ہوا سمجھ رہا تھا۔ ماں جی نے زعیم کو ڈانٹ دیا۔

"ایسی بات نہ کر زعیم! وہ بڑی سوہنی سمجھدار بچی ہے تیری شرمندگی نہیں ہونے دے گی تجھے مگر میں جانتی ہوں وہ شہر سے آئی ہے اسے یہاں کے ماحول میں ڈھلنے کے لیے ابھی وقت چاہیے تُو اس کے لیے مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کیا کر۔"

"ٹھیک ہے نہیں کرتا مگر آپ کی یہی محبت اور نرمی اسے بگاڑ کے رکھ دے گی۔"

"بگڑ جانے دے میں اپنی دھی کو خود ہی سمجھا لوں گی تُو اپنی سمجھداری اپنے پاس رکھ۔"

"السلام علیکم ماں جی!" وہ ابھی زعیم کو ڈانٹ ہی رہی تھیں کہ وہ سلیقے سے دوپٹہ سر پر جمائے ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ زعیم دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے ماں جی کی چارپائی پر نیم دراز تھا اس کے سلام پر قدرے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی، ماں جی بے وجہ ہی شرمندگی محسوس کرنے لگیں۔

"وعلیکم السلام! اٹھ گئی میری دھی آ اِدھر بیٹھ میرے پاس۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھایا تھا زعیم مسلسل اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا جس کی آنکھوں میں ابھی بھی گہری نیند کے ڈورے تھے۔

"اچھا ماں جی! میں ذرا بابا اور بھاء سے مل لوں پھر شہر کی طرف نکلتا ہوں آج شہزاد کے کیس کی سماعت ہے دعا کیجیے گا۔"

"کہنے کی ضرورت ہے پُتر! مگر تُو پہلے ناشتا کر پھر شہر جانا۔ نگہت کا بخار اترا کہ نہیں؟"

"پتا نہیں ماں جی! ابھی جا کر پتا کروں گا پھر شہر میں کسی اچھے سے ڈاکٹر کو چیک کرواؤں گا۔" اٹھتے اٹھتے اس نے اس کا دل جلا کر پھر راکھ کر دیا تھا وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے پُتر! اسے میرا پیار دینا، بہت اچھی حوصلے والی بچی ہے۔"

"کوئی شک نہیں ماں جی! میں نے تو کہا تھا بنالیں اسے بہو مگر آپ کو شہری بہو لانے کا شوق چرا گیا تھا اب پیار دینے کا کیا فائدہ؟" سرسری نظر عائزہ کے سرخ چہرے پر ڈالتے ہوئے اس نے پھر سے چھیڑا تھا جب ماں جی نے ڈانٹ دیا۔

"فضول باتیں نہ کر زعیم! میری بہو جیسی پورے گاؤں میں کوئی نہیں، خبردار جو دوبارہ ایسی بات کی تُو نے۔"

"اچھا نہیں کرتا، نزہت بھابی سے کہیں ناشتا تیار رکھیں میں آتا ہوں ابھی تھوڑی دیر میں۔" وہ چلا گیا تو ماں جی نے عائزہ کے ہاتھ تھام لیے۔

"اس کی باتوں کا برا مت ماننا بیٹی! یونہی تنگ کرتا ہے تمہیں ورنہ اس نے تو آج تک کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔"

"جی میں جانتی ہوں۔" دل ہی دل میں اس ماں کی سادگی پر ہنستے ہوئے اس نے بظاہر ان کا بھرم رکھا تھا ہر ماں کی طرح اس ماں کو بھی اپنا بیٹا دودھ کا دھلا ہی لگ رہا تھا۔

اقصیٰ درس سے آئی تو عائزہ کو جاگتے دیکھ کر بے حد خوش ہوگئی، ناشتے کے بعد وہ عائزہ کو اپنے ساتھ لے کر پورا گھر دکھانے میں مصروف ہوگئی۔ ایک ہزار گز پر مشتمل ان کا رہائش کے لیے گھر بنا ہوا تھا جس کا صحن کچا تھا مگر رہائش والے گھر کے ساتھ ہی جانوروں کا باڑہ تھا۔ جس میں دو بھینسیں، ایک گائے، ایک گھوڑا، چند بکریاں اور تین بیل تھے۔

بھینسوں کا دودھ وہ گھر میں ہی استعمال کرتے تھے۔ گھوڑا زعیم لایا تھا اور وہ اسے بے حد پیارا تھا وہ اس کا خیال ایسے ہی رکھتا تھا جیسے کسی قریبی انسانی رشتے کا رکھا جاتا ہے اس کی غیر موجودگی میں کلیم بھاء اور نزہت آپا اس کا خیال رکھتی تھیں۔

گھوڑے کے بعد جس چیز میں زعیم کی جان تھی وہ "بھوری" تھی ایک چھوٹی سی بھورے رنگ کی بکری جو ابھی محض چند ماہ کی تھی۔ زعیم نے اس کا نام بھوری رکھا تھا اور وہ اپنی پیدائش کے بعد پوری گرمی زعیم کے ساتھ رات میں اس کے بستر پر سوتی رہی تھی۔ یہ ساری معلومات اقصیٰ اسے دے رہی تھی اور وہ حیران ہو رہی تھی کہ بھلا وہ شخص بھی اتنا اچھا ہو سکتا تھا؟

عائزہ نے آج تک کبھی کسی جانور یا پرندے سے پیار نہیں کیا تھا اس لیے اسے ان کی فیلنگز کا بھی نہیں پتا تھا مگر زعیم جانوروں کے ساتھ ساتھ کچھ خوب صورت پرندوں کا بھی شیدائی تھا گھر میں چھوٹے بڑے سینکڑوں پنجرے تھے۔ اقصیٰ نے اسے بتایا تھا کہ وہ شکار کا بھی بے حد شوقین ہے۔ اس نے ہرن اور شیر تک کا شکار کیا ہوا تھا، گاؤں کی ساری لڑکیاں اس کے خواب دیکھتی تھیں اور اس سے محبت کا دم بھرتی تھیں صرف زعیم کے لیے ان کے گھر میں پورے گاؤں سے مزے مزے کے پکوان آتے تھے وہ عائزہ کو بتاتی جاتی تھی اور ہنستی جاتی تھی۔

پورے باڑے کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس احاطے سے نکلیں تو زعیم ناشتا کر کے جانے کی تیاری کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہ شہر کے لیے نکل گیا تو اقصیٰ ماں جی کی اجازت کے بعد اسے اپنے کھیتوں کی طرف لے آئی۔ وسیع رقبے پر پھیلی زمین کے سینے پر تاحدِ نگاہ دور دور تک سبزہ ہی سبزہ پھیلا دکھائی دے رہا تھا قریب ہی ٹھنڈے پانی کا ٹیوب ویل چل رہا تھا جو اسے بے حد اچھا لگا اور وہ وہیں اس پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی۔ اقصیٰ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

عائزہ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر اس نے بالآخر اقصیٰ سے پوچھ لیا۔

"اقصیٰ! یہ جو شہزاد اور نگہت وغیرہ کی فیملی ہے کیا یہ آپ کے رشتے دار ہیں؟"

"نہیں آپی! رشتے دار تو نہیں ہیں مگر شہزاد بھائی زعیم بھائی کے کلاس فیلو اور بچپن کے دوست تھے بھائی کی شادی پر بھی سب سے زیادہ وہی خوش تھے مگر صد افسوس کہ ان کے اپنے سگے چچا نے ہی ان کی جان لے لی۔"

"ہوں اور یہ جو نگہت ہے اس کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟"

"وہ شادی نہیں کرتی آپی! سب لوگ انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر وہ شادی کے لیے مانتی ہی نہیں۔"

"کیوں..... کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"پتا نہیں آپی! کوئی کہتا ہے جان پر سایہ ہے کوئی کہتا ہے جادو ہے۔ زعیم بھائی نے بھی ان کی شادی کروانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ شادی کے لیے راضی ہی نہیں ہوتیں، شہزاد بھائی کی موت کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔"

"ہوں..... کہیں یہ تو نہیں کہ وہ زعیم میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"پتا نہیں آپی! زعیم بھائی نے تو ہمیشہ ان کو اپنی بہن سمجھا ہے جب تک شہزاد بھائی زندہ تھے بھائی تو زیادہ جاتے بھی نہیں تھے ان کے گھر۔" عائزہ کے سوال پر سادہ لہجے میں وہ زعیم کی پوزیشن کلیئر کر رہی تھی اور وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ ہمیشہ قصے کہانیوں میں گاؤں کی طرزِ زندگی کے بارے میں پڑھ کر دیہی ماحول سے الرجک رہی تھی مگر اب خود حقیقت میں آ کر قریب سے ہر چیز کو دیکھا تھا تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگئی کہ گاؤں کی زندگی شہری زندگی سے زیادہ خوب صورت تھی۔

اقصیٰ گاؤں کے مدرسے میں قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر پڑھنے کے لیے جاتی تھی۔ گاؤں کی مسجد کے امام صاحب پورے گاؤں میں گھر گھر جا کر بچوں کو ترجمہ و تفسیر کا درس دیتے تھے جس سے نہ صرف ان کا ایمان تازہ ہوتا تھا بلکہ انہیں بہت اہم و مفید معلومات بھی ملتی تھیں۔

اقصیٰ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی بھی شدید خواہش مند تھی تبھی عائزہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر ضرور زعیم سے بات کرے گی۔

زیم اسے گاؤں چھوڑ کر نگہت کے ساتھ شہر آ گیا تھا مگر اس کا دل بہت بوجھل تھا مقدمے کی سماعت کے بعد شدید مصروفیت کے باوجود اس نے نگہت کو گاؤں واپس چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر نگہت ایسا نہیں چاہتی تھی وہ شہر میں تنہائی کے باوجود اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی اسے رہ رہ کر عائزہ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ کیوں گاؤں جا کر بیٹھ گئی تھی کم از کم اس کی موجودگی میں زیم اسے اپنے ساتھ تو رکھتا تھا تاہم زیم کو اس کے احساسات اور خیالات کی پروا نہیں تھی۔

فیحہ ازہان کے نام سے منسوب ہونے کے بعد شہر آ گئی تھی آسیہ بیگم کا رویہ مناسب تھا تاہم گھر کے باقی افراد بالکل خاموش تھے ایک لڑکی جو دو دن گھر سے باہر گزار کر آئی تھی اس کی عزت کی حفاظت کا یقین پاکستانی معاشرے میں کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ فیحہ اس بات کو سمجھتی تھی مگر بھرے پنڈال میں جیسے ازہان نے اس کی عزت کا بھرم رکھا تھا اس کے ننگے سر پر اپنے نام کی چادر ڈالی تھی وہ اس کی سمجھ سے قطعی باہر کی چیز تھی۔

چار دن ہو گئے تھے اسے ملک ہاؤس آئے ہوئے اور ان چار دنوں میں اس نے ایک بار بھی ازہان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ نجانے اسے وہاں لانے کے بعد وہ خود کہاں روپوش ہو گیا تھا تاہم فیحہ وہاں رہ کر ساری زندگی اپنے ساتھ ہوئے سانحے کا غم نہیں منا سکتی تھی تبھی حوصلے اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اس نے عینا کی طرح پورے گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ازہان اس کے لیے اپنے گھر والوں کے ساتھ کون سا محاذ کھولے کھڑا تھا۔

گزشتہ چار دنوں سے اپنے باپ کے آفس کا بائیکاٹ کیے وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا تبھی بہت مجبور ہو کر انہوں نے اس کے ساتھ بات کی تھی اور فیحہ کو اپنی بہو تسلیم کیا تھا۔ پچھلے چار روز سے وہ جیسے ان کی خدمت کر رہی تھی اس سے بھی ان کے دل پگھل گئے تھے۔

پورے چار روز کے بعد اس روز وہ گھر آیا تھا بے حد تھکا تھکا سا فیحہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ فریش ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا تھکن اتنی شدید تھی کہ بستر پر گرتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

فیحہ ٹیبل پر کھانا لگانے کے بعد اسے بلانے کے لیے آئی تو وہ ٹراؤزر اور بنیان میں ملبوس تکیہ بانہوں میں دبائے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ وہیں سے واپس پلٹ گئی کھانا کھانے کے بعد اس نے عشاء کی نماز ادا کی اور سب کو چائے پیش کر کے ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں چلی آئی جہاں ازہان ہنوز میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔

وہ کچھ دیر چپ چاپ کھڑی اسے بھرائی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اس کے قدموں کے پاس نیچے زمین پر بیٹھ کر اس کے دونوں پاؤں اپنے نرم ہاتھوں میں تھام لیے ازہان کی حسیات فوراً بیدار ہوئی تھیں تاہم اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

فیحہ نے محبت سے اس کے پاؤں تھامنے کے بعد اپنے لب ان پیروں پر ثبت کر دیے جس سے ازہان کے پورے وجود میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا تھا اسے فیحہ سے ایسی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی اور روتے ہوئے بار بار اس کے پیروں کو اپنے ہونٹوں سے چوم رہی تھی تبھی وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" آنکھوں میں نیند کے سرخ ڈورے کے ساتھ اس نے اس کی طرف دیکھا تھا تبھی فیحہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چوم لیے۔

"میں آپ کی گناہ گار ہوں ازہان! جو آپ کے پیار اور سچائی کی عظمت کو نہ سمجھ سکی اور بنا آپ کو جانے پرکھے ٹھکراتی رہی مگر آپ نے مجھ جیسی حقیر لڑکی کو نہایت کٹھن وقت میں اپنے نام کا سہارا دے کر ثابت کر دیا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں۔ ازہان میرا یقین کریں میرا اس سانحے میں کوئی کردار نہیں تھا اس شخص نے زبردستی یونیورسٹی روڈ سے مجھے اغوا کیا تھا تاکہ میں اس سے شادی کر لوں مگر میرا یقین کریں ازہان! اس نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اس نے میری عزت داغدار نہیں کی وہ صرف ذہنی طور پر مجھے پریشان کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اس سانحے کے بعد دنیا کا کوئی شخص مجھے قبول نہ کرے آپ جیسے کہیں گے میں اپنی پارسائی ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھامے وہ اس کے سامنے بچوں کی طرح رو رہی تھی ازہان نے آہستگی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیے۔

"کیا میں نے تم سے تمہاری پارسائی کا ثبوت مانگا ہے؟" قطعی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تو فیحہ کے آنسو رک گئے۔ بنا کوئی جواب دیے وہ خاموشی سے اسے دیکھے جا رہی تھی تبھی ازہان نے ہاتھ بڑھا کر اسے بیڈ پر اپنے مقابل بٹھا لیا۔

"ہمارے معاشرے کی بدقسمتی ہے فیحہ! یہاں لڑکے عشق و محبت میں لڑکیوں سے بڑے بڑے دعوے تو کرتے ہیں مگر شادی سے پہلے یا شادی کے بعد ذرا سی کوئی آزمائش پڑے تو یوں سارے تعلق توڑ کر سائیڈ پر کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے اس لڑکی سے ان کا کبھی کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ اس وقت میری نظر سے دیکھا جائے تو اس مرد سے زیادہ بزدل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وقت جب ان کے ساتھ اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت اگر ساری دنیا بھی ایک طرف ہو جائے انہیں اس عورت کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میری اپنی زیست ہے فیحہ! یہاں خامیوں سے مبرا کوئی بھی نہیں ہے مگر کوئی بھی عورت جب تقدیر کی طرف سے کسی بھی حادثے کی شکار ہو کر جب بالکل بے یار و مددگار ہو جاتی ہے تب آپ کی محبت، مردانگی اور غیرت یہ نہیں کہ آپ بھی مفروضے قائم کر کے دنیا کے ساتھ کھڑے ہو کر اس عورت کی بے بسی اور آنسوؤں کا تماشا دیکھیں بلکہ آپ کی مردانگی اور انسانیت اس بات میں ہے کہ آپ ساری دنیا بھی مخالف ہو تو اکیلے اس عورت کا ساتھ دیں کیونکہ اچانک کوئی حادثہ کسی کی بھی بہن، بیٹی یا بیوی کے ساتھ پیش آ سکتا ہے۔ میں کوئی بہت اعلیٰ ظرف انسان نہیں ہوں فیحہ! مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی اس وقت جب مجھے یہ پتا چلا کہ تم کسی اذیان نامی شخص کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں میں نے سوچ لیا تھا میں تمہیں دوبارہ اپنے لیے مجبور نہیں کروں گا مگر تمہارے اغوا سے ایک روز پہلے عینا نے معید کو بتایا تھا کہ تم اذیان کے عشق میں مبتلا نہیں تھیں تم اس کی بار بار شادی کی آفر ٹھکرا کر اس گھر اور گاؤں سے ہی چلے جانا چاہتی تھیں تب میں نے سوچا کہ اگر وہ شخص تمہارا جنون ہوتا تو بھلا تم اسے یوں بار بار رد کیوں کرتیں؟" ایک ہی سانس میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اب وہ اس کے کندھوں کے گرد اپنے بازو پھیلا رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ تم نے مجھے کیوں رد کیا مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں فیحہ کہ میں نے تمہارے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ مجھ میں اور ریان بھائی میں یہ فرق ہمیشہ رہا ہے جو چیز انہیں پسند آ جاتی اگر وہ اسے حاصل نہ کر پاتے تو توڑ دیتے تھے۔ یہی انہوں نے عینا بھابی کے ساتھ کیا وہ ان کے معیار پر پوری نہ اتریں تو انہوں نے انہیں توڑ دیا مگر میں ایسا نہیں ہوں فیحہ! میرا کوئی معیار نہیں ہے میں نے ہمیشہ سے یہی سوچ رکھا تھا کہ میں کبھی کسی کے دباؤ میں آ کر شادی نہیں کروں گا بلکہ جو لڑکی پہلی نظر میں میرے دل اور نگاہ کو اچھی لگے گی میں اسی کو اپنی ہمسفر بناؤں گا چاہے ساری دنیا سے لڑنا پڑے اور یہی میں نے کیا ہے۔" پہلی بار اسے اپنے حصار میں لیے وہ اس پر اپنے جذبات بھی آشکار کر گیا تھا فیحہ کے آنسو چپ چاپ بہتے رہے تبھی وہ پھر بولا تھا۔

"زندگی میں کبھی یہ مت سوچنا فیحہ کہ میں نے تمہیں اپنا کر تم پر احسان کیا ہے نہ ہی میں کبھی تمہیں ایسا کوئی طعنہ دوں گا جانتی ہو کیوں؟" اب وہ اس کا چہرہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فیحہ نے چپ چاپ نفی میں سر ہلایا تبھی وہ جھکا اور اس نے نہایت نرمی سے اپنے ہونٹ اس کی بھیگی پلکوں پر رکھ دیے فیحہ کے پورے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

"کیوں کہ میں ...... تم سے بے حد پیار کرتا ہوں فیحہ اور یہ آنسو جو انمول موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں یہ آنسو تمہاری پاکیزگی، تمہارے وقار، تمہاری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔" ازہان کا لہجہ گھمبیر ہو گیا تھا فیحہ کی ہتھیلیوں سے جیسے جان نکل گئی وہ اس کے آنسو چوم نہیں رہا تھا پی رہا تھا وہ بے خودی جیسے حدت کی مانند بکھرتی گئی۔

آدم اور حوا کے رشتے میں اللہ نے جو کشش رکھی ہے وہ

کشش اس لمحے فجہ کا دل کھینچ رہی تھی۔ ازہان کے ہونٹوں کا لمس اُسے زندگی کے ہر دکھ ہر محرومی کا مرہم لگ رہا تھا۔ اپنی ذات پر ازہان کا اعتماد اس کے لیے زندگی کی سب سے خوب صورت حقیقت تھی تبھی اس لمحے اس نے اپنا آپ مکمل رضا مندی سے اس شخص کے سپرد کر دیا جو اس کا محض شوہر ہی نہیں بلکہ محافظ بھی تھا' سکھ اور دکھ کے سفر میں ہمیشہ ساتھ نبھانے والا محافظ اور کڑی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں لٹانے والا سایہ دار درخت...... جتنے دکھوں کے ببول اس کی تقدیر نے رکھے تھے وہ سب اس نے چن لیے تھے آگے اب اسے ہمیشہ خوشیوں کی بہاریں ہی بہاریں دیکھنا تھیں اس شخص کے ساتھ جو دنیا میں اس کا واحد غمگسار تھا۔

آسمان روشن ستاروں سے جگمگا رہا تھا' سنک رو سرد ہواؤں کے تسلسل میں بھی کہیں کوئی کمی نہیں آئی تھی مگر اس کا دل بجھ گیا تھا یوں جیسے رک سا گیا ہو۔ معید اس روز ہسپتال سے جلدی آ گیا تھا' حنا لان کی صفائی کے بعد وہیں ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی جب معید فریش ہونے کے بعد وہیں چلا آیا۔ فجہ کی رخصتی کو چوتھا دن تھا اور ان چار روز میں گھر کے کسی فرد کی حنا سے فجہ کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"السلام علیکم" حنا کی طرح چار روز سے وہ بھی بجھا بجھا سا تھا' وہ معید کو سامنے دیکھ کر کرسی کھینچ لائی۔

"وعلیکم السلام' بیٹھو آج جلدی آ گئے؟"

"ہوں...... طبیعت کچھ ناساز تھی' سوچا گھر جا کر آرام کر لوں۔"

"کیا ہوا طبیعت کو؟" اپنی کرسی اسے پیش کر کے وہ خود اس کے مقابل ہی ٹک گئی تھی معید نے سرسری نظر اس پر ڈالنے کے بعد رخ پھیر لیا۔

"کچھ نہیں بس یونہی سر میں تھوڑا درد محسوس ہو رہا تھا۔"

"دوائی؟"

"نہیں۔"

"مجھے پتا تھا اپنی ذات کے لیے تم سے زیادہ بے پروا انسان میں نے پوری دنیا میں نہیں دیکھا۔"

"مہربانی' پھر کب آ رہا ہے عالمی بینک میں میرا نام؟"

"معید پلیز...... اپنی ذات سے اتنی بے پروائی ٹھیک نہیں ہوتی۔"

"تو میں کب بے پروا ہوں یار' اتنا خیال تو رکھتا ہوں اپنا' کبھی خود پر بھی نظر ڈال لیا کرو تم کیا تھیں اور کیا ہو کر رہ گئی ہو۔"

"مجھے چھوڑو' بس تم اپنی کیئر کیا کرو کیونکہ تم سے پھپھو اور پھوپا جی کے بہت سے خواب وابستہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے جی اور کوئی حکم؟"

"نہیں اور کوئی حکم نہیں' لاؤ میں سر دبا دوں؟"

"واقعی؟" اس نے خوش ہونے کی ایکٹنگ کی تھی' حنا گھور کر رہ گئی۔

"جی ہاں' واقعی۔"

"نہیں یار! کہاں میرا اتنا گندا سر اور کہاں تمہارے پیارے پیارے ملائی جیسے ہاتھ' یہ ہاتھ کسی میرے جیسے فضول سے شخص کا سر دبانے کے لائق ہرگز نہیں۔"

"اچھا جی' تو گلا دبا دوں پھر......؟" وہ چڑی تھی' معید کھل کر ہنس دیا۔

"نہیں' گلا دبانے کے لیے بھی نہیں ہیں۔"

"تو پھر؟" اب وہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑے پوچھ رہی تھی' معید نے آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"پھر...... پھر...... ستاروں کا تو مارو گی تو نہیں؟"

"نہیں۔"

"اوں ہوں...... تمہارا کوئی اعتبار نہیں' کب مکر جاؤ۔"

"میں مکرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"چلو دیکھیں گے وقت آنے پر' فی الحال یہ بتاؤ فجہ سے بات ہوئی؟"

"نہیں' دو تین بار کوشش کی گھر فون کرنے کی مگر اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی' پتا نہیں کیوں مگر مجھے ایسا لگتا ہے معید جیسے ہم نے اس کا اعتبار نہ کر کے کوئی زیادتی کی ہے۔"

"ہوں' میں خود بھی پچھلے چار دن سے اسی الجھن میں ہوں شاید ہمیں یوں دوسروں کی باتوں میں آ کر اسے پرائی

کی طرح رخصت نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہوں مجھے بھی یہی سوچ ڈسٹرب کررہی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا؟"

"پتا نہیں حتمی طور سے کچھ نہیں کہہ سکتی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ محفوظ ہی ہوگی خدانخواستہ اس کی عزت پر کوئی داغ نہیں لگا۔" عینا کے لہجے میں یقین تھا معید کتنی ہی دیر تک دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے اپنی ہی سوچ میں کھویا رہا۔

اگلے روز عینا نے مرینہ بیگم سے بھی یہی سب ڈسکس کیا وہ بھی معید کی طرح الجھن میں تھیں خود جواد صاحب بھی خود کو مطمئن نہیں رکھ پارہے تھے اگر فجہ کی ماں زندہ ہوتی تو کیا اس کے ساتھ یہ سلوک ہوتا؟

بنا اس کی کوئی وضاحت کوئی بات سنے ان لوگوں نے کیسے اسے چند لمحوں میں اجنبی کردیا تھا۔ وقت رخصت دعائیں اور تسلیاں بھی نہیں دے سکے تھے اپنی اپنی جگہ سب الجھن میں تھے تبھی معید نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بہن کا دھوم دھام سے ولیمہ کرے گا اور سب جاننے والوں کو انوائٹ کرے گا بات بہت بڑی اور حوصلے کی تھی۔ جواد صاحب نے ممنون نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی تائید کردی۔

اسی شام ازہان اور فجہ کو یہ خبر ملی تو وہ خوشی سے گنگ رہ گئی۔ فجہ کا شاندار جہیز جو جواد صاحب نے کب سے تیار کروا رکھا تھا شہر پہنچادیا تھا ولیمے کی تقریب کے لیے البتہ ان دونوں کو گاؤں آنا پڑا تھا جہاں بہت شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

لائٹ پرپل اور پنک شیڈ میں لہنگا کرتی میں ملبوس فجہ دلہن بنی محفل کو چار چاند لگارہی تھی جبکہ وائٹ کاٹن کے شفاف سوٹ میں ملبوس ازہان اتنا پیارا اور خوش دکھائی دے رہا تھا کہ اسے نظر لگنے کا سو فیصد امکان تھا اور معید کافی دیر اس سے چھیڑ چھاڑ کے بعد ابھی کھانے کا جائزہ لینے کے لیے اٹھ ہی رہا تھا جب اس کی نظر سامنے سے آتی عینا پر پڑی شیفون کے کام والے سوٹ میں ملبوس بنا میک اپ اور جیولری کے وہ بہت ادھوری ادھوری سی محسوس ہورہی تھی تبھی وہ اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"عینا۔" وہ جو کسی مہمان کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی پکار پر فوراً پلٹ گئی۔

"جی۔"

"تیار ہوگئیں؟"

"ہوں' کیوں کوئی کام تھا؟"

"ہاں' تھا ایک کام آؤ میرے ساتھ۔" اس کے سراپے کا سرسری جائزہ لینے کے بعد وہ اس کا ہاتھ تھام کر گھر سے باہر لے آیا تھا' وہ بمشکل اس کے پیچھے لگی ارے ارے کہتی رہ گئی تھی۔

"کہاں لے جارہے ہو؟"

"بتادوں گا کہیں اغوا کرکے نہیں لے جارہا بے فکر رہو۔"

اسے اپنے پیچھے بائیک پر بٹھا کر اس نے بائیک بھگادی تھی۔ عینا کی جان جیسے عذاب میں آگئی تیز ہوا میں کبھی اڑتا دوپٹا سنبھالتی کبھی اڑتے بال معید کی حرکتیں دیکھ کر اسے کوئی بھی قابل ڈاکٹر ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اس نے بازار میں بائیک روکی اور پھر بنا عینا سے پوچھے اپنی مرضی سے مختلف کلر کی چوڑیاں، جیولری، جوتے اور ڈریس خریدتا چلا گیا تھا عینا ہکا بکا سی دیکھتی رہی تھی۔

"معید تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟"

"بچپن سے ہوں تمہیں اب پتا چلا ہے۔" وہ کہاں اس کی کسی بات کو سنجیدہ لیتا تھا عینا اپنا سر پیٹ کررہ گئی۔

"اتنی ساری چیزیں خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی تو خریدی ہیں ناں یار، ایک ہی تو دوست ہے میری دنیا میں وہ بھی سب کے درمیان سب سے الگ نظر نہ آئے تو کیا فائدہ؟"

"تم سچ میں پاگل ہو مجھے پتا لگ گیا ہے۔"

"شش..... کسی اور کو نہیں بتانا۔" بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بھی وہ اسے تنگ کرنا نہیں بھولا تھا۔

عینا اس کے مضبوط کندھے پر مکا رسید کرکے رہ گئی۔

ریان کی موت کے بعد اس نے اپنا ناطہ رنگوں سے توڑ لیا تھا وہ

بہت سادہ رہنے لگی تھی اور کسی نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا مگر آج ایک دم سے جانے معید کو کیا ہوا تھا کہ وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر اسے بازار لے آیا تھا۔ عینا کو اس لمحے بے ساختہ اس لڑکی کے نصیب پر رشک آیا تھا جو معید جیسے انسان کے دل میں بستی تھی۔

اس کا دل چاہا صرف ایک بار وہ اس لڑکی کو ضرور دیکھے کہ وہ آخر کیسی لڑکی تھی جسے معید نے چاہا تھا جانے کیا بات تھی گزرتے ہر دن کے ساتھ وہ اس کی ذات سے متعلق بہت حساس ہوتی جارہی تھی۔ وہ لوگ گھر پہنچے تو معید نے خود اس کے دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے عینا پر اس معاملے میں بالکل بھی اعتبار نہیں اور وہ اس بات پر کتنی ہی بار چھپ چھپ کر روتی رہی تھی۔

تقریب کے دوران بھی وہ وقتاً فوقتاً اس کے پاس آکر مشورے کرتا رہا تھا۔ کمنٹ دیتا رہا فجہ اور ازہان کے خوب صورت اور خوش لگنے پر اس کی رائے پوچھتا رہا تھا۔ عینا کے لیے اس کی ذات پہلی بار کھل کر سامنے آئی تھی۔

وہ بے حد مددگار، حساس اور پیار کرنے والا انسان تھا۔

فجہ اس سے اور عینا سے ناراض تھی مگر ان دونوں نے مل کر اسے منالیا تھا۔ تقریب کے اختتام کے بعد جواد صاحب اور مرینہ بیگم نے ازہان اور فجہ دونوں سے رات رکنے کی درخواست کی مگر ان دونوں نے ہی معذرت کرلی۔ تاہم رخصتی سے قبل اس نے ازہان کے معاملے میں مرینہ بیگم کے ساتھ بدتمیزی پر نہ صرف ان سے معافی مانگ لی تھی بلکہ ان کا بے حد شکریہ بھی ادا کیا کہ انہوں نے اتنے اچھے قابل لڑکے کو اس کے لیے پسند کیا جو شاید اس کی ماں بھی نہ کرسکتی۔

گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وہ عینا کے پاس بھی رکی تھی اور اس نے جھک کر اس کے کان میں کہا تھا کہ وہ معید کے بارے میں ضرور سوچے کیونکہ وہ ایک بے حد اچھا اور قابل انسان ہے۔

عینا کا دل دھڑکا تھا مگر وہ اپنے ضمیر کا کیا کرتی جو اسے باور کیے ہوئے تھا کہ معید کسی اور کی امانت اور خواب ہے اسے کسی اور کے حق پر شب خون نہیں مارنا چاہیے۔

تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی سارے مہمان بھی رخصت ہوگئے عینا اپنے کمرے میں آئی تو اس کا دل بے حد مضطرب تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوکر ساری جیولری اور چوڑیاں اتارتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل معید کے بارے میں سوچ رہا تھا اور پھر ساری جیولری اتار کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آئی تو معید کے بارے میں ہی سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتا بھی نہ چلا۔ ابھی اسے سوئے ہوئے بمشکل ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا معید نے اسے جگادیا۔

"باہر آؤ جلدی۔" جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی وہ حکم دے کر کمرے سے نکل گیا۔

عینا پریشان سی اٹھ کر جوتا پہنے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"کیا ہے سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہوں خیریت ہے تمہیں شرم نہیں آتی تمہارا دوست ابھی جاگ رہا ہے اور تم جاکر مزے سے سوگئیں بندہ کسی کا خیال ہی کرلیتا ہے یار۔" لاؤنج میں آنے کے بعد اس نے اسے جگانے کی وجہ بتائی تھی وہ اپنا سر پیٹ کررہ گئی۔

"معید تم بہت برے ہو سچ میں، بھلا یہ کوئی تک ہے کسی کو جگانے کی؟"

"بالکل تک ہے میں ابھی فارغ ہوکر آیا ہوں سارا سامان وغیرہ لوڈ کروا کر اور تم شہزادی صاحبہ بجائے تھوڑی مدد کرانے کے سارے گدھے گھوڑے بیچ کر سوگئیں شیم آن یو۔"

"تو کیا کروں ساری رات یہاں بیٹھ کر تمہارا دماغ چاٹوں؟"

"بالکل مگر پہلے اچھی سی چائے بنالاؤ بہت تھکن محسوس ہورہی ہے۔"

"ایک شرط پر بناؤں گی۔" عینا نے کہا تو معید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"شرط..... یار یہ تم سیاسی کب سے ہوگئیں؟"

"بس ہوگئی تم بتاؤ شرط پوری کروگے کہ نہیں؟"

"کروں گا اگر معقول ہوئی تو اب جاؤ جاکر جلدی سے چائے بنالاؤ سر درد سے پھٹ رہا ہے سچ میں۔" مسوڑے کی

پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ عینا کو ناچار اٹھنا پڑا چائے بنا کر وہ واپس لاؤنج میں آئی تو معید شاید نیند کے حصار میں چلا گیا تھا۔

اس نے ایک نظر اس کی بند پلکوں کو دیکھا پھر چائے کے کپ ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھے جس سے معید کی آنکھ کھل گئی۔

"شاباش تم واقعی بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"میری اچھائی کو چھوڑو یہ بتاؤ وہ لڑکی کون ہے جس کا تم نے جوگ لگایا ہوا ہے؟" اپنا کپ تھام کر وہ اس کے مقابل ٹک گئی تھی معید نے بے حد اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں نے کوئی جوگ لگایا ہوا ہے؟"

"کسی نے بھی کہا ہو تم بس میرے سوال کا جواب دو کیونکہ تم شرط پوری کرنے کا وعدہ کرچکے ہو۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو عینا ایسی کوئی بات نہیں ہے تمہیں کسی نے غلط گائیڈ کیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم اپنی زندگی کا یہ راز مجھ سے شیئر نہیں کروگے؟"

"جب راز ہوگا تب شیئر کرلوں گا ابھی فضول میں اپنی انرجی ضائع نہ کرو۔" وہ کسی طور اس ٹاپک پر بات کرنے کے لیے راضی دکھائی نہیں دے رہا تھا عینا نے بھی بحث مناسب نہیں سمجھی۔ اگلے روز وہ اسپتال چلا گیا۔

عینا تھکن اور رات دیر تک جاگنے کے سبب صبح دیر تک سوتی رہی تھی۔ ظہر کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو مرینہ بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"عینا، میں اور جواد ذرا شہر جارہے ہیں شام تک واپس آجائیں گے تم ذرا کچن دیکھ لینا اور معید کے کمرے پر بھی اک سرسری سی نظر ڈال لینا آج کام والی نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے پھپھو! میرا سلام دیجیے گا سب کو۔" اسے سستی ہو رہی تھی پھر بھی وہ اٹھ بیٹھی تھی کہ مرینہ بیگم اثبات میں سر ہلاتی فوراً باہر نکل گئی تھیں کہ جواد صاحب گاڑی اسٹارٹ کیے بیٹھے تھے۔

عینا نے اٹھ کر پہلے ہاتھ لیا پھر کچن میں چلی آئی ناشتے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا پھر بھی اس نے ہلکا پھلکا ناشتہ کرلیا۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ معید کے کمرے میں چلی آئی جہاں اس کی آمد وقت کسی بہت ضروری کام کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔

اس وقت اس کے کمرے کا حال خاصا ابتر تھا وہ مکمل تندہی سے اس کی صفائی ستھرائی میں جت گئی۔ پہلے ساری بکھری ہوئی چیزیں اٹھا کر ان کے ٹھکانوں پر رکھیں پھر صفائی کرکے ڈسٹنگ کی پھر وارڈ روب سے سارے کپڑے نکال کر علیحدہ کیے میلے کپڑے سائیڈ پر رکھے جو سوٹ دھلے تھے ان کو پریس کرکے ہینگ کیا اس کے موزے، ٹائیاں، شرٹس علیحدہ کرکے رکھیں پھر بیڈ کی چادر تبدیل کی تکیوں کے کور تبدیل کیے اور ان سب کاموں کے درمیان تکیے کے نیچے سے نکلنے والی وہ سیاہ جلد والی ضخیم ڈائری مسلسل اس کی نظروں میں رہی تھی جس کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل بے ساختہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

فیحہ کے بقول معید کی زندگی میں کوئی لڑکی تھی جس کی تصویر اس کی ڈائری میں تھی اور وہ جب بھی بہت خوش یا ڈیپریس ہوتا تھا تو لازمی اپنی وہ خوشی یا دکھ اس ڈائری کے بے جان صفحات کے ساتھ شیئر کرتا تھا اب جبکہ وہ لڑکی اس کی زندگی میں نہیں تھی پھر اس ڈائری کا معید کے تکیے کے نیچے ہونا بھلا کیا معنی رکھتا تھا؟

کیا فیحہ کی شادی اور کل رات ولیمے کی تقریب پر اس نے اس لڑکی کو مس کیا ہوگا؟

دل کی دھڑکن تھی کہ بڑھتی جارہی تھی کپکپاتے ہاتھوں سے ڈائری اٹھاتے ہوئے وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

زیم کی لاڈلی بھوری کے ساتھ عائزہ کی بھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ بھی زیم کی طرح اس کا خیال رکھتی تھی جواباً بھوری بھی اسے دیکھتے ہی بولنے لگتی۔ پورے باڑے میں کودتی پھرتی۔ آفنی کا خیال تھا کہ وہ بوڑھی ہوگئی تھی لہٰذا اسے رسی ڈال دی جائے مگر عائزہ کا دل نہیں مانتا تھا۔

اس نے گاؤں میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام

کرتے دیکھا تھا کبھی کھیتوں میں فصلوں کی کٹائی کرتے ہوئے، کبھی کھیتوں کی صفائی کرتے ہوئے، کبھی ڈھور ڈنگروں کے ساتھ انہیں چارہ ڈالتے اور دودھ دوہتے ہوئے، عائزہ کے لیے عورت کا یہ روپ بے حد حیران کن اور دلچسپ تھا۔

ان پڑھ جاہل بدصورت مردوں کی دن رات ماریں کھا کر بھی دیسی عورتیں کس بہادری اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اپنے مردوں سے زیادہ زندگی کا بوجھ ڈھو رہی تھیں۔ ایک طرف گھر اور بچے تھے تو دوسری طرف کھیت وہ کئی بار جھرجھری لے کر رہ جاتی تھی۔

گھر میں نزہت آپا اسے کسی کام میں ہاتھ لگانے نہ دیتیں کہ کہیں اس کے خوب صورت نازک ہاتھ خراب نہ ہوجائیں مویشیوں کا سارا کام بھی وہ خود ہی کرتی تھیں۔ عائزہ کو ان کی تھکن کا احساس تھا تبھی وہ ان کے منع کرنے کے باوجود اکثر کاموں میں ان کا ہاتھ بٹادیا کرتی تھی۔

نزہت آپا کے بچوں کو ٹیوشن اور آفنی کو فرسٹ ایئر کی پرائیویٹ تیاری کا کام بھی اس نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ اماں جی اور بابا اس سے بہت خوش تھے۔ اس کے گاؤں میں آجانے سے ان کے گھر کی رونق بڑھ گئی تھی پھر وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی گاؤں کی بہت سی عورتوں کے مسائل چٹکیوں میں حل کردیتی تبھی دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاؤں میں خاصی مقبول ہوگئی تھی۔

گاؤں کے لوگ نہ صرف اسے غیر معمولی محبت دے رہے تھے بلکہ ان کے دلوں میں اس کے لیے بہت عزت بھی تھی عائزہ کو زندگی میں پہلی بار بہت سے نئے تجربے ہو رہے تھے ادھر زیم شہر جا کر بے حد مضطرب ہوگیا تھا۔

وہ فلیٹ جہاں وہ کئی سالوں سے اکیلا سکون سے رہتا آیا تھا وہی فلیٹ اب عائزہ کے بغیر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اسے نہ کوئی چیز اچھی لگ رہی تھی نہ کام میں دل لگ رہا تھا۔

کتنی رعونت سے اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں چھوڑ سکتا۔ کتنی حقارت سے کہا تھا کہ اگر اسے اس کی ضرورت ہوتو اسے بلالے وہ شوہر کے فرائض ادا کردے گا مگر آج ساری رعونت اس کے لہجے کی ساری حقارت خود اس کے منہ پر کسی طمانچے کی طرح آلگی تھی۔ اس کا دل اس سے بغاوت کا اعلان کررہا تھا۔ وہ اس کی انا اس کے اصول و ضوابط اس کے وقار کو نہیں مان رہا تھا اور اسی طرح کروٹ پہ کروٹ بدلتے ایک اور رات اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر سکون کی فاختہ تھی کہ کسی طور زیم کی گرفت میں آکر نہیں دے رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

بلیک کور والی خوب صورت صفحات کی ڈائری اس کے سامنے کھلی تھی اور عینا کا دل تھا کہ تیزی سے دھڑکتا جارہا تھا کسی کی امانت میں خیانت اسے اب بھی گوارا نہیں تھی مگر......

اب اندر کا تجسس اور الجھن اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ یہ خیانت کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ شروع کے چند صفحات دل کو چھو لینے والے خوب صورت اشعار سے مزین تھے تبھی چند صفحات کے بعد اسی صفحے کی مختصری عبارت نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔

"میں نہیں جانتا جسم سے جان نکلتی ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس وقت میرا دل جس تکلیف کے حصار میں ہے یہ تکلیف جان نکلنے سے کم والی تکلیف نہیں ہے کاش تم دیکھ سکتیں، جو اس وقت میرا حال ہے وطن سے دور، اپنے رشتوں سے محروم اس سرد رات میں مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرا خون تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو دینے کے احساس سے رگوں میں جمتا جارہا ہے...... کاش میں تمہیں خوش رہنے کی دعا دے سکتا کاش......!"

عینا نہیں جانتی تھی کہ وہ تحریر اس نے کب اور کیوں لکھی تھی مگر وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ جس وقت معید نے وہ تحریر لکھی تھی اس وقت وہ بہت اذیت میں تھا اتنی اذیت میں کہ شاید اس سے ٹھیک سے لکھا بھی نہیں گیا تھا۔

بہت محبوب چیز کو کھونے کا ڈر شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔

ڈائری کے اگلے صفحات پھر دل کو تڑپا دینے والے خوب صورت اشعار اور غزلوں سے بھرے تھے۔ تبھی پھر اس کی نظریں ایک صفحے پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے آج میں کتنا خوش ہوں، مجھے لگتا ہے جیسے میں نے ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیا ہو، بادلوں کو پکڑ لیا ہو آج کتنی مدت کے بعد میری آنکھوں نے تمہارا چہرہ دیکھا ہے، وہ چہرہ جو میری ساری دنیا ہے، وہ چہرہ جس سے ہٹ کر میرے لیے کائنات کی کوئی چیز معنی نہیں رکھتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تو دل پھٹنے لگتا ہے تم کیوں اچھی لگیں مجھے کیوں آئیں میری زندگی میں جب تمہیں میرا ہونا ہی نہیں تھا۔ جب میرے ہاتھوں کی لکیروں میں تمہارا نام ہی نہیں تھا۔"

کتنا بکھرا ہوا شخص تھا وہ کتنا درد تھا اس کے اندر۔

مگر وہ درد کیوں تھا؟ کون تھی وہ لڑکی جس نے اس جیسے فرینڈلی، خوش مزاج شخص کی زندگی بکھیر کر رکھ دی تھی۔

امانت میں خیانت کر کے بھی اسے اس کہانی کا کوئی سرا نہیں ملا تھا کیونکہ معید نے کہیں اس لڑکی کا نام ہی استعمال نہیں کیا تھا وہ ایک کے بعد ایک صفحے پر نظر ڈالتی گئی۔ تبھی اس کی نظر پھر ٹھٹکی تھی۔

"کتنی اداسی ہے تمہاری آنکھوں میں، تم روتی ہو تو تمہاری آنکھوں میں آنسو بھی کرلاتے ہیں میرے آنسو اتنے خاموش کیوں ہیں آج تم نے کسی کو کھویا ہے تو بکھر گئی ہو میں بھی تو کب سے بکھرا ہوا ہوں، میں کسی کو نظر کیوں نہیں آتا کیا میں نے زندگی نہیں ہاری؟"

عینا کی آنکھیں کب بھیگیں اسے پتا ہی نہیں چلا اسی صفحے پر اس نے ایک شعر لکھا دیکھا تھا۔

نجانے کب بچھڑ جائے گا مجھ سے
وہ میری زندگی ہوتے ہوئے بھی

ایک ایک لفظ جیسے کفن اوڑھے اپنے مقبرے میں پڑا تھا۔ کیا کوئی شخص اتنا باحوصلہ بھی ہوتا ہے کہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کے اوپر سے ہنس ہنس کر سب سے ملتا رہے عینا کو اب اس بات کی سمجھ آ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ اس کا اور فیحہ کا اتنا خیال کیوں رکھتا تھا، وہ خود اندر سے زخمی تھا تو اسے دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھ کر ہی راحت نصیب ہوتی تھی۔

کاش اس کی زندگی میں کاتب تقدیر نے ریان ملک کی جگہ اس جیسا آئیڈیل شخص لکھ دیا ہوتا۔ اس لمحے یہ دعا اس کی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تمنا بن کر نکلی تھی۔

آگے ڈائری کے صفحات خالی تھے دل کی دھڑکن تھم گئی تھی آنسوؤں کا بہاؤ بھی رک گیا تھا ایک آخری تلاش کے طور پر اس نے ساری ڈائری کے صفحات ہاتھ میں لے کر ایک دم پلٹے تھے کہ شاید کہیں کچھ اور لکھا ہو اور تبھی وہ صفحہ اس کی نظر میں آ گیا تھا جو اس پوری ڈائری کا حاصل تھا۔ شاید یہی وہ صفحہ تھا جسے لکھنے کے لیے وہ ڈائری لاکر سے نکال کر اپنے بیڈ پر لے آیا تھا اور پھر وہیں تکیے کے نیچے بھول گیا تھا۔

صفحہ کیا تھا عینا کی زندگی تھا۔

"وقت پر قربان جاؤں دیکھو تو پھر سے تمہیں کسی خوشبو کی مانند اڑا کر میری زندگی میں واپس لے آیا ہے پروین شاکر نے کہا تھا۔

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

تم جانتی ہو پروین کا یہ مسئلہ میرا مسئلہ بن گیا تھا۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آتی میں کدھر جاؤں؟ اوائل عمر کی محبت جان کا روگ بن کر وجود کو کھا رہی تھی۔ تمہیں کھو دینے کے باوجود جب جب تمہارا کوئی دکھ میرے سامنے آیا میرا بس نہیں چلتا تھا کہ تمہیں تکلیف دینے والے کی سانسیں کھینچ لوں مگر میں آج بھی اتنا ہی بے بس ہوں میری جان، جتنا اس وقت تھا جب دیار غیر میں ماما نے مجھے تمہاری شادی کی اچانک خبر سنائی تھی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا میں بھی اس محبت کی شدت جان ہی نہیں سکا جو میرے دل نے تم سے کی تمہیں کھونے کے بعد میں نے جانا کہ زندگی کیا ہوتی ہے، تمہیں تو شاید کبھی خبر بھی نہیں ہوگی کہ میرے اندر تمہارے لیے کیا ہے۔ جب بھی بچپن میں چوٹ کھا کر تم گرتی تھیں تو تمہیں کچھ نہیں ہوتا تھا مگر میری جان نکل جاتی تھی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنی اچھی کیوں ہو اتنی سادہ اور معصوم تم میں دنیا کی دوسری ساری لڑکیوں کی طرح دنیا داری کیوں نہیں ہے۔

تم کیوں نہیں میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے دل کا حال جان لیتی، کیا ہر جذبے کو بے نقاب کرنے کے لیے،

ہونٹوں کا احسان لینا ضروری ہے، کیا میری آنکھوں میں تمہیں اپنے لیے کوئی عکس نظر نہیں آتا کیا ہر بار مجھے تم کو بتانا پڑے گا کہ تم میری زندگی ہو؟

کیا اذہان کی طرح تقدیر مجھ پر اچانک مہربان نہیں ہو سکتی۔ کچھ بھی کہے، جانے بغیر کیا تم میری زندگی کا حصہ نہیں بن سکتیں، ایک بار ----- صرف ایک بار بن کر دکھو یار، اس صحرا نورد بھٹکتے ہوئے مسافر کی زندگی کا حصہ بننے میں بڑی راحت ہے۔" صفحہ ختم ہو چکا تھا۔

وہ شخص جتنا خود الجھا ہوا تھا اتنا ہی اس نے اپنی زندگی کو بھی الجھا رکھا تھا عینا نے ڈائری بند کر دی اس کے اندر اس لمحے جیسے طوفان امڈ رہے تھے۔

کتنا مشکل تھا وہ شخص اور اس کی چپ نے ان دونوں کی زندگیوں کو کتنا مشکل ترین بنا دیا تھا۔ وہ روئی اور خوب بلک بلک کر روئی تھی۔ پورا دن خاموشی سے رونے میں گزر گیا تھا شام سے کچھ پہلے اس نے وہ ڈائری اسی مقام پر رکھ دی خود کو کچن کی راہ دکھائی۔

مریم بیگم لیٹ ہو گئی تھیں، ان کا فون آیا تھا کہ وہ کل آئیں گی معید البتہ تھوڑی لیٹ آ گیا تھا۔ وہ اس وقت گم صم سی لاؤنج میں بیٹھی تھی جب وہ تھکا تھکا سا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"اسلام علیکم خیر ہے آج بڑی گم صم سی بیٹھی ہو۔"

"ہوں خیر ہی ہے، وعلیکم السلام۔"

"امی کدھر ہیں؟"

"شہر گئی ہوئی ہیں، بڑے ماما نے بلایا تھا۔"

"خیریت؟"

ذرا سا جھک کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ عینا نے آنکھیں پھیر لیں۔

"ہوں خیریت ہی ہوگی، تم فریش ہو جاؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"نہیں، کھانے کو گولی مارو، تم پہلے مجھے بتاؤ اتنی اداس کیوں ہو کیا کوئی یاد آ رہا ہے۔"

"نہیں۔"

تین انمول موتی

❁ اس شخص کا دل کبھی مت توڑو جو آپ کو پسند کرتا ہو۔

❁ اس شخص کو کبھی خدا حافظ مت کہو جس کو آپ کی ضرورت ہو۔

❁ اس شخص کو کبھی شرمندہ مت کرو جو آپ پر بھروسا کرتا ہو۔

سائرہ ---- بورے والہ

"نہیں تو پھر؟"

کتنا بے چین ہو جاتا تھا وہ اس کے ہر معاملے میں عینا نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔

"پھر کچھ نہیں یونہی بس ایک چھوٹی سی الجھن تھی۔"

"کیسی الجھن بتاؤ مجھے۔" بنا اپنی تھکن کی پروا کیے بے حد مضطرب ہو کر وہ اس کے پہلو میں آ بیٹھا تھا عینا کی پلکیں جھک گئیں۔

"تمہیں بتاؤں گی تم کیا کر لو گے؟"

"جو بن پڑا کروں گا تم بتاؤ مجھے۔"

"او کے میری یونیورسٹی میں ایک لڑکا ہے بہت اچھا ہے بہت شریف ایک آئیڈیل مرد، یونیورسٹی کی تقریباً آدھی سے زیادہ لڑکیاں اس پر مرتی ہیں۔"

"ان لڑکیوں کو سوائے لڑکوں پر بے موت مرنے کے دوسرا کوئی کام بھی ہے، احمق ناں ہوں تو۔ یونیورسٹی پڑھنے آتی ہیں کہ لڑکوں پر مرنے؟"

"ٹھیک ہے تم پہلے اپنا لیکچر جھاڑ لو۔" وہ خفا ہوئی تھی معید مسکرا دیا۔

"نہیں جھاڑتا لیکچر بتاؤ تمہاری الجھن کیا ہے۔"

"میری الجھن یہ ہے کہ اس لڑکے نے مجھے پرپوز کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتا ہے جبکہ اسے یہ پتا ہے کہ میں بیوہ اور ایک بیٹے کی ماں رہ چکی ہوں، اب مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اسے کیا جواب دوں۔"

"کیا تم بھی اس میں انٹرسٹڈ ہو۔"

عینا نے دیکھا معید کی عینا جیسی سیاہ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں، میں نے بھی دعا سلام بھی نہیں کی اس سے۔"

"تو ٹھیک ہے بس انکار کردو فوری، اس میں الجھن والی کیا بات ہے۔"

"الجھن والی بات ہے میں اسے ایسے انکار نہیں کرسکتی، پھپھو نے اسے او کے کردیا ہے وہ مجھے اب کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں نجمہ کی شادی کے بعد اب بس ان کی یہی خواہش ہے کہ وہ مجھے بھی پار لگادیں اور پھر لندن میں اس لڑکی سے جا کر ملیں جوان کے بیٹے کی پسند ہے۔ پھپھو کا کہنا ہے بھلا مجھ جیسی شادی شدہ ایک بچے کی ماں کے لیے ایسا رشتہ دوبارہ کہاں آئے گا اور وہ نہیں چاہتیں کہ تمہاری بیوی آنے تک میں یہاں رہوں اس گھر میں۔"

"جسٹ شٹ اپ یار، امی بھلا ایسے کیسے کرسکتی ہیں۔ یہ میری زندگی ہے کوئی مذاق تھوڑی ہے۔" ایک دم سے جذباتی ہوتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عینا دل ہی دل میں مسکرادی۔

"پھپھو کب مذاق بنانا چاہتی ہیں تمہاری زندگی کو وہ بھی تو تمہاری بہتری اور خوشی ہی چاہتی ہیں اور میں نے بھی تمہاری بہتری اور خوشی کے لیے یہی فیصلہ کیا ہے کہ میں اس لڑکے سے شادی کرلوں۔"

"بھاڑ میں گئی میری بہتری اور خوشی۔" از حد جذباتی ہوکر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عینا کھل کر مسکرادی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانا لے کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھا بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

"معید...... تم ڈاکٹر ہوتے ہوئے سگریٹ پی رہے ہو۔"

"عینا پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

"او کے چھوڑ دوں گی مگر یہ کھانا کھالو پہلے، دیکھو کتنی محنت سے تمہاری فیورٹ ڈشز تیار کی ہیں۔"

"ابھی بھوک نہیں ہے، بعد میں کھالوں گا۔"

"معید تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اگر تم اپنی پسند کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو مت کرو مگر میری شادی تو ہونے دو۔"

"بہت شوق ہے تمہیں شادی کا؟" اس کی بات پر غور کر کر پوچھتے ہوئے اس نے بے حد غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ عینا کی ہنسی نکل گئی۔

"اتنے غصے کیوں ہورہے ہو، نجمہ کی بھی تو شادی ہوئی ہے۔"

"تو تمہیں نجمہ کی جیلسی ہورہی ہے۔"

"ہاں دو دیکھو کتنا پیارا شوہر ملا ہے اسے اتنا اسمارٹ ہینڈ سم، مجھے اتنا چاہنے والا۔" اس نے چڑایا تو معید نے لب بھینچے ہوئے بیڈ کی پٹی کے ساتھ سر ٹکا کر پلکیں موند لیں۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے ڈاکٹر صاحب؟" وہ آج بہت خوش تھی اور اس کا دل اس بے ایمانی پر اس سے زیادہ خوش تھا۔ معید چپ رہا۔

"معید......" چند لمحے خاموشی سے گزر جانے کے بعد اس نے اسے پکارا تھا اور تبھی معید نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ رتجگوں کی امین، بے حد سرخ آنکھیں مگر کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں؟ عینا کو لگا جیسے اس کا سارا جسم برف میں تبدیل ہوگیا ہو۔

معید کی آنکھوں میں دیکھتی، بنا پلک جھپکائے، وہ پتھر ہورہی تھی۔ ایک عجیب سے طلسم کا شکار ہورہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے معید کی نگاہوں نے اس کی آنکھوں کو اپنے طلسم میں جکڑ لیا ہو، کتنی ہی دیر بنا پلک جھپکائے دیکھنے سے خود اس کی آنکھیں بھی نمکین پانیوں سے بھر آئی تھیں۔

تبھی معید نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کیا اور وہ جیسے کٹی ہوئی شاخ کی مانند ٹوٹ کر اس کے سینے سے لگی، بچوں کی طرح رو پڑی تھی۔ معید کے بازوؤں نے اسے یوں شدت سے خود میں سمو لیا تھا کہ اگر ذرا سی گرفت ڈھیلی کی تو کہیں وہ پھر سے کھو نہ جائے اور عینا کے لیے یہ لمس یہ حصار زندگی تھا۔

اس کے دل نے صرف ایک لمحے کے لیے اس شخص کی تمنا کی تھی اور اس کے مہربان رب نے وہی ایک لمحہ قبول فرما لیا تھا۔ معید نے سچ کہا تھا زندگی میں ہر جذبے کے اظہار کے لیے ہونٹوں کا احسان لینا ضروری نہیں ہوتا۔

بات بہت چھوٹی سی تھی۔ مگر اس چھوٹی سی بات کے راز سے پردہ اٹھنے میں اتنے سال لگ گئے تھے۔

عینا کا ہچکیاں لیتا گداز وجود معید کو کتنا ڈسٹرب کر گیا تھا یہ عینا نہیں جانتی تھی تاہم وہ اپنی دھڑکنوں میں اس کی دھڑکنوں کا شور محسوس کرکے سکون کی ایک میٹھی لہر اپنے پورے وجود میں سرایت کرتی محسوس کررہا تھا۔

برسوں کی تڑپ قرار پاگئی تھی۔

کل وہ اماں کو خوش دیکھ کر اس پر رشک کررہا تھا آج اس کی محبت اس کے سینے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی۔ وقت بدلتا ہے اس کا بھی وقت بدل گیا تھا۔

عینا بن کہے اس کے ہر جذبے ہر احساس کو سمجھ گئی تھی اور زندگی کا یہ احسان کوئی کم تو نہیں تھا۔

"تم میری زندگی ہو عینا، اب اگر تم نے مجھ سے دور ہونے کا سوچا تو قسم کھا کے کہتا ہوں میں مر جاؤں گا۔" عینا کے رونے پر وہ بھی رو پڑا تھا تبھی وہ تڑپ کر الگ ہوئی تھی۔

"اگر میں ہی تمہاری زندگی تھی تو پھر اب تک چپ کیوں رہے، کبھی بتایا کیوں نہیں؟"

"کیسے بتاتا، جب تک خود مجھے پتا چلا، تم کسی اور کی امانت ہوچکی تھیں پھر کیسے بتاتا، کیا تمہاری زندگی ڈسٹرب کردیتا، ہم دونوں جلتے اس سے بہتر مجھے یہی لگا کہ میں اکیلا جلوں، اکیلا روؤں اور تڑپوں۔"

"بہت برے ہو تم معید، تم بہت برے ہو۔"

"بس اب جیسا بھی ہوں تمہیں قبول کرنا پڑے گا نہیں تو میں اپنی جان دے دوں گا۔" بھیگی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے وہ اسے دھمکی دے رہا تھا۔ عینا نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خبردار اگر دوبارہ ایسی بات کی تو جان لے لوں گی۔"

"لے لو دل بھی تو لیا ہوا ہے پہلے قبضہ گروپ کہیں کی، جان میں تحفے میں دے دوں گا۔" وہ مسکرایا تو عینا بھی اسے دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

موسم بدل رہا تھا مگر اس بار بدلتے موسم نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ بے شک اللہ صبر کا اجر دیتا ہے۔ عینا اور معید دونوں کو اللہ نے ان کے صبر کا بہترین اجر عطا فرما دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

موسم بدل رہا تھا۔

گرمیاں رخصت ہورہی تھیں اور سردیوں کی آمد آمد تھی۔ زعیم کو شہر گئے پورے پندرہ دن ہوگئے تھے مگر ان پندرہ دنوں میں وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں آیا تھا۔ عائزہ سمجھ سکتی تھی کہ اسے کیوں گاؤں آنے کی فرصت نہیں مل ہوگی۔ محبت

عنایا راجہ

آنچل کے پیارے پیارے قارئین کو پیار بھرا اسلام مجھے عنایا راجہ کہتے ہیں اور پنجاب کے شہر جہلم میں رہتی ہوں، ذات کے لحاظ سے ہم راجپوت ہیں۔ میں 17 ستمبر 1995ء کو پیدا ہوئی، ہم چار بہن بھائی ہیں ایک بہن اور تین بھائی۔ میرا نمبر تیسرا ہے میں بی ایس سی پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے اور ہمیں بہت مزا آتا ہے جوائنٹ فیملی سسٹم میں۔ آنچل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے۔ مجھ میں خوبی ایک بھی نہیں ہے لیکن خامیاں بہت زیادہ ہیں۔ غصے کی تیز ہوں منافق لوگ بالکل بھی پسند نہیں۔ نازیہ کنول نازی میری فیورٹ رائٹر ہیں، مجھے ان سے ملنے کی شدید خواہش ہے ان کے سب ناولز بہت پسند ہیں۔ میرے فیورٹ شعراء میں فراز، وصی شاہ، پروین شاکر اور نازیہ کنول نازی شامل ہیں۔ فیورٹ کرکٹرز جنید خان اور شاہد آفریدی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری آئیڈیل شخصیت ہیں۔ کتابوں میں قرآن پاک موسٹ فیورٹ ہے پھر نازیہ کنول نازی اور عمیرہ احمد کے تمام ناولز پسند ہیں۔ پاک آرمی سے عشق ہے اور میری خواہش ہے آرمی میں جانے کی پلیز آپ سب دعا کیجیے گا۔ آخر میں بس اتنا ہی کہ اپنی دعاؤں میں امت مسلمہ اور پاکستان کو ضرور یاد رکھیں اللہ حافظ۔

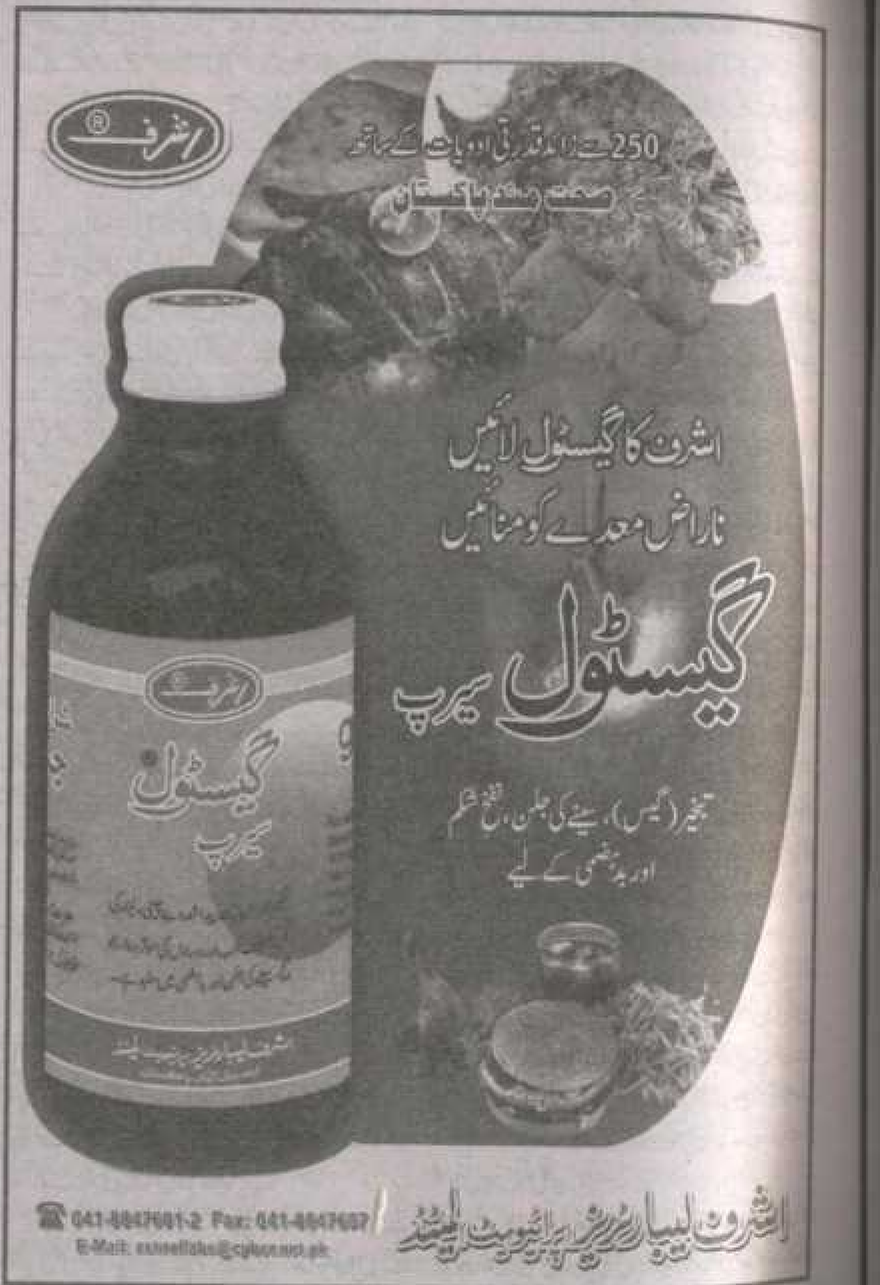

اس کی غیر موجودگی میں اس کے پاس تھی، پھر بھلا اسے گاؤں آنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو ویسے بھی اس کی محض ضد تھی۔

اس روز آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

نزہت بھابی کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا کلیم بھاء اور وہ رات میں ہی چلے گئے تھے۔ آنسی کی کسی دوست کی گاؤں میں شادی تھی۔ وہ عائزہ سے چلنے کا اصرار کرتی رہی مگر اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا اس نے منع کردیا۔ تب ناراض ہوکر آنسی اکیلی ہی چلی گئی مگر عائزہ جانتی تھی کہ وہ اسے منالے گی۔

ماں جی گھر پر تھیں مگر ان سے کام نہیں ہوتا تھا عائزہ کچھ دیر کمرے میں ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی رہی پھر باہر نکل آئی صبح کا ناشتہ وہ بنا چکی تھی۔ دوپہر میں کوئی کھانا نہیں کھاتا تھا لہٰذا وہ صفائی اور کپڑوں کی دھلائی کا کام مکمل کرتی تھی، موسم کا کوئی اعتبار نہیں تھا رفتہ رفتہ جیسے جیسے دن ڈھل رہا تھا بادل گہرے ہوتے جارہے تھے۔

وہ کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہوئی تو سبزی بنانے بیٹھ گئی، جانوروں کو ابا جی چارہ وغیرہ ڈال گئے تھے۔ لہٰذا اسے ان کی فکر نہیں تھی۔ موسم کے تیور دیکھتے ہوئے اس نے تندور پہلے جلالیا تھا تاکہ روٹی بنالے ورنہ بارش شروع ہوجاتی تو شام کا کھانا خاصا لیٹ ہوسکتا تھا نزہت بھابی اسے تندور میں روٹی لگانا سکھا چکی تھیں مگر پھر بھی وہ ابھی ماہر نہیں تھی تبھی ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔ آخری روٹی ابھی تندور کے اندر ہی تھی جب یکایک اندھیرا چھا گیا۔

عائزہ نے جلدی سے روٹیاں لپیٹ کر رکھیں اور تندور ڈھانپتے ہوئے اوپر چھت پر چلی آئی جہاں ابھی دو گھنٹے پہلے اس نے کپڑے دھو کر پھیلائے تھے۔ جلے ہوئے ہاتھ کی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس نے جلدی جلدی سارے کپڑے سمیٹنے شروع کردیے تھے مگر بارش نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا ایک ہی پل میں بارش کی موٹی موٹی بوندیں زمین کے سینے کو سیراب کرنے لگی تھیں۔ عائزہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اسے یوں اکیلے کبھی ایک ساتھ اتنے سارے کاموں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ تبھی گھبرا گئی تھی ساتھ ہی ساتھ بارش کی شدت میں باڑے سے اٹھنے والی بکریوں کی میں میں نے اسے پریشان کردیا۔

کپڑے ہاتھ میں تھامے اس نے چھت کے اوپر سے ہی باڑے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں بھوری اور اس کی ماں احاطے میں بندھی چیخ رہی تھیں، شاید اس کی طرح انہیں بھی بارش سے ڈر لگتا تھا۔ وہ جلدی جلدی سارے کپڑے سمیٹ کر اندر کمرے میں اماں جی کے پاس رکھ کر آئی اور جلدی سے باڑے میں گھس گئی، اپنی جلد بازی میں اس نے سائیڈ پر بیٹھے زعیم کو دیکھا ہی نہیں تھا، جو ماں جی سے اس کی تعریفیں سن رہا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایک شہری لڑکی جو بے حد نازک مزاج، نازک اندام اور گھمنڈی تھی اس نے اپنے آپ کو فقط کچھ ہی روز میں دیہاتی لڑکی میں بدل لیا تھا، کیوں؟

اسے تو گاؤں کے نام سے ہی نفرت تھی وہ تو کھلم کھلا دیہی لوگوں کی زندگی کا مذاق اڑاتی تھی پھر اب کیا ہوا تھا؟ ابھی دس منٹ پہلے ہی وہ برستی بارش میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر شہر سے گاؤں آیا تھا اور آتے ہی اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے جب ماں جی نے اسے بتایا تھا کہ نزہت بھابی اپنے میکے اور آنسی اپنی دوست کی شادی میں گئی ہوئی تھی اور گھر کا سارا کام صبح سے اکیلی عائزہ نے سنبھالا ہوا تھا۔

وہ شاید اتنی جلدی یقین نہ کرتا جو اسے ڈھیروں کپڑے سمیٹے، کمرے میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیتا، کپڑے پھینکتے ہی وہ باڑے کی طرف بھاگی تھی اور زعیم کی آنکھیں اس پر ٹھہری رہ گئی تھیں۔ جبکہ بھینسوں کو کلیم بھاء کل ہی برآمدے میں باندھ گئے تھے صرف بکریاں ہی کچی چھت کے احاطے میں بندھی تھیں۔ تبھی زور پکڑتی بارش نے انہیں پریشان کردیا تھا اور ان میں ہلچل مچ گئی تھی۔

عائزہ جلے ہاتھ کی تکلیف کے باوجود لپک کر ان کی طرف آئی تھی طوفانی بارش کی شدت نے لمحوں میں اسے اچھا خاصا بھگو ڈالا تھا۔ اتنی تیز بارش میں سوائے بکریوں کے شور کے اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا زعیم کی پکار بھی نہیں۔

جیسے تیسے کرکے اس نے بھوری کی ماں کی رسی کھول دی تھی۔ مگر دوسری بکری خاصی طاقتور اور اڑیل تھی اور پھر سے

کھونٹوں پر رسی کی گانٹھیں اتنی مضبوط تھیں کہ عائزہ کے ہاتھ رہ گئے تھے کھولتے کھولتے اسی کوشش میں طوفانی بارش سے پریشان بکری اس کے پاؤں پر چڑھ دوڑی تھی جس سے وہ تڑپ کر رہ گئی۔

آنکھیں جہاں آنسوؤں سے بھرائی تھیں وہیں لبوں سے بے ساختہ سسکی کی آواز نکلی تھی۔ عین اسی لمحے زمیم اس کے سامنے بیٹھا تھا عائزہ ٹھٹک گئی۔

"تم چھوڑو میں کھولتا ہوں انہیں تمہارے بس کا کام نہیں ہے یہ۔" سر جھکائے رسی کو ڈھیلی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بے صبری ہوئی بکری کو بھی قابو کر لیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی، بارش میں بھیگی اسے دیکھتی رہی، زمیم نے ساری بکریاں کھول کر پھر اس کی طرف دیکھا، جس کے کپڑے پور پور بارش میں بھیگ کر جسم سے چپک چکے تھے زمیم کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی اس کی بے باک نگاہیں جیسے اس کے بھیگے سراپے سے لپٹ لپٹ گئی تھیں۔

"اٹھو۔"

بمشکل اس کے ہوش ربا سراپے سے نگاہیں چراتے اس نے کہا تھا عائزہ اس کی پکار پر ہوش میں آتے ہوئے جیسے ہی اٹھ کر ایک قدم چلی، اس کا پاؤں پوری شدت کے ساتھ خالی کھونٹی میں لگا اور وہ ہلکی سی چیخ حلق سے نکالتے ہوئے دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" زمیم اس کے سامنے ہی آ بیٹھا تھا اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

"پتا نہیں۔"

"دکھاؤ ادھر۔" عائزہ کے پاؤں سمیٹنے کے باوجود اس نے ہاتھ بڑھا کر زبردستی اس کا پاؤں اپنی گرفت میں لے لیا تھا اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کے انگوٹھے کا ناخن ٹوٹ چکا تھا۔ زمیم ابھی ہاتھ بڑھا کر اسے دیکھنا ہی چاہتا تھا کہ عائزہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ٹھیک ہوں، پلیز۔" کپکپاتے لبوں سے اس نے التجا کی تھی مگر وہ پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر بنا آبلہ بھی دیکھ چکا تھا جو آج تنور پر روٹیاں لگاتے ہوئے بنا تھا تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے اس کے پورے ہاتھ کا جائزہ لیا پھر یکبارگی نگاہیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جو خود بھی نمکین پانی کے کٹورے چھلکائے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے صبر کی انتہا ہوئی تھی عائزہ کی آنکھوں سے چھلکتے موتیوں اور بدن پر لگے زخموں نے اسے دھول چٹائی تھی اس کی نظریں خاصی بے قراری سے عائزہ کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چھو رہی تھیں۔ اس لمحے اس کا خود پر سے اختیار اٹھ گیا تھا کوئی طوفان تھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اتر کر عائزہ کے دل کی سلطنت کو روندتا ہوا گزر گیا تھا۔

زمیم کی سیاہ مقناطیسی نگاہیں، خاموشی کی زبان میں ہزار ان کہی خواہشات اجاگر کرتیں اپنے بوجھل پن کے ساتھ پور پور میں شرارے بھر رہی تھیں، اس کا وجود دیکھتے ہی دیکھتے جیسے آتش کدہ بن گیا تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ وہ زمیم کی نگاہوں کے طلسم کو جھٹلا کر نظریں چرائے مگر وہ طلسم اتنا مضبوط تھا کہ اسے اپنی آنکھیں اس طلسم میں جکڑی محسوس ہو رہی تھیں۔ طوفانی بارش اور درد کا احساس مٹ گیا تھا یاد رہا تھا تو محض اتنا کہ وہ زمیم کے سامنے بیٹھی ہے اور اس کی بے باک شریر نگاہیں دیوانہ وار اس کا ایک ایک نقش چوم رہی ہیں۔ اس کا سر اس احساس کے ساتھ جھکتا چلا گیا تھا تبھی مدہوش ہوئے زمیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ ذرا سا اوپر کیا اور اگلے ہی پل جھک کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر ثبت کر دیے عائزہ کے پورے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا۔

زندگی میں پہلی بار کوئی مرد اس کے اس درجہ قریب آیا تھا جس کی اجازت اس نے کبھی سندان حسن کو بھی نہیں دی تھی۔ مگر زمیم ملک نے اجازت مانگی کب تھی؟ وہ تو پوری ملکیت و ہونس کے ساتھ مکمل استحقاق بھرے انداز میں اپنا حق وصول کر رہا تھا۔ اتنی شدت سے کہ اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

بارش کا زور ٹوٹا تھا مگر زمیم کے جذبات کی بارش کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ شاید وہ خود بھی خود کو روکنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ تبھی عائزہ نے ذرا سی ہمت کر کے

ہوئے اسے آہستہ سے پرے دھکیلا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اسے دوبارہ پکڑتا وہ اپنے پاؤں کے زخم کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی۔ زمیم قدرے غصے اور بے بسی کے ساتھ اسے آوازیں دیتا رہ گیا تھا۔ مگر عائزہ نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔

اس کا دل اس لمحے جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ سانس تھی کہ دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ پورے بدن پر عجب سا سرور طاری تھا زمیم اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر شکستہ سے انداز میں بیڈ پر گر گئی تھی۔

شام تک اسے تیز بخار چڑھ آیا ماں جی نے اس کی تھکن کے خیال سے جگانا مناسب نہ سمجھا زمیم رات میں خاصی تاخیر سے کمرے میں آیا تو دیکھا وہ تیز بخار میں بے سدھ پڑی، بے چینی سے ادھر ادھر سر پٹخ رہی تھی۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، کسی خشک تالاب کی مانند لگ رہے تھے۔ جبکہ چہرہ یوں کملایا تھا گویا کسی پھول کو تیز دھوپ میں رکھ کر اس کی ساری شگفتگی اور جاذبیت نچوڑ لی گئی ہو کانپتے ہوئے لبوں سے صرف پانی کی صدا بلند ہو رہی تھی زمیم کی جان پر بن گئی۔

"عائزہ....." لپک کر اس کے قریب آتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا مگر عائزہ نے اس کی پکار نہیں سنی زمیم کو اس لمحے خود پر بے انتہا غصہ آیا کہ کیوں اس نے اپنی ساری شدتیں یوں چند ہی لمحوں میں اس نازک سی لڑکی پر انڈیل دی تھیں جبکہ وہ ابھی تک اسے اپنی چاہت کا مان بھی نہیں دے پایا تھا۔

"پانی۔"

عائزہ کے خشک لبوں کی صدا دوبارہ بلند ہوئی تھی وہ فوراً اٹھا اور جلدی سے پانی کا گلاس لا کر اس کے لبوں سے لگا دیا۔ وہ اٹھ نہیں سکی تھی تبھی زمیم نے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس کے سر کو اپنے ہاتھ کے سہارے ذرا سا اوپر اٹھایا اور اسے گھونٹ گھونٹ سارا پانی پلا دیا۔

عائزہ کی آنکھیں اس لمحے بے حد سرخ اور بوجھل ہو رہی تھیں جبکہ سانس بھی غیر ہموار تھی۔ پانی پی کر لیٹتے ہوئے اس

چند پھول

جاتے ہوئے صرف چند پھول
وفا کے نام سے منسوب کر کے
اس نے ایک دن میرے آنچل کے پلو میں
باندھے تھے اور کہا تھا
رکھو جاناں میری یاد دلائیں گے
اور جب تم آنکھیں بند کر کے
ان کی خوشبو محسوس کرو گی
تو میں لوٹ آؤں گا
نجانے کتنے برسوں کے بعد آج بہت تم یاد آئے تو
آنچل کا پلو کھول کے دیکھا
سارے پھول تر و تازہ تھے
حیران ہو کر آنکھیں بند کر کے
ان کی خوشبو محسوس کرنا چاہی
تب یہ مجھ پر بھید کھلا
سارے پھول مصنوعی تھے
سارے پھول مصنوعی تھے

(نازیہ کنول نازی کے نام)
نادیہ گل نادی..... مخدوم پور

کے لبوں سے کراہ نکل گئی تھی۔ زمیم کا حال دیکھنے والا تھا اس وقت نہایت خراب موسم کی پروا کیے بغیر وہ گاڑی لے کر نکلا اور پھر بنا کسی کو کچھ بتائے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

بارش کی وجہ سے ماں جی اتصی اور بابا باہر صحن میں سونے کی بجائے اندر کمرے میں سو رہے تھے۔ وہ دوا لے کر کمرے میں آیا تو عائزہ ہنوز بے سدھ پڑی تھی۔ تبھی وہ کچن سے دودھ گرم کر کے بسکٹ اٹھا لایا پھر عائزہ کو بمشکل جگا کر اپنے ہاتھوں سے زبردستی تین بسکٹ کھلائے اور دوا دے دی۔

اس وقت اس کے اندر عجیب سی دہشت سر ابھار رہی تھی۔ وہ ہرگز ہرگز اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا تھا تبھی اس کے سرہانے بیٹھ کر دیر تک اپنے رومال کی مدد سے ٹھنڈی پٹیاں کرتا رہا، عائزہ تھوڑی دیر میں دوا لینے کے بعد ہوش و حواس

سے بیگانہ ہوگئی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دوا نے اثر دکھایا تھا اور عائزہ کا بخار ٹوٹ گیا۔

زیمم کی جان میں جان آئی تھی۔

باہر بارش پھر شروع ہوچکی تھی زیمم نے سگریٹ جلالیا۔ دھیان کے پنچھی اس وقت جانے کہاں سے کہاں پرواز کرنے لگے تھے۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں وہ جانے کتنے سگریٹ پھونک چکا تھا پیکٹ خالی ہوگیا تھا تو اس نے آخری سگریٹ بھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔

کچھ سرد موسم کا اثر تھا اور کچھ تھکن کا کہ اس پر نیند غالب آنے لگی تھی تکیہ درست کر کے عائزہ کے برابر میں لیٹتے ہوئے اس نے کمبل کھینچ لیا۔ ابھی اسے سوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ عائزہ خواب میں ڈر کر ہلکی سی چیخ مارتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ اس کے ساتھ ہی زیمم کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" زیمم کے استفسار پر ہلکے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ اسی کی طرف کروٹ لے کر دوبارہ سوگئی تھی۔ زیمم نے اپنا کمبل اس پر اچھی طرح سیٹ کر دیا۔ نیند تو اڑ چکی تھی تاہم وہ اسے بے سکون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس بات کو بھی ابھی پچیس منٹ ہی گزرے تھے جب ایک دم سے وہ ٹھٹکا گیا عائزہ کو سردی لگ رہی تھی اور نیند میں اس سردی سے بچنے کے لیے وہ زیمم کے کشادہ سینے میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی زیمم کے ہوش فنا ہونے لگے۔ عائزہ کا نرم گرم سا گداز وجود اس کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اختیار کھو دیتا اس نے اپنے اندر اٹھتے جذبات کے طوفان سے گھبرا کر اسے پکار لیا۔

"عائزہ۔" مگر وہ اس کی پکار پر آنکھیں کھول کر بیدار ہونے کی بجائے مزید اس کے وجود میں سمٹ گئی تھی زیمم کا ضبط جواب دے گیا اس کی ساری مضبوطی انا بے نیازی اور مصلحتیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ اس لمحے اس کا دل اور اس کے اعصاب اس کے کنٹرول میں نہیں تھے۔ زندگی اس کے بازوؤں میں تھی اور اس میں ہرگز اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ باہنوں میں کِھلی زندگی کو دھتکار کر پرے کر دیتا۔

❋ ❋ ❋

اگلی صبح خاصی روشن اور چمکیلی تھی۔

فجر کی اذان کے قریب زیمم کی آنکھ کھلی تو عائزہ اس کے سینے سے لگی پرسکون گہری نیند سو رہی تھی اس نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی نہایت نرمی سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بستر سے نکل آیا۔

اُمّی عائزہ سے خفا تھیں لہٰذا عائزہ کے اٹھنے سے پہلے ہی ناشتہ بنا کر مدرسے چلی گئیں زیمم ابا جی کے ساتھ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ عائزہ کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ٹھٹک گئی۔ ایک لمحے میں دماغ کی بتی جلی تھی اور اسے بہت کچھ یاد آگیا تھا۔ ساری رات محبت اور توجہ کے جو پھول زیمم کی طرف سے برسائے گئے تھے ان پھولوں کی خوش بو وہ ابھی بھی اپنے اندر تک اترتی محسوس کر رہی تھی۔ انجانے میں ہی سہی مگر رات جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس سے غافل نہیں تھی تاہم رات اس نے زیمم کا ایک بالکل نیا اور انوکھا روپ دیکھا تھا۔

ایک بہت محبت کرنے والے شوہر کا روپ ایک بہت اچھے بے حد ہمدرد مہربان انسان کا روپ، وہ بخار سے بے حال ہونے کے باوجود رات اس کی بے قراریوں سے بے خبر نہیں رہ سکی تھی۔

ماں جی کو تاحال اس کی خراب طبیعت اور رات اس پر بیتنے والی کتھا کا نہیں پتا تھا۔ تبھی وہ اس کی طرف سے فکر مند ہوئے بغیر معمول کے کاموں میں مصروف تھیں۔ عائزہ شرمندہ شرمندہ ہاتھ منہ دھو کر کمرے سے باہر آئی تو زیمم کی گھر پر عدم موجودگی کا جان کر اس کی جان میں جان آئی۔ کتنا مشکل تھا اب اس شخص سے نظریں ملانا۔

رات بھر کی بارش کے بعد صبح پھیلنے والی دھوپ خاصی روشن اور چمکیلی تھی عائزہ کا بخار بھی باقی نہیں رہا تھا بس ہلکی سی نقاہت تھی پھر بھی اس نے رات کو بھیگے ہوئے گیلے کپڑے دوبارہ چھت پر لے جا کر پھیلا دیے۔ رات ہونے والی بارش نے کچے صحن میں خوب تباہی پھیلائی تھی اس نے پائپ پکڑا اور صحن کے ساتھ سارے گھر کو دھو ڈالا۔

زیمم جانے سے پہلے مویشیوں کو چارہ ڈال گیا تھا۔ اس نے صفائی وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد باڑے کو اچھی طرح صاف کر دیا۔ بھوری بارش میں بھیگ کر سردی محسوس کرتی اپنی ماں کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی۔ اسے باڑے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً لپک کر اس کے قریب چلی آئی۔ بھوری کو دیکھتے ہی اسے اُمّی کی خفگی یاد آئی تھی اور وہ اس کا بھولا بھالا سا تصور میں لا کر مسکرادی۔ وہ جانتی تھی کہ اُمّی نے شادی میں اسے ساتھ لے جا کر اپنی دیہی دوستوں سے ملوانا تھا اور پھر اتنی گریس فل سی بھابی پر ان سب کی ستائش سمیٹنی تھی مگر عائزہ کے قطعی انکار نے اس کی اس خوشی پر پانی پھیر دیا تھا لہٰذا اس کا ناراض ہونا بنتا تھا۔ تاہم یہ الگ بات تھی کہ وہ زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ اس وقت اس نے بھوری کو لپک کر باہنوں میں اٹھایا اور زور سے بھینچ کر خوب پیار کر ڈالا بھوری اس کی اس پیار کی شدت کو برداشت نہیں کر پائی اور چلا اٹھی تو وہ مسکرادی۔

عین اسی لمحے کھیتوں سے واپسی کے بعد زیمم نے وہاں قدم رکھا تھا۔

عائزہ کی باہنوں میں بھوری کی موجودگی اس کے لیے ایک اور خوشگوار تبدیلی تھی۔ اس وقت بلیک اینڈ وائٹ کنٹراس کے سوٹ میں ملبوس، پشت پر بال کھلے چھوڑے نکھری نکھری سی عائزہ اسے بے حد پیاری لگ رہی تھی تبھی وہ اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قریب آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" ذرا سا کھنکھارتے ہوئے اس نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر پلٹی اور فوراً بھوری کو اپنی باہنوں کی قید سے آزاد کر دیا تھا۔

"کتنا حیران کریں گی آپ مجھے، مجھے تو لگتا ہے جیسے میں کسی دوسرے سیارے پر آگیا ہوں کاش مجھے پتا ہوتا یہاں لوگوں کی زندگی اتنی بدل گئی ہے تو میں دو دن پہلے ہی سارا کچھ ختم کر کے یہاں بھاگا چلا آتا۔"

دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ عائزہ کا سر جھک گیا۔ جبکہ دل کی دھڑکنیں تھیں کہ پھر زور پکڑنے کو مچل اٹھی تھیں۔ زیمم اس کی خاموشی اور گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا تھوڑا اور قریب آیا اور ادھر عائزہ کی جان پر بن آئی تھی بھلا دعائیں یوں بھی مستجاب ہوتی ہیں؟

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" قریب کھڑا وہ پوچھ رہا تھا اس کا حلق خشک ہوگیا۔

"ٹھ..... ٹھیک ہے..... ایم سوری رات میری وجہ سے آپ کو اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔"

"زحمت کی پروا نہیں پینڈو ضرور ہوں مگر بیوی کے حقوق اور انسانیت کے فرائض خاص ازبر ہیں مجھے، بہرحال رات اتنی زحمت اٹھانے کا شکریہ تو نہیں کیا آپ نے۔"

وہ ذومعنی بات کر رہا تھا عائزہ کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا اس کی قربت اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔

"شکریہ ادا کرنا ضروری ہے؟"

بنا اس کی طرف دیکھے وہ بامشکل کانپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ زیمم کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوگیا۔

"ہوں..... جب کوئی ساری رات آپ کے لیے جاگے بے چین بے قرار رہے پریشان ہو تو اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا عائزہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"نہیں، کوئی بھلا مجھ جیسی بے کار سی لڑکی کے لیے پریشان یا بے چین کیوں ہو۔ مجھے تو آپ نے صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے نیکی سمجھ کر اپنایا ہے جب ہی جیوں یا مروں آپ کو کیا؟"

"بات تو ٹھیک ہے مگر آپ نے بھی تو خود پر جبر کیا ہے، مجھ جیسے کم عقل، پینڈو شوہر کو اپنا کر جو پاس آ کر بیٹھے تو اس کے پسینے کی بدبو آپ کا دماغ گھما دے۔"

وہ کہاں ادھار رکھنے والا تھا چوٹ لگانے میں تو اسے ویسے بھی خاصی مہارت تھی عائزہ کا سر شرمندگی سے جھک گیا اگلے ہی پل وہ زمین پر بیٹھ کر اس کے قدموں پر اپنے ہاتھ رکھ چکی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں پلیز، میں مانتی ہوں میرا رویہ آپ کے ساتھ بہت غلط تھا دیہی زندگی اور لوگوں کے متعلق میری سوچ بھی بہت غلط تھی۔ مگر یہ غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ آپ

معاف نہ کر سکتے۔ اتنی بری بھی نہیں تھی کہ یوں خود سے دور کر کے پھینک دیتے۔ وہ محبت، اسے بھی تو ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتے ہیں آپ اگر وہ اتنی ہی اچھی تھی تو کر لیتے اسی کے ساتھ شادی میری اور اپنی زندگی تو برباد نہ کرتے۔"

کہاں تو اس کی خاموشی ہی نہ ٹوٹتی تھی اب جو ٹوٹی تھی تو دل کا سارا غبار آنسوؤں کے راستے باہر نکل آیا تھا۔ زمیم نے فوراً جھک کر اسے کندھوں سے تھام کر اوپر اٹھایا۔

"گناہ گار تو مت کرو یار، اتنی بدگمانی وہ بھی مجھ جیسے مومن بندے کے لیے۔"

ہاتھ بڑھا کر اس نے جیسے ہی اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کیے وہ بے حد شکستگی سے اس کے کندھے سے سر لگا کر رو پڑی۔

"زمیم میں تھک گئی ہوں ہار گئی ہوں آپ سے نفرت کرنے میں خدا کا واسطہ ہے آپ کو میرا مزید امتحان مت لیں نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ سسک رہی تھی اور ادھر زمیم شاکڈ رہ گیا تھا۔ محبت کا ایک انداز اتنا خوب صورت بھی ہو سکتا ہے یہ اسے اس لمحے پتا چلا تھا۔ تبھی اس نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں اس طرح سے مرنے دوں گا، مائی ڈیئر چینڈو وائف؟" "کبھی سوچنا بھی مت اگر تم میرے بغیر نہیں جی سکتیں تو میں بھی تمہارے بغیر نہیں جی سکتا، سمجھیں؟" جھک کر کہتے ہوئے اس نے اپنا گال اس کے گال کے ساتھ رگڑا۔

"تم میری جان ہو عائزہ، میری پہلی اور آخری محبت ہو تم حنا کی شادی میں کئی سال بعد تمہیں دیکھ کر کتنی ہی راتیں سکون سے سو نہیں سکا تھا میں مگر پھر جب سندان حسن نامی لڑکے کے ساتھ تمہاری انسیت کا پتا چلا تو میرے اندر کے مشرقی مرد کو بڑی تکلیف پہنچی، میں کسی صورت تمہارے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سونے پر سہاگہ تم نے شادی سے پہلے فون کر کے وہ ساری باتیں سنا دیں، جس سے میری مردانہ انا بلبلا اٹھی اور میں نے سوچ لیا کہ تمہیں سستے میں نہیں چھوڑنا، یہ محبت والا چکر بھی اسی معاملے کا حصہ تھا۔ ہاں شادی کی پہلی رات اور ولیمے والی رات واقعی تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی مگر اس کے لیے تم جانتی ہو میں کتنا مجبور تھا، شہزاد میرا دوست ہی نہیں بھائیوں کی طرح بھی تھا میں اس کی اچانک موت کو لے کر ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب تھا۔ بہرحال وہ میری طرف سے زیادتی تھی اور اس زیادتی کا ازالہ میں اب ہنی مون پروگرام میں کروں گا اب بتاؤ کھیتوں میں دن رات کام کرنے والے پسینے سے شرابور دیہاتی شوہر کے ساتھ ہنی مون ٹرپ پر جاؤ گی یا نہیں؟"

اپنی ناک عائزہ کی چھوٹی سی تیکھی ناک کے ساتھ رگڑتے ہوئے وہ شرارتی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ عائزہ بھیگی پلکوں سے اس کی سیاہ جگمگاتی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

"نہیں۔"

"کس کی تمہیں تمہاری نہیں کی، دیہاتی شوہروں کو جانتی نہیں ہو تم زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا اپنی پری کو پہلے ہی کل سے دل بڑا بے ایمان ہوا پڑا ہے۔ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔" مسکرا کر جذب کے عالم میں کہتے ہوئے اس نے عائزہ کو زور سے بانہوں میں بھینچا تو وہ بھی کھل کر مسکرادی۔

بدگمانیوں اور نفرتوں کے بادل چھٹ چکے تھے۔ اب تو ان کی زندگیوں میں صرف پھول ہی پھول کھلتے تھے۔

خوشیوں کے پھول......

اعتبار کے پھول......

اور زندگی بھر ہنس کھیل کر ساتھ نبھانے والے وعدوں کے پھول

بے شک زندگی ایک شطرنج سے کم نہیں، مگر شطرنج کی اس بازی میں ایک مرتبہ پھر محبت کی جیت ہوگئی تھی۔

(ختم شد)

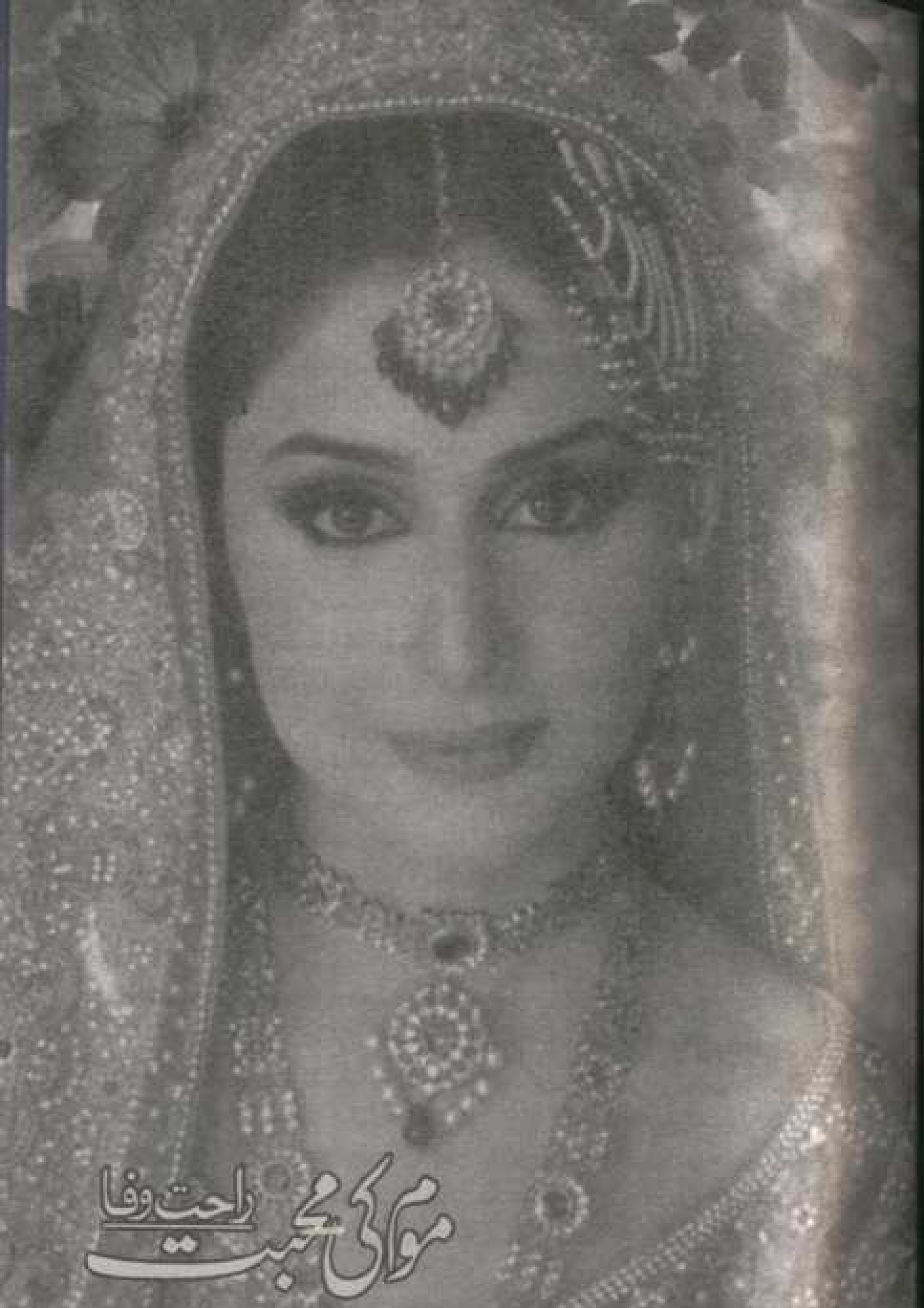

یہ سچ ہے دور نہیں منزل مراد مگر
ہمیں حیات کا کچھ اعتبار بھی تو نہیں
حیات و موت کے اسرار کوئی کیا سمجھے
کہ زندگی میں سکون و قرار بھی تو نہیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شرمین خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے وہ ایک فرم میں جاب کرتی ہے چار سال پہلے اس کی زندگی میں صبیح آیا تھا اور انتہائی مختصر عرصے میں دونوں کی محبت پروان چڑھی پھر صبیح تعلیم مکمل کر کے واپس کراچی اپنے گھر چلا گیا اور شرمین سے وعدہ کر گیا تھا کہ وہ جلد رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبیح کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوتیں اور صبیح کو مجبور کر کے اس کی شادی بڑے گھر کی لڑکی فریحہ سے کر دیتی ہے جبکہ ادھر شرمین کافی عرصہ صبیح کے انتظار میں رہتی ہے۔ صبیح اسے اپنی شادی کا نہیں بتاتا اور جب شرمین اسے خط لکھتی ہے کہ وہ کراچی آ رہی ہے تب پریشان ہو کر صبیح اس کے پاس آتا ہے اور جب اسے اپنی مجبوری بتاتا ہے کہ ماں کے مجبور کرنے پر اسے فریحہ سے شادی کرنی پڑی تو شرمین ششدر رہ جاتی ہے پھر بھی صبیح اس سے کہتا ہے کہ وہ اس سے شادی ضرور کرے گا۔ شرمین کی خوب صورتی اس کے لیے وبال بنی ہوئی ہے آفس میں مرزا صاحب بیوی بچوں والے ہونے کے باوجود اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ وہ شاطر آدمی ہیں گھر میں بیوی کے آگے پیچھے پھرتے ہیں لیکن شرمین سے کہتے ہیں ان کی ازدواجی زندگی خوش گوار نہیں ہے۔ شرمین مجبوراً ان کی باتیں برداشت کرتی ہے اور اکثر انہیں برا بھلا بھی کہتی ہے شرمین کی کزن زینت آپا کا بیٹا بوبی جو شرمین سے چھوٹا ہے اور شرمین اسے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھتی ہے وہ بھی شرمین کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور شرمین سے اظہار کرتا ہے شرمین اسے سمجھاتی ہے پھر اس کے منہ پر طمانچہ بھی مارتی ہے۔ عارض امیر باپ کا اکلوتا بیٹا ہے زیادہ تر موج مستی میں رہتا ہے لیکن جب شرمین کو دیکھتا ہے تو وہ بھی اسے پسند کرنے لگتا ہے اور اس کے گھر تک پہنچ کر محبت کا اظہار کرتا ہے۔ شرمین کو محبت سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ فریحہ اور صبیح احمد کی شادی کو تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ جس پر فریحہ ڈاکٹر سے چیک اپ کراتی ہے تو فریحہ پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ ماں نہیں بن سکتی۔ فریحہ ایک بد دماغ اور گھمنڈی لڑکی ہے فریحہ رپورٹ لے کر صبیح احمد کے پاس جاتی ہے اور صبیح سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ عارض شرمین کی محبت میں پوری طرح ڈوب چکا ہے۔ صفدر عارض کا بہترین اور جاں نثار دوست ہے۔ صفدر سے عارض کی بے قراری دیکھی نہیں جاتی وہ شرمین سے بات کرنے کی ٹھان لیتا ہے اور شرمین کو عارض کی محبت کا یقین دلاتا ہے صفدر کی بات کا یقین کرتے ہوئے شرمین عارض سے منگنی کر لیتی ہے۔ بوبی منگنی کی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس آتا ہے تب شرمین بوبی کو اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے۔ جس پر بوبی غصے سے واپس لوٹ جاتا ہے اور خود کشی کی کوشش کرتا ہے۔ زینب آپا کے اسپتال لے جانے پر بوبی کی جان بچ جاتی ہے اس حادثے کی وجہ سے زینب آپا کو بھی اب تمام صورت حال کا اندازہ ہو جاتا ہے اس لیے وہ بوبی کو لے کر ملک سے باہر جانے کا سوچتی ہیں۔ دوسری طرف صبیح پچھتاوے کا شکار ہوتا ہے کہ انہوں نے ماں کے مجبور کرنے پر فریحہ سے شادی کیوں کی اب وہ اس رشتے کو ختم کرنے کے ساتھ اپنی پچھلی محبت شرمین کے پاس لوٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

وہ فائلوں پر جھکی تھی..... مرزا نوازش آ کر بالکل میز کے قریب کھڑے ہو گئے۔

"بہت منہمک ہو۔"

"جی او وہ سر بس یہ کام آج ہی مکمل کرنا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

"آپ تشریف رکھیں اور سنائیں۔"

"کیا سنائیں شرمین! بمشکل تمام بیگم کو راضی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"ویری گڈ! یہ تو اچھی بات ہے۔"

"ہاں! علیحدہ گھر لے کر رہنے پر راضی نامہ ہوا ہے مگر اب بھی اک خلش سی دل میں ہے کاش آپ ہماری محبت کو سمجھ سکتیں۔" وہ حسرت و یاس کی تصویر بن گئے۔

"اس زمانے میں محبت کسی ایک شکل میں موجود نہیں انسان کس کس کی محبت کو سمجھے؟" اس نے ہنس کر کہا۔

"مگر ہماری محبت تو آپ تھیں۔"

"شکر ہے ہیں سے تھیں تک بات پہنچی آپ کی محبت چار دیواری میں موجود ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"ارے واہ! بڑی خوب صورت انگوٹھی پہنی ہے۔" ان کی نظر انگوٹھی پر پڑی تو پوچھا۔

"جی! یہ میری انگیجمنٹ کی انگوٹھی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے منگنی کر لی اور بتایا بھی نہیں۔" مرزا نوازش نے حیرت سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"دراصل میں بہت ساری محبتوں کے بیچ پھنس گئی تھی اس لیے کسی ایک کو چن لیا۔"

"مگر ہماری محبت کو تو لات مار دی۔" وہ تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"محبت اور ہوس میں فرق ہوتا ہے۔"

"کیا گارنٹی ہے کہ جسے تم نے چنا ہے وہ محبت کرتا ہے۔"

"کوئی گارنٹی نہیں ہے بے شک ہے۔"

"کون خوش نصیب ہے جس کے لیے رسک لیا ہے۔" ان کے لہجے میں چھپا طنز اس نے صاف محسوس کیا مگر مسکرا کر ٹال گئی۔

"وقت آنے پر ملوا دوں گی۔"

"ٹھیک ہے شرمین خوش رہو ہماری بھی جیسے تیسے گزر ہی جائے گی۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سر! آپ شاید کسی کام سے آئے تھے۔"

"بس سید برادرز والی فائل مکمل کر کے جلد بھجواؤ۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکلے تو وہ دل ہی دل میں ہنس دی۔

"اس کا مطلب ہے نوازش صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے۔" کم از کم ایک انگوٹھی پہننے سے دو لوگوں سے تو جان چھوٹ ہی گئی۔ وہ اطمینان سے کام میں مصروف ہو گئی۔ بوبی اور نوازش صاحب کا بوجھ تو اس کے کندھوں سے اتر گیا تھا۔ صبیح احمد تو خود اس کی راہوں سے الگ ہو گئے تھے ورنہ وہی تو اس کی پہلی محبت تھے آخری آرزو تھے ان کے سنگ زندگی گزارنے کی تمنا میں کتنے ماہ و سال گزرے یہ تو اب ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا۔

شادی بیاہ کی تقریبات لاکھ مختصر اور سادہ ہوں پھر بھی کچھ نہ کچھ ہنگامے اور گہما گہمی کا عالم ضرور ہوتا ہے۔ بظاہر صفدر کی شادی سادگی سے ہو رہی تھی بہت تھوڑے مہمان مدعو کیے گئے تھے مگر پھر بھی کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ آج مایوں کی رسم تھی۔ اس کی تیاری میں خواتین صبح سے ہی مصروف تھیں ایسے میں اسے یاد آیا کہ شادی کارڈ شرمین کو پہنچانا تھا۔ اس نے جلدی سے ایک کارڈ پر اس کا نام لکھا اور نکلنے لگا جہاں آرا نے روکا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"امی! ایک خاص مہمان رہ گیا ہے جسے کارڈ دینا ضروری ہے۔"

"کون......؟"

"عارض کی منگیتر۔"

"کیا عارض کی منگنی ہوگئی؟" جہاں آرا نے حیرت سے پوچھا۔

"تقریباً وہ امریکہ سے آ جائے تو فوراً شادی ہو جائے گی۔"

"اللہ مبارک کرے جاؤ اور واپسی پر پھولوں کے ہار اور گجرے لانے ہیں۔"

"وہ کس لیے؟"

"بھئی رسم کے لیے۔"

"امی جان! یہ سب فضول خرچی کے کام ہیں۔"

"بس کچھ بھی کہہ لو یہ سب تو کرنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے لے آؤں گا۔" ماں کو تسلی دے کر وہ باہر آ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور مین روڈ پر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد وہ شرمین کے آفس میں تھا۔ شرمین کے کہنے کے مطابق اسے گیسٹ روم میں بٹھایا گیا۔ تھوڑی دیر میں شرمین وہیں آ گئی...... اسے بہت اچھے انداز میں سلام کیا حال احوال پوچھا۔

"آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرے دوست کو قبول کر لیا۔" صفدر نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"صفدر بھائی! آپ عارض سے کتنی محبت کرتے ہیں۔"

"کوئی پیمانہ نہیں ہے محبت ناپنے کا بس وہ میری اور میں اس کی جان ہوں آپ نے ہیرے کا انتخاب کیا ہے۔"

"آپ نے کہہ دیا کافی ہے۔"

"اچھا! یہ میری شادی کا کارڈ ہے آج مایوں ہے اور آپ نے آج ویسے تک آنا ہے۔" صفدر نے کارڈ اس کو تھماتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ مگر......"

"اگر مگر کچھ نہیں۔"

"میں بارات اور ولیمے پر آ جاؤں گی پلیز میری مجبوری ہے۔"

"چلیے ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔"

"اب یہ بتایئے کہ آپ کیا لینا پسند کریں گے؟"

"کچھ نہیں! بس اجازت دیں، بہت جلدی ہے۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"صفدر بھائی! یہ تو بہت بری بات ہے۔"

"جب صفدر بھائی کہتی ہو تو پھر یہ تکلف کیسا؟ پھر کسی دن کچھ کھا پی لیں گے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلیے آپ کی بات مان لیتے ہیں۔" وہ بولی۔
"ذرا میرے جگر کا لینے دو پھر سب کسریں نکال لیں گے۔" مسعود ہنس کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کافی دیر سے مسلسل بیل بج رہی تھی۔
شدید تھکن کے باوجود پیروں میں سلیپر ڈال کر اسے باہر آنا پڑا...... اماں واش روم میں تھیں، رات عشاء کی نماز سے پہلے وہ نہا کر فریش ہوتیں اور پھر نماز ادا کر کے تسبیح پڑھتے پڑھتے سو جاتیں...... اس لیے شرمین کو کمرے سے نکلنا پڑا۔
"کون......؟"
"صبیح۔" صبیح احمد کی بھاری آواز گونجی۔ وہ چونکی...... گیٹ کھولا۔
"آپ......!" بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے نکلا۔
"کیا ادب آداب سب بھول گئے ہیں۔" ہلکی سی روشنی میں چہرے پر پھیلی دھیمی سی مسکان واضح نظر آ رہی تھی۔
"آیئے اندر آ جایئے۔" وہ راستہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔
"کیا مجھے دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے؟" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔
"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے گیسٹ روم کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔
"کیا میں اس قدر پرایا ہوں کہ گیسٹ روم کے علاوہ کچھ دیر کو کہیں اور نہیں بیٹھ سکتا۔"
"ایسی بات نہیں آ جائیں اندر آ جائیں۔" اس نے جواب دیا اور انہیں لیے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہو گئی۔ صبیح احمد نے چھوٹا سا سفری بیگ قالین پر رکھا اور صوفے پر گر سے گئے۔
"کیا لیں گے؟" اس نے پوچھا۔
"ابھی تو صرف نہاؤں گا اور پھر کھانا۔" ہمیشہ کی بے تکلفی والے انداز میں وہ بولے...... شرمین چپ چاپ ان کے ویران چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ اٹھ کر گیسٹ روم کی طرف گئے تو اسے اندازہ ہوا کہ ہینڈسم اور اسمارٹ شخص تو سوکھ کر کانٹا بن گیا تھا شرمین کے اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ سی ہوئی مگر پھر وہ کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے کچن میں گھس گئی۔
اس نے فریج سے سالن کا ڈونگا نکالا مائیکرو ویو میں رکھا آٹا نکالا...... توا چولہے پر رکھا...... وہی کھانا تو بنتا...... صبیح احمد کو اچار بہت پسند تھا یہی سوچ کر اچار کی بوتل بھی ٹرے میں رکھی، کچن میں برتنوں کی آواز پر اماں تسبیح رکھ کر کچن میں آ گئیں۔
"شرمین! کیا کر رہی ہو؟" اماں کی آواز پر وہ چونکی۔
"وہ اماں! چپاتی بنا رہی ہوں۔" وہ ہکلائی دراصل اچھی طرح جانتی تھی کہ اماں کو صبیح احمد کا ذکر تک پسند نہیں ان کے آنے پر تو سخت خفا ہوں گی۔
"کس کے لیے، کون آیا ہے؟" انہوں نے اس کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا لے کر خود روٹی بنانی شروع کر دی۔ وہ شرمین کو اٹھ کر پانی نہیں پینے دیتی تھیں۔
"اماں! پلیز خفا نہیں ہونا پرامس۔" اس نے پیچھے سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔
"اچھا بولو۔"
"صبیح احمد آئے ہیں۔"
"کیا، پر کیوں؟" اماں تڑخ کر بولیں۔
"پلیز اماں! ایک مہمان سمجھیں اور بس ابھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا کہ کیوں آئے ہیں؟" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ہنستا آئے ہوں گے مکھن لگانے کے لیے۔"
"بے فکر ہو جائیں یہ انگوٹھی میرا مستقبل ہے۔" اس نے عارض کی پہنائی انگوٹھی انگلی میں گھماتے ہوئے کہا۔
"اچھا اب تم چلو میں کھانا لاتی ہوں۔" اماں کو اس کی معصوم سی صورت پر پیار آ گیا۔
"ٹھیک ہے اماں۔" وہ ان کا گال چوم کر باہر آ گئی۔ اماں کو وہ دن یاد آ گئے جب یہ بھولی بھالی شرمین صبیح احمد کے انتظار میں بولائی بولائی سی پھرتی تھی۔ فون کے قریب بیٹھی فون کی منتظر رہتی گیٹ کی بیل پر کان لگائے رکھتی کچن میں گھسی طرح طرح کے کھانے بناتی اور پھر صبیح احمد شان استغنا سے آتے تو یہ بچھ بچھ جاتی مگر صبیح احمد نے اس کا ننھا سا دل توڑ دیا محبتوں کا جواب لاتعلقی سے دیا...... کیسے بکھر بکھر گئی تھی۔ بڑی مشکل سے سمیٹا اور اب پھر کیوں آ جاتے ہو تم؟" اماں نے غصے سے سوچا اور ٹرے اٹھا کر باہر آ گئیں۔

وہ پلکیں جھکائے بیٹھی تھی...... وہ عین سامنے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر محبت کی وہی گرمی وہی دلکشی ڈھونڈ رہے تھے جو ہمیشہ نظر آتی تھی مگر آج اس کا شائبہ بھی اس کے چہرے پر نہیں تھا۔ دور دور تک گہرا جامد سناٹا تھا۔ نہ آنکھوں میں جگنوؤں کی چمک تھی اور نہ لبوں پر نہ ختم ہونے والی کلیوں سی مسکان۔
"شرمین! محبت اور نفرت کے درمیان ندامت بھی ہوتی ہے اس پر بھی غور کیا تم نے۔" انہوں نے گہرا فسوں توڑا...... اس نے پلکیں اٹھائیں۔
"میرے پاس تو محبت کے بعد ندامت ہی آئی اور آج تک ہے...... کس نے کہا آپ سے کہ میں نفرت کرتی ہوں۔"
"اگر نفرت نہیں تو ندامت میں معافی کیوں نہیں؟"
"ندامت تو میرا اپنا اثاثہ ہے آپ کا تو اس سے کوئی تعلق نہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ میں خود پر نادم جتنے عرصے میں جسے محبت سمجھتی رہی وہ ایک آدمی کا مشغلہ دل لگی نما دت تھی مجھے بعد میں یہ بات سمجھ میں آگئی اس پر نادم ہوں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی اور صبیح احمد آب آب ہو رہے تھے۔
"اس کا مطلب ہے تمہیں پچھتاوا ہے۔"
"جو باب بند ہو گیا اس کا تذکرہ کیا آپ کیسے آنا ہوا؟"
"شرمین! میں معافی کا خواستگار ہوں مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے۔"
"بہت دیر ہو گئی صبیح میری بات طے ہو گئی ہے۔" وہ نظریں چراتے ہوئے کہہ گئی۔
"کون ہے وہ خوش قسمت جسے مجھ پر ترجیح دی ہے۔"
"ہے کوئی محبت کا دعویدار آپ یہ بتائیں کہ صحت کیوں خراب ہے؟" وہ ٹال گئی۔
"دل کا مرض لاحق ہو گیا ہے تو شوگر ہو گئی ہے صحت کہاں باقی رہ سکتی ہے؟" وہ بڑے تحمل اور تاسف سے بولے تو اسے دلی طور پر صدمہ ہوا۔
"آپ اپنا خیال رکھا کریں۔"
"شرمین! اب کیا اپنا خیال رکھنا، کچھ زندگی ناکام و نامراد گزر گئی کچھ اور گزر جائے گی۔"
"اللہ کرے آپ کو عمر بھر خوشیاں ملیں۔"
"ہا...... ہا......" وہ ہنسے اور بولے۔

"دکھ دینے والے کو خوشیاں کہاں سے نصیب ہوں گی؟"
"آپ نے کسی کو دکھ نہیں دیا آپ بہت اچھے انسان ہیں۔"
"چلو اور سناؤ شادی کب کر رہی ہو؟"
"اسی سال وہ امریکہ گئے ہیں آ جائیں تو۔"
"اللہ تمہیں خوش رکھے میرے دیئے ہوئے دکھ بھول جاؤ۔"
"جو دکھ قسمت میں لکھے ہوتے ہیں وہ مل کر رہتے ہیں آپ ملول نہ ہوں۔"
"کاش ارحم ایک بار مجھے موقع دیتیں۔"
"نہیں انکل مجھے محبت کا مقام چاہیے تھا ضرورت کا نہیں۔"
"ضرورت میں بھی تو محبت کام آتی ہے۔"
"محبت کو اندھیرے میں بھی تو نہیں رکھتے اور اب کیا فائدہ ان باتوں کا۔"
"شرمین اجب بھی تمہاری یاد آئے تو فون کر لیا کروں؟"
"جی ضرور۔" شرمین نے طنزیہ لہجے میں کہا...... وہ فوراً بھانپ گئے۔
"طنز کر رہی ہو۔"
"نہیں۔"
"مرضی والی ہو بس معاف کر دینا۔" ان کے لہجے میں برسوں کی مسافت کی تھکن موجود تھی۔
"آپ نے میرا کیا نقصان کیا ہے جو معافی مانگ رہے ہیں۔"
"بہت سا نقصان کیا ہے مجھے اس کا احساس ہے۔"
"آپ کوئی اور بات کریں۔"
"بس صبح میری واپسی ہے اس کے بعد چیک اپ کے لیے انگلینڈ چلا جاؤں گا۔"
"اب آپ سو جائیں ایک بج رہا ہے صبح سفر کرنا ہے۔"
"ہاں ابہت تھکن کا احساس ہو رہا ہے زندگی کی کامیابیوں میں کچھ بھی باعث سکون نہیں نہ محبت رہی اور نہ کوئی وارث ملا صبیح احمد کے پیچھے رونے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔" وہ دکھ سے مسکرائے۔
"ایسی باتیں نہیں کرتے اللہ آپ کو سلامت رکھے۔"
"جاؤ جا کر سو جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

عجیب دن تھے کہ کوئی کہیں جا رہا تھا اور کوئی کہیں...... صبیح احمد کو رخصت کرنے کے بعد وہ دیر تک ان کے افسردہ چہرے کی وجہ سے بھیگی پلکیں صاف کرتی رہی دوسری طرف زینت آپا اور بوبی کے کینیڈا جانے کا دکھ تھا دل جنہیں اپنا کہتا ہے اپنا سمجھتا ہے ان سے جدا ہونے کے تصور سے بھی نڈھال ہو جاتا ہے اک عارض کے ملنے کی خوشی کے سوا سب مناظر جدائی اور بچھڑنے کے تھے کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ یاسیت اور رنج کی فضا تھی۔ صبیح احمد کو اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا مرکز تھے مگر کیسے فاصلے درمیان میں آ گئے؟ کیسے برسوں کی چاہت اجنبیت میں بدل گئی جو بہت اپنا تھا بیگانہ ہو گیا اور آج اس کے بچھڑنے کا غم پھر سے تازہ ہو گیا تھا...... وہ بوجھل دل کے ساتھ ٹی وی کے ریموٹ کے ساتھ کھیل رہی تھی اور اماں کافی دیر سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اسے بچپن سے گود میں پالا تھا

اس کے مزاج کے سب موسموں سے آشنا تھیں۔ کپڑے وارڈروب میں رکھ کر اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔
"زینت کو کینیڈا جانے کی کیا سوجھی؟"
"اماں ابوبی کی وجہ سے جا رہی ہیں۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔
"فون آیا تھا بہت اداس ہو رہی تھی۔"
"دکھ تو ہوتا ہے اپنا گھر اور اپنا ملک چھوڑتے ہوئے۔"
"خیر ارحم کس الجھن میں ہو؟" وہ اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔
"کچھ خاص نہیں۔"
"عارض سے فون پر بات ہوئی۔"
"نہیں۔"
"تو کر لو۔"
"وہ خود کرے گا۔"
"یہ کیا بات ہوئی؟"
"مصروف ہوگا فرصت ملے گی تو کرے گا۔"
"میں دیکھ رہی ہوں تمہارا مزاج کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" اماں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔
"اماں اجیسا آپ سوچ رہی ہیں ویسا نہیں ہے صبیح احمد بہت اپ سیٹ تھے ان کا دکھ میرے اندر گردش لے رہا ہے۔" آخر اس نے سچ بول دیا۔
"صبیح احمد کا دکھ تم کس لیے منا رہی ہو جو انہوں نے بویا ہے وہی کاٹیں گے۔" اماں شدید غصے سے بولیں۔
"کبھی کبھی انسان اپنے حصے سے بڑھ کر کاٹ لیتا ہے۔"
"ہمدردی ہو رہی ہے صبیح احمد سے سب کچھ گنوا کر وہ اب تم سے کیا لینے آئے تھے۔"
"اماں امیرے پاس انہیں دینے کو کچھ نہیں میں تو ویسے ہی ذکر کر رہی تھی۔"
"ذکر کی بھی ضرورت نہیں بس عارض کے متعلق سوچو۔"
"اماں اعارض تو میری زندگی کا ساتھی بن جائے گا آپ فکرمند نہ ہوں۔"
"بس صبیح احمد کا باب بند کر دو۔"
"کر دیا ہے اماں عارض کا انتخاب اسی سلسلے کی کڑی ہے۔"
"چلو شاباش فریش ہو جاؤ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"
"نہیں مجھے آفس کا کام بھی مکمل کرنا ہے۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اماں باہر چلی گئیں اور اس نے الماری سے کپڑے نکالے واش روم کا رخ کیا۔

بارات کا استقبال شایان شان طریقے سے کیا گیا۔ دلہن والوں نے حتی المقدور استقبال بارات کے انتظامات کیے تھے۔ بڑے پرتپاک انداز میں دولہا سمیت سب باراتیوں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ ٹھنڈی بوتلیں پلائی گئیں اس کے بعد نکاح پڑھایا گیا...... مبارک باد کی آوازیں پوری فضا میں گونجنے لگیں...... نکاح کے چھوہارے تقسیم ہوئے دلہن والوں نے پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا تھا...... لہٰذا اب مہمان کھانے میں مصروف ہو گئے کھانے کے بعد زیبا کو دلہن

کے روپ میں لاکر صفدر کے پہلو میں بٹھایا گیا...... سنہری لباس میں نازک سی مہین سی زیبا بے حد حسین لگ رہی تھی۔ صفدر نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا...... وہ اس کے تصور سے بڑھ کر حسین تھی۔ وہ اپنے آپ پر نازاں تھا...... سب دلہا دلہن کی تعریفیں کر رہے تھے۔ شرمین نے بھی مسکرا کر دونوں کی تعریف کی تو سب اس کے حسین سراپے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ تو خود گہرے فیروزی کامدانی لباس میں بے انتہا دلکش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔

"میرا لیا آج یہاں ہوتا تو اسی وقت نکاح پڑھوالیتا۔" صفدر نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ شرم سے لال پڑ گئی۔

"آپ کا دوست، بہت بڑا طرم خان ہے کیا؟" اس نے بھی پلٹ کر چھیڑا۔

"وہ کیا ہے یہ وقت بتائے گا۔"

"یعنی ان سے خوف کھاؤں۔"

"ارے نہیں نہیں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ وہ آپ پر سب کچھ لٹا سکتا ہے بلکہ لٹا چکا ہے۔" صفدر نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"بہت ڈنکا پیٹتے ہیں دوست کا۔"

"وہ دوست ہی ایسا ہے۔"

"صفدر بھائی! آپ اتنی تعریف کرتے ہیں کہ مجھے عارض پر رشک آتا ہے۔" اس نے انتہائی دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ خوش ہوگیا۔

ان کی نوک جھونک جاری تھی کہ دلہن کی کزنز نے صفدر کو گھیر لیا۔ روایتی رسمیں ہوئیں۔ رات کے دس بج گئے تو جہاں آرا نے زیبا کے والدین سے رخصتی کی اجازت مانگی...... انہوں نے فوراً اجازت دے دی۔ اس طرح رات کے ساڑھے دس بج گئے۔ جب وہ دلہن کو لے کر روانہ ہوئے۔

......

صفدر نے کمرے میں قدم رکھا تو ٹھٹک گیا...... زیبا کمرے کی کھڑکی سے لگی باہر کچھ دیکھ رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر چاند تاروں کی روشنی ہی روشنی تھی...... سناٹا تھا...... ہلکی ہلکی ہوا تھی۔

"اوں ہنہ" صفدر نے کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا...... وہ بوکھلا کر پلٹی تو اس سے ٹکرا گئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا میک اپ کی تہہ سے جھانکتا اداس چہرہ چھپانے کے لیے اس نے مہندی سے سجے ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔ صفدر کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ بانہوں میں بھر کے پھولوں سے بھرے بستر پر بٹھایا...... قریب بیٹھنا چاہا تو وہ بدکتے سے پرے ہوگئی۔ صفدر نے اس کا ہاتھ تھام لیا جیب سے وہ خاندانی کنگن نکالا جو جہاں آرا کے بعد ان کی بہو یعنی زیبا کے حصے میں آیا تھا۔ بھاری جڑاؤ کنگن کو اس کی نازک کلائی میں پہنا کر کلائی ہونٹوں سے چوم لی۔

"جان صفدر! کیا یہ حسین رات خاموش بیقراریوں میں گزار دوگی۔ کچھ تو بولو۔"

"خالی برتن کی آواز اچھی نہیں لگتی۔" اتنی دیر کی خاموشی کے بعد کرلاتی آواز کی گونج نے صفدر کے چہرے کا رنگ متغیر کر دیا۔ ہاتھ میں پکڑا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ چند لمحے رک کر ایک ایک لفظ کے مفہوم کو سمجھنے کے بعد بھی کچھ نہ سمجھ سکا تو پھر سے مسکرا کر کہا۔

"دو جسموں دو روحوں کے ملن کے بعد تو کچھ خالی نہیں رہتا۔ یہ کیا کہہ دیا وصل کی رات۔"

"یہ جسم ایک خالی ڈبہ ہے اور یہ روح خالی بوتل ہے اس میں ایک قطرہ بھی آپ کی پیاس بجھانے کے لیے موجود نہیں، چاہیں تو رات اس کمرے میں بسر کرنے دیں نہ چاہیں تو میں یہ خالی وجود لے کر ابھی تاریکیوں میں گم ہو جاتی ہوں۔" مغیر

متوقع حیران کن انداز میں کتنی سنسنائی چند گھنٹوں کی دلہن نے کیا کہہ ڈالا صفدر پتھر کی مورت بن گیا۔

"مجھے صرف ایک رات کی پناہ دے دو میں منت کرتی ہوں۔" اس نے سرخ مہندی سے سجے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ کلائیوں کی چوڑیاں کھنکنا کے اس کے دماغ میں طوفان برپا کر گئیں۔

"کیا کہہ رہی ہو...... کیسی پناہ...... کیسی منت؟ کہاں سے آئی ہو اور کہاں جانا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" وہ سہم کر پلکیں جھکائے بیٹھی رہی۔

"بولو اور سمجھو تم اس وقت کہاں ہو؟ تم صفدر کے نام سے وابستہ ہو کر اس عزت دار گھرانے کی بہو بن کر آئی ہو...... یہاں سے کہاں جانا ہے؟"

"کچھ نہیں بولنا فقط اتنا کہنا ہے کہ خاموشی سے جانے میں آپ کی عزت اور عافیت ہے کچھ بولنے کے بعد میری ذرا سی بھی توقیر آپ کی نگاہوں میں نہیں رہے گی۔" وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ صفدر کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہوا۔

"دیکھو! یہ کمرہ میری اور تمہاری عزت و عافیت کی پناہ گاہ ہے اس کے اندر اعتبار کی چادر میں رشتے لپیٹ کر معتبر کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کمرے سے باہر میری عزت و ناموس کے ڈھیر لگیں۔ چاہو تو میرا یقین کر لو۔"

"آپ کا یقین تھا تو میں یہاں تک چلی آئی ورنہ موت کے سوا ہر راستہ بند تھا۔" وہ سسکی۔

"اگر چہ چلی آئی ہو تو پھر اطمینان کرو صفدر کا سینہ مضبوط ہے تمہارا یقین ٹوٹنے سے بچائے گا۔"

"بس اتنا سن لیں کہ کسی نے محبت کے نام پر مجھے لوٹا ہے۔ میری چاہت اور وفا کا مذاق اڑایا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے بدنامی اور رسوائی سے پیچھا چھڑایا ہے بہت دفع چاہا کہ شادی سے انکار کروں مگر گھر کی عزت نے ایسا نہیں کرنے دیا میں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے مگر یہ میری شدید مجبوری تھی۔ اس لیے اب یہاں سے کہیں بھی چلی جاؤں گی۔"

"تاکہ معاشرے میں میں اور میری ماں جو تمہیں ارمانوں سے بیاہ کر لائی ہے وہ منہ چھپاتی پھرے۔ تم نے اپنے گھر کی عزت تو بچالی مگر ہماری عزت داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا۔" صفدر طیش میں آ گیا۔ اس لمحے زیبا اسے سخت خود غرض دکھائی دی۔

"میں مجبور تھی۔"

"یہ کیسی مجبوری تھی جس نے تمہیں میری عزت اور اعتماد سے کھیلنے کا حق دیا۔" اس نے شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

"میرے بوڑھے بابا اور بوڑھی اماں یہ صدمہ نہیں جھیل سکتے تھے۔ میرا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ آپ پر اعتبار کر لینے کو دل چاہا۔"

"مگر میں کس پر اعتبار کروں؟ میری ماں کس پر اعتبار کرے؟" اس نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے مگر......" وہ مدھم سی ہوتی آواز میں اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ موبائل فون بجنے لگا۔ صفدر نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو ہاں جان جگر کیا حال ہے؟ ٹھیک ہوں سب ٹھیک ہوگیا یار تیری کمی محسوس ہو رہی ہے جلدی آجا دل پریشان ہے ملنے پر بتاؤں گا۔ اپنا خیال رکھنا او کے بائے۔" صفدر نے جو بات بھی فون پر کی زیبا نے غور سے سنی فون بند کر کے صفدر نے اس کی طرف دیکھا۔

"اب کیا فیصلہ ہے آپ کا؟"

"میں بھلا کیا فیصلہ کروں گی؟"

"دیکھو ہمارے درمیان صرف عزت بچانے کی خاطر سمجھوتہ ہو سکتا ہے صفدر کی رگوں میں وہ خون ہے جو پاس وفا کا

خیال رکھنا جانتا ہے۔ تم نے اعتبار کر کے مجھے جس رشتے میں باندھا ہے وہ بظاہر بندھا ہوا ہی نظر آئے گا لیکن حقیقت میں اس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی میں ہادم مرگ زبان کی لاج نبھاؤں گا۔ اب بولو یہاں سے جانا ہے یا یہاں رہنا ہے۔"

"آپ...... آپ کتنے عظیم ہیں۔" وہ تشکر سے رو دی۔

"کوئی عظیم وظیم نہیں ہوں، بس اپنی عزت کی حفاظت کی ہے۔" وہ گرجدار لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے آپ نے میری خطا معاف کردی۔"

"فی الحال کچھ سمجھ میں نہیں آرہا میں باہر جارہا ہوں تم دروازہ بند کر کے سو جاؤ۔ دروازے کے لاک کی چابی ہے میرے پاس میں خود کھول کر آجاؤں گا۔" صفدر نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

سارا شہر سو رہا تھا۔ دور دور تک کہیں کوئی آہٹ اور روشنی تھی۔ ایسے میں وہ گھر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ دل اور دماغ میں جنگ جاری تھی۔ شور برپا تھا طوفان آیا ہوا تھا۔ کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا؟ بےشک اس نے زیبا کو شادی سے پہلے نہیں دیکھا تھا مگر دل میں تصور کی حسین روشنی سے ایک مورت سی بنا رکھی تھی۔ بار ہا اس مورت سے باتیں کی تھیں، بار ہا اسے بانہوں میں لے کر پیار کیا تھا اس کو سامنے بٹھا کر ساری محبتیں نچھاور کی تھیں، دل اندر ہی اندر اس سے محبت کرنے لگا تھا جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر کمرے میں قدم رکھا تھا۔ ارمان بھری امنگوں کے ساتھ اس کی کلائی میں کنگن پہنایا تھا۔ وہ تو تصور سے کہیں زیادہ حسین و طرحدار تھی مگر سب خواب جیسے چکنا چور ہو گئے۔ آرزوئیں دم توڑ گئیں چاہتوں کی دنیا آباد ہونے سے پہلے ہی ویران ہوگئی۔

"تمہارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا صفدر؟" کیا اس بڑے شہر میں تم ہی واحد خطا کار تھے کہ زیبا نے تمہیں اتنی کڑی سزا سنائی؟ تم نے تو آج تک کسی چڑیا کا دل نہیں دکھایا پھر تمہیں کس جرم کی پاداش میں سزا ملی؟" اس نے غم و غصے سے سوچا۔ ویران تاریک سڑک کی فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اس نے گویا خود سے سوالات کیے مگر کوئی بھی خاطر خواہ جواب نہیں ملا۔ سب کچھ الجھا الجھا بکھرا بکھرا تھا۔ سارا شہر چین کی نیند سو رہا تھا ایسے میں وہ بے کل مضطرب سڑکیں ناپ رہا تھا۔

"اگر تم اس قدر رو گی اور پریشان ہو، ایک بے بس اور کمزور لڑکی کو اعتبار دینے پر تو ایسا مت کرو۔ اسے تین حرف سنا کر نکال باہر کرو تمہارا نہ اس سے کوئی رشتہ ہے اور نہ رہے گا۔" دماغ نے حل پیش کیا تو وہ لرز اٹھا۔

"نہیں وہ کہاں جائے گی میں اس پر یہ ظلم نہیں کرسکتا۔"

"تو پھر مسٹر صفدر پچھتاوا کس بات کا، کنکر موتی جو تمہاری قسمت میں تھا مل گیا اسے پناہ دی ہے تو ملال کے منظر سے باہر آؤ۔"

"مگر...... میں ایک مرد ہوں میری بیوی کسی کی محبت میں سب کچھ ہار کے میرے پاس آئی ہے میں کس طرح یہ بھول جاؤں؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کے بال نوچتے ہوئے سوچا...... آسمان کی طرف دیکھا رات ڈھل رہی تھی اسے بہت دیر ہوگئی تھی مگر مسئلے کے حل کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا...... دور سے فجر کی اذان سنائی دی تو واپسی کے لیے پلٹا...... سب کے جاگنے سے پہلے اسے کمرے میں پہنچنا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اپنی پیاری ماں کو کوئی صدمہ یا پریشانی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے گھر کی طرف اس نے تیزی سے قدم بڑھائے۔

❀

فجر کی نماز پڑھ کر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا چاہتی تھی کہ فون بجنے لگا۔ اس نے اس وقت فون بجنے پر وال کلاک کی طرف دیکھا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔"

"سو رہی تھیں کیا؟" دوسری طرف سے عارض کی شوخ سی آواز ابھری۔

"نہیں آپ سناؤ کیسے ہو؟" اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ہوں بس آپ کے لیے اداس ہوں۔"

"وہ کس لیے؟" اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ سے پوچھو ہم دل کے گھائل لوگوں سے کیا پوچھتی ہو؟"

"اللہ خیر کرے دل اور گھائل۔"

"آپ کے عشق میں پاگل ہو کر یہی حال ہے ہمارا۔"

"شاعری بند واپس آیئے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ اس کی ہنسی کے جلترنگ میں کھو گیا۔

"ہنستی رہو ایسا لگتا ہے جھرنے بہہ رہے ہوں، ہوا ؤں نے سرگم چھیڑ دی ہو۔"

"بس...... بس آپ تو پکے پکے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"شرمین! میں بہت خوش نصیب ہوں تم نے مجھے اپنی محبت کا سہارا دیا دل چاہتا ہے ملن کی گھڑی ست کر قریب آجائے۔" وہ شوخ ہو گیا اور وہ گلابی پڑ گئی۔

"صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کیا؟"

"آپ کی یاد ستا رہی تھی اس لیے فون کیا ہے۔"

"پہلے پھر اب فون بند کردیں بہت بل آئے گا۔"

"تو پھر آتا رہے آپ کی چاہ میں سب کچھ داؤ پر لگا سکتا ہوں۔"

"او کے بابا! اب فون بند کرو کچھ باتیں واپسی پر کریں گے۔"

"اچھا! ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔" اس نے محبت سے چور لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔ جبکہ وہ ریسیور رکھ کر اس کے خیالوں میں کھو گئی۔ دل کی اتھل پتھل دھڑکنوں میں اس کی محبت کا شور تھا۔ جانے کیوں تھوڑے سے وقت میں بے پناہ محبت اس سے کیوں ہوگئی تھی؟" اس کے حسین تصور کو وہ محسوس کرتے ہوئے وہ گم سی ہوگئی۔ وہ تو اس کے تصور سے بڑھ کر اسے پیارا اور محبوب ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ صبیح احمد کے علاوہ بھی کسی کو چاہے گی۔ صبیح احمد اس کی چاہتوں کا مرکز تھے مگر کاتب تقدیر نے تو کچھ اور لکھا تھا اس کے لیے عارض کو چھپا کر رکھا تھا۔ اب وہ مل گیا تھا اس کے پیار میں پاگل اور دیوانہ بن گیا تھا وہ خود پر نازاں تھی۔ وہ سوچ میں گم جانے اور کتنی دیر کھوئی رہتی کہ اماں نے کمرے میں داخل ہو کر چونکا دیا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو ساڑھے چھ بج رہے تھے یہ وقت اس کی واک کا تھا۔ وہ جلدی جلدی کمرے سے باہر نکل آئی۔

❀

سٹی کلب کے ہال میں دعوت ولیمہ میں شرکت کے لیے آنے والے مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مہمان بہت زیادہ نہیں تھے مگر خوشی کے موقعوں پر چند مہمان بھی گپ شپ کر رہے ہوں تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ لہراتے رنگین آنچل تھے، سج دھج دکھاتے پیراہن تھے، خوشبوئیں پھیلاتی زلفیں تھیں، ایسے میں شوخ اور نوجوان نسل کے لڑکے ہی نہیں درمیانی عمر اور پختہ عمر کے لوگ بھی دیدہ اہتمام کے حسیناؤں کو دیکھ رہے تھے۔ حسب دستور سب کی نظروں کا مرکز اور محور اور سرخ و سنہری لباس میں کٹی سجائی دلہن تھی۔ نازک اندام زیبا کا حسین سراپا سب کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ جہاں آرا بیگم بہو کے حسن و دلکشی پر فدا ہو رہی تھیں...... بہو کے لیے ان کی آنکھوں میں ستائش بھرے جگنو چمک رہے تھے مگر صفدر کے چہرے

پر سنجیدگی اور خاموشی نمایاں تھی۔ وہ بڑی کوشش کے بعد مسکراتا اور پھر کہیں دور نکل جاتا...... کچھ بے تکلف کزنز نے یہ بات محسوس بھی کی اور جتلائی بھی مگر وہ خوبصورتی سے ٹال گیا۔

کھانا شروع ہوا تو وہ پلیٹ میں برائے نام کھانا لے کر کسی قدرے پرسکون گوشے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تبھی گلابی اور بلیو کنٹراس ساڑی میں شرمین ہال میں داخل ہوئی اور سیدھی اسی کی طرف آ گئی۔

"ارے یہ کیا دلہن سے دور اکیلے کیلے کھانا کھانے کا پروگرام ہے۔"

"دراصل مہمانوں کی خاطر میں کوئی کمی نہ رہ جائے اس لیے ان کے درمیان چل پھر کر ہی کھانا کھا رہا ہوں۔"

"ارے چھوڑیں مہمان تو اپنی پلیٹوں پر ٹوٹے پڑے ہیں آپ دلہن کے پاس چلیں۔" شرمین اسے لیے اسٹیج کی طرف آ گئی۔ جہاں آراسے ٹی زیبا کو منہ دکھائی دی اور اس کے برابر بیٹھ گئی۔ صفدر نہ چاہتے ہوئے بھی سامنے بیٹھ کر کھانے لگا۔ شرمین نے محسوس کیا کہ صفدر کے چہرے پر گزشتہ دنوں کی کوئی شوخی کوئی دلکشی نہیں تھی۔ دوسری طرف زیبا بھی زیور اور میک اپ کی دبیز تہہ میں کوئی الجھن اور پریشانی چھپا رہی تھی۔ اس نے یہ محسوس ضرور کیا مگر پوچھا نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ اجازت لے کر واپس آ گئی۔ صفدر اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تو وہ پوچھ بیٹھی۔

"صفدر بھائی خیریت ہے آپ کچھ بجھے بجھے سے ہیں۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے شادی ایک نیا حادثہ ہوتا ہے ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اچھا زیبا بھابی کو کب میری طرف لا رہے ہیں۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جب گرد چھٹ جائے گی مطلع صاف ہو جائے گا۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے آسمان بالکل صاف ہے دور دور تک آندھی یا بادل کے آثار نہیں ہیں۔" اس نے کھڑکی سے سر نکال کر آسمان دیکھتے ہوئے کہا۔

"طوفانوں کا کیا بھروسہ جانے کب آ جائیں۔ خیر آئیں گے۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے خوش ہو کر بولا۔

"او کے اللہ حافظ۔" اس نے بھی مسکرا کر کہا اور گاڑی نکال لے گئی۔ صفدر نے وہیں کھڑے کھڑے گویا اس کو ان کہی باتیں بتائیں۔

"تمہیں کیا بتاؤں شرمین جی! کتنا شدید طوفان میری زندگی میں رونما ہو چکا ہے...... میں بنا بادبان کے طوفانوں کی زد میں ہچکولے کھا رہا ہوں۔ اور آپ کو نہیں معلوم کہ اس طوفان کے گزرنے اور تھمنے کی کوئی صورت نہیں...... لگتا ہے تمام عمر اسی میں سفر کرنا ہے اس سفر کی تھکن کسی کے کندھے پر سر رکھ کے نہیں اتاری جا سکتی...... زیبا اور میرے بیچ صدیوں کا فاصلہ ہے تاحد نظر گرد ہی گرد ہے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے سے قاصر ہیں۔" اس نے دکھ سے سوچا اور واپس ہال کے اندر آ گیا۔ سب مہمان کھانا کھا چکے تھے۔ ان کو رخصت کرنے کا وقت تھا۔ اس نے روپ بدلا اور سب سے خوش خوش مل کر رخصت کرنے لگا۔

❀

ولیمے کے بعد بظاہر تو وہ رخصت ہو کر اماں ابا کے اور چند رشتے داروں کے ساتھ اپنے گھر آ گئی۔ رسم کے مطابق تو صفدر کو بھی ساتھ آنا تھا مگر اس نے بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ گھر میں رشتے دار موجود ہیں میں اکیلا گھر چلانے والا ہوں اس لیے میں تنہا کیسے چھوڑ دوں......؟" اور زیبا کے ابا کے دل کو یہ بات لگی انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر بات مان لی۔ چلنے سے پہلے زیبا نے موقع پا کر دھیرے سے پوچھا۔

"آپ کل تو آئیں گے نا۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"پلیز! ہماری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے التجا کی۔ صفدر نے ہولے سے گردن اثبات میں ہلا دی اور دوسری طرف چلا گیا۔ زیبا کے دل کو یقین آ گیا کہ وہ ضرور آئے گا...... مگر اس کے باوجود اس کا دل مضطرب تھا روح مضمحل تھی۔ من میں بے کلی تھی ایک انجانا سا خوف اور ڈر اسے گھیرے ہوئے تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ صفدر کا دوسرا اقدام کیا ہوگا؟ اس کی خاموشی سے وہ کچھ اخذ نہیں کر سکی تھی۔ بس اتنا اطمینان تھا کہ جس نے پہلی رات بھرم رکھ لیا وہ آئندہ بھی بھرم کی حفاظت کرے گا۔ ورنہ ہونے کو تو یہ بھی ممکن تھا کہ ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتا۔ بے عزت کرتا مہمانوں سے بھرے گھر میں ذلیل و خوار کرتا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا کس قدر ضبط اور حوصلے سے اس کا عطا کردہ زہر گھونٹ گھونٹ پی گیا...... سارا وقت ولیمے کے مہمانوں کی آؤ بھگت کرتا رہا حرف شکایت لبوں پر نہیں آیا مگر ایسا کب تک ہوگا؟ کیا صفدر کبھی شکایت نہیں کریں گے؟ کبھی خفا نہیں ہوں گے؟ وہ سوال جواب کرتی خود میں مگن تھی۔ مگر اماں اس کے پاس آ گئیں۔

"زیبا اب خیریت تو ہے نا۔"

"ہنہ...... ہوں جی ماں جی۔" وہ ہکلائی۔

"صفدر کیسا ہے؟" حاجرہ نے ٹٹولا۔

"وہ تو بہت اچھے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ان کے لائق نہیں۔" بے دھیانی میں اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟" حاجرہ نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں میرا مطلب ہے وہ بہت اچھے ہیں ہم خوش قسمت ہیں۔" وہ شرما کر نظریں جھکائے جھکائے بولی تو حاجرہ کی جان میں جان آئی۔

"بس میری چاند! اس گھر کو جنت بنا دینا ایسی مثال قائم کرنا کہ زمانہ تمہارے ماں باپ کی تربیت پر رشک کرے......" حاجرہ نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تو احساس ندامت سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ وہ ماں جی کو کیا بتاتی کہ اس گھر پہ کل رات ہی قیامت گزری ہے نجانے صفدر کا کیا حال ہوگا؟ اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے اور وہ تنہا کمرے میں سلگ رہے ہوں گے کسی سے اپنے دکھ کا تذکرہ بھی نہیں کر سکتے اور میرا دیا ہوا زہر پینا بھی اتنا آسان کام نہیں۔" اس نے ماں کے گلے لگے لگے سوچا۔

"پگلی کہیں کی رو رہی ہے چل اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو کل صبح کا ناشتہ صفدر اور اس کی امی یہاں تیرے ساتھ کریں گے۔"

"لو اگر صفدر نہ آ سکے تو......"

"کیوں بھئی کیوں نہ آ سکے کل تو آنا ہی ہے۔" حاجرہ نے وثوق سے کہا اور اسٹور کی طرف بڑھ گئیں۔ مہمانوں کے لیے بستر نکالنے تھے۔ وہ مردہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

***

جہاں آرا نے ہولے سے اس کے کمرے کا دروازہ اندر کی طرف دھکیلا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ اس یقین سے کمرے میں داخل ہو گئیں کہ صفدر ابھی جاگ رہا ہے...... مگر بالکل اندھیرے میں اس کو صوفے پر محسوس کر کے انہوں نے کٹ سے لائٹ آن کی تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا...... آنکھیں چندھیا سی گئیں۔

"امی! آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔" آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"یہی بات میں تم سے پوچھوں تو......؟"

"بس نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"مگر مجھے تو کچھ اور معاملہ دکھتا ہے۔" ماں نے گہری نظروں سے پریشان بیٹے کو ٹٹولا۔

"کیسا معاملہ......؟" اس کا چہرہ فق ہوا۔

"پریشان ہو یا بہو کی یاد آ رہی ہے۔"

"دونوں میں سے ایک بات بھی ٹھیک نہیں۔"

"مگر میرا دل کہتا ہے کہ کچھ ہے ضرور ورنہ تم کبھی موبائل فون آف نہیں کرتے۔"

"آپ کو کس نے کہا کہ موبائل آف ہے۔" وہ غیر دانستہ طور پر کہہ گیا۔

"عارض نے پھر اس نے دوسرے فون پر مجھے کہا کہ خیر ہے صفدر نے موبائل کیوں آف کر رکھا ہے۔"

"عارض کا فون تھا بند ہو گیا کیا آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟" وہ بے تاب ہو گیا۔

"بلاتی کیسے؟ اس نے بھی کہا اور کل فون کرنے کا کہہ کر بند کر دیا۔ میں تو موبائل فون بند ہونے پر کچھ پریشان ہو کر آ گئی۔"

"آپ تو بلاوجہ پریشان ہو جاتی ہیں۔" ان کو تسلی فراہم کرنے کی غرض سے وہ مسکرایا۔

"مائیں بلاوجہ پریشان نہیں ہوتیں اب سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے زیبا کی طرف ناشتہ کرنا ہے۔"

"امی آپ خود ہی جائیں مجھے کہیں نہیں جانا میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"جی ہاں اسی لیے جاگ رہے ہو سب مہمان جا چکے ہیں اب آرام سے اٹھ کر تیار ہونا ہے اور بس۔"

"مگر میرا موڈ نہیں ہے۔"

"صفدر کمال کرتے ہو لڑکی والوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے خوشی بھرا ارمان ہوتا ہے۔"

"جانتا ہوں کتنی عزت ہوتی ہے؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"بہر حال صبح جانا ہے شام کو زیبا کو لے کے آ جائیں گے اور پھر ہمارے گھر کا سونا پن ختم ہو جائے گا۔" جہاں آرا کی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔ صفدر خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھتا رہا اور پھر طویل سرد آہ بھر کے صوفے سے اٹھا اور بیڈ پر لیٹ گیا جہاں آرا نے اس کا ماتھا چوما اور لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے جانے کے بعد اس نے جلتی آنکھیں کھول دیں اندھیرے میں گھورنے لگا۔

***

صبح الارم بجنے کے باوجود وہ اٹھ نہ سکی۔

کچھ دیر بعد اماں اس کے کمرے میں آ گئیں تو پریشان ہو گئیں۔ وہ بے سدھ پڑی تھی۔ انہوں نے چہرہ چھوا تو اور زیادہ پریشان ہو گئیں۔ وہ تو بخار سے پھنک رہی تھی۔

"ثمرین! چندا! آنکھیں کھولو" اماں کے پکارنے پر اس نے سرخ سرخ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے رات تو تم ٹھیک تھیں۔"

"اماں! کام ختم کر کے دیر سے سوئی تھی پہلے جسم میں درد شروع ہوا اور پھر بخار۔" اس نے بمشکل تمام بتایا۔

"اب ڈاکٹر صاحب کو فون کرتی ہوں۔" اماں نے کہا۔

"وہ زینت آپا اور بوبی کی فلائٹ ہے۔"
"فلائٹ ہے تو کیا کروں؟ اس بخار کی حالت میں تو نہیں جا سکتے۔"
"مگر اماں؟"
"بھئی چپ کر کے لیٹی رہو، پہلے ڈاکٹر کو بلا لوں پھر دوسری بات ہوگی۔" اماں نے اس کی بات کاٹ کر فون نمبر ملاتے ہوئے کہا۔
"میرے آفس بھی فون کر دیں اور زینت آپا کو بھی فون کر دیں۔"
"اچھا! ٹھیک ہے۔" اماں نے کہا اور ڈاکٹر صاحب کے بعد پہلے زینت سے بات کی اور بعد میں دفتر چھٹی کی اطلاع کر دی۔ اس کی پلکیں پھر بند ہو گئیں۔ اماں اس کا سر گود میں رکھ کے دبانے لگیں۔ سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگیں۔ کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر احمد حسن آ گئے۔ اماں کو پریشان دیکھ کر مسکرائے۔
"اماں! معمولی سا بخار ہے آپ پریشان نہ ہوں۔" اس کا ٹمپریچر چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر احمد حسن نے کہا۔
"ڈاکٹر صاحب! دیکھیں تو کیسے تمتما رہا ہے بخار سے چہرہ۔"
"ابھی کچھ ہی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گی آپ کی شرمین۔" پھر ڈاکٹر صاحب نے انجکشن لگایا، چند گولیاں نکال کر اماں کو سمجھایا کہ کس طرح دینی ہیں۔
"اور اماں جی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھیں، کچھ ہی دیر میں بخار اتر جائے گا۔" آخر میں یہ کہہ کر وہ بیگ اٹھائے باہر نکل گئے۔ اماں نے کچن کا رخ کیا۔ تاکہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں فوراً رکھی جائیں۔

❁

تمام کمروں کو لاک کر کے اس نے رحیم گل بابا کے ہاتھ پر چابیاں رکھ دیں۔ ان کی بوڑھی آنکھیں بھر آئیں۔
"بیگم صاحب! بہت بڑی ذمہ داری آپ میرے کندھوں پر ڈال کے جا رہی ہیں۔"
"با اعتماد ملازموں پر ہی ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں۔"
"آپ دونوں کے بغیر اس اتنی بڑی کوٹھی میں دم گھٹنے لگے گا۔"
"ارے نہیں بابا! آپ گاؤں سے اپنے بیٹے بہو اور بچوں کو بلا لیں انہیں اپنے پاس رکھیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو منیجر صاحب کو بتا دیں۔"
"بہت مہربانی بیگم صاحب۔"
"یہ بوبی کہاں رہ گیا، دیر ہو رہی ہے۔" زینت نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔
"وہ آ گئے بوبی میاں۔"
"ماما! پہلے شرمین کی طرف چلیں۔"
"نہیں دیر ہو رہی ہے۔"
"ماما! ابھی فلائٹ میں سوا گھنٹہ ہے۔"
"ایئرپورٹ پہنچنے کا راستہ بھی گھنٹے سے کم نہیں۔"
"ماما! شرمین کو بخار ہے۔"
"یہ کیا شرمین شرمین کی تکرار لگا رکھی ہے کہا نا کہ وقت نہیں ہے۔" زینت نے ڈانٹ کر کہا تو وہ موبائل فون سے شرمین کا نمبر ملانے لگا۔ زینت کو اور زیادہ غصہ آیا۔

"آپ فون بھی نہیں کرو گے، چلو گاڑی میں چل کر بیٹھو۔"
"ماما آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"
"مجھے جو بھی ہوا ہے اس میں آپ کی بہتری ہے۔" وہ تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھی۔ ناچار وہ بھی ماں کے پیچھے آ گیا۔
زینت نے گاڑی کے پاس رک کے نم آلود نگاہوں سے کوٹھی کے در و بام کو دیکھا اور لان میں کھڑے ملازمین کو دیکھا پھر الوداع کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل آئی۔ زینت نے برابر بیٹھے بوبی پر نظر ڈالی اس کا موڈ آف تھا۔
"بوبی! محبت کسی کو آسودگی اور خوشی دینے کے لیے کرنی چاہیے اگر کوئی دکھی اور پریشان ہو تو محبت محفوظ کر لیتے ہیں۔"
"محبت میں واپسی ممکن نہ ہو تو۔"
"تب بھی کبھی کبھی واپس ہونا پڑتا ہے۔"
"ماما! شرمین کو میں بھول نہیں سکتا۔"
"چھوڑو اس بات کو محبت کا ایک رنگ نہیں کہ بس جیسا آپ چاہو ویسا ہو جائے۔"
"مگر......"
"اگر مگر کچھ نہیں آپ نے اپنے کریئر پر غور کرنا ہے آپ کی خاطر اتنی محنت اور مشقت سے بنایا گھر بار چھوڑ کر دیار غیر جا رہی ہوں، کچھ اس بات کا بھی خیال کرو۔" زینت کو ملک چھوڑنے کا بہت رنج تھا۔
"تو ماما نہیں جاتے۔"
"نہیں جانا تو ہے میں اپنا مستقبل داؤ پر نہیں لگا سکتی۔" بوبی چپ ہو گیا۔ زینت نے گاڑی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ گاڑی سبک روی سے ایئرپورٹ کی جانب رواں دواں تھی۔ سب کچھ پیچھے رہتا جا رہا تھا۔ زینت کا گھر، کاروبار، بوبی کی چاہت دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ملول تھے...... دونوں ہی ایک دوسرے کی خاطر کڑوا گھونٹ بھر رہے تھے۔ زینت اگر بوبی کی خاطر ملک سے جا رہی تھی تو بوبی بھی تو پیاری ماں کی خاطر اپنی پہلی اور آخری چاہت چھوڑے جا رہا تھا۔ شرمین کا اس کے دل میں جو مقام بن چکا تھا اسے تبدیل کرنا ناممکن تھا مگر یہ بات وہ نہ ماں کو بتا کر پریشان کرنا چاہتا تھا اور نہ شرمین کو تکلیف دینا چاہتا تھا۔ شرمین نے زندگی کا ساتھی اپنی محبت سے چن لیا تھا۔ وہ بھلا اب کیسے اسے مجبور کرتا۔ یہی سوچ کر ماں کی بات مان لی۔

❁

ڈاکٹر احمد حسن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ایک انجکشن اور ایک خوراک دوا سے ہی بخار کافی کم ہو گیا تھا۔ اماں نے اس کے لیے ایک گلاس دودھ میں اوولٹین ملا کر اسے پلایا تو وہ کافی بہتر محسوس کرنے لگی۔
"اللہ کا شکر ہے تم ٹھیک ہو گئیں۔" اماں نے خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔
"اماں! زینت آپا چلی گئی ہوں گی۔"
"ہاں ساڑھے نو بجے کی فلائٹ تھی اب تو گیارہ بج رہے ہیں۔"
"کیا سوچ رہی ہوں گی؟" وہ افسردگی سے بولی۔
"کچھ نہیں اسے بتایا تھا کہ تیز بخار ہے وہ پریشان ہو گئی تھی مگر پھر بولی کہ اسے پیار دینا۔"
"بوبی کی وجہ سے زینت آپا کو یہاں سے جانا پڑا۔" وہ تاسف سے بولی۔

"ہاں! بہت افسردہ تھی کاروبار کو ایک دن کسی کے حوالے کرو تو نقصان ہوتا ہے نہ وہ تو جانے کتنے عرصے کے لیے چلی گئی ہے۔"

"اللہ بوبی کو ہدایت دے نہ وزینت آپا کی قربانیاں یاد رکھے۔"

"بچہ ہے دھیرے دھیرے سنبھل جائے گا۔"

"کہاں! بوبی اتنا ناسمجھ بھی نہیں ہے۔"

"چلو چھوڑو اب چپ چاپ آرام کرو میں سوپ بناتی ہوں۔"

اماں نے موضوع بدلنے کے لیے کہا اور پیروں میں سلیپر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ سونا چاہتی تھی کہ موبائل فون بجنے لگا۔ اس نے کال ریسیو کی...... دوسری طرف عارض تھا وہ نقاہت کے باوجود کھل اٹھی۔

"ہیلو جان من! ہاؤ آر یو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا تو وہ بولا۔

"لگ تو نہیں رہا تم بھی صفدر کی طرح بیمار ہو گیا؟"

"نہیں بس بخار تھا مگر صفدر بھائی کو کیا ہوا؟"

"رات اس کا موبائل بھی بند تھا اب اس وقت وہ اپنے سسرال میں ہے الجھا الجھا سا لگ رہا تھا۔"

"اچھا میرے علم میں نہیں۔"

"خیر تم اپنا خیال رکھا کرو۔ میں تقریباً دس دن بعد آ رہا ہوں۔"

"میرا خیال آپ رکھتے تو ہیں۔" اس نے لجا کر کہا۔

"ابھی! ابھی کہاں خیال رکھنے کے جب دن آئیں گے تب دیکھنا آپ کا مرمریں بدن خود ہماری محبت کے قصے سنائے گا آپ کی زبان اعتراف کرے گی کہ ہمارے پیار کی شدت کیا ہے؟" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

"بس! شاعری بند کریں اور نئی تازی سنائیں۔"

"تمہاری یاد تڑپاتی ہے ملنے کے لیے بیقرار ہوں دل چاہتا ہے کہ اڑ کر آ جاؤں بانہوں میں جکڑ کے پیار بھری گستاخیاں کروں۔"

"میں فون بند کرنے لگی ہوں۔" وہ شرما کر بولی۔

"شرما گئی ہو اور زیادہ حسین لگ رہی ہو۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ صفدر بھائی پریشان ہیں۔"

"خیال ہے میرا کیونکہ میں اسے جانتا ہوں کوئی پریشانی ہے ضرور فی الحال تو وہ ٹال گیا ہے مگر رات کو تفصیلی بات کروں گا۔"

"میں بھی ان سے رابطہ کروں گی۔"

"ہاں! اچھی بات ہے میں اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہوں۔"

"آپ فکر مند نہ ہوں۔"

"او کے اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن بھی صفدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ پرسوں والے دن بھی وہ چپ چپ الجھے الجھے سے تھے مجھے بھی فکر مند سے لگے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی میں پوچھ نہیں سکی تھی۔ کل ملنے جاؤں گی اس نے دل ہی دل میں ارادہ باندھا اور تکیے پر سر رکھ کے آنکھیں موند لیں۔

زیبا کو لے کر جب وہ گھر پہنچے تو شام ڈھل رہی تھی۔ مہینوں کا تھکا اور پچھلی تین راتوں سے جاگا صفدر برآمدے میں رکھے تخت پر گرتے ہی سو گیا۔ جہاں آرا اپنے کمرے سے باہر آئیں تو متفکر ہو گئیں۔

"صفدر...... صفدر!" انہوں نے پیار سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"جی...... جی امی جان۔" وہ کسمسایا۔

"بیٹا! یہاں کیوں سو گئے جاؤ کمرے میں زیبا اکیلی ہے۔"

"تو کیا ہوا امی جان؟ کیا کوئی خطرہ ہے؟" وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

"کمال کرتے ہو نئی نویلی دلہن ہے ہزار ضرورتیں ہو سکتی ہیں کس کو بتائے گی؟"

"امی! اسے آپ کو بتانا چاہیے۔"

"مجھے بھی بتا دے گی کچھ وقت لگتا ہے اور ویسے بھی عشاء کی اذان ہو گئی ہے اگر سونا ہے تو کمرے میں جا کر سوؤ۔"

"اوہو...... امی! آپ نے سونے نہیں دینا۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"کھانا بناؤں یا دودھ ہی گرم کر دوں۔"

"مجھے تو شدید نیند آ رہی ہے کچھ نہیں کھانا پینا۔" وہ کھڑا ہو گیا جہاں آرا کی وجہ سے کمرے میں تو جانا ہی تھا۔

"مگر زیبا نے تو کچھ کھانا ہوگا۔"

"ویسے میرا نہیں خیال کہ وہ بھی کچھ کھائے دوپہر کا کھانا ہی بہت مرغن تھا اور چار بجے تو کھایا ہے۔"

"پھر بھی اس سے پوچھو اور مجھے بتاؤ۔" انہوں نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں...... وہ بادل نخواستہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر آیا تو بھینی بھینی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ ہلکے سے اندھیرے میں اس نے بیڈ پر نظر ڈالی تو ٹھٹکا۔ باریک شیفون کے گلابی کرتے سے نازک مرمریں سا بدن جھانک رہا تھا۔ ایک ہاتھ آنکھوں پر تھا اور دوسرا تکیے پر وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ بھی شادی کے ہنگاموں میں جاگتی رہی ہوگی۔ وہ سر تا پیر اسے دیکھتا رہا اور پھر جوں ہی آنکھوں سے چوڑیوں بھرا ہاتھ سرکا تو چوڑیوں کے شور سے وہ بھی واپس پلٹا اور صوفے پر لیٹ گیا۔ مگر چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہ سر پہ آنچل جمائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ حد درجہ معصوم تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ گردن موڑ کر بیٹھ گیا بالکل انجان اور اجنبی بن کر۔

"آپ بیڈ پر سو جائیں میں صوفے پر سو جاتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بے رخی سے بولا۔

"نہیں پلیز! میری بات مان لیجیے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ......"

"کیا...... کیا اچھا نہیں لگتا؟ مجھے دھوکہ دینا اچھا لگا میرے ارمان مٹی میں ملانے اچھے لگے اب پارسائی کا ڈھونگ رچا رہی ہو۔" وہ ایکدم تیکھے سے اکھڑا۔

"میں نے کب پارسائی کی بات کی ہے میں تو مجرم ہوں آپ کی مگر جہاں تک ہو سکے مجھے مداوا کرنے کا موقع تو دیں۔" وہ نازک نازک انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

"بعض باتوں کا مداوا ہوتا ہے اور نہ تلافی۔"

"میں نے ایسا اس لیے کہا کہ آپ نے پچھلی رات مجھے ڈھیر سارا حوصلہ دیا تھا۔" اس نے شکایت کی تو وہ تھوڑا شرمندہ ہوا۔

"مجھے اپنے لفظوں کا پاس ہے، نبھا والانے کی ضرورت نہیں۔"

"میں آپ کے دیئے ہوئے اس اعتماد کے باوجود شرمندگی اور ندامت کی سولی چڑھی ہوئی ہوں، یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو دکھ دے کر میں بے فکر ہوں آپ جب جیسا فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔" اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے جھرنے بہنے لگے مگر وہ صوفے پر کروٹ لے کر سوتا بن گیا۔ نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ جواب دیا۔ جانے کتنی دیر تک وہ کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ رات کے تیسرے پہر ہلکی سی آہٹ پر اس کی آنکھ کھلی تو بیڈ خالی تھا...... وہ پریشان ہو کر اٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا...... کمرہ خالی تھا، گھبرا کر واش روم میں دیکھا اور پھر پلٹا تو چونکا...... جس صوفے پر وہ لیٹا تھا اس کے پیچھے قالین پر وہ سوئی ہوئی تھی۔ اسے افسوس ہوا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

ملازم اشرف نے آ کر اطلاع دی۔

"خان صاحب! صفدر صاحب آئے ہیں۔"

"ارے یہیں لے آؤ۔" آغا جی نے اخبار تہہ کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم آغا جی۔" صفدر ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"آؤ...... آؤ صفدر بیٹا!" آغا جی نے اسے سینے سے لگا کر پیار کیا۔

"آغا جی! آپ خیریت سے ہیں آپ کی فون کال پر میں پریشان ہو گیا۔"

"ارے بیٹا! میں تو بالکل خیریت سے ہوں عارض کا فون آیا تھا۔"

"عارض کا فون خیریت۔"

"عارض تو خیریت سے ہے تمہاری طرف سے فکر مند ہے۔" خان صاحب نے کہا۔

"وہ چونک کر ان کو دیکھنے لگا۔ دل چاہا کہ آغا جی کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے...... جو پریشانی عارض سے بانٹنے کا انتظار ہے وہ آج آغا جی سے بانٹ لے مگر پھر جیسے ہونٹوں پہ قفل پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے برخوردار۔"

"کچھ نہیں آغا جی! بس انسان کے ساتھ سوچ بچار تو لگی رہتی ہے۔"

"آج کل تو دن عید اور رات شب برات ہوگی۔" خان صاحب نے شگفتگی سے کہا تو وہ بجھے بجھے دل سے مسکرا دیا۔

"آغا جی! آپ سنائیے کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"

"اللہ کی مہربانی ہے بہت کرم ہے مالک کا بس ایک ہی ارمان ہے۔"

"یقیناً عارض کی شادی کا ارمان۔"

"بالکل ٹھیک کہا، بس اس کے آتے ہی یہ فریضہ ادا کروں گا ویسے صفدر بیٹا! ہماری ہونے والی بہو کیسی ہے؟ کبھی لے کے آؤ۔"

"ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے آپ جب کہیں میں لے آؤں گا۔"

"پھر کل رات کا ڈنر ساتھ کرتے ہیں۔" خان صاحب خوش ہو گئے۔

"ٹھیک ہے میں ثمرین سے بات کرلوں گا۔"

"اب وہ پریشانی بھی بتاؤ۔"

"کچھ نہیں ہے آغا جی! عارض کو فون پر غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے تسلی بخش انداز میں کہا تو آغا جی مطمئن ہو گئے۔ اسی

دن میں ملازم چائے لے آیا اس نے چائے بنائی...... مزید وہاں کچھ دیر بیٹھا اور پھر اجازت لے کر آ گیا۔

واپسی پر شام ڈھل رہی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گھر کی طرف گاڑی لے آیا...... حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ سڑکوں پر پھرتا رہے۔ گھر کے تصور سے ہی وحشت سی ہونے لگی تھی۔ اس سے نظریں چرانی پڑتی تھیں۔ زیبا سے کوفت اور بیزاری محسوس ہوتی تھی۔ محبت نہ سہی احساس ہمدردی تو تھا اس کی معصوم سی صورت بے کل کرتی تھی۔ جھکی جھکی نگاہوں میں بکھرے کتنا احساس جرم اسے بات کرنے پر اکساتا مگر اگلے ہی لمحے دل میں کوئی چٹکیاں لے کر مسلنے لگتا۔

"یا میرے خدا! میں کس مشکل میں ہوں؟ کس اذیت میں ہوں؟ تو تو جانتا ہے میں کسی فیصلے اور نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں مگر کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا زیبا کی بھول کی سزا میں اسے دینا نہیں چاہتا اسے پاس لا نہیں سکتا...... ایسے میں میں کیا کروں؟ میری راہنمائی فرما......" اس نے صدق دل سے دعا کی اور گاڑی گھر والی گلی میں داخل کردی۔

اس نے جہاں آرا کو کھانا کھلا کے برتن سمیٹ دیئے۔ صفدر کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ جہاں آرا ابھی شام ڈھلے ہی دوا کھانے کی وجہ سے کھانا کھا لیتی تھیں۔ پہلے تو صفدر کے ساتھ کھانے کے لیے رات گئے تک انتظار کرنا پڑتا تو کرتی تھیں مگر زیبا کے آ جانے سے بے فکر ہو گئی تھیں کہ زیبا اور صفدر اکٹھے کھا لیں گے۔ وہ یہ تو نہیں جانتی تھیں کہ آج تک انہوں نے اکٹھے کبھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ بس اتنا پتا تھا کہ صفدر کا اور اپنا کھانا لے کر زیبا کمرے میں جاتی ہے کمرے میں صفدر کا موڈ ہوتا تو چپ کر کے کھا لیتا وہ وہیں اکیلی زہر مار کرلیتی۔

اب جونہی گاڑی لاک کر کے صفدر نے گھر میں قدم رکھے زیبا نے سلیقے سے ٹرے میں کھانا رکھا اور کمرے کا رخ کیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلے وہ واش روم میں گھسا اور پھر باہر نکل کے صوفے پر دراز ہو گیا۔ سفید لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ بھٹکی ہوئی روح کی طرح اس کے قریب آئی اور دو زانو بیٹھ کر پلیٹ میں اس کے لیے سالن ڈالنے لگی...... اس نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا اور ہونٹ کاٹ کے رہ گیا۔ بلاشبہ اس کا حسن قیامت تھا مگر اگلے ہی لمحے اسے سخت کوفت محسوس ہوئی شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ اسے دیکھ کر دل پر جبر کرنا بہت مشکل کام تھا۔

"کھانا کھا لیجیے۔" اس نے ملائمت سے کہا۔ وہ چپ رہا۔

"سنیے! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"پلیز اپنے وجود میرے سر پر مسلط نہ ہو جایا کرو۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"میں کوشش تو کرتی ہوں کہ آپ کے سامنے کم سے کم آیا کروں مگر مجبوری ہے۔" افسردگی سے جواب دیا۔

"کیا مجبوری ہے؟ بولو۔"

"آپ کی نفرت بجا ہے مگر امی جان کی وجہ سے مجھے دکھاوا کرنا پڑتا ہے۔"

"دکھاوا تو آپ پہلے ہی بہت کر چکی ہیں۔" اس نے چبھتی ہوئی نگاہ ڈال کر کہا۔ اس کے نین کٹورے بھر گئے۔

"آپ نے پہلی رات کوئی بھروسہ قائم کیا تھا اس کی خاطر مجھے برداشت کرلیں۔"

"مت یاد دلاؤ وہ پہلی رات میرے وجود میں الاؤ ابلنے لگتا ہے اور یہ کیا بار بار مجھے یاد دلاتی ہو میں بھی انسان ہوں ضبط نہیں ہوتا تو گلہ بھی نہ کروں۔"

"آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا کریں۔" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں جہاں آرا آ گئیں۔ کھانا جوں کا توں پڑا تھا اور وہ صوفے پر بیٹھا دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔

"صفدر! کیا کہا ہے تم نے زیبا کو۔"

"جی! کچھ نہیں۔"
"پھر وہ کمرے سے روتی ہوئی کیوں نکلی؟" ان کا انداز تشویش سے بھرپور تھا۔ مگر وہ نہ گھبرایا نہ نادم ہوا۔
"اسی سے پوچھ لیں۔"
"صفدر! یہ تو اچھی بات نہیں اتنے تھوڑے سے دنوں میں تم نے روایتی شوہر کا روپ اختیار کرلیا۔" وہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔
"ایسا کیا کردیا ہے میں نے؟"
"کل سے اس انداز میں بات کرنے لگے ہو۔"
"سوری اگر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ کچھ خفت سے بولا۔
"سارا دن وہ گھر کے کام کاج میں لگی رہتی ہے شام کو کمرے میں بند ہوجاتی ہے کہیں باہر لے جایا کرو کم از کم ایک دو روز بعد میکے لے جایا کرو۔" جہاں آرا نے سمجھایا۔
"میرے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے؟"
"بیٹا! شام کو تو آپ فارغ ہوتے ہو۔"
"تھکن سے برا حال ہوتا ہے۔"
"زیبا رو کیوں رہی تھی؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"
"اور یہ کھانا کیوں رکھا ہے؟"
"مجھے بھوک نہیں ہے۔"
"ہیں! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟"
"دماغ خراب نہیں ہوا بس۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"صفدر بیٹا! ہم دونوں ساتھ رہے ہیں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں مجھ سے کون سا دکھ چھپا رہے ہو؟ کون سی پریشانی چھپا رہے ہو؟"
"امی! میں چھپا نہیں رہا ہوں برداشت کر رہا ہوں۔"
"اس کا مطلب؟"
"آپ فکر مند نہ ہوں میرے آفس کا مسئلہ ہے۔" وہ ماں کو پریشان دیکھ کر ہوش وحواس کی دنیا میں لوٹ آیا۔
جہاں آرا گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں اور اس نے دکھتے دماغ کو پرسکون کرنے کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں لیکن اسی اثنا میں گیٹ پر گاڑی رکی تو وہ چونکا۔ تھوڑی دیر میں شرمین کمرے میں آگئی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔
"اسلام علیکم!"
"وعلیکم السلام! خیریت اس وقت؟"
"کیوں اس وقت آنا منع ہے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔
"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو خود آپ کی طرف آنے والا تھا۔"
"اکیلے یا بھابی کے ساتھ۔"

"کون بھابی۔" وہ بے خیالی میں کہہ گیا تو وہ حیرت سے بولی۔
"ابھی سے کون بھابی؟ صفدر بھائی۔"
"میں نے دراصل آغا جی کے ڈنر کا پیغام پہنچانا تھا انہوں نے کل رات کے ڈنر پر بلایا ہے۔" وہ یکسر اس کی بات ٹال گیا۔
"مجھے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔
"جی ہاں! آپ ہونے والی بہو کو۔" موڈ خوشگوار کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔
"مگر عارض تو......"
"عارض تو فی الحال امریکہ ہی ہے آغا جی آپ کا دیدار کرنا چاہتے ہیں۔"
"آپ انہیں میری طرف لے آتے۔"
"کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"
"نہیں ٹھیک ہے چلیں گے۔"
"ٹھیک آٹھ بجے وقت کی پابندی کا خیال کرنا ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" عارض کے گھر کے تصور سے ہی وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔
"آغا جی بہت گریس فل اور وضع دار آدمی ہیں۔"
"عارض آپ کے لیے فکر مند تھے۔"
"وہ جگر ہے اس لیے سانس کی رفتار بھی جان لیتا ہے۔"
"اس کا مطلب ہے آپ کی وجہ سے کچھ فکر مند ہیں۔" اس نے پوچھا۔
"چھوڑو اس ذکر کو چائے...... یا کافی۔"
"زیبا بھابی کو تو بلائیں۔"
"خود ہی آجائیں گی۔" اس نے اس طرح کہا کہ سچ مچ زیبا چائے کی ٹرے لیے اندر آگئی تو شرمین نے کہا۔
"ارے واہ سنا تھا کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے آج دیکھ بھی لیا ہے۔"
"آنکھیں کئی بار دھوکہ بھی کھا جاتی ہیں۔" صفدر نے سنجیدگی سے کہا۔
"کتنی شکر......؟" شرمین اس کے لہجے کی سنجیدگی اور نگاہوں کی اجنبیت پر دھیان نہ دے سکی زیبا نے کپ میں چائے انڈیل کر پوچھا۔
"ایک چمچ۔" زیبا نے اسے کپ دے کر صفدر کی طرف دیکھا۔
"مجھے چائے نہیں چاہیے۔"
"بھابی! آپ ہمارے پاس بیٹھیں اور بتائیں کہ صفدر بھائی آپ کو خوش رکھتے ہیں نا۔"
"ہاں...... بہت۔" اس نے دزدیدہ نگاہوں سے صفدر کو دیکھا۔
"ویسے امید تو یہی ہے لیکن اگر تنگ کریں تو مجھے بتایئے گا میں ان کے جگر کو فون پر بتاؤں گی اور پھر دیکھیے گا......" وہ ہنس کر بولی تو زیبا کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ چائے پیتے ہوئے وہ مسلسل زیبا کو دیکھتی رہی...... وہ صد درجہ حسین دکھ رہی تھی۔ چائے ختم کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ صفدر اسے باہر لے کر آیا تو جہاں آرا سے مل کر وہ باہر نکل گئی۔ صفدر دروازہ بند کرکے پھر کمرے میں آ گیا۔

رات کا ایک بجا تھا۔
وہ بے سدھ نیند کی وادیوں میں تھی کہ فون کی بیل نے نیند کے خمار میں بریک لگایا...... اس نے بند آنکھوں کو کھولے بغیر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔ ریسیور کان سے لگنے کی دیر تھی کہ عارض کی دلکش آواز نے جھٹک سے نیند اڑا دی۔

"میری زندگی!
مجھے دے
رسیلے ہونٹ' معصومانہ پیشانی' حسین آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینیوں میں غرق ہو جاؤں!
میری ہستی کو تری اک نظر آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لیے اس دام میں محفوظ ہو جاؤں!
ضیائے حسن سے ظلمات دنیا میں نہ پھر آؤں

"اجی اجی جناب رکیے۔" اس کا شاعرانہ مزاج شوق کی حدوں پر تھا کہ وہ درمیان میں چلائی۔ مگر وہ رکا نہیں۔

گزشتہ حسرتوں کے داغ میرے دل سے دھل جائیں
میں آنے والے غم کی فکر سے آزاد ہو جاؤں
مرے ماضی و مستقبل سراسر محو ہو جائیں
مجھے وہ اک نظر اک جاودانی سی نظر دے دے
نظر دے دے...... جونہی وہ رکا تو وہ بولی۔

"جناب اپنا آپ تو آپ کے نام کر دیا ہے اب بھی یقین نہیں۔"
"اس یقین کی وجہ سے تو اتنی دور بیٹھا ہوں۔" وہ سرد آہ بھر کے بولا۔
"بیٹھے کیا ہیں اچھے خاصے شاعر بن گئے ہیں۔" اس نے چھیڑا۔
"آپ کی یاد میں فیض احمد فیض کی شاعری سے دل بہلا رہا تھا' دل بے قرار ہوا تو تمہارا نمبر ملا لیا۔"
"وہ بھی رات کے ایک بجے۔"
"اچھا نہیں لگا کیا؟" وہ معصومیت سے بولا۔
"بہت اچھا لگا پتہ ہے کل......؟"
"نہیں پتہ تم بتاؤ گی تو پتہ چلے گا۔" اس کا جملہ درمیان سے اچک کر بولا تو وہ چلائی۔
"اف توبہ میری سنو۔"
"ہاں بولو۔"
"کل رات ڈنر کے لیے تمہارے بابا نے مجھے بلایا ہے۔"
"واؤ ونڈر فل' مگر میری غیر موجودگی میں۔"
"ہنہ مجبوری ہے۔" وہ اترا کر بولی۔
"خیر ہمارے آنے پر تو آپ مستقل ہی گھر میں آ جائیں گی۔"
"بس نکل گئے خوابوں کے شہر میں۔"
"یہ خواب پورے ہونے والے ہیں' تیار رہو اور ہاں سج بن کے جانا' آغا جی دیکھتے رہ جائیں۔"

"جی ہاں' دلہن بن کر جاؤں گی۔" وہ لجا کر بولی تو وہ کھل کھلا کے ہنس دیا۔
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔"
"اچھا کب آ رہے ہو؟"
"یار اب یہ نہ پوچھو مجھے لگتا ہے کہ کچھ دن آگے بڑھ جائیں گے' میں کام مکمل کر کے ہی آؤں گا' آغا جی نے بھی یہی حکم دیا ہے' سمجھو کیا ہوتا ہے؟"
"مگر!" وہ افسردہ ہوگئی۔
"غم نہ کر میری جان! جلدی آ جاؤں گا۔" اس نے لہک لہک کر کہا تو وہ شرما گئی ہونٹ جڑ گئے۔ دوسری طرف عارض نے اس کے شرمانے کی ادا گویا دیکھ لی۔
"اب سو جاؤ' پھر بات ہوگی۔"
"او کے اللہ حافظ۔" فون بند ہو گیا وہ سیدھی ہو کر لیٹی مگر نیند تو کہیں دور نکل گئی تھی۔ باقی ساری رات وہ عارض کی باتوں میں کسمساتی رہی' سرگوشیاں کرتی رہی۔ سرگوشیاں سنتی رہی...... اور پھر صبح ہوگئی۔

جہاں آرا کے سامنے سے چائے کے برتن اٹھا کر وہ پلٹی تو پیچھے کھڑے صفدر سے ٹکرا گئی۔ ٹرے میں رکھے برتن آپس میں ٹکرا گئے۔ صفدر نے کوئی نوٹس نہیں لیا' مگر زیبا کے جاتے ہی جہاں آرا نے کچھ کھوجتی نگاہوں سے اس کے چہرے پر دیکھا اور بولیں۔
"صفدر! بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ زیبا خوش نہیں ہے۔"
"حالانکہ اسے خوش ہونا چاہیے۔" وہ کف کے بٹن لگاتے ہوئے بولا۔
"لیکن وہ خوش کیوں نہیں ہے؟"
"اس کا جواب تو وہی دے سکتی ہے۔ فی الحال مجھے ذرا جلدی آفس پہنچنا ہے۔"
"اور ناشتا۔"
"آفس میں کر لوں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو جہاں آرا کو غصہ آ گیا۔
"نہیں ناشتہ کر کے جاؤ گے' اگر میرے سوال سے گھبراتے ہو تو اس کا جواب میں لے کر چھوڑوں گی۔"
"امی میرے پاس آپ کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں ہے' اگر ہوتا بھی تو شاید میں دے نہیں سکتا تھا۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بولا' زیبا اس کا ناشتہ لیے قریب آ گئی تھی اسے مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔
"زیبا بیٹھو......" جہاں آرا نے کہا تو وہ ان کے پیروں کی طرف بیٹھ گئی۔
"اصل دکھ کیا ہے؟" صفدر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"ک...... ک...... کچھ نہیں۔" وہ ہکلائی۔
"تو پھر بتاؤ امی کو بہت فکر مند ہیں۔" وہ سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔
"نہیں' میرے لیے کسی کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔" وہ دھیرے سے بولی تو صفدر نے اس کے لہجے میں چھپا طنز صاف محسوس کیا۔
"کیوں نہیں ہونا چاہیے' تم ہمارے گھر کی خوشی ہو' میں تو دن گن رہی ہوں کہ اس آنگن میں پھول کھلے اور اس کی خوشبو سے پورا گھر مہک اٹھے۔" جہاں آرا نے بہت خوش ہوتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔ صفدر نے چبھتی نگاہوں

سامنے گھورتا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"زیبا کو تو ساتھ لے جاؤ اس کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شام کو واپسی پر لیتے آنا۔"
"امی مجھے بہت جلدی ہے آپ لے جائیں اور ملا لائیں۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف گیا تو زیبا فوراً پیچھے آگئی۔
"سنیے!"
"جی۔"
"ابا! آپ کا پوچھتے ہیں انہیں تو آپ معاف کردیں۔"
"میں نے انہیں کب کچھ کہا ہے؟" وہ پلٹا۔
"آپ کی گنہگار میں ہوں وہ نہیں۔"
"مگر میں نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا آپ کی اس گھر میں موجودگی ثبوت ہے اس بات کا۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا تو وہ رودی۔
"اس تذلیل سے بہتر ہے کہ آپ مجھے گھر سے نکال دیں۔"
"اگر تم اسے بہتر سمجھتی ہو تو جو چاہے کرو مگر میں چاہتے ہوئے بھی اس بات کو نظر انداز نہیں کرسکتا ایک کمزور انسان ہوں فرشتہ نہیں۔"
"ٹھیک ہے پھر میرے اس گھر میں رہنے کا کیا جواز ہے؟" وہ رقت آمیز انداز میں بولی۔
"میری ماں کی خوشی اور اس کا اعتماد اگر یہاں سے جانا چاہتی ہو تو انہیں بتادو کیا بتا سکو گی؟ میرا خیال ہے کہ نہیں یہ ایسا سچ ہے جو امی برداشت نہیں کرسکیں گی۔"
"پھر مجھے سولی چڑھا دو مجھے مار ڈالو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی۔ اس کا نازک بدن لرزنے لگا صفدر کا دل مٹھی میں آگیا مگر ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر کر وہ باہر نکل گیا۔ اندر کا مہربان نرم گرم جذبات رکھنے والا انسان اس کے قدموں سے لپٹتا چلا گیا۔ زیبا نے بھیگی سرخ آنکھوں سے کمرے کے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھا اور پھر گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔

جلتے بجھتے ذہن اور خاموش نظروں کے ساتھ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا...... بظاہر کام ہی ہو رہا تھا مگر اس کام کے پیچھے آنسو بہاتی زیبا کی معصوم صورت رقصاں تھی۔ کبھی پوری سکرین پر اس کی وہ بڑی بڑی سمندر جیسی آنکھیں بن جاتیں اور کبھی تھرتھراتے لب...... ایک کشمکش کا عالم تھا۔ پیشانی پر سلوٹیں بنتی بگڑتی دیکھ کر اس کے ایجڈ باس ہاشم علی انصاری نے کمرے میں داخل ہو کر چند لمحے غور کیا اور بولے۔
"صفدر! کیا بات ہے؟"
"جی...... جی سر! کچھ نہیں۔" وہ چونکا۔
"کچھ تو ہے۔" وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔
"سر! شاید غیر ارادی طور پر ایسا ہو۔"
"ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک میں آپ کو جانتا ہوں آپ اعصابی طور پر مضبوط انسان ہیں۔"
"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے شاید اسی وجہ سے میں کسی بھی مشکل سے گزر جاتا ہوں۔"
"اس کا مطلب ہے کوئی بڑی مشکل ہے۔"
"چھوڑیں سر آپ فرمائیں کیسے زحمت کی۔" وہ ٹال گیا۔

"آپ کا موبائل آف ہے اور دانستہ دوسرا لینڈ نمبر آپ اٹینڈ نہیں کررہے۔"
"نہیں موبائل صرف آف ہے کام کے وقت میں اکثر بند کردیتا ہوں لیکن لینڈ نمبر تو ٹھیک ہے۔"
"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ کیا پریشانی ہے؟ کوئی مسٹر آغا فون ملا ملا کر تھک گئے ہیں آپ ان سے رابطہ کرلو یہ پیغام دیا ہے انہوں نے۔" وہ ایک دم پریشان ہوگیا۔
"میرے دوست عارض کے والد صاحب ہیں مگر انہیں کیا کام پڑ گیا؟"
"فون ملا کر پتہ کرلو نا۔" ہاشم علی نے کہا۔
"ٹھیک ہے سر۔"
"او کے!" ہاشم علی انصاری اس کے آفس سے چلے گئے۔ وہ اپنی پریشانی بھول بھال گیا۔ جلدی سے خان صاحب کا موبائل نمبر ملایا۔
"ارے صفدر بیٹا! جلدی میرے پاس پہنچو۔" گھبراہٹ میں انہوں نے فقط اتنا کہا۔
"خیر تو ہے آغا جی۔"
"عارض کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے میرے منیجر کا فون آیا ہے اس کی گاڑی بس سے ٹکرا گئی ہے۔ مجھے فوراً جانا ہے تم آجاؤ۔" آغا جی نے ایک ہی سانس میں قیامت گزرنے کی خبر سنادی اس کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا اسے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا مگر خان جی تو غلط نہیں کہہ سکتے تھے وہ جلدی سے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکلا۔ اسے نہیں پتہ چلا کہ راستے میں ٹریفک کے قوانین کی کون کون سی خلاف ورزیاں کیں، کس کس سے ٹکراتے بچا جس قدر جلد ممکن ہوسکتا تھا وہ آغا جی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سخت پریشان تھے اسے دیکھ کر رو پڑے۔
"صفدر! صفدر بیٹا! میرا عارض میں نے کیوں اسے بھیج دیا وہ بہت زخمی ہے۔ میں اس سے کتنی دور ہوں۔"
"آغا جی پلیز صبر سے کام لیں اور آرام سے بتائیں عارض کا نمبر میں ملاتا ہوں۔" اس نے بڑے حوصلے سے آغا جی کو صوفے پر بٹھایا۔
"بیٹا! نمبر نہیں مل رہا عارض تو ایمرجنسی میں ہے منیجر نے بتایا ہے کہ عارض اکیلے گاڑی لے کر شاپنگ کے لیے گئے تھے اور اس کی گاڑی بس سے ٹکرا گئی۔ صفدر میں کب اسے دیکھ سکوں گا؟" وہ چھوٹے سے بچے کی مانند ہچکیاں لینے لگے۔
"آغا جی! پلیز حوصلے میں دیکھتا ہوں آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔" صفدر نے ان سے کہا۔
"ابھی جانا چاہتا ہوں میں اپنے عارض کے پاس۔" خان جی کی ایک ہی رٹ تھی۔ اسی اثنا میں فون کی گھنٹی بجی۔ صفدر نے جلدی سے ریسیو کیا دوسری طرف خان صاحب کا منیجر ہی تھا۔
"ہاں! بولو عارض کیسا ہے؟"
"ابھی آپریشن تھیٹر میں ہیں لیکن ڈاکٹرز نے خطرے سے باہر کی اطلاع دی ہے۔"
"زخم کہاں آئے ہیں؟"
"سر ایک بون اور ٹانگیں متاثر ہوئی ہیں آپریشن کے بعد پتہ چلے گا۔"
"او کے آپ لمحے لمحے کی اطلاع دیتے رہیں ہم بہت پریشان ہیں دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔"
"آپ بے فکر رہیں۔"
"او کے اللہ حافظ۔"
فون بند ہونے کے بعد صفدر نے طویل سانس بھری اور خان جی کے قریب ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔

"آپ ہمت دکھیں اللہ بہتری کرے گا میں ہوں نا آپ کے پاس۔"

"صفدر! کاش میں اسے نہ مجبور کرتا وہ تو جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔"

"آغا جی! ہونے کو تو سب کچھ ویسا ہی ہم چاہتے ہیں ویسا ہونا چاہیے لیکن قسمت کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں۔ آپ سوچیں شرمین رات ڈنر کے لیے آنے والی تھی وہ کس قدر خوش ہوگی مگر اب یہ تلخ حقیقت اسے برداشت کرنی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح اسے یہ اطلاع دوں؟"

"میں جانتا ہوں تمہیں عارض سے کتنی محبت ہے مگر بیٹا اس بچی کو بتا دو۔"

"جی بتانا ہی ہے ابھی چار بجے ہیں وہ آفس میں ہوگی چھ بجے تک گھر پہنچے گی پھر فون کروں گا۔"

"اے میرے اللہ! میرے عارض کی حفاظت فرمانا میرے جگر کے ٹکڑے کی حفاظت کرنا۔" خان جی نے ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی..... صفدر نے دل ہی دل میں آمین کہا۔

⁂

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے
غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے۔
مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے

غالب کے جاں گداز لفظوں کا اثر تھا کہ نور جہاں کی رسیلی آواز کا جادو وہ خود سے بھی بیگانہ تھی۔ بیڈ کی پشت سے تکیہ لگائے گردن بیڈ کے سرہانے رکھے کہیں دور، بہت دور گئی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا۔ گلابی خشک پپڑی زدہ ہونٹ جو کہ کبھی پھولوں کا بدل ہوں گے اس وقت خزاں کے گزرنے کا اظہار کر رہے تھے۔ ٹیپ ریکارڈر خود بخود بند ہو چکا تھا اس کے باوجود وہ اسی طرح چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ وہ بالکل عین سامنے آ گیا تب بھی وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی..... وہ دائیں طرف دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جس کی جدائی تمہیں اس قدر غافل کر دے وہ تمہیں بہت محبوب ہوگا۔"

"میرے محبوب تو آپ ہیں۔" وہ سیدھی ہو کر بولی تو وہ گھبرا سا گیا۔

"مجھے مت گھسیٹو اپنی پریم کہانی میں۔"

"آپ جسے پریم کہانی کہہ رہے ہیں وہ تو میری برباد جوانی کی داستاں ہے۔" وہ کرب ناک لہجے میں بولی۔ جمیل اس کی آنکھوں میں میلوں دور تک صداقت ہی صداقت موجود تھی۔ وہ نگاہیں ملانے کے بعد نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گیا۔

"تمہیں اس سے محبت تھی۔" غیر متوقع سوال پر نہ وہ چونکی اور نہ گھبرائی۔

"ہاں!"

"کہاں سے۔"

"کہتا تو تھا۔"

"کیا وہ سچ کہتا تھا؟"

"اس وقت تو سچ ہی لگتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیا۔" وہ طنزیہ بولا۔

"آپ بھی میری جگہ ہوتے تو یہی کرتے۔"

"مجھے مت اپنی گفتگو کا حصہ بنایا کرو۔ جس کی یاد آج بھی تمہیں رونے پر مجبور کرتی ہے اسے ڈھونڈنے کا چارہ کرو..... کہ شاید....."

"پلیز! اور کچھ نہ کہیے گا..... میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں، آپ میرا جیون ہیں۔" وہ رو دی..... تو وہ سفاک سے مہربان ہو گیا۔ پہلو بدل کر اٹھنے لگا تو وہ بولی۔

"میرا ماضی جس قدر میلا ہے آپ اتنے ہی فراخ دل ہیں مجھے گھر میں پناہ دے کر آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے۔"

"میں بندہ بشر ہوں فرشتہ نہیں ہوں کہ فراخ دلی کو عمر تمہیں قبول نہیں کر سکتا۔" اس نے برملا اعتراف کیا تو زیبا کے دل میں درد اٹھا مگر وہ ضبط کر گئی اور کر بھی کیا سکتی تھی؟

"میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی۔" وہ مدھم ہوتی آواز میں بولی۔

"میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہارا محبوب اگر کہیں مل جائے تو تمہارے حوالے کر دوں باقی....."

"خدارا! میرے حوصلے کا اس طرح امتحان نہ لیں۔ وہ میرے لیے مر چکا ہے۔"

"ہنہ! مرے ہوئے لوگوں کے لیے یوں آنسو نہیں بہاتے۔" وہ جل کر اٹھا اور چینج کرنے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔

⁂

کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔

صفدر اور شرمین اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش تھے۔ صفدر کے منہ سے عارض کے بارے میں سب کچھ جان کر بھی وہ بڑے صبر اور ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ صفدر نے تو ڈرتے ڈرتے بتایا تھا مگر اس نے قوت برداشت کا ایسا عملی مظاہرہ کیا کہ صفدر کو خود بھی حیرت سی ہو رہی تھی۔

"آپ بہت باہمت لڑکی ہیں۔"

"دراصل ہمت کی ہی گود میں پلی بڑھی ہوں۔"

"انسان کو ہر مشکل میں اسی طرح بہادری سے لڑنا چاہیے۔"

"یہ سبق تو بچپن ہی میں وقت نے مجھے پڑھا دیا تھا۔"

"وقت جانے کیسے کیسے سبق پڑھنے پر انسان کو مجبور کر دیتا ہے۔" وہ خود کہیں دور سے بولا تو شرمین نے پوچھا۔

"صفدر بھائی آپ کچھ پریشان پریشان لگنے لگے ہیں۔"

"بس صفدر کو موجودہ وقت میں اپنے جگری یار کی فکر لاحق ہے۔ اللہ اسے صحت عطا کرے۔" وہ گڑبڑا کر ٹال گیا۔

"کس کی صحت کی فکر ہے۔" اماں نے چائے کی ٹرے سمیت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو شرمین جلدی سے بولی۔

"وہ صفدر بھائی کے باس کی بات ہو رہی تھی۔" صفدر سمجھ گیا کہ شرمین نہیں چاہتی اماں کو عارض کے ایکسیڈنٹ کا پتہ چلے اس لیے وہ بھی موضوع بدلنے کو بولا۔

"کبھی ہمارے گھر بھی آ جائیں۔"

"ارے بیٹا! گھر میں ہم دو ہی فرد ہیں حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ افراد خانہ کی موجودگی میں بھی چوری ڈاکہ ہو جاتے ہیں اس لیے بڑی مجبوری ہو تو دونوں جاتے ہیں ورنہ میں گھر پر ہی رہتی ہوں۔"

"اب مجبوری آ گئی ہے اماں آپ کا مکمل چیک اپ کرانا ہے۔" ثمرین نے کہا۔

"خیریت کیا ہوا آنٹی کو۔" صفدر نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"رات کو بخار رہتا ہے دن بھر تھکن سی رہتی ہے۔" ثمرین نے بتایا۔

"ارے تو کون سی نئی بات ہے بیٹا عمر کا تقاضا ہے چل چلاؤ کا وقت قریب آ رہا ہے بس تمہاری فکر ہے اللہ تمہیں آباد کرے بس۔"

"آپ فکر نہ کریں اللہ بہتری کرے گا مگر آپ اپنا مکمل چیک اپ کرائیں ثمرین کو تو ہمیشہ آپ کی ضرورت رہے گی۔ ماں کے بغیر نہیں جانا چاہیے۔" صفدر نے محبت بھرے لہجے میں اماں کی ہمت بڑھائی تو وہ ہاتھ پھیلا کر اس کے لیے دعائیں کرنے لگیں۔

"زیبا بھابی کو لے آنا تھا۔"

"وہ..... وہ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔" وہ جھوٹ بول گیا۔

"وہ..... طبیعت خراب ہے کیا؟" اماں نے شریر انداز میں پوچھا تو صفدر کے چہرے کا رنگ غیر یقینی طور پر متغیر ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ معدوم ہو گئی وہ کپ رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹھو نا۔" اماں نے کہا۔

"اجازت دیں ضروری کام یاد آ گیا ہے۔"

"صفدر بھائی ابا بات کیا ہے؟"

"کچھ نہیں بس کام ہے پھر ملاقات ہو گی۔" وہ بولا اور ایک لمحہ بھی نہیں رکا۔ اس کے جانے کے بعد اماں بولیں۔

"عجیب لڑکا ہے ابھی تو میں نے عارض بیٹے کا حال احوال لینا تھا۔ اماں نے جونہی عارض کا تذکرہ کیا وہ سخت مضمحل سی بیڈ پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ دل پہلے ہی سخت پریشان تھا۔ اس لیے چپ رہی۔ اماں نے برتن ٹرے میں رکھے اور کمرے سے نکل گئیں۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ دل شدت سے عارض کے لیے تڑپنے لگا۔ اسے سچ مچ عارض سے محبت ہو گئی تھی یا عارض نے اسے محبت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ وہ سوال تھا جو وہ چپکے چپکے اپنے دل سے پوچھتی رہتی تھی۔

کتنے لوگ اس سے محبت کے دعویدار ہے؟ کتنے چہروں کو خود سے پرے کرتے ہوئے ماہ و سال گزرے..... جن میں سے سب یہ کہتے تھے کہ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں؟ مگر اسے نہ تو پہلی محبت یاد تھی اور نہ اس کے بعد کی کسی محبت میں وہ کشش تھی جو عارض سے حاصل کرتی..... عارض تو آیا اور اس کی ہستی کا سامان بن گیا..... اب اس کی محبت اس کا حاصل تھی..... متاع عزیز تھی۔ اس کا قرب رات دن اس کے بدن پر چٹکیاں لیتا تھا۔ اس کی رسیلی آواز انگڑائی کی شکل میں جسم کے نشیب و فراز کو حرارت آگیں احساس بخشتی تھی وہ اسے پہلو میں لے کر سوتی تھی اور کسمسا کر اس کی بانہوں سے آزاد ہوتی تھی۔ رات دن جذبات کا حصہ بنا رہے اس کی تکلیف برداشت کرنا سخت حوصلے کا کام تھا۔ مگر صفدر اور اماں کے سامنے اس نے یہ کام کیا مگر اب اسے کوئی ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا تھا اس لیے وہ سسکیاں بھرتے ہوئے اللہ سے عارض کی خیریت کی دعائیں کرنے لگی..... یہ عارض سے محبت کا اعتراف تھا..... انسان

جب وہ دل سے کسی کے لیے دعا کرے تو یقین کر لو کہ اسے اس شخص سے محبت ہے۔

قدموں کی آہٹ پر جہاں آرا نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

زیبا اپنے کمرے سے باہر نکل کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھیں عینک لگائی اور اس کے کچن سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ روز ہی وہ فجر کی نماز کے بعد برآمدے میں بچھے تخت پر لیٹ جاتی تھیں، کچھ دیر آنکھیں بند کیے تسبیح پڑھتی رہتیں پھر کچھ دیر کو سو جاتیں، جونہی زیبا ان کے لیے چائے لے کر آتی تو وہ اٹھ بیٹھتیں۔ مگر آج انہیں تشویش ہو رہی تھی کیونکہ زیبا کے بال بے ترتیب تھے آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ سب سے پہلے انہیں صبح کا سلام کرتی تھی ان سے پیار اور دعائیں لے کر کچن کی طرف جاتی تھی مگر آج وہ سیدھی کمرے سے کچن میں کیوں گئی؟ یہ فکر جہاں آرا کو اس وقت تک رہی جب تک زیبا چائے کا کپ لیے ان کے پاس نہیں آ گئی۔

"صبح بخیر۔" اس نے جونہی چائے کا کپ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے خود ہی پہلے کہہ دیا وہ چونکی اور شرمندگی سے بولی۔

"اوہ صبح بخیر آج میں بھول گئی۔"

"مجھے تو حیرت ہے کہ کیوں بھول گئیں؟"

"دراصل۔" وہ رکی اور پھر ان کی کھوجتی آنکھوں کے باعث جلدی سے بولی۔

"رات ٹھیک سے سو نہیں سکی بس۔"

"یہ تو بری بات ہے رات آرام کے لیے ہوتی ہے اپنی حالت دیکھو میں صفدر کے کان کھینچتی ہوں، کیا رات بھر نہیں سونے دیتا۔" انہوں نے شرارت سے کہا۔ وہ کھل سی ہو گئی چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ بے خیالی میں کہہ گئی تب چائے کی چسکی لیتے ہوئے وہ اور حیرت سے بولیں۔

"پھر کون سی بات ہے؟"

"میرے سر میں درد تھا۔"

"تو کوئی دوا کھائی تھی۔ اس گھامڑ کو بتاتیں۔"

"جی بہتر۔" جہاں آرا نے غور سے اس کا جائزہ لیا اور سنجیدگی اختیار کر لی۔

"زیبا! جو بات اب تک نہیں ہوئی اسے ہونا تو چاہیے، دیکھو کتنا ویران ہے ہمارے گھر کا صحن۔"

"جی..... جی ہاں۔" وہ ہکلائی شرمندگی اور احساس ندامت سے نظریں جھک گئیں۔

"میں کئی روز سے سوچ رہی ہوں کہ اس مسئلے پر بات کروں مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو جاتی تھی۔"

"جی کیا بات ہے؟" ڈرتے ڈرتے اس نے ان کی ہچکچاہٹ دور کی۔

"اب تک خوشی کی نوید نہیں سننے کو ملی اس کی وجہ تم دونوں کا فیصلہ ہے یا اللہ کی مرضی۔" انہوں نے بات کرنے کے بعد بغور نگاہوں کی ترازو میں اسے تولنا شروع کر دیا۔ وہ پانی پانی ہو گئی۔ اچھے خاصے سرد موسم میں بھی اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

"اللہ کی مرضی کہہ لیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اللہ کی مرضی کے سامنے کون کچھ کہہ سکتا ہے؟ بس کچھ علاج معالجے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"جی ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کر جانے کو تھی کہ وہ بولیں۔

"بیٹا! ہم علاج کرا سکتے ہیں باقی جو اللہ کو منظور، تم صفدر کو بلاؤ میں چاہتی ہوں کہ آج وہ کسی اچھی سی گائناکالوجسٹ سے وقت لے۔" وہ حتمی فیصلہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا بھول گئیں کہ نزہا کے دل پر کیا گزر رہی ہے اس وقت۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی کمرے میں دروازے سے باہر نکلتے ہوئے صفدر سے ٹکرائی اس نے دونوں بازوؤں سے سنبھالا اور گرنے سے بچالیا۔ وہ صوفے پر منہ چھپا کر رونے لگی۔ صفدر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟" وہ مسلسل روتی رہی کچھ نہ بولی تو وہ اظہار ہمدردی کے باعث قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیا مسئلہ ہے، تمہارے گھر تو خیریت ہے نا؟"

"ہونہہ......" روتے روتے اس نے مختصراً کہا۔

"تو پھر......"

"کچھ نہیں، پلیز آپ جائیں۔"

"میں نے پوچھا ہے رونے کی وجہ۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"امی مجھے گائناکالوجسٹ کو دکھانا چاہتی ہیں۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ سردمہری سے بولا۔

"وہ سمجھتی ہیں کہ اب علاج کی ضرورت ہے حالانکہ"

"حالانکہ ان کا بیٹا اس بات کا ذمہ دار ہے یہی کہنا چاہتی ہو یا کہہ آئی ہو۔" وہ جھٹکے سے اٹھ گیا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا میں تو پریشان ہوگئی ہوں۔" وہ خوفزدہ سی ہوگئی۔

"اب اگر وہ کہیں تو بتا دینا کہ صفدر میں خرابی ہے۔"

"خدا نہ کرے۔" بے اختیاری اس کا سفید نازک سا ہاتھ صفدر کے منہ تک چلا گیا۔ وہ حیرت زدہ سا اس کا ہاتھ دیکھتا رہ گیا۔ بہت سے ان کہے جذبے منکشف ہوگئے۔

"یہ دعا ہے یا خواہش۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"آپ بے شک میرے نہ ہوں مگر جس کسی کے بھی ہوں مکمل ہوں۔" اپنی ننھی سی ناک صاف کرتے کرتے وہ بولی تو صفدر کا دل شور مچانے لگا۔ کتنی بڑی خواہش کا اس نے یوں اعلیٰ ظرفی سے اقرار کرلیا تھا۔ کتنے حوصلے سے کسی اور کے لیے اس کی تکمیل کی آرزومند تھی۔ صفدر کو اس سے جانے اس بے ترتیب سی لڑکی سے کیوں انسیت سی ہونے لگی۔ وہ جلدی سے اس کے پاس سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا اس نے صاف محسوس کیا کہ صفدر کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا ہے لیکن اس اثر کا اظہار بہت مشکل اور دشوار تھا شاید ساری عمر کے بعد یا آدھی عمر کی محنت اور ریاضت کے بعد اور اس وقت تک یہاں رہنا ممکن بھی تھا کہ نہیں اس نے غمزدہ ہوکر سوچا اور بے دلی سے اٹھ کر باہر آگئی۔ صفدر کا ناشتہ بنانا تھا امی اور صفدر دونوں ساتھ ناشتہ کرتے تھے امی اسے بھی ساتھ ناشتے کا کہتی تھیں مگر صفدر نے کبھی نہیں کہا اس لیے وہ خود تھوڑا بہت جو کھانا ہوتا کچن میں کھا لیتی۔ صفدر کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جہاں آرا یہ بات محسوس کرکے بارہا ان دونوں سے کہہ چکی تھیں۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

تو ساتھ تھا تو ہر اک روز عید لگا
ہوا تو آج خفا ہے تو عید کیسے کریں
یہ عید کارڈ یہ تحفہ تو رسم دنیا ہے
کہ آشیانہ جلا ہے تو عید کیسے کریں

زویا جونہی کمرے میں داخل ہوئی روحا کو بستر پر ہونق بنا بیٹھا دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گئی ایک تو ویسے ہی صبح سے گھر کے سارے کام کر کر کے اس کا دماغ اچھا خاصا گھوما ہوا تھا۔

"مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم جیسی زمانے بھر کی خبطی الحواس پھوہڑ اور کاہل لڑکی کو تائی امی اپنی بہو بنانے کے لیے کیسے راضی ہوگئیں۔" زویا با آواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بولی مگر روحا کی کیفیت پر سر مو فرق نہ آیا۔

"تو میڈم! پلیز اپنا یہ فضول پوز چینج کیجیے ورنہ آپ کو ہوش میں لانے کے لیے مجھے ڈرائیور کریم الدین کے موزے سنگھانے پڑیں گے۔"

"زویا...... تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور یہاں میری عزت اس شاہ میر کے بچے نے دو کوڑی کی کردی۔" روحا یکدم حال میں آتے ہوئے روہانسے انداز میں بولی۔

"ہائیں...... شاہ میر بھائی نے تمہاری عزت کیسے دو کوڑی کی کردی جبکہ تم ہی ہر وقت ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔"

"ہاں...... ہاں وہ شاہ میر تو دنیا بھر کا مظلوم ہے اور میں ہی ظالم جابر اور سنگ دل ہوں۔"

"اب مجھے اصل بات بتاؤ گی یا پھر مجھے یونہی گول گول گھماتی رہوگی۔ تمہیں تو نہیں مگر مجھے بہت سے کام کرنے ہیں تائی امی آج شام تمہاری اور شاہ میر بھائی کی شادی کی تاریخ طے کرنے آرہی ہیں یہ بات تو تمہیں یاد ہے نا؟" زویا آخر میں طنزیہ لہجے میں بولی۔

"او نہہ میری اور شاہ میر کی شادی......" وہ تپ کر خود سے بولی پھر انتہائی مشتعل ہوکر گویا ہوئی۔ "اس شاہ میر نے ابھی مجھے فون کرکے کہا ہے میں...... یعنی میں روحا مرتضیٰ اس شادی سے انکار کردوں۔"

"اچھا...... چلو یہ تو بہت اچھا ہوا ورنہ شاہ میر بھائی کی تقدیر پر مجھے بڑا رحم آرہا تھا۔" زویا بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی تو روحا نے انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"ت...... تمہیں اس خبر سے بالکل حیرت نہیں ہوئی نہ

ہی افسوس ہوا کہ وہ...... وہ......" انتہائی طیش کے عالم میں روحا کے منہ سے الفاظ ہی غائب ہو گئے "کمینہ......" زویا نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں کمینہ وہ میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے۔"

"تو تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے تم تو خود شاہ میر بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتی اور یہ بات تم ہزار بار ان سے کہہ چکی ہو کیونکہ بقول تمہارے وہ ایک بھونڈا صفت انسان ہیں۔" زویا ہنوز لہجے میں بولی۔

"ہاں تم تو جیسے کچھ جانتی ہی نہیں ہو ہادیہ کی باتیں اتنی جلدی بھول گئیں تم۔ اس نے ساری باتیں مجھے قسمیں کھا کر بتائی تھیں کہ شاہ میر نے اسے کس طرح فریب محبت دے کر اس کے ساتھ اپنا وقت خوب صورت بنایا۔" روحا چڑ کر بولتی چلی گئی۔

"اف روحا خدا کے واسطے یہ فضولیات میرے سامنے مت دہرایا کرو۔" زویا عاجز آ کر بولی۔

"ہوں تمہیں بڑا بھروسہ ہے ناں شاہ میر پر۔"

"ہاں...... مگر یہ بھروسہ اور اعتماد تمہیں ہونا چاہیے تھا شاہ میر بھائی پر جو اس بات کی صفائی تمہارے آگے دے چکے ہیں کہ ہادیہ جھوٹی تھی۔" روحا کی بات پر زویا تاسف سے بولی تو روحا نے ناگواری سے منہ دوسری جانب موڑ لیا۔

"روحا تم یہ بات کیوں نہیں مان لیتی کہ ہادیہ جھوٹ بول رہی تھی تمہیں شاہ میر بھائی سے بدگمان کرنے کے لیے تاکہ تمہاری شادی ان سے نہ ہو۔"

"ہادیہ سچی بھی تو ہو سکتی ہے؟" روحا کی بات پر زویا نے جھلا کر اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"روحا واقعی شاہ میر بھائی تم جیسی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتے جس کے اندر بچپنا، حماقت اور بدگمانی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔" زویا کے ان لفظوں نے روحا کو گم صم کر دیا۔

"ہر رشتے کی بنیاد اعتماد پر قائم ہوتی ہے اچھا ہے جس رشتے میں یقین و بھروسہ ہی نہ ہو اسے جوڑنے کے بجائے توڑ ہی دینا چاہیے۔" یہ کہہ کر زویا کمرے سے باہر نکل گئی جب کہ روحا بے بسی کی تصویر بنی رہ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

وہ اپنی سیکریٹری کو میٹنگ کے اہم نکات لکھوا رہا تھا جب ہی معمولی سی دستک دے کر روحا انتہائی تیز رفتاری سے اندر داخل ہوئی جسے دونوں نفوس نے بہت چونک کر دیکھا تھا جب کہ روحا انتہائی اطمینان سے شاہ میر کے بالکل مقابل کرسی پر ایستادہ ہو گئی۔

"روحا تمہیں اتنا تو معلوم ہوگا کہ کسی کے روم میں آنے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے۔" گرین اینڈ میرون کنٹراسٹ لان کے سوٹ میں ملبوس روحا کو انتہائی خفگی بھری نگاہوں سے دیکھ کر شاہ میر روکھائی سے بولا یقیناً شاہ میر کے یہ الفاظ بھی روحا کو حیران و پریشان کر دینے والے تھے مگر روحا نے اپنے چہرے کو بالکل سپاٹ رکھا۔

"میں نے ناک کیا تھا مگر شاید آپ اتنے بزی تھے کہ آواز ہی نہیں سنی ہوگی۔" روحا نے اپنے پہلو میں بیٹھی انتہائی تنگ سک سے تیار لڑکی کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر! پہلے آپ ان کو فری کر دیجیے میں پھر آ جاتی ہوں۔" وہ موصوفہ لچک کر بولیں جب کہ ہنوز کرسی پر براجمان رہی جس پر روحا کے اندر آگ سی جل اٹھی۔

"نہیں مس بیلا! شام کی میٹنگ بہت امپورٹنٹ ہے یہ میڈم باہر انتظار کریں گی۔" شاہ میر کی اس عزت افزائی پر تو روحا جیسے جلتے ہوئے تنور پر جا گری۔

"مسٹر شاہ میر! میری بات آپ کی میٹنگ سے زیادہ ضروری اور اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی کوشش ہرگز مت کیجیے آپ خود اپنے والدین کو شادی سے انکار کر دیجیے سمجھے۔" روحا انتہائی طیش کے عالم میں گھور کر بولی۔

"اچھا...... تم بھی تو مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو تم ہی انکار کر دو نا۔" وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

"آہا...... بہت خوب یعنی اپنے خاندان میں میں بُری بن جاؤں اور سب کی ہمدردیاں اچھائیاں آپ کے ساتھ ہو جائیں ناممکن...... میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔"

روحا میز پر اپنی دونوں کہنیاں ٹکا کر ہتھیلیاں تھوڑی پر جما کر استہزائیہ لہجے میں بولی تو مس بیلا گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سر میں بعد میں آتی ہوں۔"

"تم نے میری سیکریٹری کے سامنے میری بے عزتی کی ہے۔" بیلا کے جانے کے بعد شاہ میر قدرے غصے سے بولا۔

"ہوں یہ کہیں نا کہ آپ جو اسے امپریس کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس پر میں نے پانی پھیر دیا۔"

"شٹ اپ روحا! بس بہت ہو گیا تم انتہائی گھٹیا، تنگ ذہن اور چھوٹی سوچ رکھنے والی لڑکی ہو آج مجھے اس بات پر افسوس ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ میں چھ مہینے تم سے منسوب رہا۔ میں آج اور اسی وقت تم سے منگنی ختم کرتا ہوں اور یہ بات میں خود ہی سب کو بتا دوں گا تمہیں تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔" روحا شاہ میر کو بس یک ٹک دیکھے گئی۔ شاہ میر کے سفاک جملوں نے اسے اندر سے بُری طرح توڑ ڈالا تھا۔ چند لمحے کے لیے اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہی شاہ میر ہے جو ہر وقت اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا جس کا غصہ خراب موڈ اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا جو محض ایک سال پہلے ہی ایک خوب صورت ہوا کے جھونکے کی مانند ان سب کی زندگیوں میں ہمیشہ کے لیے آ گیا تھا اور سب کی حیات کو مہکا دیا تھا۔

"تو پلیز ایکسکیوز می ابھی مجھے بہت سے کام ہیں۔" شاہ میر رکھائی سے بولا تو بڑی دقتوں سے روحا نے خود کو سنبھالا۔

"شیور آپ اپنا کام کریں اور ہاں شکریہ کہ آپ نے مجھے اس بندھن سے آزاد کر دیا۔" اپنے دل پر پتھر رکھ کر روحا مسکرا کر بولی اور پھر فوراً پلٹ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

"اوہ یہ پاگل لڑکی......" شاہ میر ہاتھ میں پکڑے پین کو میز پر پٹخ کر بڑبڑا کر رہ گیا۔

❀ ❀ ❀

مرتضیٰ اور ارتضیٰ صاحب دو بھائی تھے بڑے بھائی ارتضیٰ کی بیوی نے شادی کے اگلے برس دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا شاہ میر اور واز میر۔ پیدائش کے فوراً بعد واز میر بہت بیمار ہو گیا جمیلہ بیگم کو دونوں بچوں کی دیکھ بھال بہت مشکل لگنے لگی تو ان کی بڑی بہن راحت جہاں نے کچھ عرصے کے لیے شاہ میر کو اپنے پاس رکھ لیا۔ وقت مخصوص رفتار سے گزرتا گیا جمیلہ بیگم شاہ میر اور واز میر کے بعد یکے بعد دیگرے رمشا اور رمنا کی آمد سے مصروف تر ہوتی گئیں وہاں شاہ میر بھی اپنی خالہ راحت جہاں جو اب تک بے اولاد تھیں اور شاہ میر کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں ان سے اٹیچڈ ہوتا چلا گیا۔

شاہ میر جب سات سال کا تھا تو راحت جہاں کے شوہر کو اپنی کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا جانے کا موقع مل گیا وہ راحت بیگم اور شاہ میر کو لے کر آسٹریلیا جا بسے اور پھر لوٹ کر بھی وطن نہ آئے البتہ راحت جہاں اور شاہ میر پچھلے بائیس سالوں میں تین سے چار دفعہ پاکستان آئے تھے مگر جب راحت جہاں کے شوہر داغ مفارقت دے گئے تو شاہ میر اور راحت بیگم سال پہلے پاکستان آ گئے اور ارتضیٰ صاحب اور جمیلہ بیگم کے پڑوس میں ہی مکان لے لیا شاہ میر کو اعلیٰ تعلیم کی بدولت یہاں کی مشہور و معروف کمپنی میں اونچے عہدے پر جاب مل گئی جب کہ مرتضیٰ صاحب کو قدرت نے دو پیاری پیاری بیٹیوں سے نوازا تھا روحا اور زویا۔

روحا کی منگنی گھر کے بڑوں کی مرضی سے شاہ میر سے کر دی گئی زویا کامرس فائنل ایئر کی طالبہ تھی۔ رمنا اور رمشا بھی اپنی سسرال سدھار گئی تھیں جب کہ واز میر کینیڈا جا بسا تھا اور اپنی پسند سے شادی بھی کر چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

"ارے روحا! یہ کمرے میں اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟" زویا نیم تاریک کمرے میں داخل ہو کر حیرت سے بولی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ روحا کو اندھیرے سے سخت نفرت تھی۔ رات کو بھی وہ نائٹ بلب جلا کر سوتی تھی زویا نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بٹن آن کیا تو ایک ساتھ کئی لائٹیں جل اٹھیں۔

"اوہو زویا! بند کرو یہ لائٹیں......" روحا نے چڑ کر اپنا بازو آنکھوں پر دھرا زویا چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تم ایک بار شاہ میر بھائی پر بھروسہ کیوں نہیں کرلیتیں؟ اپنی بے اعتباری خوف و خدشات کو دھتکار کر ان کی محبت و خلوص کو کیوں نہیں گلے لگا لیتیں۔" زویا کی بات پر روحا کی آنکھوں سے سیلاب رواں ہوگئے وہ اٹھ کر باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زویا میں نے کوشش نہیں کی میں نے ہمیشہ شاہ میر کی محبت اس کی وارفتگی پر ایمان لانا چاہا مگر کوئی نہ کوئی احساس کوئی خوف مانع آجاتا اور پھر وہ ہادیہ......"

"وہ جھوٹ تھا سب بکواس جو ہادیہ نے تم سے کہا...... تم تو جانتی ہو ناکہ ہادیہ تائی امی کی بھانجی ہے۔ وہ شاہ میر بھائی کو پسند کرتی ہے پہلے تو اس نے ان سے دوستی کی' انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کی سچی خیر خواہ ہے' دراصل وہ تم سے جلتی ہے کیوں کہ اس کو نظر انداز کرکے تائی امی نے تمہیں اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔" زویا نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو روحا محض خاموش رہی اور یہ خاموشی غنیمت جان کر زویا بولتی چلی گئی تاکہ روحا کے ذہن سے گرد جھاڑ سکے۔

"زویا ازمیر نے جس طرح میری ذات کی تحقیر کی' مجھے تضحیک و اہانت کے احساس سے دوچار کیا وہ احساس وہ چبھن مجھے شاہ میر کے پاس جانے سے روکتی ہے۔" روحا اپنے دل کی بات اپنی عزیز ترین بہن پر عیاں کرکے ایک بار پھر روئی زویا نے اسے جی بھر کر رونے دیا۔

"روحا ازمیر بھائی ہمیشہ ہی خود پسندی اور اپنی مردانگی کے زعم میں مبتلا رہے ہیں جب کہ شاہ میر بھائی تو ان سے یکسر مختلف ہیں نرم حلیم طبیعت' دوستانہ انداز اور کیئرنگ نیچر...... لگتا نہیں کہ دونوں جڑواں ہیں۔"

"میں یہ بات جانتی بھی ہوں اور مانتی بھی ہوں مگر......" زویا کی بات پر روحا سر جھکا کر بے بسی سے بولتی جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"روحا جب تک تم خود کوشش نہیں کرو گی اپنی بدگمانی' خوف و خدشات کے بھنور سے کبھی نکل نہیں سکو گی خدا کے لیے روحا تم منفی سوچوں کو جھٹک دو اور شاہ میر بھائی کی جانب پورے خلوص و محبت سے بڑھو وہ تمہیں کبھی مایوس نہیں کریں گے۔" زویا اس کا کندھا سہلاتے ہوئے نرمی سے بولی تو ایک سوچ ذہن میں در آتے ہی وہ ہراساں ہوگئی۔

"مگر زویا انہوں نے تو منگنی ختم کردی ہے اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ میں خود شادی سے انکار کردوں گا۔" روحا جلدی جلدی بولی۔

"شاہ میر بھائی نے غصے میں کہہ دیا ہوگا روحا۔" وہ سہولت سے بولی۔

"مگر......"

"مگر اگر اب کچھ نہیں' تم شاہ میر بھائی سے سوری کرکے ان کو منالو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں ضرور معاف کردیں گے۔" زویا اس کا جملہ اچک کر بولی تو روحا بے ساختہ اثبات میں سر ہلا گئی جبکہ زویا خوشی سے کھل اٹھی۔

❁ ❁ ❁

ازمیر اور روحا میں تقریباً پانچ سال کا فرق تھا دونوں میں دوستی بھی بہت تھی جب تک اپنی ہر بات وہ ازمیر کو بتا نہیں دیتی تھی اسے چین نہیں آتا تھا۔ ازمیر کا بھی زیادہ تر وقت روحا کے گھر میں گزرتا تھا چونکہ دونوں گھروں کے درمیان بس ایک دیوار کی البتہ روحا بھی ہر وقت تائی امی کے گھر پائی جاتی تھی۔ ازمیر اکثر و بیشتر اسے اپنی گرل فرینڈ کے قصے سناتا تھا جس پر وہ خوب چڑتی تھی۔

"اُفوہ ازمیر! میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ ان چڑیلوں کی باتیں مجھ سے مت کیا کرو مگر تمہیں سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ جھنجلا کر بولتی۔

"کیوں مائی ڈیئر تمہیں کیوں جلن ہوتی ہے کہیں تم مجھے پسند تو نہیں کرنے لگیں؟ کہیں تمہارے خوابوں میں میں تو نہیں آنے لگا۔" گمبیر لہجے میں بولتا ازمیر آخر میں چھیڑنے والے انداز میں گویا ہوا۔

"شٹ اپ ازمیر! حد ہوتی ہے فضول گوئی کی' مجھ پر ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خوابوں میں نظر آؤ۔" روحا تپ کر بولی تھی اور پھر اکثر و بیشتر ایسا ہی ہونے لگا ازمیر اسے اپنے حوالے سے کوئی نہ کوئی جملہ کہہ دیتا۔ روحا جوابی

عمر کے نازک ترین دور میں قدم رکھ چکی تھی جہاں آنکھیں بند ہونے سے پہلے ہی خوابوں کے سنہری قافلے خود بخود چلے آتے جہاں آرزوؤں اور محبتوں کے جگنو آپ ہی آپ ہتھیلیوں میں سما جاتے اور جہاں دل یونہی ایک ٹھہری نگاہ خود پر مرکوز پاکر کپکپا سا جاتا وہاں ازمیر کی چھیڑ چھاڑ نے اس کے جذبوں میں ہلچل مچادی۔

ازمیر کو باہر جانے کا جنون تھا اور کافی عرصے سے وہ باہر کی جانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا' خود شاہ میر بھی کوشش کررہا تھا کہ ازمیر آسٹریلیا ہی آجائے مگر ایک دن ازمیر کا کینیڈا کا ویزا لگ گیا اور اس کی خوشی و جوش کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ البتہ تائی اور تایا اس کے جانے سے خاص خوش نہیں تھے جب کہ روحا کا دل بھی سخت اداس تھا۔ ازمیر کے جانے سے صرف ایک ہفتے پہلے جب تائی امی نے اسے بتایا کہ تمام گھر والوں کی مرضی و خوشی سے اس کا نکاح روحا سے کیا جارہا ہے تو وہ مجھے سے ہی اکھڑ گیا۔

"ممی! میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھے بنا کیسے کرلیا؟" وہ انتہائی طیش کے عالم میں بولا تھا جب کہ تائی امی بُری طرح گھبرا گئیں۔

"کیا مطلب ازمیر...... ہم تو سمجھے تھے کہ تم روحا کو پسند کرتے ہو اور تم دونوں کے درمیان دوستی بھی......؟"

"صرف دوستی تھی اور کچھ نہیں۔" وہ چیخ کر بولا تو کسی کام سے اس جانب آتی روحا کے قدموں تلے زمین کھسک گئی وہ جو ازمیر سے اپنے نکاح کی خبر پر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی یک لخت زمین پر آن گری۔

"ایک کزن ہونے کے ناطے اگر روحا سے میں نے چھیڑ چھاڑ کیا کرلی آپ لوگوں نے تو فسانہ ہی بنا ڈالا۔" وہ ناگواری سے بول رہا تھا۔

"مگر ازمیر تمہیں شادی تو کرنی ہے نا تو پھر روحا کیوں نہیں' وہ گھر کی بچی ہے بہت نیک سعادت مند ہے تم اس کے بارے میں سوچو تو سہی۔" تائی امی لجاجت سے بولیں۔

"تو آپ شاہ میر سے اس کی شادی کردیں نا وہ بھی تو آپ کا بیٹا ہے۔" وہ ترخ کر بولا۔

"ازمیر اب تم بدتمیزی کررہے ہو۔" تائی امی ناگواری سے بولیں۔

"ممی پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں میں آپ کو بتانے ہی والا تھا سنبل کے بارے میں جس کی کوششوں سے آج مجھے کینیڈا کا ویزا ملا ہے۔ اس کے ڈیڈی بڑے بزنس مین ہیں کینیڈا میں بھی ان کا بزنس پھیلا ہوا ہے۔" ازمیر تائی امی کے سامنے دوزانو بیٹھ کر جلدی جلدی بولا تو تائی امی اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولیں۔

"ہوں تو یوں کہو کہ سنبل کے ڈیڈی نے تمہیں خرید لیا ہے۔" روحا کو مزید سننے کی چاہت نہیں تھی وہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی۔ ماہ و سال گزرتے گئے ازمیر کو گئے پانچ سال ہوگئے روحا نے اپنی تمام توجہ پڑھائی میں مرکوز کرکے کیمسٹری میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرلی تھی پچھلے سال ہی شاہ میر اپنی خالہ کے ہمراہ آسٹریلیا سے پاکستان آگیا۔ شاہ میر کے خدوخال میں ازمیر کی قدرے جھلک تھی مگر مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ چھ ماہ پہلے تائی امی نے اور ان کی بہن راحت جہاں نے شاہ میر کے لیے روحا کو اس کے والدین سے مانگ لیا تھا اور اس دن سے روحا بھی سمجھ بیٹھی تھی کہ یقیناً تائی امی نے شاہ میر کو اس کے لیے مجبور کیا ہوگا وہ بھی کسی اور کو پسند کرتا ہوگا مگر مجبوراً اس کے نام کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ روحا کا رویہ شاہ میر کے ساتھ انتہائی روکھا پھیکا اور سرد مہر تھا حالانکہ جب پہلے بھی وہ آسٹریلیا سے یہاں آتا تھا تو روحا بہت کھلے انداز میں اس سے ملتی تھی مگر اب انجانے میں وہ ازمیر کا بدلہ شاہ میر سے لے رہی تھی جس نے اسے بڑی رعونت سے ٹھکرادیا تھا وہ محبتوں میں بدگمان و بے یقین سی ہوگئی تھی۔ ازمیر کی خود غرضی و خود پسندی نے اس کے یقین و بھروسے کے آئینے پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی جس کی بناء پر وہ بُری طرح چٹخ گیا تھا وہ چاہ کر بھی شاہ میر کو قبول نہیں کرپارہی تھی۔

❁ ❁ ❁

"زویا بیل جارہی ہے مگر شاہ میر فون اٹھا نہیں رہا۔" زویا کے پُرزور اصرار پر روحا نے بڑی دقتوں سے خود کو تیار

کرکے شاہ میر کو سوری کہنے کے لیے فون کیا تھا مگر اب بُری طرح گھبرا رہی تھی۔

"تمہارے چہرے پر تو یوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں جیسے میں تمہیں ڈکیتی کرنے بھیج رہی ہوں۔ خدا کے واسطے روحا خود اعتمادی سے بات کرنا۔" زویا اسے ڈپٹ کر بولی کہ اسی اثناء میں شاہ میر کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری

"ہیلو......" جواباً روحا کو سانپ سونگھ گیا۔

"ہیلو...... ہیلو...... ہیلو......"

"ہے...... لو......" روحا بمشکل اس کے چار مرتبہ ہیلو کہنے پر بولی۔

"جی فرمایئے۔" شاہ میر سپاٹ انداز میں بولا۔

"م...... میں روحا بات کررہی ہوں۔" روحا جلدی سے بولی۔

"آپ کا نمبر نام کے ساتھ میرے سیل فون میں فیڈ ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ روحا ہیں بولیں۔" شاہ میر تحمل سے بولا۔

"وہ...... وہ...... دراصل میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اس بار بقرہ عید پر کس چیز کی قربانی کی جائے گی؟" وہ گھبراہٹ میں اول فول بول گئی۔

"بقرہ عید پر قربانی......؟" شاہ میر حیرت سے بولا۔

"ہاں دنبے یا اونٹ......؟" زویا کو سر پیٹتا دیکھ کر وہ جلدی سے بولی۔ "یا پھر ہرن......؟"

"اچھا آپ لوگ ہرن کی بھی قربانی کرتے ہیں۔" شاہ میر کی طنزیہ آواز ابھری تو وہ جیسے ہوش میں آگئی۔

"نہیں میرا مطلب ہے بکرا...... بکرے کی قربانی۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

"روحا تم نے مجھے رات کے ایک بجے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے کہ قربانی کس جانور کی ہوگی حالانکہ صبح مجھے آفس بھی جانا ہے۔ کیا یہ بات تم مجھ سے کل نہیں پوچھ سکتی ہو؟" شاہ میر چڑ کر بولا تو روحا جلدی جلدی سر اثبات میں ہلاتی ہوئی بولی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں میں کل پوچھ لوں گی اللہ حافظ۔" یہ کہتے ہی اس نے لائن کاٹ کر زویا کی جانب بے بسی سے دیکھا تو جواباً زویا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"تمہارا کچھ نہیں ہونے والا میں فالتو میں تم پر اپنا وقت ضائع کررہی ہوں۔" یہ کہہ کر زویا اپنے بستر پر لیٹ کر چادر اوڑھ کر اس کی جانب سے کروٹ بدل گئی جب کہ روحا اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

وہ تائی امی کے پورشن کی جانب آئی تو رمشا اور رمنا شاید تھوڑی دیر پہلے ہی بازار سے لوٹی تھیں جب ہی لاؤنج میں ہر طرف شاپنگ بیگز بکھرے ہوئے تھے۔

"ارے تم لوگ آئی ہوئی ہو مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔" روحا کی دونوں سے کافی دوستی تھی جب ہی انہیں دیکھ کر خوشی سے بولی۔

"بس یار تمہیں بلانے ہی والے تھے اُف یہ شاپنگ کرنا بھی کسی دوسری سے کم نہیں۔" رمشا اسے دیکھ کر بولی تو اسی اثناء میں شاہ میر سیل فون پر کسی سے بات کرتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا بے ساختہ دونوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرائی تھیں چند لمحوں بعد شاہ میر نے فون آف کیا تو رمنا ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ارے شاہ میر بھائی! روحا کے شاپنگ بیگز تو گاڑی کی ڈگی میں ہی رہ گئے پلیز آپ لے آیئے۔" یہ سن کر شاہ میر باہر کی جانب پلٹا تو دونوں بہنوں کو ایک سوٹ پر تبصرہ کرتا دیکھ کر وہ خاموشی سے شاہ میر کے پیچھے چلی آئی۔

"آپ نے منگنی توڑ دینے کی خبر ابھی تک گھر والوں کو کیوں نہیں بتائی؟" عقب سے روحا کی آواز ابھری تو ڈگی کھولتا شاہ میر تلملا کر رہ گیا۔

"یہ نیک کام میں تمہارے سامنے کرنا چاہتا تھا تم یہاں ہو تو آؤ ابھی کرلیتے ہیں۔" یہ کہہ کر شاہ میر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب بڑھا تو روحا بری طرح ہڑبڑا گئی۔

"نہ...... نہیں پلیز...... شاہ میر پلیز رکیے۔" وہ اپنی جگہ جم گئی شاہ میر نے پلٹ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"م...... میرا مطلب ہے سب کو بہت دکھ ہوگا۔" وہ

انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

"ہوں تو تم سب لوگوں کی خوشیوں کی خاطر مجھ سے زبردستی سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو؟" شاہ میر اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالتا ہوا بولا تو بے ساختہ اس نے شاہ میر کی جانب دیکھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی اور بارہا تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار میرے سامنے کیا مگر مجھے لگا کہ تم اپنا گھر چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو اسی وجہ سے ایسی باتیں کررہی ہو مگر جب تم نے میرے کردار کو مشکوک ٹھہرایا مجھے بھنورا صفت انسان سمجھا تو مجھے اس کا آدمی سوچ کر نظر انداز کیا اب مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے کتنا ناپسند کرتی ہو۔" شاہ میر پلٹتا چلا گیا جب کہ ندامت و شرمندگی کے احساس سے روحا سے سر نہ اٹھایا گیا چند قطرے روحا کے جھکے سر کو دیکھ کر شاہ میر اندر چلا گیا تو روحا کو لگا جیسے اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔

❀......❀......❀

"خدا کے لیے شاہ میر بھائی! بس اب آپ روحا کو تنگ کرنا بند کردیں وہ بے چاری آپ کے گھر سے آ کر بہت رو رہی تھی اب مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جارہی۔" زویا فون پر شاہ میر سے کہہ رہی تھی جب کہ شاہ میر مسکرا کر بولا۔

"بس زویا کچھ دن اور رک جاؤ اور پھر آخر اس سر پھری لڑکی کا دماغ بھی تو ٹھکانے لگانا ہے۔" جب کہ دوسری طرف شاہ میر کے اس جملے نے روحا کو پوری طرح سلگایا فون کی بیل پر روحا جو اس پل ڈرائنگ روم میں موجود تھی لاؤنج میں رکھے فون کا ایکسٹینشن جو ڈرائنگ روم میں رکھا تھا اس نے اٹھالیا تھا وہ ہیلو کہنے ہی والی تھی کہ لاؤنج سے زویا نے بھی فون اٹھالیا تھا وہ بے ساختہ خاموش ہوگئی تھی۔

"اچھا شاہ میر بھائی! بس دو دن اور میں آپ کو دیتی ہوں پرسوں بڑی عید ہے اور پھر آپ لوگوں کی شادی میں بھی صرف چند دن باقی ہیں اب آپ یہ کھیل جلدی ختم کردیجیے۔" زویا سنجیدگی سے بولی۔

"اچھا بابا! بس دو دن اور اسے تنگ کرنے دو بعد میں تو وہ ساری زندگی مجھے ہی تنگ کرے گی ویسے اس وقت وہ ہے کہاں؟" شاہ میر شوخی سے بولا۔

"باہر صحن میں ہے شاید بکروں کو چارہ ڈالنے گئی ہے۔" زویا کھلکھلا کر بولی تو انتہائی چپ کر روحا نے فون آہستگی سے کریڈل پر رکھا تاکہ دونوں کو معلوم نہ ہوسکے کہ اس نے سب سن لیا ہے روحا سب یاد کرکے ایک بار پھر تلملا کر رہ گئی۔

"یہ دونوں مجھے بے وقوف بناتے رہے اور میں کتنی آسانی سے احمق بنتی رہی۔" وہ غصے میں خود سے بولی پھر یکدم وہ مسکرادی اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

آج عیدالاضحی تھی تایا کے گھر علی الصبح ہی قربانی ہوجاتی تھی اس وقت دن کے کھانے پر سب لوگ تایا کے گھر جمع تھے رمشا اور رمنا بھی اپنی سسرال سے آئی ہوئی تھیں۔ دھانی اور پرپل کنٹراسٹ کے شفون سوٹ میں لائٹ سا میک اپ کیے روحا بہت پیاری لگ رہی تھی جب کہ شاہ میر اس پر گاہے بگاہے اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال رہا تھا۔ روحا کے چہرے کا اطمینان اور اس کے نئے رنگ ڈھنگ اسے اندر ہی اندر پریشان کیے دے رہے تھے اس نے نظر بچا کر زویا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا تو زویا نے سر جھکا کر خفیف سا سگنل شاہ میر کو دیا پھر گلا کھنکھار کر روحا کے کان کے قریب آ کر بولی۔

"روحا تم شاہ میر بھائی کو عید مبارک کہنے کے ساتھ ساتھ سوری بھی کہہ دو دیکھو آج وہ کتنے اچھے موڈ میں لگ رہے ہیں۔" زویا کی بات پر جونہی روحا نے شاہ میر کو دیکھا شاہ میر نے شپٹا کر نگاہیں ادھر ادھر کرلیں جو اس پل روحا کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ آف وائٹ شلوار قمیص میں وہ بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"کیوں...... کس خوشی میں انہیں سوری کہوں؟" روحا بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی تو زویا نے انتہائی چونک کر اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے زویا! شاہ میر نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے مجھ سے شادی نہ کرنے کا میں خود بھی انہیں دل سے قبول

نہیں کرتی۔" روحا گمن سی ہو کر بولی تو زویا نے انتہائی پریشان ہو کر شاہ میر کی جانب دیکھا۔ شاہ میر زویا کا حواس باختہ اور روحا کا مطمئن چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

❁.....❁.....❁

زویا نے موقع پا کر شاہ میر کو جب روحا کی بات بتائی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"اور لائن پر لائیے اس سر پھری لڑکی کو.....؟" زویا شاہ میر کو بدحواس دیکھ کر طنز سے بولی۔

"ارے آپ دونوں یہاں کھڑے ہیں میں سارے گھر میں ڈھونڈ چکی ہوں۔" اچانک روحا نے اپنی انٹری دی تو دونوں بڑبڑا گئے۔

"ہاں..... وہ ہم..... عید مبارک روحا!" شاہ میر کچھ پزل سا ہو کر بولا۔

"آپ کو بھی بہت بہت عید مبارک ہو۔" روحا نے بڑے جوش سے کہا پھر اچانک کچھ یاد آنے پر گویا ہوئی۔

"شاہ میر مجھے آپ کی بات سمجھ میں آ گئی ہے مجھے اور آپ کو گھر والوں کی خوشی کی خاطر اپنی خوشیوں اور خود کو قربان نہیں کرنا چاہیے آپ نے آج ہم دونوں مل کر ہی اپنے گھر والوں کو بتاتے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری بات ضرور سمجھ جائیں گے۔" روحا انتہائی ہلکے پھلکے انداز میں بولی جب کہ دوسری جانب شاہ میر بری طرح پھنس کر رہ گیا۔

"تم ہم کا صیغہ کیوں استعمال کر رہی ہو مائنڈ اٹ کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے تم ناپسند کرتی ہو اور یہ رشتہ بھی تم ہی ختم کرنا چاہتی ہو۔"

"روحا تم.....؟"

"تم خاموش رہو زویا!" زویا نے پریشان ہو کر کچھ بولنا چاہا تو روحا نے اسے فوراً ٹوک دیا پھر شاہ میر کو دیکھ کر بولی۔

"اچھا..... اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں صرف تمہیں چاہتا ہوں دل و جان سے چاہتا ہوں۔" یکدم اسے احساس ہوا کہ اچانک وہ کیا بول گیا ہے جبکہ زویا اور روحا دونوں بے ساختہ مسکرا اٹھیں۔

"روحا پلیز یار! شاہ میر بھائی کا دل مت توڑو۔" زویا روحا کو مسکراتا دیکھ کر لجاجت سے بولی۔

"تم تو چپ ہی رہو بہن میری ہو اور وفاداریاں ان موصوف سے تمہاری ہیں۔ پرسوں بڑے مزے سے میری حالت زار نہیں بتا رہی تھی نا۔" روحا چمک کر بولی تو دونوں پہلے ہونق ہوئے پھر خفیف ہو کر ہنسنے لگے۔

"تو تم نے ہماری باتیں سن لی تھیں روحا ایم سوری یہ سب کرنے کے لیے مجھے شاہ میر بھائی نے کہا تھا تاکہ تمہارا دماغ درست......" بولتے بولتے زویا نے جونہی روحا کو خونخوار تیور سمیت اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو وہاں سے فوراً بھاگ کھڑی ہوئی جب کہ اس کے پیچھے جاتی روحا کی کلائی کو شاہ میر نے سرعت سے تھام لیا۔

"چھوڑیے میرا ہاتھ۔" وہ خفگی بھرے انداز میں بولی۔

"ایم سوری روحا! میں نے تمہیں تنگ کیا مگر میں ازمیر کی وجہ سے تمہارے یقین کو جو ٹھیس پہنچی تھی اسے دوبارہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ تمہارے شفاف دل پر جو بدگمانی شکوک اور غیر یقینی کے جالے لگ گئے تھے ان کو صاف کرنا چاہتا تھا۔" شاہ میر سنجیدگی سے بولا۔

"آپ میرے اور ازمیر کے بارے میں جانتے ہیں شاہ میر! میں آپ سے اپنے سابقہ رویوں کی معافی مانگتی ہوں۔" روحا اس کی جانب دیکھ کر شرمندگی سے بولی۔

"امی اور روحا زویا نے مجھے سب بتا دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ ازمیر تمہاری لڑکپن اور کچے ذہن کی پسند اور چاہت تھا اور میں تمہاری محبت ہوں تمہاری پہلی اور آخری آرزو۔" آخر میں شاہ میر جذب کے عالم میں بولا تو روحا نے اسے تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاہ میر کیا آپ کو یقین ہے؟"

"ہاں مجھے پورا یقین ہے۔"

"اور مجھے آپ کے یقین پر یقین ہے۔" روحا شاہ میر کے جواب پر شرگیں مسکراہٹ سمیت آہستگی سے بولی تو شاہ میر اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

❁

پاؤں پھیلائے تو پھر دیکھی نہیں چادر ہم نے
تجھ کو چاہا پھر اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان ہو بھی سکتی تھی لیکن ہم نے
تیری چاہت کو ہر اک بات سے بڑھ کر پایا

عائشہ چلتے چلتے اچانک رک گئی اور بولی۔

"بس عدینہ مجھے معاف ہی رکھو تمہاری امی کی زیادتیوں کی مزید فہرست میں سننے کو بالکل بھی تیار نہیں تمہارے پاس کوئی اور موضوع نہیں؟"

"تم کیا جانو عائشہ میری امی تمہاری امی سے کس قدر مختلف ہیں مجھے تو تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے۔" میری آواز بھر آئی۔

"بے وقوف ہو تم کیا تمہیں اپنی ماں سے بالکل محبت نہیں جو سارا وقت انہی کے بارے میں بولتی رہتی ہو۔" عائشہ نے نرمی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے مجھے ان سے بہت محبت ہے جب ہی تو شکایت بھی ہوتی ہے مگر لگتا ہے ان کو مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں بالکل بچوں کی طرح مجھ سے سلوک کرتی ہیں اور حکم چلاتی رہتی ہیں اب اٹھ جاؤ، اب سو جاؤ یہ پہنو وہ نا پہنو آہستہ چلو، زور سے نہ بولو لڑکیوں کا لہجہ دھیما ہونا چاہیے، بھلا بتاؤ یہ کیا بات ہوئی لڑکے جو چاہیں جو کریں سارے فرمودات صرف لڑکیوں کے لیے میری امی تو مجھے کسی دوست کے گھر جانے بھی نہیں دیتیں۔ ایک تمہاری امی ہیں تم اپنی مرضی سے جہاں چاہو، جب چاہو جا سکتی ہو اپنی مرضی سے اٹھتی بیٹھتی ہو اور اپنے پسند کے کپڑے پہنتی ہو، پھر تمہارے تو لڑکے بھی دوست ہیں جبکہ مجھ پر تو لڑکیوں کی دوستی پر پابندی ہے تمہاری امی کتنی فرینڈلی ہیں کاش میری ماں بھی ایسی ہی ہوتیں۔" عدینہ نے حسرت سے کہا اور عائشہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئی۔ کیونکہ اس کا گھر پہلے پڑتا تھا پورا گھر موئن جودڑو کا نقشہ پیش کر رہا تھا ماسی چھٹی پر تھی اور جھاڑو پوچھے سے لے کر کھانا پکانا ہر کام امی کو کرنا پڑ رہا تھا اور مجھے لگا کہ شاید امی آج بیمار پڑ گئی ہیں ورنہ ہمارا گھر ہمیشہ چم چم کرتا تھا۔

دوسرے ہی لمحے امی کی تیز آواز نے مجھے جھنجوڑ ڈالا۔

"عدینہ بیٹی تم آ ہی گئی ہو تو ذرا میری مدد کرو تمہیں معلوم ہے ماسی ایک ہفتے سے چھٹی پر گئی ہوئی ہے۔"

"آپ نے اسے ایک ہفتے کی چھٹی کیوں دی؟"

میں نے بھنا کر سوال کیا۔

"کیا کیوں رہی ہو آرام سے بات کرو، ماسی کی ماں گاؤں میں وفات پاگئی ہے تمہارے ابو کے دوست اپنی فیملی کے ساتھ آرہے ہیں کیا کروں میں صبح سے بازار کے چکر لگا رہی ہوں ابھی صفائی اور کھانا پکانا باقی ہے۔" تھکن امی کے لہجے سے مترشح تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" کندھے اچکاتے ہوئے میں زور سے بولی۔ "آتے ہی کام بتا دیا کھانے تک کو نہ پوچھا۔" میں تلخی سے کہتے ہوئے کچن میں داخل ہوگئی جہاں کھانوں کی اشتہا انگیز خوش بو پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ امی کھانا بہترین بناتی تھیں اور ان کی کوکنگ بھی لاجواب تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر فن مولا تھیں اس عمر میں بھی بے حد چاک و چوبند اسمارٹ اور گریس فل اکثر انہیں لوگ میری بڑی بہن سمجھتے تھے اور کبھی کبھی تو مجھے اپنی ہی ماں سے جیلس فیل ہونے لگتی تھی۔

"بیٹا تمہارے ابو کی خواہش ہے کہ ہم سب ڈنر میں شریک ہوں کیونکہ یہ تمہارے ابو کے بچپن کے دوست ہیں جو فیملی کے ساتھ آرہے ہیں وہ بھی بیس سال بعد۔" امی نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور غصے کی ایک لہر میرے پورے جسم میں دوڑ گئی میں ہمیشہ ایسی جگہوں پر جانے سے اجتناب برتتی تھی جہاں میرے بہن بھائی موجود ہوں۔ رامم مجھ سے دو سال اور نوینہ چار سال چھوٹی تھی لیکن دونوں بہت خوب صورت تھے اور اکثر لوگ منہ پر ہی کہہ بھی دیتے تھے۔

"مسز علی یوں تو آپ کے تینوں ہی بچے ماشاء اللہ خوب صورت ہیں آپ پر گئے ہیں لیکن عدینہ کا رنگ دبتا ہوا ہے اپنے باپ کی طرح۔" کیونکہ ابو کے مقابلے میں امی زیادہ خوب صورت اور پرکشش تھیں لیکن یہ علیحدہ بات ہے کہ ابو اپنی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کی بدولت ہر جگہ "چراغ محفل" بن جاتے تھے کیا اپنے اور کیا غیر، سب ان کے اخلاق کے معترف تھے میں نے امی کو غصے سے گھورا۔

"آپ جانتی ہیں میں ایسی جگہوں پر جانے سے گریز کرتی ہوں جہاں مجھے ڈی گریڈ کیا جاتا ہے اور رامم اور نوینہ کی خوب صورتی کے گن گائے جاتے ہیں۔"

"پاگل ہوئی ہو ایسا کوئی کیوں کرے گا تم کسی سے کم ہو کیا۔" امی نے خفگی سے کہا۔

"ہاں تو نہ میرا رنگ اتنا صاف ہے نہ میری شکل اتنی اچھی ہے۔" میں نے تلخی سے جواب دیا۔

"پتا نہیں تم نے کیسے کیسے وہم دل میں پال لیے ہیں بیٹا بلوغت کی عمر میں لڑکیاں اتنی اچھی دکھائی نہیں دیتیں ورنہ میں جانتی ہوں دو تین سال میں تم اپنے دونوں بہن بھائیوں سے زیادہ خوب صورت لگو گی تمہارے نین نقش ان سے زیادہ اچھے ہیں گورے رنگ سے کیا ہوتا ہے خاص طور پر تمہاری ستواں ناک تمہیں سب سے ممتاز کرتی ہے۔" امی نے پیار سے میری ناک پکڑ کر کھینچی تو لمحے بھر کو میرا موڈ بہتر ہوگیا۔

"تم خوش رہا کرو ہر وقت تیوریوں پر بل ڈالے رہنے سے چہرے کی خوب صورتی ماند پڑ جاتی ہے۔" میں نے غصے سے پلیٹ سلیب پر پٹخی اور پیر زمین پر زور سے مارتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔

"اچھا اپنا کمرہ تو صاف کرلینا تمہیں معلوم ہے ماسی نہیں آئے گی۔"

امی نے پیچھے سے ہانک لگائی میں کمرے میں آئی تو ہر چیز بکھری پڑی تھی۔ روزانہ غالباً امی ہر چیز ٹھکانے پر رکھ دیتی تھیں ہمارے گھر میں دو ہی کمرے تھے کافی بڑا کمرہ مع اٹیچ باتھ ہم تینوں بہن بھائیوں کے تصرف میں تھا۔ ڈبل بیڈ پر ہم دونوں بہنیں اور سنگل پر رامم سوتا تھا پورے کمرے میں جا بجا نائٹ سوٹ، تکیے، میلے کپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ دل تو چاہ رہا تھا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں اور لمبی تان کر سو جاؤں آخر اپنے بہن بھائیوں کا کام میں کیوں کروں۔ میں نے جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹیں اور پھر شیشے کے آگے کھڑے

ہوکر اپنے بال سنوارنے لگی جو بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے امی نے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور پھر اندر آ کر بگڑنے لگیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے عدینہ اپنی چیزیں سمیٹ لیں۔ بہن بھائیوں کی بھی جگہ پر رکھ دیتیں وہ بھی اسکول سے آنے والے ہوں گے۔"

"امی اپنا کام وہ خود کریں میں ان کے حصے کا کام کیوں کروں۔" میں نے بھنا کر جواب دیا۔

"بیٹا عمر کے علاوہ قد میں بھی وہ تم سے بہت چھوٹے ہیں پھر گھر کے کام میں حصہ داری اور میرا تیرا کیا؟ میں گھر کے سارے کام کرتی ہوں تمہارے ابو سارا دن ہمارے لیے ہی محنت مشقت کر کے کماتے ہیں کبھی ہم لوگوں نے جتایا۔" پھر وہ پیار سے بولیں۔ "بیٹا خوشی خوشی کام کرو تو بوجھ نہیں لگتا۔" پھر وہ گاہے بگاہے کمرے کا چکر لگاتی رہیں اور میں جان بوجھ کر سستی سے جھنجلا کر کام کرتی رہی حالانکہ میں یہ سب خوشی سے بھی کر سکتی تھی ابو بھی شاید آج جلدی آ گئے تھے مجھے کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی امی نے غالباً شکایت کی تھی اور وہ انہیں سمجھا رہے تھے۔

"دیکھو بیگم عدینہ عمر کے جس حصے میں ہے اس میں عموماً لڑکیاں اس طرح تلخ و ترش ہو جاتی ہیں جب لڑکیوں میں ذہنی و جسمانی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں تو ان کے رویوں میں تلخی آ جاتی ہے میں نے دیکھا ہے تم سارا وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو یہ کرو، وہ مت کرو، آہستہ چلو، آہستہ بولو، زیادہ مت ہنسو، دوستوں کو فون مت کرو، ٹی وی مت دیکھو، دیکھو میں جانتا ہوں تم غلط نہیں ہو لیکن ہر وقت کی روک ٹوک بچوں کو باغی اور ضدی بنا دیتی ہے تم نظر انداز کرنا سیکھو سارا وقت روکنا ٹوکنا چھوڑ دو وقت کے ساتھ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" ابو امی کو سمجھا رہے تھے۔

"کیا خاک ٹھیک ہو جائے گی۔" امی مایوسی سے بولیں۔

"کچی لکڑی ہے اس لیے چاہتی ہوں طبیعت میں لچک پیدا کرے۔"

"مگر دیکھو ضروری تو نہیں کہ جیسی تم ہو ویسی ہی عدینہ بھی بن جائے ہر شخص کو اس کی مرضی کی زندگی جینے دو، ہاں اس کو اس کی حدود ضرور بتا دو کہ سماجی اور مذہبی طور پر ہمیں کس حد تک اپنی آزادی کا حق استعمال کرنا چاہیے۔" ابو ہمیشہ میری ہی سائیڈ لیتے تھے وہ میں خاموشی سے کمرے میں آ گئی اور امی کی ضد میں وہ لباس پہنا جس پر انہیں ہمیشہ ہی اعتراض ہوتا تھا۔

"یہ تم نے کیا پہن لیا؟" نوینہ نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے ٹائٹ جینز کے ساتھ چھوٹی سی شرٹ پہنی تھی جس کی آستینیں برائے نام تھیں اور دوپٹہ بھی رسی کی طرح گلے میں جھول رہا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" میں نے میک اپ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"آج تو تم ایسی لگ رہی ہو جیسے کسی تربوز کو بانس لگ گئے ہوں۔" نوینہ شرارت سے بولی کیونکہ میں بے حد دبلی اور لمبی تھی میں ایک دم غصے سے اس پر جھپٹی مگر وہ جل دے کر بچ گئی۔

"دیکھو آپا کوئی اور لباس پہن لو میں سچ کہہ رہی ہوں تم اس پرانی جینز میں اس طرح پھنسی ہو جیسے تکیے پر غلاف اور پھر تم جانتی ہو امی کو یہ لباس بالکل پسند نہیں۔" نوینہ مجھ سے زیادہ سمجھدار تھی۔

"آئی ڈونٹ کیئر۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"دیکھو بعد میں مجھے کچھ مت کہنا میں بتا رہی ہوں اس لباس میں تم کارٹون لگ رہی ہو سب تمہارا مذاق اڑائیں گے۔" نوینہ نے ایک مرتبہ پھر مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم اپنی چونچ بند رکھو امی کی چمچی، میری مرضی امی کو اس سے کیا۔"

"آپا تم نے ایک کہاوت تو سنی ہوگی کہ "کھاؤ من

بھاتا پہنو جگ بھاتا۔"

"ہاں تو اسی لیے تو پہن رہی ہوں بڑا فیشن ہے اس کا۔" میں نے فخر سے کہا۔

"لیکن فیشن بھی وہ اچھا لگتا ہے جو انسان پر سوٹ کرے اور ہماری سماجی اقدار، خاندانی وقار اور اسلامی شعار سے متصادم نہ ہو۔" میں نوینہ کی باتوں پر حیران رہ گئی۔

"نوینہ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم تو بالکل امی کی زبان بول رہی ہو۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں تو بیٹی بھی انہیں کی ہوں انہی کی زبان تو بولوں گی۔" نوینہ کے لہجے میں فخر عود کر آیا۔

"ویسے آپا آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" اچانک غیر متوقع طور پر نوینہ نے کہا۔

"اور خاص طور پر تمہارے بال آج تو قیامت لگ رہے ہیں۔" مسکراہٹ میرے لبوں پر آ گئی اور میں نے اسے بے اختیار گلے سے لگا لیا۔ ابو کے آواز دینے پر ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے سب کی نظریں ایک ساتھ ہماری طرف اٹھیں کچھ میں حیرت اور کچھ میں ستائش تھی ابو کی بھنویں تن گئیں مگر پھر وہ مسکرانے لگے اور امی نے ایک غصیلی نگاہ ڈالنے کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کی۔

مجھے لگا کچھ غلط ہو گیا ہے کیونکہ ابو کے دوست بیس سال بعد پاکستان شفٹ ہوئے تھے امریکا سے مگر ان کے دونوں بیٹے اور بیٹی پاکستانی لباس میں تھے لڑکی نے شلوار قمیص کے ساتھ بڑا سا دوپٹا اوڑھا ہوا تھا اور اس کا بھائی جو بے حد خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ لمبا تڑنگا بھی تھا مجھے عجیب مضحکہ خیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

مہمانوں کے جاتے ہی امی غصے سے برس پڑیں۔

"یہ کیا حرکت کی تم نے عدینہ۔ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ یہ بندوق کی نالی جیسی جینز اب نہ پہننا تم بڑی ہو گئی ہو سب مہمانوں کے سامنے ذلیل کر دیا جو امریکا میں اتنے برس رہ کر آئے وہ اپنی اقدار نہ بھولے

خدیجتہ الکبریٰ

آنچل اسٹاف اور تمام پڑھنے والوں کو میرا عقیدت بھرا اسلام قبول ہو۔ نام بدولت کو خدیجتہ الکبریٰ کہتے ہیں جی۔ فرینڈ تو کوئی نہیں البتہ کچھ اچھی ہستیاں ہیں جو بہن دوست سب کچھ ہیں۔ سب سے پہلے موسٹ فیورٹ ٹیچر شازیہ ہاشم پھر کلاس فیلوز ہیں۔ نبیلہ سائرہ، سلمیٰ اور اچھی کزنز صبا اقراء، آپی سعدیہ اور میری جو سب سے اچھی پیاری سی بہن ہے جس کی وجہ سے آنچل پڑھ سکتے ہیں اس کا نام ہے ام ایمن مبارک۔ کھانے میں سب کچھ ہڑپ کر جاتی ہوں۔ ڈریس میں فراک میکسی پسند ہے البتہ پہنی کبھی نہیں۔ میری فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

اور ہم "کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا" کے مصداق انگریز بننے کی کوشش میں مرے جا رہے ہیں۔" امی سخت غصے میں تھیں۔

"آپ کو میرے کپڑوں پر اعتراض ہے۔" میں نے غصے سے پوچھا۔

"تمہاری ہر بات پر، جینز کے ساتھ اگر تم لونگ شرٹ اور بڑا سا دوپٹا اوڑھ لیتی تو مجھے کوئی شکایت نہ ہوتی۔" وہ غصے سے بولیں۔

"امی یہ فیشن ہے آج کل کا۔" میں نے بگڑ کر کہا۔

"یہ فیشن نہیں ہے فیشن کے نام پر بیماری ہے۔ جس میں ہر چھوٹا بڑا مبتلا ہو چکا ہے تم کس قدر مضحکہ خیز لگ رہی ہو تم نے سوچا ہے؟"

"بیٹا تمہاری امی بالکل صحیح کہہ رہی ہیں چلو کوئی بات نہیں آئندہ خیال رکھنا۔" ابو نے پیار سے سمجھاتے ہوئے بحث ختم کرنا چاہی مگر میں اکڑ گئی۔

"حد ہے ابو آپ بھی امی کے ہم نوا بن گئے کم از کم آپ تو......!" میری آواز بھرا گئی۔

"بیٹا اس معاملے کو ہمارے نقطہ نظر سے سمجھنے کی بھی کوشش کرو میں یہ نہیں کہتا کہ تم بالکل ہماری ہم خیال بن

جاؤ لیکن سنجیدگی سے سوچو تو جو تمہاری امی کہتی ہیں اس میں تمہاری ہی بہتری ہے۔"

❁ ❁ ❁

آج کل میں پڑھنے پر بھرپور توجہ دے رہی تھی کیونکہ مجھے کچھ نا کچھ بن کر دکھانا تھا مجھے امی کی نصیحتیں چبھتی تھیں مجھے اچھی طرح یاد تھا میں جب چھوٹی تھی تو امی سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتی تھیں دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کی موجودگی کے باوجود میں ان کی چاہت کا محور تھی مگر پھر جانے کیا ہوا جیسے ہی میں جوانی کی سرحدوں کو چھونے لگی ان کا زاویہ نگاہ بدل گیا بلکہ مجھے لگتا تھا انہوں نے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دی اب تو ان کو میری دوستوں پر بھی اعتراض ہونے لگا تھا۔

"انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے دیکھ بھال کر دوست بنایا کرو۔" ان کے کہنے پر میرا دل جل جاتا۔

"اونہہ دوست نہ ہوا کہ دیکھ بھال اور چھان پھٹک کر خرید لو کپڑے کی طرح۔"

"آخر آپ مجھے موبائل کیوں لے کر نہیں دے دیتیں میری سب دوستوں کے پاس ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"تمہاری انہیں باتوں پر مجھے غصہ آتا ہے تمہارے ابو کے کئی دوستوں کے پاس پجارو ہیں ان کی بیویوں کے پاس اپنی ذاتی گاڑیاں ہیں لیکن مجھے اس سے کیا میں دوسروں سے مقابلہ کیوں کروں۔" وہ بگڑ کر بولیں پھر نرمی سے گویا ہوئیں۔

"بیٹا جب موبائل کے بغیر بھی تمہارا کام چل رہا ہے تو پھر موبائل کی عیاشی کیوں جب موبائل تمہاری ضرورت بن جائے گا تو ہم خود تمہیں لے دیں گے۔" امی کی روز روز کی نصیحتوں نے میرا دماغ خراب کر دیا تھا اگر ابو کی سپورٹ نہ ہوتی تو شاید میں پاگل ہی ہو جاتی۔

میں پڑھ پڑھ کر تھک چکی تھی میں نے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ہمارے چھوٹے سے لان میں ارحم اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا اور ابو امپائر بنے ہوئے تھے جبکہ نوینہ پکی روش پر سائیکل چلا رہی تھی اچانک امی نے کچن سے صدا لگائی۔

"عدینہ بیٹا ذرا گاڑی میں مجھے اسٹور لے چلو کچھ سودا لینا ہے میں اتنا سارا سامان اٹھا کر پیدل نہیں لا سکتی۔"

ابو کے پاس ایف ایکس تھی جو میں نے کھیل ہی کھیل میں چلانی سیکھ لی تھی گاڑی تو میں بہت اچھی چلا لیتی تھی مگر اسے مین روڈ پر چلانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ ابھی میری ڈرائیونگ لائسنس لینے کی عمر نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی قریب کی دکان سے کچھ لینا ہوتا تھا تو امی مجھے لے جاتی تھیں اس طرح مجھے پریکٹس بھی ہو جاتی تھی مگر اس وقت سب کو کھیلتا دیکھ کر مجھے غصہ آ رہا تھا اس لیے میں نے پڑھائی کا بہانہ بنا کر جانے سے صاف انکار کر دیا چند سیکنڈ بعد امی کی آواز آئی۔

"اچھا بیٹا تم پڑھو میں خود ہی لے آتی ہوں۔" میں نے دیکھا وہ سیاہ اسکارف میں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں کسی نے شور و غل میں نوٹس بھی نہیں لیا اور وہ گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ مجھے شرمندگی ہونے لگی مجھے گاڑی چلانے کا بے حد شوق تھا میں تو گاڑی چلانے کے بہانے ڈھونڈتی تھی تو پھر آج مجھے کیا ہوا تھا آخر مجھ پر ہر وقت یہ جھنجلاہٹ کیوں سوار رہتی ہے ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک کسی نے زور زور سے دروازہ پیٹ کر ابو کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ دور سے سائرن کی آواز آنے لگی جواب نزدیک آتی جا رہی تھی۔ ابو، نوینہ اور ارحم بری طرح دوڑے میرا دل جیسے سائیں سائیں کرنے لگا۔ ایک انہونی کے احساس نے میرے قدموں سے جان نکال دی میں بامشکل باہر پہنچی لوگوں کے ہجوم میں میری ماں بیچ سڑک پر پڑی تھی نوینہ اور ارحم دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے میں نے انہیں بانہوں میں بھر لیا۔ تب ہمارے پڑوسی اسلم انکل نے تسلی دی۔

"بیٹا اللہ سے دعا کرو تمہاری امی زندہ ہیں۔"

امی نے ایک ہفتے آنکھیں نہیں کھولیں ان کی حالت حوصلہ افزا نہ تھی اور مجھے لگ رہا تھا اس کی ذمہ دار میں ہوں

کاش میں امی کو گاڑی میں لے جاتی تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا کیونکہ سب نے بتایا کہ گاڑی والے کا قصور نہیں تھا جلد بازی میں امی خود اچانک روڈ پر آ گئی تھیں۔ وہ کار والا بے حد شرمندہ تھا کیونکہ ابو نے کوئی بھی کیس کرنے سے انکار کر دیا تھا جبکہ ابو کے منع کرنے کے باوجود اسی کے خرچ پر ایک پرائیویٹ اسپتال میں امی کا علاج ہو رہا تھا لیکن ڈاکٹرز زیادہ پر امید نہ تھے۔ حادثہ کے بعد سے اب تک میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا تھا لیکن جب ساتویں دن ڈاکٹر نے آئی سی یو سے باہر آ کر امی کے ہوش میں آنے کی نوید سنائی تو میری چیخوں سے اسپتال گونج اٹھا اور میں ابو سے لپٹ کر اتنا روئی کہ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

"صبح صبح ابو نے مجھے اٹھا دیا۔" بیٹا جلدی اٹھو آج تمہیں کالج جا کر ایڈمٹ کارڈ لینا ہے تمہارے امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔"

"نہیں ابو میں امتحان نہیں دے رہی امی کے پاس اسپتال میں رہوں گی۔" میں نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابو نے بڑے غور سے مجھے دیکھا پھر پیار سے بولے۔

"بیٹا تمہاری امی کو بہت خوشی ہوگی اگر تم امتحان دے لو گی کیونکہ تمہیں ڈاکٹر بنتے دیکھنا ان کا خواب ہے۔" اس ایک جملے نے میرے اندر توانائی جمع کر دی اور میرا ذہن امتحان کے لیے تیار ہو گیا۔ پہلا پرچہ تصور سے زیادہ اچھا ہو گیا۔ دوسرا پرچہ فزکس کا تھا جو مجھے ہمیشہ مشکل لگتا تھا مگر نوینہ نے مدد کے لیے پوچھا تو میں نے ایم سی کیوز کی کتاب اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ وہ سوال پوچھتی میں جواب دے دیتی اور جس کا جواب نہیں آتا میں کتاب سے دیکھ کر یاد کر لیتی۔ یہ وہ طریقہ تھا جو ہمیشہ امی مجھ سے کروانا چاہتی تھیں مگر میں ان کی ضد میں انکار کر دیتی تھی مگر امی کے طریقے سے یاد کر کے میرا فزکس کا پرچہ بھی بہت اچھا ہو گیا رات ابو اسپتال سے لوٹے تو کہنے لگے "تمہاری امی پرچوں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم اچھے نمبروں سے پاس ہو گی تو یہ ان کے لیے ان کی صحت یابی کا سب سے قیمتی تحفہ ہو گا اور یہ تحفہ انہیں ساری زندگی خوش رکھے گا۔" ابو کے الفاظ نے میرے جسم میں بجلیاں سی بھر دیں اور میں اور پر عزم ہو گئی۔

پوری رات میری بے چینی میں گزری گھر کی خاموشیاں مجھے کھا رہی تھیں کیونکہ نہ تو کچن سے برتنوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور نہ کوئی تیزی سے ادھر آ جا رہا تھا نہ کوئی نصیحت نہ کوئی روک ٹوک۔ تنہائی کا احساس مجھے ڈس رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کوئی آئے اور مجھے نصیحتیں کرے۔

❁ ❁ ❁

دو تین دن پڑوس سے کھانا آتا رہا لیکن کب تک میں نے اور نوینہ نے مل کر برتن دھوئے اور ارحم نے انہیں کپڑے سے پونچھ کر کیبنٹ میں رکھا یہ پہلا موقع تھا کہ ہم تینوں بہن بھائی مل کر کام کر رہے تھے جو ہمیں اچھا بھی لگ رہا تھا۔

"کل سے ہم تینوں مل کر کھانا بھی بنائیں گے کیونکہ ابو بتا رہے تھے کہ امی کو ریکوری میں مہینوں بھی لگ سکتے ہیں۔" میں نے دونوں کو پیار سے سمجھایا۔

غزل

اگر تم کو یہ لگتا ہے
میری چاہت کی ہتھکڑیاں
تمہیں اب قید کر دیں گی
تو سن لو جاں ہمدم
میں تم کو دل سے کہتی ہوں
بڑے ہی مان سے جاناں
میرے دل کی اس نگری سے
تمہیں آزاد کرتی ہوں

شاعرہ: سمیرا (مرحوم)
ارحم حسن عمر

"لیکن تمہارا پکایا ہوا کھانا کھائے گا کون؟" ارحم بگڑ کر بولا۔

"آپا تمہیں کھانا پکانا آتا ہے۔"

"میں سیکھ لوں گی کتابوں سے یا ٹی وی سے آخر اور لوگ بھی تو پکاتے ہی ہیں مگر تم لوگ صبر سے کھا لینا ورنہ میری ہمت جواب دے جائے گی۔"

میرے امتحانات ختم ہو چکے تھے اور وہ دونوں اسکول جاتے تھے مجھے حیرت ہوتی تھی کہ امی سارا دن اکیلی کیسے کام کر لیتی تھیں صبح اٹھ کر وہ ایک مشین کی طرح گھر میں لگی رہتی تھیں اور میں بڑی ہونے کے باوجود ہر کام سے جی چراتی تھی بلکہ بہن بھائیوں سے مقابلے پر اتر آتی تھی جو مجھ سے کہیں چھوٹے تھے۔

اس دن میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کچھ عجیب تھا۔ روٹی سوکھ گئی تھیں اور بقول ارحم میں نے دنیا کا نقشہ بنایا تھا۔ "گوشت گلا نہیں تھا اور چاول کچے تھے ابو نے بغیر کچھ کہے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کھانا کھا لیا نوبینہ نے دو چار نوالے لیے اور ارحم نے تو کچھ کہے بغیر پلیٹ ایک طرف کھسکا دی اور ڈبل روٹی پر جام لگا کر کھانے لگا۔

"کوئی بات نہیں پاکستان ایک دن میں نہیں بن گیا تھا آج تمہارا پہلا تجربہ تھا جلد ہی سیکھ جاؤ گی۔" اپنا پکایا ہوا میرے بھی حلق سے کہیں اتر رہا تھا ابو نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"تم کھانے میں نمک ڈالنا بھول گئی ہو۔" ابو کے شرارت بھرے انداز نے میرے حوصلے پست نہیں ہونے دیے ایک ہفتے میں، میں نے مشین سے کپڑے دھونا سیکھ لیے اور گھر کی صفائی کی بھی عادت ہو گئی پورے گھر کی ذمہ داری محسوس کر کے مجھے خوشی کے ساتھ ساتھ بڑے پن کا احساس ہو رہا تھا اور میرے لہجے کی حلاوت اور نرمی کی وجہ سے دونوں بہن بھائی میرا کہنا بھی ماننے لگے تھے۔

ہم تینوں بہن بھائی تقریباً روز ہی ابو کے ساتھ امی سے ملنے جاتے تھے جو نلکیوں میں جکڑی ہوئی تھیں اور بہت کم بول پاتی تھیں لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے اور جب میں ان کو پورے دن کی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگتی تو ان کی آنکھوں کی چمک سے پتا لگ جاتا تھا کہ وہ بے حد خوش ہیں اور میرا سیروں خون بڑھ جاتا۔

مصروفیت کی وجہ سے میری دوستوں سے بھی بات چیت کم ہو گئی تھی پھر اچانک میں نے سنا عائشہ کہیں چلی گئی ہے اور گھر والے سخت پریشان ہیں میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی عائشہ کہاں جا سکتی تھی اور کیوں؟ پھر ابو نے بتایا۔

"بیٹا اسی لیے تمہاری امی موبائل کے خلاف تھیں لڑکیوں کی ماؤں کو ایسا ہی ہونا چاہیے چوکیدار کی طرح محافظ جیسا، بیٹیاں ماں باپ کی دولت ہی تو ہوتی ہیں اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو کوئی بھی نقب لگا کر لوٹ سکتا ہے یہ دنیا لٹیروں سے خالی نہیں عزت کے رہزن تو ہر قدم پر تاک لگائے بیٹھے ہوتے ہیں تمہیں وہ روک ٹوک اور سختی بری لگتی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں آفس اور تمہاری امی اسپتال میں ہوتی ہیں لیکن ہم مطمئن ہیں کہ ہماری اولاد کی تربیت صحیح نہج پر ہوئی ہے ان کے قدم جمے ہوئے ہیں وہ بہک نہیں سکتیں وہ بھٹک نہیں سکتیں۔"

"ابو آپ عائشہ کے بارے میں بتا رہے تھے۔" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"میری بچی تم تو جانتی ہو عائشہ کے گھر کا ماحول کھلا تھا نہ کوئی روک ٹوک، نہ کہیں آنے جانے پر پابندی اس کی کئی لڑکوں سے دوستی بھی تھی اور اکثر وہ رات گئے تک باہر بھی رہتی تھی تو نتیجہ تو پھر یہی نکلنا تھا جانے کب اور کیسے وہ گھر سے روپے پیسے اور زیور لے کر کس کے ساتھ اور کہاں چلی گئی دو روز تک تو کچھ پتا ہی نہیں چلا ماں باپ کی حالت خراب ہوئی سو ہوئی عزت کا جنازہ بھی نکل گیا اور پرسوں وہ لٹ پٹ کر واپس آ گئی اب ساری دنیا سے منہ چھپاتے پھر رہے ہیں اب یہ بیٹی ہڈی کی طرح ان کے حلق میں پھنس گئی ہے نہ نگل سکتے ہیں نہ اگلنے لائق رہے بیٹا بیٹیاں بے مہار اور مادر پدر آزادی کا یہ نتیجہ تو نکلنا ہی تھا اولاد ماں باپ کی روک ٹوک کو اپنی آزادی میں حائل اور بڑا دشمن سمجھتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ماں باپ سے زیادہ کوئی مخلص اور بے لوث دوست اولاد کا ہو ہی نہیں سکتا۔" میں دم سادھے ابو کی بات سن رہی تھی اور مجھے لگ رہا تھا میرے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔ سانس بھی مشکل سے آ رہا تھا آج صحیح معنوں میں مجھے اپنی ماں کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا اور ندامت کے آنسوؤں نے پچھتاوے اور ملال کو دو آتشہ بنا دیا تھا میرا دل چاہ رہا تھا تھپڑ مار مار کر اپنا منہ لال کر دوں آئینے میں مجھے اپنی شکل مسخ لگ رہی تھی خود غرض مطلبی اور ناعاقبت اندیش اور

پھر میرا رزلٹ نکل آیا میری بورڈ میں چوتھی پوزیشن تھی خوشی کے مارے میرا رواں رواں جھوم اٹھا یہ سب میری ماں کی دعاؤں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے وہ مجھے تابناک مستقبل کے سنہری خواب دکھاتی رہتی تھیں جو خواب انہوں نے اپنے لیے دیکھا تھا اس کی تعبیر وہ مجھ سے حاصل کرنا چاہ رہی تھیں۔ وہ اکثر مجھے کہا کرتی تھیں۔

"میرے خوابوں کو پایہ تکمیل تک تم پہنچاؤ گی اور میری حسرتوں کو حقیقت تم بناؤ گی۔" اس وقت میں جل کر دل ہی دل میں کہتی "اونہہ خود پڑھتی نا سائنس کی موٹی موٹی کتابیں تو آٹے دال کا بھاؤ پتا لگ جاتا خود تو اردو لٹریچر میں ماسٹرز کر بیٹھیں وہ بھی پرائیویٹ اور مجھے ڈاکٹر بنانا چاہ رہی ہیں۔" مگر آج مجھے لگ رہا تھا کہ اندر سے تو میری بھی یہی تمنا تھی اور میں خود کو لیے سفید گاؤن میں گھومتے دیکھتی تھی جب ہر طرف سے نرسوں اور وارڈ بوائے کی آوازیں آتی تھیں۔

"ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب۔" اور آج میں نے دل میں عہد کیا تھا کہ امی کے ہر خواب کو تعبیر دوں گی۔

آج کل یہ دن میرے لیے بہت سخت تھے گھر کی صفائی، کھانے کا انتظام، کپڑے دھونا، استری کرنا اور پھر صبح صبح دونوں بہن بھائیوں کو تیار کر کے اسکول بھیجنا حالانکہ میرے ابو میرا بہت ہاتھ بٹاتے تھے اور دونوں بہن بھائیوں کو بھی نصیحت کرتے رہتے تھے مگر آفس سے آنے کے بعد سارا وقت ان کا امی کے پاس گزرتا تھا اور مجھے خوشی بھی ہوتی تھی امی ابو کی مثالی محبت دیکھ کر کیونکہ مجھے ہمیشہ ہی سے یہ لگتا تھا کہ امی کی زندگی عاجزانہ اور مودبانہ سی ہے اور ابو انہیں کوئی خاص لفٹ نہیں دیتے لیکن بغیر چڑچڑانے اور منہ بنائے وہ جس طرح گھر اور امی کو توجہ دے رہے تھے یہ انہیں کا حوصلہ اور ہمت اور محبت ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔

اس دن نوبینہ کو دیکھ کر میں حیران ہو گئی اس نے جینز کے ساتھ بغیر آستین کی اونچی سی شرٹ پہن رکھی تھی اور بے تحاشہ میک اپ نے اسے عمر سے بڑا بنا دیا تھا۔

"نوبینہ تم یہ بھری دوپہر میں کہاں جا رہی ہو وہ بھی اس حلیے میں۔" وہ ایک دم رک گئی اور چیخ کر بولی۔

"ایک گلی چھوڑ کر اپنی دوست کے گھر جا رہی ہوں گھر میں تو امی ابو موی دیکھنے نہیں دیتے وہاں جا کر دیکھوں گی۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "میں اب کوئی بچی نہیں ہوں بڑی ہو گئی ہوں۔"

رنگ

میری زندگی میں کتنے رنگ تھے
رنگ برنگی آرزوئیں
مہکتی خوشبوئیں
بہار کے گزرتے ہی آج تم نے یہ کیا کیا؟
میری جھولی میں ڈھیر سارے
زرد پھول ڈال دیے
نرگس کے پھولوں سے
میرے ارمانوں کی تربت سجا دی
اور یہ سوچا کہ
جدائیوں کا یہ موسم کیونکر بیتے گا؟

فصیحہ آصف خان۔۔۔ ملتان

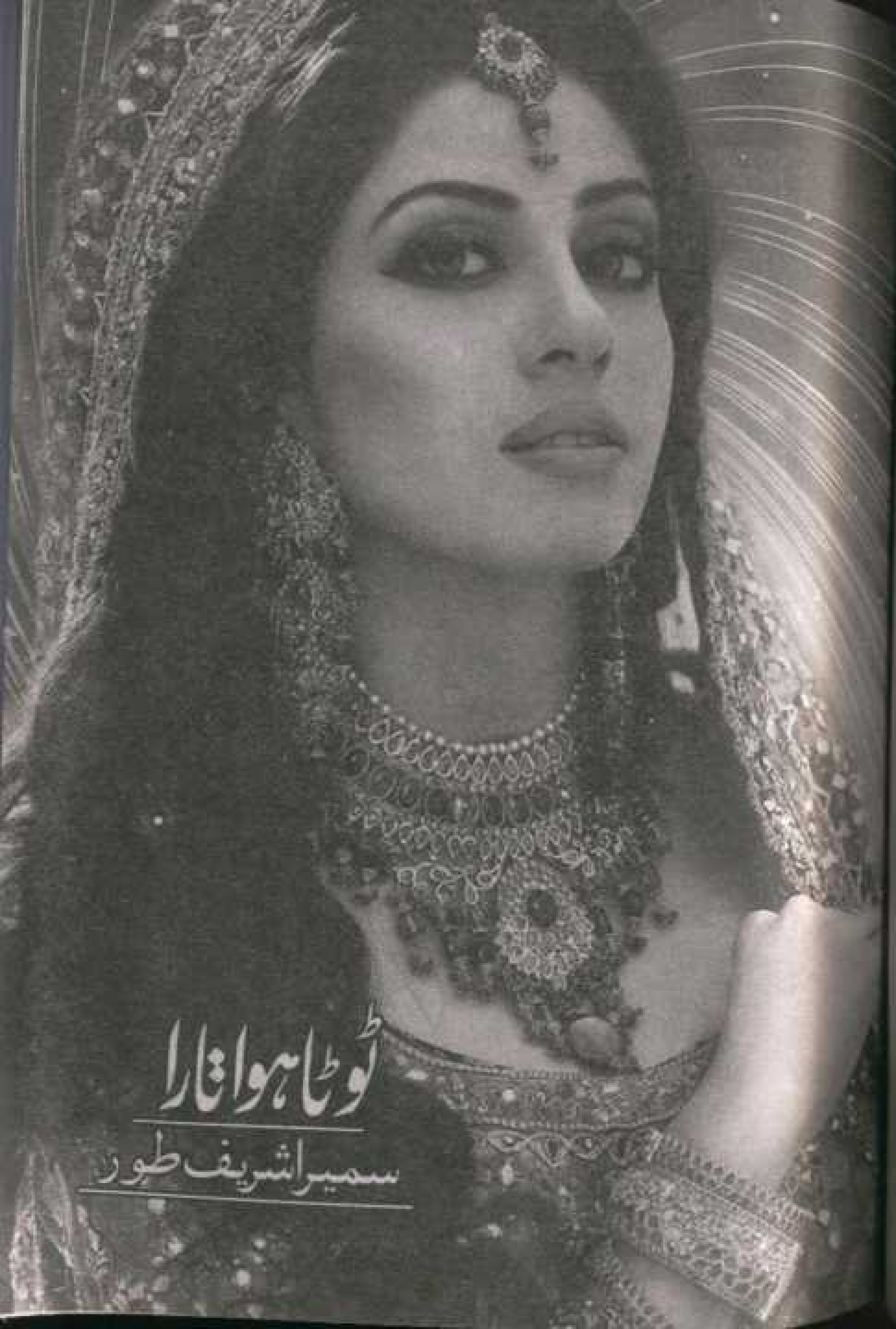

ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

"نوینہ میری بہن، یہ سب ٹھیک نہیں ہے جانتی ہو امی کو ایسا لباس بالکل پسند نہیں۔" میں نے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بھنا کر بولی۔

"ہاں تو تم بھی تو ایسا ہی لباس پہنتی تھیں اب چار دن میں بلائی بن گئی ہو جو مجھ پر اعتراض کر رہی ہو خود اپنا وقت بھول گئیں تم میری اماں بننے کی کوشش مت کرو۔" اور میں سناٹے میں رہ گئی وہ آج وہی کچھ کر رہی تھی جو میں نے کیا تھا۔

"نوینہ میری جان۔" میں نے اسے بڑھ کر گلے لگایا۔ "میں غلطی میں نے اپنی ماں کو سمجھا ہی نہیں ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ہمیشہ ان سے لڑتی رہی۔"

"میں تمہاری بات کیوں سنوں؟" وہ غصے سے بولی۔

لیکن میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے کی طرف دھکیلا اور نرمی سے کہا۔

"ابھی جا کر پہلے کپڑے بدلو اور منہ دھولو بالکل کارٹون لگ رہی ہو۔" وہ روتی ہوئی کمرے میں گھس گئی پھر چیخ کر کے بولی۔

"تم انتہائی درجے کی گھٹیا بہن ہو کیونکہ تم مجھے بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ تمہیں میری خوب صورتی بری لگتی ہے جلتی ہو مجھ سے۔" اور اب میں حیرت سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی اور میرا منہ کھلا ہوا تھا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی فرق صرف یہ تھا کہ پہلے میرے سامنے میری ماں ہوتی تھی اور آج نوینہ کے سامنے میں تھی اور وہ میرے سامنے میری ہی زبان بول رہی تھی۔

میں سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونے لگی پچھتاوے مجھے ناگ کی طرح ڈس رہے تھے زندگی کے وہ قیمتی سال جو میں ماں کی دوست بن کر گزار سکتی تھی میری ضد اور بغاوت کی نذر ہو گئے خود کو بڑا منوانے کے لیے میں ماں سے لڑتی رہی حالانکہ ہر انسان کو بڑا تو خود بخود ہو جانا ہے۔ پھر میں کچھ سوچ کر ایک عزم کے ساتھ کھڑی ہو گئی مجھے اپنی بہن کو دوسری عدینہ نہیں بننے دینا تھا۔ اس کو امی کا دوست بنانا تھا۔

پھر پوری دوپہر ہم دونوں نے جو گفتگو کی وہ زندگی کا حاصل تھی میں نے نوینہ کے سامنے اپنے اور ماں کے تعلقات کا بند دریچہ کھول دیا۔ کتاب زندگی کے اس باب کو سنایا جس نے میرے اور ماں کے تعلقات میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔ میں نے اپنی بہن کو ان کیفیات سے آگاہ کیا جن سے میں پندرہ سال کی عمر میں دوچار رہی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر آنسو بہاتے اور ماں کی سلامتی کی دعائیں کرتے رہے دلوں کا غبار نکلا تو دھند چھٹ گئی اور ہر چیز واضح اور صاف نظر آنے لگی۔ ہم دونوں بہنیں جب اٹھیں تو بہترین دوست بن چکی تھے۔ نوینہ نے اپنے رویے کی معافی مانگی تو میرا دل غموں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ نوینہ نے میرے ساتھ جو بھی کیا وہ تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جو میں اپنی ماں کے ساتھ کرتی آئی تھی اور اس پر میں کبھی نہ پشیمان تھی نہ شرمندہ اور معذرت اور معافی جیسے لفظ تو میری لغت میں تھے ہی نہیں اور وہ ایک ماں کا دل تھا جو ایک دو روز ناراض رہ کر خود ہی مان جاتی تھی اظہار کیے بغیر کہ میں نے اس کا کتنا دل دکھایا ہے۔

امی بالکل ٹھیک ہو کر گھر آ گئیں اور ہم دونوں بہنوں کے بدلتے رویوں سے حیران ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوش بھی ہیں اور اکثر کہتی ہیں۔ یہ حادثہ میری خوشیوں کا سنگ میل ثابت ہوا کہ جس نے میری بیٹیوں کو میرا دوست بنا دیا اور ایک اور مزے کی بات بتاؤں کہ میڈیکل کالج میں مجھے وہ لڑکا بھی ملا جو بھی ہمارے گھر آیا تھا مجھ سے تین سال سینئر اور اب وہ میرا منگیتر بھی ہے۔ کبھی کبھی وہ مجھے ہنس کر کہتا ہے۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی بگڑی ہوئی خود سر لڑکی ہو جو اول جلول لباس میں، میں نے دیکھی تھی۔" اور میں شرمندہ ہو کر جھینپ جاتی ہوں۔

جب تصور میرا چپکے سے تجھے چھو آئے
اپنی ہر سانس سے مجھ کو تیری خوشبو آئے
پیار میں ہم نے کوئی فرق نہ چھوڑا باقی
جھیل میں عکس تو میرا ہو نظر تو آئے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ولید اور انا کی منگنی کا سن کر کاشفہ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتی نہایت جارحانہ انداز میں ولید سے استفسار کرتی ہے جس پر ولید بھی حامی بھر لیتا ہے کہ وہ انا کو پسند کرتا ہے اور کاشفہ کی حیثیت صرف ایک دوست کی تھی۔ ولید کے منہ سے یہ حقیقت جان کر کاشفہ اپنی ذات کی توہین برداشت نہ کرتے ہر صورت ولید کو حاصل کرنے کے درپے ہو جاتی ہے جبکہ ولید کاشفہ کے اصل ارادوں کو جان کر صدمے سے دوچار ہوتا ہے۔ رابعہ کو عادلہ کی دھمکیوں اور بدترین نتائج سے بچانے کی خاطر عباس عادلہ کو زبردستی ایک کمرے میں بند کرتا ہے اور رابعہ سے تمام معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن عادلہ صاف انکار کرتے ہوئے عباس کو بھی دھمکیاں دیتی ہے۔ جس پر عباس کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا ہے۔ وہ عادلہ کو تاریک کمرے میں بند کر کے رابعہ کو ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے لیکن رابعہ استعفیٰ دینے کی بات کرتے آئندہ آفس نہ آنے کا کہتی ہے جس پر عباس اسے پچھلے جاب نہ چھوڑنے کا ایگریمنٹ یاد دلاتا ہے اور گزشتہ تمام رویوں کی معافی مانگتا ہے جس پر رابعہ آفس آنے کی حامی بھر لیتی ہے۔ ابوبکر رابعہ کے پروپوزل کو لے کر حیرت کا شکار رہتا ہے وہ ان لوگوں کو اپنے ماضی اور زندگی کے اصل حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ سب اس کے عمدہ اخلاق کے قائل ہوتے ان باتوں سے عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ شہوار، مصطفیٰ اور گھر والوں کے ہمراہ شاپنگ پر جاتی ہے اور کافی دیر بعد انہیں شادی کے ڈریسز پسند آتے ہیں گھر آ کر وہ زبردستی شہوار کو ڈریسز اور زیور ٹرائی کرنے کا کہتے ہیں جس پر شہوار خاموشی کا مظاہرہ کرتے ان کی بات مان لیتی ہے دریہ کے لیے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے موقع ملتے ہی وہ شہوار کی ذات کو تحقیر کا نشانہ بناتی ہے جواباً شہوار بھی دوبدو جواب دیتی دریہ کو حیران کر دیتی ہے جب ہی وہ کڑے تیور لیے شہوار کی جانب لپکتی ہے لیکن عین وقت پر مصطفیٰ وہاں پہنچ کر دریہ کے ارادے ناکام بنا دیتا ہے مصطفیٰ کو دیکھ کر شہوار کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور وہ اپنا تمام غصہ مصطفیٰ پر نکالتے کمرے میں آ جاتی ہے جبکہ مصطفیٰ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

مصطفیٰ سیدھا دریہ کے پاس اوپر ٹیرس پر چلا آیا تھا۔

"کیا کہا ہے تم نے شہوار سے؟" مصطفیٰ نے آتے ہی پوچھا تو دریہ چونک کر پلٹی۔

"کیا کہہ سکتی ہوں میں اس سے۔" انداز استہزائیہ تھا۔

"دیکھو دریہ میں اب تک تمہارے رویوں پر خاموش رہا تھا تو صرف اس لیے کہ تم ہماری تایازاد ہو اور ایک عرصے بعد مل رہی تھیں مگر اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ میں اب ہر جائز و ناجائز خاموشی سے برداشت کروں گا۔" مصطفیٰ کا انداز قطعی تھا۔

"مجھے اندازہ ہے تم نے شہوار سے کیا کہا ہوگا مگر ایک بات میں بہت اچھی طرح واضح کر دوں میں ذرا اور ٹائپ کا بندہ ہوں زندگی کا ایک طویل حصہ امریکیوں کے ساتھ گزرا ہے اگر مجھے بے باکی اور بے حجابی اٹریکٹ کرتی تو میں کبھی سنگل پاکستان نہ آتا اور تمہارے دل و دماغ میں کوئی غلط فہمی ہے تو وہ نکال باہر کرو تمہارے یہ انداز میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اب تک خاموش تھا تو صرف تمہاری عزت کی خاطر کہ تم انسلٹ فیل نہ کرو۔" مصطفیٰ کا سرد و تلخ انداز تھا دریہ یکدم چیخ گئی۔

"مصطفیٰ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"نہیں میں حقیقت بیان کر رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ شہوار میری بیوی ہے اور اس کی عزت میری عزت ہے جو کوئی اسے کچھ کہے گا میں اس سے پھر کوئی مروت نہیں رکھوں گا میں حسن اور دولت سے زیادہ اخلاق اور کردار کو ترجیح دیتا ہوں اور اپنے پوائنٹ میں اچھی طرح فٹ کر لو کہ آئندہ تم شہوار سے کچھ نہیں کہو گی سنا تم نے......" مصطفیٰ نے بہت غصے سے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"شہوار...... مائی فٹ...... تم اس دو ٹکے کی لڑکی کا مجھ سے مقابلہ مت کرو میں ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ خود کیا ہے جس کا ایک ماں کے علاوہ کوئی نام و نشان ہی نہیں۔" دریہ استہزائیہ انداز اور طنز سے کہہ رہی تھی۔

"شٹ اپ۔" مصطفیٰ نے یکدم اسے ٹوکا۔

"تمہارے انہی الفاظ اور ایٹی ٹیوڈ نے اسے یقیناً ہرٹ کیا ہے۔ دیکھو دریہ تم میری کزن ہو اگلی بار تم نے شہوار کے ساتھ کوئی مس بی ہیو کیا تو میں لحاظ نہیں کروں گا۔ رہ گئی شہوار اس کی ذات کا حوالہ میں ہوں مجھے وہ ہر لحاظ سے قبول ہے مجھے فرق نہیں پڑتا کہ اس کا خاندان کون تھا اور وہ کہاں سے تھی۔ وہ میری فیملی کی چوائس اور میری پسند ہے۔" بہت سخت انداز میں مصطفیٰ نے اسے گھورا تو دریہ لب بھینچ گئی۔

"تم جس کام کے لیے پاکستان آئی ہو آرام و سکون سے وہ کام کرو نہ کہ دوسروں کی ذات کے بخیے ادھیڑو تم میری تایازاد اور ہماری مہمان نہ ہوتیں تو میں اچھی طرح سمجھاتا کہ دوسروں کی ذات پر کیچڑ اچھالنا کسے کہتے ہیں۔ شہوار میری بیوی ہے یہ بات تم کبھی مت بھولنا۔" تلخی سے کہتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ دریہ مٹھیاں بھینچے بڑے ضبط سے اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔

عبدالقیوم، ایاز کے پاس آئے تھے ایاز اس جبری قید سے مکمل طور پر اکتا چکا تھا باپ کو دیکھتے ہی وہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔

"ڈیڈ مجھے کیوں آپ نے یہاں قید کر دیا ہے۔ میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس ساری روٹین سے موبائل فون کوئی بھی چیز نہیں میرے پاس۔ مجھے آخر کب تک اس طرح ایک جگہ قید ہو کر رہنا پڑے گا۔" عبدالقیوم نے بیٹے کو گھورا۔

"یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم ہر بار ایک ہی تقاضا کر کے میری مشکلات میں مزید اضافہ کر دیتے ہو ایک طرف عادلہ کی گمشدگی نے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم کر دی ہیں اور اوپر سے تمہاری یہ ضد۔"

"کیا ابھی تک عادلہ کا علم نہیں ہوا؟" بہن کا سن کر ایاز قدرے دھیما ہوا۔ عبدالقیوم نفی میں سر ہلاتے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان کا تھکا تھکا سا انداز تھا۔

"نہیں...... سمجھ نہیں آتا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ میں نے ہر جگہ اسے تلاش کر کے دیکھ لیا مگر کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"تو پھر کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا اس کے ساتھ۔" ایاز نے پوچھا۔

"کتنے دن ہو چکے ہیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی اطلاع تو ملتی، کوئی خیر خبر۔ میں نے تو اس شہر کے ہر اسپتال، ہر تھانے ہر جگہ

تلاش کروا رکھا ہے سوائے مصطفیٰ کے آفس کے۔"

"آپ نے ایف آئی آر درج کرائی؟" عبدالقیوم نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں...... میں اگر ایف آئی آر درج کراتا تو بات بہت پھیل جاتی تھی اور مصطفیٰ کے گھر تک بھی یہ بات پہنچ جاتی تو نجانے لوگ کیا کریں، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں جو بھی ہے عادلہ اب بھی ان کی بہو ہے اور میں ان کے مزید ایکشن کو افورڈ نہیں کر سکتا۔" پریشانی سے کہا تھا۔

"مگر میں اس طرح کب تک قید رہ سکتا ہوں، موبائل فون تک نہیں ہے کسی دوست سے کوئی رابطہ نہیں، مجھے لگتا ہے کہ میں کسی جیل میں بند ہوں۔" اس کا انداز اکتایا ہوا تھا۔

"تم شہوار پر حملہ کرنے سے پہلے سوچتے تو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔ مصطفیٰ کے ساتھی ہر وقت ہماری تلاش میں ہیں تمہیں اندازہ نہیں کہ میں کس طرح تمہارے پاس آتا ہوں تمہاری ماں کو بھی کہہ رکھا ہے کہ تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیا ہے مگر دن رات مصطفیٰ کا گھیرا بہت سخت ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں بہت دن تک تمہیں یہاں بھی چھپا کر رکھ سکوں گا۔" ایاز ایک دم خاموش ہو گیا۔

"مصطفیٰ پچھلی تمام فائلز کھلوا چکا ہے اور بھی بہت سے کیسز اوپن ہو رہے ہیں میں بس اسی کوشش میں ہوں کہ کسی نہ کسی طرح تمام اثاثے بیرون ملک منتقل کر دوں۔ جو تھوڑا بہت رہ گیا وہ بعد میں دیکھیں گے فی الحال تو جان بچانا مقصد ہے۔"

"اوہ...... کیا واقعی صورت حال بہت زیادہ گمبھیر ہو چکی ہے؟"

"ہاں، ہو سکتا ہے اب میں ایک دو دن تک یہاں نہ آ سکوں۔ یہ بظاہر ہر لحاظ سے محفوظ جگہ ہے مگر پھر بھی اگر میں نہ آ سکوں اور کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو تم تیار رہنا کہیں اور منتقل کر دوں گا پھر۔" ایاز نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ ایک بار مصطفیٰ کی مار کھا چکا تھا دل میں لاکھ انتقام کا جذبہ تھا مگر فی الحال وہ اپنی پوزیشن مضبوط کرنا چاہتا تھا، اپنی جان بچانا چاہتا تھا اور اس کے بعد ہی وہ کسی اور طرف دیکھنے کی ہمت کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں کوئی حماقت مت کرنا، میں حالات دیکھ کر ہی کوئی حتمی قدم اٹھاؤں گا۔ بس دعا کرنا تمہاری بہن مل جائے یا کوئی خیر خبر ہی آ جائے پھر ہی میں باقی معاملات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہوں ورنہ بہت پرابلم ہو جائے گی۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایاز نے خاموشی سے سر ہلایا۔

انہوں نے وہاں سے نکلنے سے پہلے اپنا حلیہ بدلا اس وقت وہ ایک عام گھریلو ملازم کے حلیے میں تھے گھر سے نکلتے ہی عبدالقیوم آدھی رات کی گہری تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔

اگلے دن وہ حویلی کے لیے روانہ ہو گئی تھی سجاد بھائی چھوڑنے آئے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ان سب نے محض شادی سے دو دن پہلے گاؤں پہنچنا تھا اور پھر وہیں سے دلہن کو رخصت کروا کر واپس شہر والے گھر میں لانا تھا اور ولیمہ دن میں میرج ہال میں تھا۔

زہرہ پھپھو وہاں پہلے سے ہی فیملی سمیت موجود تھیں۔ زاہد بھائی، زبیر بھائی، شائستہ بھابی، رشا بھابی کے علاوہ عاصمہ بھی موجود تھے۔ البتہ پھپھو زینب کی فیملی کا ارادہ (کچھ لوگوں کا) شہر روانہ ہونے کا تھا اور کچھ کا یہاں گاؤں آنے کا حسن انکل اور ان کی فیملی کا بھی عین وقت پر آنے کا پروگرام تھا۔

جسمانی تھکن کے ساتھ ساتھ ذہنی تھکن زیادہ ہوتی ہے وہ سارا راستہ خود سے لڑتی الجھتی رہی تھی اور گاؤں آنے کے بعد وہ سب سے مل کر کمرے میں چلی آئی۔ وہ کچھ دیر کے لیے لیٹی تو یونہی لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی تھی کہ موبائل کی ٹون سے نیند ٹوٹ

گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے ہی موبائل دیکھا اور پھر نام دیکھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اسے ودیہ کی وجہ سے مصطفیٰ کے ساتھ اپنا رویہ یاد آنے لگا تو دل میں ندامت کا بوجھ بڑھنے لگا۔ وہ مصطفیٰ کے ساتھ کبھی بھی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر نجانے کیوں ہمیشہ ایک جیسی ہی غلطی کر جاتی تھی۔ اس کے بعد تو وہ مصطفیٰ کے سامنے بھی نہیں گئی تھی ویسے بھی آج کل اس سے سامنا کم ہی ہو رہا تھا صبح وہ آفس چلا گیا تھا اور دوپہر میں وہ لوگ نکلے تھے اور اب اس کی کال آ گئی تھی۔

اس نے خاموشی سے کال پک کی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے لیٹے لیٹے ہی کہا نیند کی وجہ سے آواز بوجھل سی ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام، خیریت طبیعت ٹھیک ہے۔" دوسری طرف مصطفیٰ آواز کی تبدیلی فوراً محسوس کر گیا تھا۔

"جی......" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر آواز سے لگ تو نہیں رہا۔" مصطفیٰ کی آواز میں تشویش تھی شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں ٹھیک ہوں سوئی ہوئی تھی اس وجہ سے آواز بھاری ہو رہی ہے۔"

"اوکے...... سفر کیسا گزرا؟"

"ٹھیک گزر گیا، سجاد بھائی سے رابطہ تو رکھا ہوا تھا آپ نے کیا انہوں نے نہیں بتایا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا دوسری طرف مصطفیٰ ہنس دیا۔

"بتایا تو تھا مگر جس طرح ایاز غائب ہے تو بس مجھے ہر وقت ہی خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ کوئی کارروائی نہ کر ڈالے بس سارا وقت دھیان ادھر ہی رہا تھا۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر بتایا تو شہوار کے اندر ایک عجیب سا دکھ سرایت کر گیا۔ مصطفیٰ کے اس قدر محتاط اور کیئرنگ انداز سے اس کے ہونٹ منجمد ہو گئے تھے وہ جو کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال کر اس سے الجھنے لگی تھی ایاز کی اس حرکت کے بعد وہ گم صم ہو گئی تھی۔

"اچھا خیر چھوڑیں یہ بتائیں باقی لوگ کیسے ہیں علم ہوا تھا زہرہ پھپھو فیملی آ چکی ہیں۔" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"جی، سبھی موجود ہیں۔"

"سجاد بھائی بتا رہے تھے کہ خوب رونق لگا رکھی ہے سبھی نے۔"

"ہو سکتا ہے، میں آتے ہی کمرے میں آ کر سو گئی تھی کسی سے بھی ابھی تفصیلی بات چیت نہیں ہوئی۔" اس نے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

وہ لوگ حویلی عصر کے وقت پہنچے تھے وہ نماز پڑھ کر لیٹی تھی اور اب مغرب ہو رہی تھی۔

"اوکے مغرب کی اذان شروع ہو گئی ہے، پھر بات ہوگی۔" اس نے کہا۔

"تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جاناں
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا"

مصطفیٰ کے انداز پر جھینپ کر اس نے خاموشی سے موبائل بند کر دیا۔

وہ ہمیشہ اس رشتے سے انکار کرتی آئی تھی اور اب یہ سب خاموشی سے سہنا بھی بڑا تکلیف دہ امر لگ رہا تھا۔

شہوار نماز پڑھ کر باہر آ گئی۔

"دلہن صاحبہ تو آتے ہی غائب ہو گئی تھیں میں نے ایک دو بار تمہارے کمرے میں آنا بھی چاہا مگر امی نے منع کر دیا کہ سفر کی وجہ سے تھکی ہوئی ہوگی آرام کرنے دو۔" وہ باہر آئی تو عاصمہ نے کہا تھا وہ مسکرا کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ وہاں شادی کی تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟"

"یہ تو تم ان لوگوں سے ہی پوچھنا، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں تمہارے سامنے تیاریاں نہیں کرتے تھے یا تم سے کوئی پردہ تھا۔" رمشا بھابی بھی وہیں موجود تھیں انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

"میں اپنی اسٹڈی میں زیادہ تر بزی رہی ہوں، شاپنگ وغیرہ پر بھی کبھی نہیں گئی صرف ایک دو بار کے علاوہ سو مجھے اندازہ نہیں کہ کیا کیا تیاریاں کی ہوں گی۔" اس نے آرام سے کہا تو عاصمہ نے منہ بنایا۔

"ہاں، جس طرح تم آدم بے زار رہتی ہو تم سے کسی ایسے ہی ردعمل کی توقع کی جا سکتی ہے، تمہاری جگہ میں ہوتی تو ہر جگہ پیش پیش ہوتی۔"

"بس اپنا اپنا مزاج ہے، کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے جواباً مسکرا کر کہا۔

"امی کدھر ہیں؟" یہاں آنے کے بعد اس نے تائی وغیرہ سے صرف سلام دعا کی تھی اب ان کی غیر موجودگی محسوس کی تو رمشا اور عاصمہ کو دیکھا۔

"تمہاری امی اور بھابی کے ہمراہ نزدیکی بازار گئی ہیں۔ اب تو آنے والی ہیں کہہ تو رہی تھیں مغرب سے پہلے آجائیں گی۔" عاصمہ نے ہی جواب دیا۔

وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی یہاں ملازمائیں کھانا تیار کر رہی تھیں۔

"کچھ چاہیے شہوار بی بی۔" تاج اسے کچن میں دیکھ کر فوراً قریب آئی۔ بالکل مالکوں کی طرح عزت دی جاتی تھی۔ شہوار کے اندر ایک پھانس سی چبھی تھی۔

"نہیں پانی پینا تھا بس۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

تاج نے فوراً گلاس میں پانی بھر کر اسے تھمایا اور وہ خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔

"حویلی میں تو بڑی رونق ہے آج کل شہوار بی بی اور عاصمہ بی بی ڈھولک لے کر بیٹھ جاتی ہیں گاؤں کی خواتین اور لڑکیاں بھی آ جاتی ہیں۔ پھر خوب رونق لگتی ہے، ہم تو روز اپنا آپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اب آپ آ گئی ہیں تو دیکھیے گا کیسا مزا آتا ہے۔" تاج اسے دیکھ کر بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

ہر جگہ بس یہی ایک ٹاپک چل رہا تھا شادی کی تیاریاں، مصروفیات منصوبے، وہ خاموشی سے گلاس رکھ کر اٹھ گئی۔

"ویسے شاہزیب صاحب اور باقی لوگ کب آئیں گے۔" تاج نے اس سے مزید پوچھا۔

"پتا نہیں، اگر زیادہ جاننے کی جستجو ہے تو امی سے پوچھ لیں شاید ان کے علم میں باقی تفصیل ہو۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ کچن سے نکل آئی اور کمرے میں آ کر اس نے موبائل لے کر کال ملائی تھی دوسری طرف ثنا تھی۔

"کیسی ہو؟" سلام دعا کے بعد پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تم خیریت سے پہنچ گئیں؟" ثنا نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تم کب تک آؤ گی؟"

"جب سب آئیں گے میرا مطلب ہے ولیمہ وغیرہ کا جب پروگرام بنے گا۔"

"تم جانتی ہو کہ میں آج کل کس اذیت سے گزر رہی ہوں، میں بہت تنہائی اور اکیلا پن محسوس کرنے لگی ہوں پلیز تم جلدی آجاؤ میں یہاں اگر اسی طرح اذیت کا شکار رہی تو شاید پاگل ہو جاؤں۔" شہوار نے بہت تکلیف سے کہا۔

"کیا ہوا، خیریت؟" دوسری طرف ثنا پریشان ہوئی۔

"پتا نہیں، جوں جوں دن گزر رہے ہیں میں بہت پریشان ہو رہی ہوں میں بہت کوشش کر رہی ہوں کہ کسی نہ کسی طرح نارمل ری ایکٹ کروں لیکن نہیں کر پا رہی۔" شہوار کے انداز میں بے بسی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"میں نے ہمیشہ مصطفی کے سامنے اس رشتے سے بیزاری، اکتاہٹ کا اظہار کیا ہے اور اب اس کو اگر مان لیتی ہوں تو پتا نہیں وہ کیا سوچے؟ میں بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں اپنی بہت سی باتوں کے لیے۔"

"دیکھو شہوار ڈونٹ بی ایموشنل یار، تم یہ بھی تو سوچو کہ مصطفی بھائی نے کبھی بھی تمہیں تمہارے رویے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا وہ ایک میچور شخص ہیں وہ تمہاری فیلنگز کو جسٹی فائی کرتے ہیں تم ان کے بارے میں اچھا اچھا سوچو باقی سب بھول جاؤ۔" ثنا نے رسانیت سے سمجھایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہی تو پرابلم ہے کہ میں کچھ بھی اچھا نہیں سوچ پا رہی۔ دنیا جہاں کی منفی سوچوں نے میرے دل و دماغ میں اودھم مچا رکھا ہے اور میں کسی سے کچھ شیئر بھی نہیں کر سکتی پلیز جلدی سے آنے کی کوشش کرو میں بہت تمہیں مس کر رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

"اوکے ڈونٹ وری میں ماما اور ولی سے بات کروں گی اگر ابھی آنا ممکن ہوا تو ضرور آؤں گی۔" ثنا نے فوراً ہامی بھر لی۔

"تھینکس، تم آنٹی سے آج ہی بات کر لینا میں ویٹ کروں گی، اگر آنے جانے کا پرابلم ہے تو اس بات کی تم فکر مت کرو میں کسی کو کہہ دوں گی تمہیں گاؤں لے آئیں گے یا پھر میں گھر میں فون کر دوں گی کوئی نہ کوئی معقول ارینج ہو جائے گا۔" شہوار نے فوراً کہا تو ثنا ہنس دی۔

"اوکے میں ماما سے بات کر کے بتا دوں گی تم پریشان مت ہو۔" ثنا نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو شہوار کے دل کو کچھ تسلی سی حاصل ہوئی۔

"تھینکس ڈیئر۔"

"میرے پاس ایک اور بھی سلوشن ہے کہو تو بتا دیتی ہوں۔" ثنا نے مسکراتے ہوئے کہا اور شہوار چونکی۔

"کیسا سلوشن؟"

"جتنے دن شادی کے باقی ہیں ان میں تم دن رات مصطفی بھائی سے بات کیا کرو، کچھ تمہیں تمہارے اوہام و خدشات کا علم ہوگا اور کچھ تمہیں ان کی طرف سے ملنے والی محبت اور پیار سے اعتماد حاصل ہوگا۔ پھر تمہیں میری ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔" ثنا کا انداز شرارتی تھا وہ جھینپ گئی۔

"بکواس مت کرو تم جانتی ہو کہ اگر ہمارے درمیان یہ سب اشوز نہ ہوتے تو بھی میں ان سے بات کبھی بھی نہ کرتی۔"

"تو.... وہ تمہارے شوہر ہیں مضائقہ کیا ہے؟"

"ابھی صرف نکاح ہوا ہے مجھ پر ان کے حقوق و فرائض کی ابھی کوئی شق واجب العمل نہیں ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس اسی پوائنٹ پر آ کر تم مار کھا جاتی ہو، ابھی تم ان سے متعلق اپنے رویوں پر نادم ہو رہی تھی اور ابھی ایک دم سخت پتھریلا بے لچک انداز اپنا لیا ہے۔ اٹ از ناٹ فیئر یار، نکاح ہوا ہے یا رخصتی بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ وہ تمہارے قانونی اور شرعی شوہر ہیں اور رہی حقوق و فرائض کی بات تو تم ان کی پابند ہو۔" ثنا نے حقیقت بیان کی تھی وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"پتا نہیں، بس میں کوشش تو کر رہی ہوں تاکہ پرانے رویوں کو بھول کر نئے انداز اپناؤں، کچھ وقت تو لگے گا نا اب ایک دم بدلنے سے تو رہی۔"

"دل کو مت بدلو، بس دل میں ان سے متعلق اچھے اچھے جذبات پیدا کرلو اور شادی کے اچھے خواب دیکھو۔" انا نے ہنس کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"ایک بات تو بتاؤ؟" انا نے پوچھا۔

"کیا؟"

"کتنے ماہ نکاح رہا ہے تمہارا، یہ درمیانی الفاظ نکال کر ایک طرف رکھ کر سچ سچ بتاؤ محبت کرتی ہو مصطفیٰ بھائی سے؟" لہجہ میں شرارت تھی۔

"نکاح کے بول، نکاح کا احساس کسی بھی ایسے دل کو متوجہ کرلیتا ہے جس دل میں پہلے سے کوئی مکین آباد نہ ہو، میں نے ایک صاف ستھری زندگی گزاری ہے شاید ایک نارمل انسان کی طرح زندگی میں لیلاز، حادثہ، بھائی اپنا فیملی بیک گراؤنڈ جیسے واقعات و کمپلیکس نہ ہوتے تو میں مصطفیٰ کی پروقار شخصیت سے متاثر ہو کر دل کو کوئی روگ لگا لیتی۔ میں ان کی عزت کرتی ہوں مصطفیٰ کے لیے نیک جذبات رکھتی ہوں مگر محبت وحبت کے بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا۔" شہوار نے آہستگی سے سوچ سوچ کر جواب دیا۔

"توبہ اچھی لڑکیاں اسی طرح کی محبت کرتی ہیں فلمی و ڈرامائی محبت ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا لڑکی۔ محبت ان کے اندر جنم لیتی ہے اور ان کی حیا و کردار کی چادر میں ہی چھپی رہتی ہے وہ اپنی زبان کے اظہار تک اس محبت کو نہیں لاتیں محبوب کی عزت کرکے اس کی ہر بات مان لی اور اس کے لیے نیک جذبات رکھ لیے اس سے زیادہ نیک اور اچھی لڑکیاں کچھ نہیں کر پاتیں۔" انا نے ہنس کر کہا تھا تو شہوار بھی ہنس دی۔

"تم محبت کی بہت اچھی تشریح کرلیتی ہو۔"

"ذرہ نوازی ہے تمہاری۔" انا نے ہنستے ہوئے کہا تو شہوار بھی ہنس دی۔ اس کا موڈ انا سے بات کرکے کافی حد تک فریش ہوگیا تھا۔

"اب تم مصطفیٰ بھائی کے دن رات اچھے اچھے خواب دیکھو، میں بھی اگر ماما نے اجازت دے دی تو فوراً آنے کی کوشش کرتی ہوں ٹھیک ہے۔"

"او کے...... میں ویٹ کروں گی۔" اس نے بھی حامی بھرلی تھی۔

"اور ہاں میرے دوسرے مشورے پر بھی عمل کرسکتی ہو ساری بے زاریت فرسٹریشن اور قنوطیت سر پر پاؤں رکھ کر دم دبا کر بھاگ جائے گی۔"

"کون سا مشورہ۔"

"یار یہی جو ابھی بتایا ہے مصطفیٰ بھائی سے دن رات فون پر بات کرنے والا طبیعت میں افاقہ ہوگا پیار بھری باتیں اور مستقبل کے سہانے خواب تمہیں تو میں پھر یاد ہی نہیں ہوں گی۔" انا نے ہنستے ہوئے کہا تو شہوار کانوں تک سرخ ہوگئی تھی۔

"بدتمیز، بہت فضول بولتی ہو تم، اب بات نہیں کرنا مجھ سے۔" اس نے خفگی سے کہتے کال ڈراپ کردی مگر چہرہ ابھی بھی سرخ ہو رہا تھا۔

"کتنی فضول لڑکی ہے یہ انا بھی۔" موبائل بستر پر ڈالتے وہ انا کی باتوں کو یاد کرتے ایک بار پھر پزل سی ہونے لگی تھی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

مصطفیٰ نے ولید کو فون کیا کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کرنا چاہتا تھا ولید اپنے تمام کام پس پشت ڈال کر اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

ولید اور مصطفیٰ شادی کے لیے مختلف چیزیں خرید رہے تھے تین چار دن بعد ان سب کو حویلی روانہ ہونا تھا اور مصطفیٰ کو ابھی جاب سے ہی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ سو آج خصوصی طور پر وقت نکال کر وہ ولید کے ہمراہ آیا تھا۔ ولید اپنے لیے مختلف شرٹس دیکھ رہا تھا جب ایک طرف سے نکل کر کاشفہ ولید کے سامنے کھڑی ہوئی۔

"ہیلو۔" ولید نے چونک کر دیکھا کاشفہ کو دیکھ کر حیران ہوا۔

"ہیلو تم ادھر؟"

"مجھے اپنے بھائی کے لیے کچھ شاپنگ کرنی تھی بس اسی سلسلے میں یہاں آئی تھی۔ تم سناؤ کیسے ہو، میری کال کیوں نہیں پک کررہے؟"

وہ فوراً سوال و جواب پر اتر آئی تو ولید نے ایک گہرا سانس لیتے اطراف میں دیکھا مصطفیٰ دوسری طرف جینٹس واچ کی شاپ میں کچھ واچز دیکھ رہا تھا۔

"بس بہت بزی تھا سوچا تھا کہ فرصت ملتے ہی تم سے خود ہی رابطہ کروں گا۔" مسکرا کر کہا تو کاشفہ نے بغور دیکھا۔ ولید کی مسکراہٹ بڑی اٹریکٹو تھی۔

"تم مجھ سے اس دن کی کال کے بعد ناراض ہو نا؟" کاشفہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں، وہ تمہارے ذاتی سوال و جواب تھے۔ میں ناراض نہیں ہوں۔"

"تو پھر تم مجھ سے مسلسل اوائیڈ کیوں کررہے ہو، اول تو کال ہی پک نہیں کررہے ہو اور اگر کبھی لو تو ٹال جاتے ہو۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"بتایا تو تھا کہ بزی تھا۔" اس نے اسے جواب دے کر اس جانب دیکھا جہاں مصطفیٰ تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر اسی طرف آرہا تھا، کاشفہ کی مصطفیٰ کی طرف پشت تھی۔

"تو پھر کب ملو گے، دیکھو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اگر آج پاسبل ہے تو ہم کہیں باہر ملتے ہیں۔" کاشفہ کہہ رہی تھی۔

"دیکھیں میں اس وقت کسی دوست کے ساتھ ہوں میں آپ کو فارغ ہوتے ہی کال کروں گا۔ اس وقت چلتا ہوں۔" مصطفیٰ نزدیک آرہا تھا ولید نے مسکرا کر کہا تو کاشفہ نے سر ہلا دیا۔

"اوکے، میں ویٹ کروں گی۔ بی بائے۔" وہ کہہ کر دوسری طرف بڑھ گئی تھی۔ ولید بھی مصطفیٰ کی طرف چلا آیا۔

"کون تھی وہ؟ کس کے ساتھ کھڑے تھے؟" مصطفیٰ لڑکی کو دیکھ چکا تھا مگر صرف پشت سو مشکوک نظروں سے ولید کو دیکھا۔

"بس ایک جاننے والی تھی۔ مجھے یہاں دیکھا تو سلام دعا کرنے لگی۔" مصطفیٰ نے مشکوک نظروں سے ولید کو چند پل دیکھا۔

"ایسے کیوں گھور رہے ہو؟" ولید نے ٹوکا تو وہ ہنس دیا۔

"دیکھ رہا ہوں پاکستان آکر بھی تمہاری متاثرین کی تعداد برقرار ہے۔"

"شٹ اپ، ایسی کوئی بات نہیں۔" مصطفیٰ کی بات پر جھینپ کر ولید نے ٹوکا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"مجھے لگ رہا ہے خیر تم سناؤ انا کیسی ہیں؟"

"وہ ٹھیک ہے۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"اور شادی کا کب تک ارادہ ہے۔" مصطفیٰ نے چلتے چلتے پوچھا۔

"مجھے ابھی کوئی جلدی نہیں، انا کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہوجائے پھر دیکھیں گے۔" وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف آ گئے تھے۔

شاپنگ تقریباً ساری کر چکے تھے۔ دونوں نے پے منٹ کی تھی۔
"آؤ تمہیں اچھا سا لنچ کراتا ہوں۔" مصطفیٰ نے باہر آ کر کہا۔
"مگر اس گاڑی کا کیا ہوگا؟" ولید نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
"اسے کسی سائیڈ پر پارک کر دو واپسی پر دیکھ لیں گے۔" ولید نے سر ہلا کر ایک جگہ پر گاڑی پارک کی تھی اور خود مصطفیٰ کے ساتھ آ گیا۔
"میں نے اس لڑکی کا سائیڈ پوز دیکھا تھا یوں لگا کہ جیسے کہیں دیکھا ہوا ہے سائیڈ پوز اور فاصلہ تھا پہچان نہیں پایا کون تھی وہ۔" مصطفیٰ نے ڈرائیو کرتے پھر پوچھا۔
"بتا تو رہا ہوں ایک جاننے والی تھی۔"
"اس جاننے والی کا حدود اربعہ کیا تھا یہ بھی بتا دو میرا نہیں خیال کہ ہمارے درمیان کبھی کسی بھی معاملے میں پردہ داری رہی ہے۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو ولید بھی مسکرا دیا۔
"تمہیں یاد ہے کچھ عرصہ قبل میری گاڑی سے ایک لڑکی کی گاڑی ٹکرا گئی تھی اور پھر میں اسے اسپتال لے گیا تھا۔"
"ہاں تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کافی خوب صورت اور ویل آف فیملی سے تھی۔" مصطفیٰ نے مزید اضافہ کیا تو ولید ہنس دیا۔
"ہاں بس وہی لڑکی تھی۔" ولید نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ مصطفیٰ نے گھورا۔
"حیرت ہے ابھی تک رابطہ رکھا ہوا ہے سچ سچ بتاؤ یہ رابطہ تم نے رکھا ہوا ہے یا اس نے؟"
"تمہیں کیا لگتا ہے۔" ولید نے مسکرا کر پوچھا۔
"وہ کیتھی والے تجربے کو سامنے رکھ کر جواب دوں تو مجھے اس لڑکی پر ترس آ رہا ہے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو ولید کھل کر ہنس دیا۔
"وہ تو شکر ہوا کہ کیتھی پر میرے روشانے اور انکل کے سمجھانے کا اثر ہو گیا تھا جو اس سے ابھی تک دوستی برقرار ہے ورنہ تو جس طرح سوسائیڈ کر چکی تھی مجھے تو یقین تھا کہ تم پر قتل کا مقدمہ بن جاتا تھا۔" مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم جانتے ہو کیتھی والے معاملے میں میرا ایک پرسنٹ بھی کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تو شروع سے ہی ایموشنل لڑکی تھی اور میں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی ہی کی تھی۔"
"ویسے اس لڑکی کا حدود اربعہ کیا ہے؟" مصطفیٰ نے سر ہلا کر پوچھا۔
"کس کا، رابعہ کا؟" ولید نے کہا۔
"تو لڑکی کا نام رابعہ ہے؟" مصطفیٰ نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کر دی۔
"چھوڑو اس ٹاپک کو تم بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے ہمارے ساتھ چلو گے یا فیملی کے ساتھ۔" ولید نے سوال ٹال دیا تھا۔
"پتا نہیں بابا کا کیا آرڈر ہوتا ہے میرے متعلق تم بتاؤ تمہارے ہاں سے کون کون جا رہا ہے گاؤں؟" مصطفیٰ نے بھی دوبارہ نہیں پوچھا۔
"ابھی تو ہم چاروں یعنی میں، ادا، مومی اور احسن کا ہی پروگرام ہے باقی کسی کا ابھی موڈ نہیں بنا۔" مینو کارڈ دیکھتے ولید نے کہا مصطفیٰ چونکا۔
"کیوں...... انکل اور باقی لوگ نہیں چل رہے؟"
"بابا کی طبیعت کا تو تمہیں پتا ہے طویل سفر منع ہے پھر پھپھو کو بھی ان کی وجہ سے رکنا ہوگا اور انکل بزنس کی وجہ سے نہیں جا رہے۔"

"لیکن انکل کو تو ضرور آنا چاہیے تھا میں بہت ناراض ہوں گا۔" ویٹر آ گیا تو مصطفیٰ خاموش ہو گیا تھا انہوں نے مینو لکھوایا تو ویٹر چلا گیا پھر مصطفیٰ نے ولید کو گھورا۔
"انکل کو صاف کہہ دینا وہ اگر نہیں آئے تو میں خود آ کر زبردستی لے جاؤں گا۔"
"او کے کہہ دوں گا ابھی ایک دن باقی ہے شاید ان کا موڈ بن ہی جائے۔" ولید نے ٹالا تو مصطفیٰ نے گھورا تھا ولید کھل کر ہنس دیا۔

شاہ زیب صاحب نے اپنے تمام اسٹاف کو انوائٹ کیا تھا سر عباس نے بھی بطور خاص رابعہ کو اپنے بھائی کی شادی میں شمولیت کا کارڈ دیا تھا۔
رابعہ نے گھر والوں سے بات کی تھی مگر کوئی بھی اس کے اتنی دور جانے کے حق میں نہ تھا اگلے دن وہ سر عباس کے روم میں کسی فائل پر دستخط کرانے آئی تو عباس نے روک لیا۔
"ہمارا تقریباً سارا اسٹاف ریڈی ہے کچھ لوگ تو صرف فنکشن والے دن ہی آئیں گے اور کچھ لوگ صرف ولیمہ میں شرکت کریں گے آپ بتائیں آپ کا کیا پروگرام ہے۔" عباس نے براہ راست پوچھا۔
"ایم سوری سر مجھے اتنی دور جانے کی پرمیشن نہیں ملے گی ہاں میں ولیمہ اٹینڈ کر لوں گی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
"لیکن مس ہادیہ تو جا رہی ہیں اور چند اور خواتین بھی کل ہماری فیملی کے ساتھ ہی روانہ ہوں گی اور واپسی بھی ساتھ ہی ہوگی۔" عباس نے کہا تو وہ سر جھکا گئی۔
"ہادیہ اور ہمارے فیملی بیک گراؤنڈ میں بہت فرق ہے سر۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"تو ہمارا گھرانہ بھی بہت روایتی قسم کا ہے اور جو خواتین جا رہی ہیں وہ سب ہمارے فیملی فنکشن اٹینڈ کر چکی ہیں ہاں اس بار فنکشن ہمارا گاؤں میں ارینج ہے تو دو دن پہلے ہی موو کرنا پڑ رہا ہے لیکن یہ خواتین بے فکر ہو کر جا رہی ہیں۔" عباس کی بات پر وہ دھیمے سے مسکرا گئی۔
"سر ایسی بات نہیں ہے۔"
"مجھے تو یہی لگا کہ آپ بے اعتمادی کا اظہار کر رہی ہیں۔"
"نو سر بٹ میری فیملی میں کبھی بھی کوئی لڑکی تنہا اتنی دور کبھی نہیں گئی۔"
"او کے...... ایز یو وش۔" عباس نے سر ہلایا اور مزید کچھ نہیں کہا تو وہ کمرے سے باہر آ گئی تو ہادیہ اس کے کیبن میں موجود تھی۔
"سنا ہے تم سب لوگوں کے ہمراہ ان کے بھائی کی شادی کے سلسلے میں ان کے گاؤں جا رہی ہو۔" اپنی سیٹ پر بیٹھتے اس نے ہادیہ سے پوچھا۔
"کیوں تم نہیں جا رہی؟" ہادیہ نے الٹا سوال کیا۔
"تم اچھی طرح جانتی ہو میں ایسے فنکشنز اٹینڈ نہیں کرتی اور سب سے بڑی بات میں خود بھی نہیں جانا چاہتی اتنے بڑے اور اسٹیٹس والے لوگ ہیں میں تو سوچ کر ہی پریشان ہو رہی ہوں کہ اگر ولیمہ اٹینڈ کروں گی تو گفٹ کیا دوں گی۔" اس نے ہادیہ کے سامنے دل کی بات کہی تھی۔
"توبہ ہے۔ شاہ زیب صاحب نے میٹنگ میں صاف کہہ دیا تھا کہ جو بھی ان کے اسٹاف میں سے جائے گا وہ کوئی بھی گفٹ لے کر نہیں آئے گا۔ میں ان کے ہاں کے کئی فنکشنز اٹینڈ کر چکی ہوں اور ان کے اسٹاف ممبرز بھی وہ کسی سے بھی گفٹ

نہیں لیتے کوئی لے کر جائے تو تب بھی نہیں۔" ہادیہ نے بتایا۔
"پھر تو اور بھی شرمندگی والی بات ہے خالی ہاتھ جاتے ہوئے تو بندہ اور بھی برا لگتا ہے۔" وہ واقعی حیران تھی۔
"یہ باتیں چھوٹے گھروں میں سوچی جاتی ہیں سر جیسے لوگ نہیں سوچتے۔" رابعہ حیران تھی۔
"تم بتاؤ تم جا رہی ہو نا، پورے اسٹاف میں ہم پانچ خواتین تیار ہیں۔ باقی لوگ ولیمہ یہاں سے ہی اٹینڈ کریں گے۔"
"گھر والے اتنی دور بھیجنے پر بھی راضی نہ ہوں گے۔"
"میں تو جا رہی ہوں۔"
"تمہاری بات اور ہے تم لوگ عادی ہو مگر امی کبھی نہیں مانیں گی، ماموں کو منانا مشکل کام نہیں مگر امی ذرا پرانے خیالات کی ہیں وہ کبھی راضی نہیں ہوں گی۔"
"تم کہو تو میں بات کروں آنٹی سے۔" ہادیہ نے آفر کی۔
"فائدہ ہی نہیں۔"
"حرج ہی کیا ہے۔ واپسی پر تمہارے ہاں ہی چلتی ہوں اگر وہ راضی ہو گئیں تو بہت اچھی بات ہے ورنہ صبر کر لوں گی۔" گھڑی دیکھتے اس نے فوراً پروگرام سیٹ کیا۔
"ایک گھنٹے بعد آف ہونے والا ہے تم ریڈی رہنا میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔" وہ اسے کہہ کر چلی گئی تھی اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ایک گھنٹہ بعد وہ دونوں آفس سے نکل آئی تھیں۔
ہادیہ اس کے ساتھ ہی اس کے گھر آ گئی تھی۔ وہ تو اسے امی اور بھابی کے پاس بٹھا کر روم میں چینج کرنے چلی گئی تھی ابوبکر اور ماموں گھر پر نہیں تھے۔ وہ چینج کر کے لوٹی تو ہادیہ کولڈ ڈرنک پی رہی تھی اور امی نماز ادا کرنے جا چکی تھیں ہادیہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔
"مبارک ہو تم خواہ مخواہ مجھے ڈرا رہی تھیں میں نے آنٹی سے بات کی اور وہ مان گئی۔"
"امپاسبل؟" وہ واقعی حیران تھی بھابی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا تھا۔
"یہ سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے میں نے آنٹی سے بات ہی اس انداز میں کی ہے کہ آنٹی نے چند سوال کیے تھے کون کون جائے گا، کیسے لوگ ہیں، فلاں فلاں، میں نے بھی اچھے سے جواب دے دیا اب تم ریڈی رہو کل تم ہمارے ساتھ جا رہی ہو، اوکے۔"
"حیرت ہے مجھے تو امی نے انکار کر دیا تھا۔" وہ پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔
"یہ سب میری وکالت کا نتیجہ ہے۔ میں نے آنٹی کو اچھی طرح یقین دلایا کہ آپ اپنی اس ننھی منی بیٹی کی طرف سے بالکل بے فکر رہیے گا میں ہوں نا اس کی انگلی تھام کر اپنے پلو سے باندھ کر رکھوں گی۔ سائے کی طرح ساتھ رہوں گی اور بحفاظت صحیح سالم پوری کی پوری ان کو واپس لوٹا دوں گی۔" اس نے مذاق کے انداز میں کہا تو وہ بھی ہنس دی۔
"دفع ہو جاؤ۔"
"اب تم تیاری کرو جانے کی میں نے آنٹی سے وعدہ کیا ہے۔ تمہاری ذمہ داری اب میری ہے۔"
"لیکن سر لوگوں کو تو میں انکار کر چکی ہوں اگر میں اتنے دن غائب رہی تو میری جگہ وہ کس کو رکھیں گے۔"
"یہ سر لوگوں کا ہیڈک ہے۔ بھئی اہم لوگ جاب پر موجود ہوں گے اور ہم جو جا رہی ہیں نا ہماری جگہ دوسرے لوگ کام کریں گے بھی ایک ساتھ غائب نہیں ہوں گے۔" ہادیہ نے کہا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
"تمہیں پتا ہے ہم نے اس کا رشتہ طے کر دیا ہے۔" بھابی ان دونوں کے خاموش ہوتے ہی فوراً بولی تو ہادیہ فوراً چونکی تھی۔

"ہیں..... واقعی؟"
"بالکل۔" رابعہ جھینپی تھی اس نے اس بات کا ذکر ابھی تک ہادیہ سے نہیں کیا تھا۔
"کب، کس سے اور تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔"
"بس یاد ہی نہیں رہا۔" رابعہ نے فوراً صفائی دی۔
"اتنی بڑی بات اور یاد نہیں رہی۔" اس نے فوراً ناراضی سے گھورا۔
"لڑکا کیسا ہے، کیا نام ہے؟" ہادیہ نے بھابی سے پوچھا۔
"لڑکا اچھا ہے، نام ابوبکر ہے، عرصہ دراز سے باہر سیٹل تھا اب پاکستان آیا ہے اور یہیں گھر دیکھ رہا ہے۔"
"اوہ..... اچھا۔" ہادیہ ابوبکر نام سن کر ایک پل کو خاموش ہوئی اور پھر مسکرا کر کہا۔
"کوئی تصویر وغیرہ ہو گی؟" اس نے یونہی پوچھا۔
"نہیں لڑکا پاکستان میں ہی ہے۔" بھابی نے ہی بتایا۔
"رشتہ دار ہیں آپ لوگوں کے۔"
"نہیں اس کے بھائی کا دوست ہے۔" ہادیہ نے سر ہلایا۔
"باقی معلومات اس سے ہی لو میں ذرا گڑیا کو دیکھ لوں۔" بھابی کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ہادیہ نے رابعہ کو گھورا تو وہ مسکرا دی۔
"بہت بری ہو اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی تم نے۔"
"نہیں، خیر چھپائی تو نہیں میں سوچ رہی تھی کہ تم سے کیسے ذکر کروں؟"
"تم نے دیکھا ہے لڑکے کو۔" رابعہ نے گردن ہلائی۔
"بڑی چھپی رستم نکلی ہو ذکر تک نہ کیا۔" رابعہ ہنس دی۔
"ابھی جسٹ بڑوں میں ہی فیصلہ ہوا ہے باقاعدہ کوئی منگنی وغیرہ نہیں ہوئی۔ سہیل بھائی کو اپنے یہ دوست بہت پسند آئے تھے امی اور ماموں سے ذکر کیا اور ماموں بھی اس سے مل کر متاثر ہوئے تو اس سے باقاعدہ بات کی۔ براہ راست تو میری بات نہیں ہوئی مگر ماموں ہی ذکر کر رہے تھے کہ ابوبکر رشتے کے لیے راضی ہے وہ اپنا گھر دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ منگنی کے بجائے شادی ہو، فی الحال امی اور ماموں خاموش ہو گئے ہیں کہ پہلے وہ سیٹل ہو جائے پھر شادی کی بات چھیڑیں گے۔" رابعہ نے تفصیل سے ساری بات کہہ سنائی تو ہادیہ نے سر ہلا دیا۔
"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"
ہادیہ نے مسکرا کر سر ہلایا تو رابعہ اسے مزید تفصیل سے ابوبکر کے بارے میں بتانے لگی۔

وہ کالج سے آ کر سو گئی تھی سو کر اٹھی تو ہاتھ منہ دھو کر باہر آئی مگر ماما کے ساتھ کسی خاتون کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ وہ خاتون ماما سے سلام دعا کر کے رخصت ہوئیں تو وہ ماما کے پاس آ رکی تھی۔
"خیریت یہ خاتون کیوں آئی تھیں اور آپ بھی آج جلدی گھر آ گئی ہیں۔" اس کے لہجے میں تشویش تھی ماما مسکرا دی۔
"ہاں سب خیریت ہے۔" ماما کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ وہ حیران ہوتی کچن میں آ گئی تھی۔
مگر ماما کی مسکراہٹ اور اس عورت کی آمد کا مقصد رات میں کھل گیا تھا جب ماما پیکنگ کرنے اٹھی تھی اور روشی کو بھی کہا تھا جس پر ماما نے کہا تھا کہ وہ کہیں جا رہی ہیں تو وہ حیران ہوئی اس وقت لاؤنج میں وہ تینوں ہی تھیں۔
"کیوں بھئی؟" اس نے ماما اور روشی کو دیکھا روشی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔" ماما نے ہی جواب دیا۔
"کیا ہوا ہے طبیعت کو؟" وہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔ ماما نے مسکرا کر بہو کو دیکھا۔
"ماشاءاللہ سے روشی پریگننٹ ہے۔" ماما نے کہا تو وہ دنگ ہو کر دیکھنے لگی روشی کے چہرے پر بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔
"اس کی طبیعت چند دن سے مسلسل خراب تھی۔ مجھے کہہ بھی رہی تھی آج بھی تمہارے سونے کے بعد خراب ہوئی تو مجھے فون کیا تھا میں فوراً گھر آ گئی تھی ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی لے کر آئی تھی۔ شک تو ہم دونوں کو تھا ہی ڈاکٹر نے تصدیق بھی کر دی ہے۔"
"واؤ...... مبارک ہو بھئی۔" ماما کی زبانی تفصیل سن کر خوش ہو کر وہ روشی کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔
"اف...... یعنی میں اب پھپھو بن رہی ہوں، کتنی ایکسائٹڈ نیوز ہے نا۔" اس نے گرم جوشی سے روشی کو ساتھ لگایا تو ماما ہنس دیں۔
"مگر اب نہیں چاہتی کہ روشی شہوار کی شادی پر جائے شروع کے دن ہیں روشی کو اسپیشل کیئر کی ضرورت ہے۔ تم ولی اور احسن چلے جانا۔" ماما نے کہا تو اس نے منہ بسور کر کہا۔
"روشی کے بغیر خاک مزہ آئے گا۔"
"تین چار گھنٹوں کا سفر ہے میں کوئی رسک نہیں لے سکتی۔" ماما نے صاف انکار کر دیا۔
"احسن کی پیکنگ میں کر چکی ہوں ولی بھائی سے پوچھ لو کیا لے کر جا رہے ہیں اور جانے کا کیا پروگرام ہے اور کل کس وقت نکلیں گے؟" روشی نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
"گفٹ کیا دے رہی ہو شہوار کو؟" وہ اٹھی تو ماما نے پوچھا۔
"آپ بتائیں کیا دوں، شہوار سے بھی پوچھا تھا میں نے وہ تو صاف منع کر چکی ہے مگر اب خالی ہاتھ جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا نا۔"
"وہ لوگ روشی کے لیے گولڈ کی جیولری لائے تھے تم بھی اسی حساب سے کوئی چیز لے جاؤ پچھلے دنوں میں تمہارے لیے جو بریسلیٹ لائی تھی وہ دیکھ لو اگر مناسب لگتا ہے تو لے جاؤ ولید تو مصطفیٰ کا دوست ہے وہ کچھ بھی دے دلائے اس کی مرضی تم کوئی اچھی سی چیز ہی دو۔" ماما کے کہنے پر اس نے سر ہلا دیا۔
ماما نے اسے بریسلیٹ لا دیا تھا جو اسے پسند آیا تھا اس نے رکھ لیا تھا شاپنگ کی اسے کوئی خاص ضرورت نہ تھی ہر چیز موجود تھی اس نے اپنا سامان بیگ میں پیک کیا اور پھر وہاں سے نکل کر ماموں کے پورشن کی طرف چلی آئی تھی ولید اور احسن گھر آ چکے تھے اور کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اس نے ولید کے روم کے دروازے پر دستک دی۔
"یس۔" ولید کے کہنے پر وہ اندر داخل ہوئی تو ولید موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا اسے دیکھ کر فوراً پلٹا۔
"روشی کہہ رہی تھی آپ سے پوچھ لوں پیکنگ کیا کرنا ہے اور کل کیا پروگرام ہے۔" ولید کے سوالیہ دیکھنے پر اس نے فوراً کہا۔
"او کے کیتھی میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں آئی ایم جسٹ بزی او کے بائے۔" انا کیتھی کا نام سن کر ٹھٹک گئی تھی۔
"ہاں کیا کہہ رہی تھی تم؟" کال بند کر کے ولید اس کی طرف متوجہ ہوا۔
انا نے سنجیدگی سے دیکھا۔
"کل کا کیا پروگرام ہے، شہوار کئی بار کال کر چکی ہے ہم وہاں کب جائیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"کل مصطفیٰ اور اس کی فیملی اور باقی لوگ جا رہے ہیں۔ ہم بھی انہی کے ساتھ ہوں گے۔ جب وہ نکلیں گے ہم بھی روانہ

ہوں گے ہم اپنی گاڑی میں جائیں گے۔" ولید نے مسکرا کر کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
"اور پیکنگ۔" "روشی بیگ میں کافی کچھ رکھ چکی ہے باقی تم دیکھ لو۔" ولید نے سائیڈ پر رکھا بیگ نکال کر اس کے سامنے کیا۔
"آپ کا سامان ہے آپ کو ہی علم ہوگا کہ آپ کو وہاں کس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے آپ خود چیک کر لیں میں تو یاد دہانی کرانے آئی تھی کہ روشی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔" روکھے انداز میں کہہ کر وہ پلٹی تھی۔
"کیوں...... وہ کیوں نہیں جا رہی۔" ولید نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا کل شام تک تو وہ تیار تھی۔ اب انا کے چہرے پر ولید کے سوال سے ایک دم سرخی سی چھائی تھی۔
"اسی سے ہی ریزن پوچھ لیں مجھے کیا پتا۔" وہ کہہ کر جانے لگی اور پھر کچھ یاد آنے پر پھر پلٹی تھی۔
"آپ کی وہ دوست ہے نا کلثوم، نجانے اسے مجھ سے ایسا کیا کام پڑا ہے جو وہ آج ہمارے کالج آئی تھی میں اسپتال گئی ہوئی تھی ملاقات تو نہ ہوسکی مگر دوستوں نے بتایا تھا کہ کوئی کلثوم عبدالقیوم نامی لڑکی مجھے ڈھونڈ رہی تھی۔" ولید حیران ہوا۔
"کیوں، وہ تمہیں کیوں تلاش کر رہی تھی۔" انا نے کندھے اچکائے۔
"یہ تو آپ اپنی دوست سے ہی دریافت کیجیے گا۔ وہ تو آپ کی دوست ہے میری تو سلام دعا بھی آپ کے ریفرنس سے ہے مجھے کیا پتا؟"
"حیرت ہے مل کر بھی نہ گئی تم سے۔" وہ حیران ہوا۔
"میں اسپتال میں کافی دیر لگا کر آئی تھی۔ بے چاری کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ میرا انتظار کرتی دوست بتا رہی تھی کچھ وقت رکی تھی اور چلی گئی۔" ولید نے انا کو غور سے دیکھا اور سر ہلایا انا کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"او کے، کلثوم سے میں پتا کروں گا کہ وہ کیوں گئی تھی وہاں؟" انا زیر لب مسکرائی اور جلدی سے باہر نکل گئی ولید نے خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

آج شہر سے بھی آنا تھا وہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی انا سے بات ہوئی تھی وہ لوگ اپنے گھر سے نکل چکے تھے اور ادھر سے مصطفیٰ اور باقی لوگ بھی عائشہ پل پل کی خبر دے رہی تھی۔
وہ صبح سے کمرے میں بند تھی دوپہر سے سہ پہر ہونے لگی تو کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔
"دلہن صاحبہ کدھر جا رہی ہے؟" جیسے ہی کوریڈور سے گزری رشدہ بھابی سے سامنا ہو گیا تھا وہ قصداً مسکرائی تھی۔
"کچھ نہیں ویسے ہی چہل قدمی کا سوچ رہی تھی۔"
"بوا جی کہہ رہی تھیں تم سے پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، جب سے آئی ہو گم صم اور خاموش سی ہو وہ بوا جی پریشان ہو رہی ہیں۔" بھابی نے کہا تو وہ مسکرائی۔
"آپ ان کو کہہ دیں ٹینشن نہ لیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ خاموشی سے لان والے حصے میں آ گئی تھی۔ حویلی کے اطراف میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بنا ہوا تھا وہ وہاں ٹہلنے لگی تھی۔
جوں جوں شادی کا وقت قریب آ رہا تھا وہ سارے اعتراضات فراموش کیے مسلسل بس یہ سوچ رہی تھی کہ وہ مصطفیٰ کو کیسے فیس کرے گی اور حویلی آتے ہی وہ اب مصطفیٰ کی کالز ریسیو نہیں کر رہی تھی۔
یہاں بڑی پھپھو اور چھوٹی پھپھو دونوں کی فیملیاں آ چکی تھیں قریب دور کے باقی رشتہ دار بھی آ چکے تھے اور کچھ ابھی آ رہے تھے حویلی میں ابھی خاصی رونق ہو چکی تھی تاہم وہ اتنی خاموش تھیں اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف وہ خاموشی سے ان

کو دیکھتی رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں ٹہلتی رہی تھی مغرب سے ذرا پہلے مہمانوں کی آمد کا شور اٹھا تو وہ چونکی تھی۔ شہر سے بھی لوگ آ چکے تھے وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آ کر کھڑکی کھول کر کھڑی ہوگئی تھی۔ ایک ایک کر کے گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔

مہرالنساء بیگم، عائشہ، صبا، لائبہ بھابی، زینب، انا اور ان کے علاوہ کچھ اور خواتین بھی تھیں۔ ان کے علاوہ مرد حضرات بھی تھے شاہ زیب صاحب اور عباس موجود نہ تھے باقی سبھی آئے تھے۔ وہ ان کو اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھی جب ایک دم کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"شہوار مہمان آ گئے ہیں جلدی سے باہر آؤ۔" عاصمہ بولی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" اس نے اسے ٹالا تو عاصمہ فوراً چلی گئی تھی وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ مصطفیٰ ولید اور احسن کو لے کر اندر آنے کے بجائے مردانے کی طرف بنے کمروں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی بند کر کے بستر پر بیٹھ گئی تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں ایک دم دھماکہ ہوا تھا سبھی اس کے کمرے میں گھس آئی تھیں۔

"ہم باہر دلہن کو ڈھونڈ رہی ہیں اور دلہن کمرے میں بند بیٹھی ہوئی ہیں۔" عائشہ مسکرا کر کہتے اس کے گلے لگی۔ وہ جھینپ کر مسکراتے سب سے گلے ملنے لگی پر انا سے گلے ملتے اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی تھینکس تم آ گئیں۔" انا ہنس دی، ورنہ یہاں آنا نہیں آئی تھی۔

"چلو باہر نکلو ماں جی کو تو آتے ہی بہو نظر آنے پر اس کی فکر لگ گئی ہے۔" لائبہ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

وہ ان سب کے ساتھ باہر آئی تو ماں جی خصوصی طور پر بڑی گرم جوشی سے ملی تھیں۔ شاہ زیب صاحب کے اسٹاف کی پانچ خواتین تھیں سبھی سے متعارف ہوئی تھی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہ نماز ادا کرنے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"روشی کیوں نہیں آئی؟" نماز ادا کر کے شہوار کمرے میں ہی بیٹھی رہی تو انا بھی وہیں آ گئی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، پریگننٹ ہے وہ میٹنگ کی وجہ سے ماما نے اتنی دور آنے سے منع کر دیا۔" انا نے مسکرا کر کہا تو وہ حیران ہوئی تھی۔

"زبردست سرپرائزنگ نیوز ہے، بہت بہت مبارک ہو۔"

"تھینکس۔"

"تم امی سے ملی ہو؟"

"ہاں سلام دعا ہوئی ہے ٹھیک سے تعارف نہیں ہوا۔"

"چلو امی فارغ ہو کر آئی ہیں تو میں تم سے ملواتی ہوں۔" انا نے اسے غور سے دیکھا۔

"خوش ہو؟"

"پتا نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں امی کی مجبوریوں اور ان لوگوں کی محبت کو دیکھتی ہوں تو خود پر شرمندگی ہوتی ہے مگر جب اپنا آپ دیکھتی ہوں تو میری انا میری خودداری احتجاج کرتی ہے ساری زندگی ان لوگوں کے گھر میں رہ کر پلی بڑھی ہوں تو اب یہ انا اور خودداری کی باتیں بھی ندامت کا احساس دلانے لگی ہیں۔" وہ آزردگی سے بولی تھی انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم بس ذہن سے ساری منفی سوچوں کو نکال کر آنے والے خوشگوار لمحوں کو یاد کرو اور باقی سب بھول جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔" شہوار نے انا کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"ہاں کوشش تو کر رہی ہوں۔"

دونوں کافی دیر تک ساتھ ساتھ رہی تھیں کھانا بھی ایک ساتھ کھایا تھا اور پھر عائشہ چلی آئی تھی دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر فوراً ٹوکا۔

"بس کرو تم دونوں اب باہر آ جاؤ ماہر بھی دلہن صاحبہ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"خیریت۔" انا نے مسکرا کر دیکھا۔

"ہم نے بابا صاحب اور بابا جان سے ڈھولک رکھنے کی وہ بھی کمبائن اجازت لی ہے ہال میں سارا ارینج ہو چکا ہے سبھی وہاں موجود ہیں اب دلہن کو بھی لانے کا تقاضا ہو رہا ہے۔ سو میں لینے آئی ہوں۔"

"کیا مطلب، ڈھولک تو روز بج رہی تھی۔" شہوار حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ وہاں خواتین کے ساتھ ساتھ تمام ینگ پارٹی کے ساتھ ساتھ دلہا صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے۔" عائشہ نے شرارت سے کہا تو شہوار ایک دم جھینپ گئی۔

"پھر میں نہیں جا رہی۔" اس نے فوراً انکار کیا۔

"انکار تو بالکل نہیں چلے گا اپنے قدموں پر چل کر نہیں جاؤ گی تو اٹھا کر لے جائیں گے ہم آفٹر آل لڑکے والے ہیں شرافت سے یہ لباس بدلو اور انا تمہیں تیار کر دیتی ہے جلدی سے ہری اپ۔"

عائشہ نے ہاتھ میں تھاما بڑا سا شاپنگ بیگ اس کے بستر پر رکھا۔ بہت ہی خوب صورت یلو اور گرین لباس تھا جس پر مہندی کی مناسبت سے کام ہوا تھا۔ ساتھ میں چوڑیاں، پھولوں کا زیور اور باقی لوازمات تھے۔

"دیکھو یہ سب میں نہیں پہنوں گی۔" شہوار نے سارا سامان دیکھتے ہی فوراً انکار کیا۔

"تم اگر شرافت سے نہیں پہنو گی تو ہم زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔ کیوں انا۔" عائشہ نے فوراً انا کو بھی ساتھ ملایا۔

"بالکل۔" انا نے بھی کہا تو شہوار گھورنے لگی۔

"بس جلدی سے یہ کپڑے پہنو اسے بعد میں گھور لینا۔" عائشہ نے لباس تھام کر شہوار کے ہاتھوں میں دیا۔

"دیکھو میں باہر نہیں جاؤں گی وہاں تم سب ہو تمہی تو اور بات تھی۔" وہ دہائیاں دے رہی تھی عائشہ نے زبردستی اسے واش روم کی طرف دھکیلا تھا۔

"جلدی سے بدل کر باہر نکل آؤ۔" دروازہ بند کر کے عائشہ نے کہا تو انا ایک دم ہنس دی۔

"منحوست اس کے ساتھ ایسی زبردستی کی ہی ضرورت تھی ورنہ یہ خالی باتوں سے نہیں ماننے والی۔" واپس بستر پر بیٹھ کر پھولوں کا زیور لفافوں میں سے نکال کر رکھنے لگی۔

"تم بھی چینج کر لو، بھی بہت اچھی طرح تیار ہو رہی ہیں تب تک میں بھی اس محترمہ کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لیتی ہوں۔"

عائشہ نے کہا تو انا مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی اس کا قیام ساتھ والے روم میں تھا۔ اس روم میں وہ اور لڑکیاں بھی تھیں یہ دونوں آفس اسٹاف سے تھیں اور مصطفیٰ کی فیملی کے ساتھ ہی گاؤں آئی تھیں۔ وہ دونوں تیار ہو رہی تھیں اسے روم میں داخل ہوتے دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ بھی اسی روم میں ہیں؟" ایک نے پوچھا۔

"ہاں ابھی تو ادھر سامان شفٹ ہوا ہے میں سوچ رہی ہوں دلہن کے روم میں ہی شفٹ ہو جاؤں۔" اپنا بیگ اٹھا کر بستر پر رکھ کر وہ کھولنے لگی۔

"آپ دلہن کی کیا لگتی ہیں۔" دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"دوست ہوں انانام ہے میرا۔"

"نائس نیم، میں ہادیہ ہوں اور یہ میری دوست رابعہ ہے ہم شاہزیب صاحب کی اسٹاف ممبرز ہیں ہمارے ساتھ تین اور خواتین ہیں جو دوسرے روم میں ہیں۔" ہادیہ نے بتایا تو انا نے سر ہلا دیا۔

وہ دونوں چینج کر چکی تھیں۔ انا بھی لباس نکال کر دیکھنے لگی۔

"ہم نے باہر سے ملازمہ کو کہہ کر استری منگوائی ہے لائیں میں پریس کر دیتی ہوں۔" رابعہ نے آفر کی تو اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں تھینکس میں کرلوں گی۔" انہوں نے ٹیبل پر کپڑا ڈال کر کپڑے استری کیے تھے انا بھی استری کرنے لگی تھی دونوں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ انا خاموش ہی رہی لباس استری کر کے واش روم میں گھس گئی۔

چینج کر کے وہ باہر آئی تو روم خالی تھا۔ ڈبل بیڈ تھا کھلا اور روشن کمرہ تھا۔ مگر وہ اپنا بیگ اٹھا کر شہوار کے کمرے میں آ گئی۔

عائشہ اسے ڈریسنگ کے سامنے بٹھا کر پھولوں کا زیور پہنا رہی تھی۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔" انا اس کے عقب میں آ رکی تھی شہوار جھینپی۔

"تم اس کی چٹیا بنادو اور ساتھ ہی یہ پھولوں کی لڑیاں بھی پرو دو۔" عائشہ نے انا سے کہا تو وہ فوراً کام میں لگ گئی۔

"شہوار نے میک اپ کے نام پر لپ اسٹک تک نہ لگانے دی تھی۔ بس پھولوں کا زیور تھا اور لباس تھا جس سے اس کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔

"میں گھونگھٹ نہیں اٹھاؤں گی اور خبردار کسی نے چہرہ دیکھنے کی فرمائش کی۔" شہوار نے کوئی دسویں بار یہ جملہ دہرایا تو عائشہ نے گھورا۔

"اوکے ہم منع کر دیں گے سب کو اب چپ کر کے بیٹھو میں بھی ذرا چینج کر کے تمہیں لے جاتی ہوں۔ انا پاس ہی ہے تمہارے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہاں سب اپنے ہی لوگ ہوں گے۔" عائشہ کہہ کر چلی گئی تھی انا خود بھی تیار ہونے لگی تھی۔ اس نے سوٹ کی مناسبت سے ہلکا پھلکا میک اپ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد عائشہ کے ساتھ ماریہ لائبہ صبا بھی آ گئی تھیں۔

"مہندی وہندی نہیں ہوگی بس وہاں جا کر تھوڑا بہت ہلا گلا کرنے کا موڈ ہے۔ کنفیوز نہیں ہونا، اوکے۔" لائبہ بھی اسے سمجھا رہی تھیں شہوار کو مجبوراً سر ہلانا پڑا تھا۔

بڑے سے ملٹی کلر کے دوپٹے کے سائے تلے انہوں نے اسے لیا تھا۔

"آفاق بھائی کو صبا بلا لائی تھی۔ انہوں نے فوٹو گرافی میں بہت سے ڈیلوپ کر رکھے تھے۔ اپنی شادی بیاہ میں مووی میکر وہ خود ہی ہوتے تھے۔

"تم میرے ساتھ ساتھ رہنا۔"

"جیسے ہی آفاق بھائی نے کیمرے کا فلیش آن کیا تھا شہوار نے سختی سے انا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یوں کہ انا بھی دوپٹے کے سائے تلے آ گئی تھی۔

شہوار کے چہرے پر دوپٹے کا گھونگھٹ تھا۔ باقی دوپٹے کے چاروں پلو صبا عائشہ لائبہ بھابی اور ماریہ نے تھام لیے تھے۔ وہ لوگ جیسے ہی روم سے باہر نکلے تھے دونوں اطراف میں کھڑی باقی لڑکیوں نے گلاب کی پتیاں برسانا شروع کر دی تھیں۔

راہداری کے اختتام تک جا کر آفاق بھائی نے رکنے کا اشارہ کیا تو سبھی رک گئی تھیں آفاق دوسری طرف چلا گیا تھا۔ بالکل اسی انداز میں پھولوں کی برسات میں مصطفیٰ کو کزنز کے گھیرے میں اندر لایا گیا تھا۔

انا کو مصطفیٰ کے دائیں طرف ولید کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی ورنہ اب تک یہاں کسی مرد حضرات سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ باقی لوگوں کے ساتھ احسن بھائی بھی تھے۔ مصطفیٰ کی ہلکی سی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ ولید کے ساتھ مسکرا کر بات کرتے وہ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتے آفاق کی ہدایت پر چل رہا تھا۔ وہ لوگ ان سب کے پاس آ کر رک گئے تھے۔

"اب دلہا دلہن باری باری اندر آئیں۔" آفاق بھائی ساتھ ساتھ ہدایات دے رہے تھے۔ شہوار نے سختی سے انا کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

پہلے وہ شہوار کو لے کر ہال کمرے میں آ گئی تھیں اور انا نے شہوار کو صوفے پر لا بٹھایا تھا پھر بالکل اسی انداز میں مصطفیٰ کو بھی، مصطفیٰ جیسے ہی شہوار کے پاس بیٹھا تھا شہوار کے پاس بیٹھی انا نے اٹھنا چاہا تھا مگر شہوار کی گرفت ہاتھ پر سخت ہو گئی تھی۔

"سب دیکھ رہے ہیں۔ میں جانے لگی ہوں ہاتھ چھوڑو میرا۔" انا نے دھیمے سے کہا۔

"میں اکیلی نہیں بیٹھوں گی پلیز میرے پاس رکو تم۔" شہوار واقعی خاصی کنفیوز تھی یہ سرپرائز پروگرام تھا اور ان سب نے اس کی لاعلمی میں ارینج کیا تھا انا کو اس پر ایک دم ترس آیا تو اس کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ جبکہ باقی سب لوگوں نے ہال کمرے میں سفید چادریں بچھا کر بیٹھنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ مرد حضرات کی نشست آمنے سامنے تھی۔ ہال کو گیندے اور گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

لڑکیوں کے علاوہ باقی خواتین بھی تھیں ہاں مرد حضرات اس محفل میں نہ تھے۔ کچھ گاؤں کی خواتین اور بچیاں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ عاصمہ ڈھولک لے کر آ گئی تھی۔

وہ درمیانی نشست پر بیٹھ گئی تھی اس کے ساتھ گاؤں کی ہی دو تین لڑکیاں بیٹھ گئی تھیں۔ کمپیرنگ کے لیے زبیر بھائی آ گئے تھے۔

"السلام علیکم خواتین و حضرات۔" زبیر نے باقاعدہ ہاتھ کا مائک بنا کر منہ کے سامنے کر کے بولا تو سبھی ہنس دیے تھے۔ سبھی نے سلام کا جواب دیا تھا۔

"ہمارے خاندان میں شروع سے ہی اپنی روایات واقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی فنکشن یادگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہاں کیا ان فنکشن سختی سے منع ہے مگر ہم نے بھی اس بار اجازت لے کر ہی چھوڑی۔ اب یہ ایک چھوٹا سا فنکشن ہے دلہا دلہن چیف گیسٹ ہیں اور باقی ہم سب ان کے میزبان سو اب باقاعدہ فنکشن کا آغاز کیا جاتا ہے اور خواتین کی پرزور فرمائش پر ڈھولک کمپٹیشن رکھا گیا ہے یہاں موجود سب لوگوں کو حصہ لینا ہوگا اور کسی سے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" زبیر بھائی نے مسکرا کر کہا۔

ولید اور احسن سجاد بھائی کے ساتھ بیٹھ چکے تھے اردگرد کشن اور گاؤ تکیے لگا کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

زبیر بھائی کمپیئرنگ کر کے بیٹھ چکے تھے اور اب عاصمہ باقاعدہ ڈھولک بجا رہی تھی اور باقی لوگ تالیاں بجا بجا کر خوش ہو رہے تھے اور کچھ لڑکیوں نے اپنی سریلی آواز میں تان اڑائی تھی۔

مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات

بڑی زبردست تان تھی۔ سبھی متوجہ ہوئے تھے۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھ مسل رہی تھی۔

"جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات"

مصطفیٰ کے اندر بڑی خوشگوار سی کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ پھیل کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار ایک دم انا کی طرف بڑھی تھی مصطفیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

تجھ کو بس پیا کا بھائے
تیرا پیا تیرے گن گائے
آئے خوشیوں کی بارات
لے کے رنگوں کی برسات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات

انا کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شہوار کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ نکال کر تالی بجانے لگی تھی۔
اس کی نگاہوں نے کئی بار ولید کی طرف سفر کیا تھا۔ وہ مصطفیٰ کے کزنز وغیرہ کے ساتھ بیٹھا باتوں میں لگا ہوا تھا۔

کنگنا بانہوں میں جب کھنکے
کھولے بھید یہ تیرے من کے
چاہے کرے نہ کوئی بات
سب نے جان لیے جذبات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات

لڑکوں نے اس قطعے پر بڑی زبردست انداز میں دھنک کی تھی۔

تیرا گھونگھٹ جو اٹھائے
روپ تیرا سہہ نہ پائے
چاند کو وہ بھول جائے
دیکھ کے تیرا سنگھار

"ہوئے ہوئے۔" لڑکوں کی طرف سے بھرپور شرارت ہوئی تھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔
"اتنا اچھا تو حدیقہ کیانی نے بھی نہیں گایا ہوگا جتنا ان بےسروں نے گالیا۔" زاہد بھائی نے ہنس کر اونچی آواز میں کہا۔ لڑکیوں نے فخر سے گردن اکڑائی تھی۔
"یاد رکھیے ان بےسروں میں آپ کی بیگم بھی ہیں۔" رمشا بھابی نے فوراً جوابی کارروائی کی تھی۔
"ہاں تو میں کون سا اس "بےغم" سے ڈرتا ہوں۔" "بےغم" کو کھینچ کر کہا تھا۔ لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔
"اب لڑکوں کی باری ہے۔ چلو جلدی سے کوئی اچھا سا گانا شروع کرو بات کو الجھاؤ نہیں۔" عاتکہ نے فوراً ٹوکا۔
"مگر ہمیں تو کچھ نہیں آتا۔" لڑکوں نے باجماعت بلند کہا تھا۔
"گانا تو پڑے گا ورنہ اس محفل سے باہر نکال دیا جائے گا سب کو بقول شاعر۔"

"بڑے بےآبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے"
شائستہ بھابی نے کہا تو لڑکے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔
"جو بھی ہوگا جیسا بھی ہوگا برداشت کر لینا پھر۔" عدیل بھائی نے کہا تھا لڑکیوں کی طرف سے فوراً اجازت مل گئی تھی۔
"او کے ڈن۔" لڑکوں نے ایک دوسرے سے ٹھسر پھسر کی تھی اور پھر عدیل بھائی نے ہی تان اڑائی تھی۔
"چھمے دے چھکن وال میرے سٹڑے"
آواز ایسی سریلی تھی کہ لڑکیاں تو ایک طرف لڑکے تک گلا پھاڑ کر ہنس پڑے تھے۔ سبھی نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دی تھیں۔
"یہ گانا ہے۔" صبا نے میاں کو آنکھیں دکھائیں۔
"تو اور کیا ہے۔ تم کو کیا یہ قومی ترانہ لگ رہا ہے؟" عدیل نے بیوی کو گھورا۔
"اس سے بہتر ہے ہم ہی پیچھے بےسرا گالیں۔" عاصمہ نے دہائی دی۔ لڑکوں کی باچھیں کھل گئیں۔
عاصمہ نے سب کے ساتھ دیر ٹھسر پھسر کی تھی اور پھر سب نے لڑکوں کو شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔
"اللہ خیر کرے خطرے کی بو آ رہی ہے۔"
زاہد بھائی نے دہائی دی تھی مگر کسی نے سنی نہ تھی آج سبھی کو چھوٹ ملی ہوئی تھی۔

ہم شادی پہ آئے شاوا
یہاں پہ لڑکے دیکھے شاوا
کچھ تھے ٹھنڈے ٹھار شاوا
ہم نے غور سے دیکھا شاوا
وہ تو نکلے دیور شاوا..... بھئی شاوا

ان کے قہقہے بےساختہ تھے۔ زبیر بھائی نے اٹھ کر فوراً احتجاج کیا تھا ہاتھ بلند کر لیے تھے۔
"خبردار کسی نے ہمیں ٹھنڈے ٹھار کہہ کر ہماری غیرت کو للکارا تو۔" سلطان راہی والی بھڑک تھی۔
"تو کیا کریں گے؟" لڑکیوں نے آنکھیں دکھائی تھیں۔
"تو ہم بھی جوابی کارروائی کریں گے۔" زاہد بھائی بھی فوراً میدان میں کود گئے تھے۔
"ہم تو منتظر ہیں آپ کی جوابی کارروائی کے۔ پھر کب کر رہے ہیں یہ کارروائی۔" شائستہ بھابی نے بھی طنزیہ کہا تھا۔
"اب تو غیرت کا سوال ہے جناب۔ جوابی کارروائی ہوگی اور ضرور ہوگی۔" زاہد بھائی تن کر کھڑے ہو گئے تھے۔
"تم ڈھولکی بجاؤ ہم ذرا سوچ لیں۔" زبیر نے بھی گردن اکڑائی تھی پھر سبھی نے سر جوڑ لیے تھے آخر میں زاہد بھائی ہی آگے ہوئے تھے۔
"ہم یہاں مہندی پہ آئے۔"
زاہد بھائی نے آواز لگائی تھی۔ سب لڑکوں نے باآواز بلند شاوا کہا تھا۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا تھا واقعی جوابی کارروائی ہونے والی تھی۔

ہم مہندی پہ آئے شاوا
یہاں پہ ہم نے لڑکیاں دیکھیں شاوا
کچھ تھیں کالی کلوٹی شاوا

کچھ بھی لنگڑی لولی شاوا
ہم نے جو غور سے دیکھا شاوا
وہ تو نندیں نکلیں شاوا بھئی شاوا

انا تو منہ پر ہاتھ رکھ کر رہ گئی تھی اس کو ہنسی ہی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا..... سبھی نے خوب تالیاں پیٹ پیٹ کر داد دی تھی۔

"یا انا ادھر صرف بیٹھنے آئی ہے۔" عائشہ نے کہا تو انا فوراً موقع کی تلاش میں تھی ایک دم اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی تھی کچھ فاصلے پر بیٹھے شہوار کی نظریں انا پر جمی ہوئی تھیں اس نے ستائشی نظروں سے انا کو عائشہ کے قریب بیٹھتے دیکھا تھا۔

"کیا حال ہے؟" مصطفیٰ نے انا کے جانے کے بعد مسکرا کر پوچھا۔ شہوار نے ایک دم اپنے ہاتھ جکڑ لیے۔

"مزاج بخیر ہیں۔" عاصمہ کوئی اور گانا شروع کر چکی تھی مصطفیٰ نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" شہوار نے دھیمے سے کہا۔

"اور مزاج۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو شہوار لب دانت تلے دبا گئی۔

"یا اتنے گز بھر لمبا گھونگھٹ نکال رکھا ہے اور اوپر سے اتنی خاموشی کم از کم چہرے سے تاثرات کا تو اندازہ ہو ہی جاتا تھا۔" مصطفیٰ نے مزید کہا لیکن وہ خاموش ہی رہی تھی۔

"خیر چند گھنٹے ہی تو رہ گئے ہیں دیکھتا ہوں کب تک یہ پردہ حائل رہتا ہے ہمارے درمیان۔" مصطفیٰ کی بات پر ایک دم وہ پسینے میں نہا گئی۔

سبھی گانے کی طرف متوجہ تھے۔ شہوار بار بار دونوں ہاتھ مسل رہی تھی مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تو شہوار نے چونک کر سر اٹھایا مگر گھونگھٹ میں دیکھ نہ پائی تھی۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تو گرفت مضبوط تھی۔

"ان ہاتھوں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا کہ آپ ان کو مسلسل مسل رہی ہیں۔"

"آپ ہاتھ چھوڑیں ورنہ میں یہاں سے اٹھ جاؤں گی۔" اس نے کچھ سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی کنفیوز تھی اوپر سے مصطفیٰ کی یہ جسارت۔

"میں نے اپنی منکوحہ کا ہاتھ پکڑا ہے۔ چھڑا سکتی ہو تو چھڑا لو۔" مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تھا شہوار ضبط سے لب بھینچ گئی۔ رمشا اور عاصمہ دونوں گا رہی تھیں۔

سیاں چھیڑ دیوے
نند چٹکی لیوے
سسرال گیندا پھول

سبھی لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں خواتین بول سے بول ملا رہی تھیں۔

ساس گالی دیوے
دیور سمجھا لیوے
سسرال گیندا پھول

شہوار نے ایک دو بار ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر گرفت مضبوط تھی۔

چھوڑ بابل کا انگنا
بھاوے ڈیرہ پیا کا ہو
سسرال گیندا پھول

سیاں چھیڑ دیوے
نند چٹکی لیوے
سسرال گیندا پھول

شہوار نے دوبارہ ہاتھ کھینچنے کی کوشش نہیں کی تھی بس خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا پھر مصطفیٰ اٹھ کر ولید اور احسن کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"تم ادھر کیوں آ گئے؟" ولید نے پوچھا۔

"تم دونوں خاموش تھے مجھے لگا تم دونوں کو مجھے کمپنی دینا چاہیے۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا۔

"یہاں سبھی ہیں اور ہم خوب انجوائے کر رہے تھے۔ تم بھابی کو کمپنی دو ہم یہاں مزے میں تھے۔" ولید نے چھیڑا۔

مصطفیٰ نے سب کی طرف دیکھا اور پھر شہوار کی طرف تاہنوز وہ اس کمرے میں نہیں تھیں۔ وہ جب سے اندر آ کر بیٹھا تھا ان کو ایک بار بھی نہ دیکھا تھا۔ نجانے وہ کہاں تھیں۔

ان سے بس سلام دعا ہوئی تھی پتا نہیں شہوار کا اب ان کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟ مصطفیٰ کے اندر گہری پریشانی کی لہر اٹھی تھی باقی بھی خواتین موجود تھیں۔ ساس کی دونوں پھوپھیاں کزنز، بھابیاں وغیرہ مگر وہ ہی نہ تھیں۔

"تمہاری فیملی بہت روایتی سی اور نائس سی آئی ایم امپریسڈ۔" ولید نے کہا تو مصطفیٰ چونکا تھا مسکرا کر سر ہلایا۔

"ہاں یہ سب بابا صاحب اور پھر بابا جان کی اصول پرستی کا نتیجہ ہے وہ ایسے تمام کمبائن فنکشن کو بے حیائی کہتے ہیں جس میں مرد و زن کی تمیز ختم ہو جائے بابا صاحب آج بھی اپنے بڑوں کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں آج بھی پتا نہیں انہوں نے کیسے اس فنکشن کی اجازت دے دی ہے ورنہ اصول کے بہت پکے ہیں۔" مصطفیٰ نے بڑے فخر سے اپنی خواتین کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"میرے بڑے دونوں تایا وغیرہ کی فیملیز کافی ایڈوانس ہو چکی ہیں مگر دونوں پھوپھیوں اور ہمارے فادر بابا صاحب کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ہاں ایڈوانس تو ہر کوئی ہو چکا ہے مگر یہاں بابا صاحب کے حکم کو ترجیح دی جاتی ہے۔"

"ویری نائس۔" ولید واقعی متاثر ہو چکا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھی انا کو دیکھا جو لڑکیوں میں بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی۔

چہرے پر بلا کی چمک اور رونق تھی۔ خوشی کی کرنیں پھوٹی پڑ رہی تھیں جس سے اس کا حسن اور نکھر گیا تھا۔ اس کے انگ انگ سے ظاہر تھا کہ وہ ان سب میں آ کر بہت خوش ہے۔

وہ چند دن سے اس کلچر والے واقعہ کو لے کر اس سے خفا خفا سی تھی مگر آج اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ بلکہ سارے راستے میں بھی اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ مصطفیٰ نے فوراً ولید کی محویت کو محسوس کیا تھا۔

"آج انا بھی کافی امپریسو لگ رہی ہے۔" مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تو ولید نے مسکرا کر دیکھا۔

"وہ تو ہمیشہ سے اچھی لگتی ہے۔"

"اوہ یعنی تم مکمل طور پر لٹو ہونے کا ارادہ کر چکے ہو؟"

"وٹ ڈو یو مین لٹو؟" ولید کے لیے یہ لفظ نیا تھا۔ مصطفیٰ ہنسا۔

"مطلب مکمل طور پر امپریس ہو چکے ہو۔" مصطفیٰ نے وضاحت کی تھی۔

"ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا مجھ پر ایز آ کزن وہ کبھی بری نہیں لگی۔" انا کو دیکھتے ولید نے کہا تھا احسن سجاد سے بات کر رہا تھا سو ان دونوں کی طرف کوئی متوجہ نہ تھا۔

"یعنی مستقبل قریب میں امکان ہے۔"

"تم میری فکر چھوڑو اپنی سناؤ، پرسوں تو ویسے بھی عمر قید مل جائے گی تمہیں۔" ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے سر گھما کر شہوار کو دیکھا۔ اب صوفے پر اس کے پاس ماں جی آ بیٹھی تھیں دونوں کوئی بات کر رہی تھیں۔ ماں جی نے اسے بازوؤں کے حصار میں لیا ہوا تھا۔

"شہوار بھابی کو کہوں گا گن گن کر بدلے لیں۔ اتنے دل توڑ کر پاکستان آئے تھے اب لگ رہا ہے کسی کی آہ لگی ہوگی جو شہوار کا رویہ ایسا ہے۔" ولید نے بھی چھیڑا تھا۔

"وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور ساری مشرقی لڑکیاں شادی سے پہلے ایسا ہی بیہو کرتی ہیں میں بہت کانفیڈنٹ ہوں میں شہوار کو اپنے مزاج سے میچ کرلوں گا۔"

"لوئے ہوئے بڑے دعوے ہو رہے ہیں۔" ولید نے مزید چھیڑا۔

"دعویٰ نہیں تجربہ ہے۔" مصطفیٰ پر اعتماد تھا۔

"تمہارا تجربہ اور کیا کیا کہتا ہے۔" ولید نے پوچھا تھا۔ مصطفیٰ نے گھورا۔

"تم کچھ زیادہ ہی پھیل رہے ہو۔"

"کیا کروں تمہارا دوست جو ہوں تم پر ہی جاؤں گا۔" ولید کی بات پر اس نے کندھے پر مکا مارا۔

"روشی کو بھی ساتھ لے آتے وہ بھی انجوائے کرتی۔ میری اور تمہاری شادی کے بارے میں اس نے اتنے پلانز بنا رکھے تھے۔"

"میں نے تو کئی بار کہا تھا مگر پھوپو نہیں مانیں خود اس کا بھی دل کر رہا تھا ابھی فون پر بات کی تھی کہہ رہی تھی کہ وہ بہت مس کر رہی ہے ہم سب کو۔"

"چلو تمہاری شادی پر سارے ارمان پورے کرلے گی۔" ولید مسکرایا۔

"تم بیٹھو مجھے ایک کام ہے میں ذرا آتا ہوں۔" مصطفیٰ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بھی چلوں۔" ولید نے پوچھا۔

"نہیں مجھے بوا جی سے ملنا ہے جب سے آیا ہوں صرف سلام دعا ہوئی ہے یہاں بھی نظر نہیں آ رہی ہیں میں ذرا باہر دیکھ کر آتا ہوں۔" مصطفیٰ کہہ کر جانے لگا تھا۔

"کدھر؟" زاہد اور زبیر دونوں نے روکا تھا۔

"ویٹ آتا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل آیا تاج مٹھائی کا تھال لیے ادھر ہی آ رہی تھی اس نے روک لیا۔

"بوا جی کدھر ہیں۔"

"اپنے کمرے میں گئی تھیں۔" مصطفیٰ سر ہلا کر ان کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ دروازے پر دستک دی تھی کچھ کھلا ہوا تھا اس نے جھانکا وہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں شاید عشاء کی نماز ادا کی تھی دعا مانگ رہی تھیں۔ مصطفیٰ اندر آ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اسے بھی دیکھا تھا وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"سب ادھر ہال کمرے میں موجود ہیں آپ نہیں آئیں۔"

"میں نے سوچا پہلے نماز پڑھ لوں، ویسے بھی اور بھی بہت کام دیکھنے والے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا مصطفیٰ نے انہیں بغور دیکھا آنکھوں میں سرخی اور نمی سی تھی۔ یوں جیسے کافی دیر تک روتی رہی ہیں۔ مصطفیٰ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" تابندہ مسکرا دیں۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"شہوار نے کچھ کہا؟" انداز مشکوک تھا وہ ہنس دیں۔

"نہیں، اس نے اس بار کچھ نہیں کہا۔"

"حیرت ہے وہ اتنی آسانی سے اس سب کے لیے مان رہی ہے میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ دونوں میں کوئی بات ہوئی ہے۔"

"نہیں، ہماری کوئی بات نہیں ہوئی وہ جب سے شہر سے آئی ہے اسی طرح سے ہے اور میں یہ بھی کہ شاید تم نے سمجھا بجھا کر بھیجا ہوگا۔"

"یعنی محترمہ کی عقل ٹھکانے آ چکی ہے۔" ان کی بات سن کر وہ مسکرا کر بولا تھا تابندہ ہنس دی تھیں۔

"وہ سمجھدار لڑکی ہے۔ ساری مخالفت ایک طرف مگر ہماری عزت پر کوئی حرف نہیں آنے دے گی۔ اس کے جو بھی ایشوز ہیں وہ صرف میری خاموشی تک ہیں اور جس دن اس کے خاندان کی ساری اصلیت واضح ہوگی وہ سب کچھ قبول کرے گی، جذباتی ہے مگر کم فہم نہیں۔" انہوں نے شہوار کی محبت میں کہا تو مصطفیٰ نے انہیں بغور دیکھا۔

"یہ وقت مناسب تو نہیں اس بات کے لیے مگر اب میں خود بھی چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے مجھے وہ سب کچھ بتائیں جس کے سبب آپ اپنے خاندان سے علیحدہ ہوئیں یا سکندر انکل کی فیملی کے بارے میں سب جاننا چاہتا ہوں۔" مصطفیٰ کا انداز مضبوط تھا۔

تابندہ بوا نے چند پل اسے بغور دیکھا اور پھر وہ الماری کی طرف بڑھی تھیں وہاں سے انہوں نے بہت پرانا بیگ نکالا تھا۔ مصطفیٰ فاصلے پر کھڑا خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا انہوں نے بیگ میں سے ایک چیز نکالی اور باقی بیگ واپس الماری میں رکھ دیا الماری بند کر کے وہ واپس اس کے پاس آ رکی تھیں۔

"میرے پاس شہوار کے ماضی سے متعلق اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ایک بہت پرانا آئی ڈی کارڈ اس کے سامنے کیا تھا مصطفیٰ نے وہ کارڈ تھام لیا تھا۔

"نام سکندر علی

ولدیت سبحان احمد

تاریخ پیدائش 1955ء

مصطفیٰ نے دوبارہ تابندہ کو دیکھا تھا۔

"یہ سکندر انکل کا آئی ڈی کارڈ ہے نا؟" تابندہ نے سر ہلایا۔

"لیکن یہ سب تو میں جانتا ہوں مگر میں تو یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ آپ نے اپنی فیملی کو کیوں چھوڑا اور یہاں کیسے آ گئیں؟"

"میں یہ سب بہت بار بتا چکی ہوں سکندر کی وفات کے بعد اس کی فیملی جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی چونکہ سکندر کے بعد میں اور سکندر کی بیٹی ہی رہ گئے تھے تو ان لوگوں کا ظلم جب بڑھنے لگا تو مجھے وہاں سے نکلنا پڑا بے سروسامانی کا عالم تھا ایسے میں میرا اور تمہارے والد کی گاڑی کا حادثہ ہو گیا وہ مجھے اسپتال لے گئے میرے دماغ پر چوٹ لگی تھی کئی ماہ میں زیر علاج رہی اور پھر جب میں ٹھیک ہوئی تو میری ساری کہانی سن کر بھائی صاحب اور بابا صاحب نے مجھے حویلی میں پناہ دی اور تب سے اب تک میں ادھر ہی ہوں۔" مصطفیٰ نے ان کو بغور سنا تھا۔

"جب سب کچھ واضح ہے تو شہوار مزید کیا جاننا چاہتی ہے اور آپ کی اپنی فیملی میرا مطلب بہن بھائی والدین وغیرہ آپ ان کے پاس کیوں نہ گئیں؟" مصطفیٰ کے سوال پر وہ بستر پر بیٹھ گئیں۔

"میرا سکندر کے علاوہ اپنا اس دنیا میں اور کوئی نہیں سب وفات پا چکے تھے۔"

"مجھے میری پھوپی نے پالا تھا ان کی وفات کے بعد میں ان کے ہی گھر میں ایک ملازمہ کے ساتھ رہتی تھی۔ سکندر میری خالہ کا بیٹا تھا خالہ اور خالو بھی زندہ نہیں ہیں۔ مجھے جب سکندر کی فیملی کی طرف سے جائیداد کے تنازعے کے بعد جان کا خطرہ ہوا تو میں وہاں سے نکلی تھی اور پھر بدقسمتی سے بھائی صاحب کی گاڑی سے ٹکر ہوگئی۔ جب علاج کے بعد سنبھلی تو مجھے اس خوف سے بڑھ کر کوئی اور بہتر جائے پناہ نہ لگی اور میں نے ادھر ہی رہنے کا فیصلہ کرلیا۔"

وہی کہانی تھی جو وہ ہمیشہ سے سنتا آرہا تھا نیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

"سوال تو پھر بھی وہی رہا شہوار مزید کیا جاننا چاہتی ہے۔" مصطفی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ چاہتی ہے کہ ہم دونوں واپس چلیں اس کے باپ کے خاندان میں وہ اپنے باپ کی شناخت حاصل کرنا چاہتی ہے اپنے رشتہ داروں کی پہچان لینا چاہتی ہے تاکہ وہ بھی لوگوں کو بتاسکے کہ اس کا بھی ایک خاندان موجود ہے وہ کوئی بے نام و نشان لڑکی نہیں ہے۔" انہوں نے وضاحت کی تھی۔ مصطفی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"نان سینس ہے وہ تو...... اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود کسی نے پلٹ کر خبر نہیں لی آپ دونوں کو ان کی طرف سے جان کا خطرہ رہا تو پھر اب واپس جانے کی بھلا کیا تک ہے؟ کیا وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ کدھر ہیں؟" مصطفی نے سوالیہ دیکھا انہوں نے نفی میں سر ہلادیا۔

"نہیں...... میں واپس کبھی اس طرف نہیں گئی آپ کے پاس ان لوگوں کا ایڈریس ہوگا۔" مصطفی نے پوچھا۔

"یہ آئی ڈی کارڈ میں درج ہے۔" انہوں نے کہا تو مصطفی نے دوبارہ شناختی کارڈ کو دیکھا تھا وہاں ایڈریس موجود تھا۔ تصویر میں ایک بہت ہی خوب رو اور ڈیسنٹ شخص تھا چہرے پر بلا کا اعتماد تھا چمکتی ذہانت سے بھرپور آنکھیں اور مسکراتا چہرہ تھا۔ مجموعی طور پر ایک صاحب جمال اور پُروقار شخص کی تصویر تھی یہ۔

"سکندر انکل تو کافی خوب صورت انسان رہے ہوں گے۔" ایڈریس اور تصویر کو دیکھتے مصطفی نے کہا تو تابندہ کے چہرے پر ایک آزردہ سی مسکراہٹ سی آئی۔

"ہاں خوش قسمتی ہے میری خالہ بہت خوب صورت تھیں۔ وہ بالکل اپنی ماں پر گیا تھا۔" مصطفی نے سر ہلادیا۔

"یہ کارڈ میں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟" مصطفی نے پوچھا تھا وہ چونکی تھیں اور پھر سر ہلادیا۔

"سکندر انکل کی وفات کے بعد ان کی تھوڑی جائیداد پر ان کی بیوی اور بیٹی کا حق بنتا ہے آپ کو وہاں سے نکال کر ایک غلطی تو کیا ان لوگوں نے بہرحال میں شادی سے فارغ ہولوں تو پتہ کرتا ہوں ان لوگوں کا بھی رہ گیا شہوار کا تقاضہ اب اس کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے۔ اگر شہوار کا تقاضہ برقرار رہا تو پھر ان لوگوں سے ملوانے بھی لے چلوں گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" مصطفی نے کہا تو تابندہ نے سر ہلادیا تھا۔

"آپ ہال کمرے میں نہیں آئیں گی وہاں خوب رونق لگی ہوئی ہے سبھی انجوائے کررہے ہیں۔" مصطفی نے ٹاپک بدلا۔

"نہیں تم لوگ انجوائے کرو مجھے بہت تھکن ہورہی ہے اب سوؤں گی۔ صبح پھر جلدی اٹھنا ہوگا اور پھر پرسوں تو ویسے بھی بارات ہے۔" مصطفی نے سر ہلایا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔

❀ ❀ ❀

"عباس آج جلدی اٹھ گیا تھا آفس کی وجہ سے وہ اور بابا جان نہیں جاسکے تھے کل بارات تھی اور آج دوپہر کو دونوں نے گاؤں کے لیے روانہ ہونا تھا۔ آفس کا سارا کام فاروقی صاحب اور ایک دو قابل اعتماد لوگوں پر ڈال کر وہ مطمئن ہوگیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ گاڑی لے کر نکل آیا تھا۔ جس دن سے عادلہ کو لے کر وہ آیا تھا دوبارہ وہاں نہیں گیا تھا وہ دوبارہ اس قابل نفرت

عورت کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر اب اسے آنا پڑا تھا۔ گاڑی اندر لاکر گیٹ بند کرکے وہ وہاں موجود محافظوں کو دیکھتے اندر کی طرف چلا آیا تھا دروازہ ان لاک کرکے وہ اندر آیا تو چونکا۔

کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اس نے اندازے سے بٹن آن کیے تھے کمرہ روشن ہوگیا تھا۔ عادلہ قالین پر اوندھے منہ گری پڑی تھی اردگرد ہر چیز ٹوٹی پڑی تھی وہ چیزوں سے بچتا بچاتا اس تک پہنچا تھا اس کو سیدھا کیا تو وہ بے ہوش تھی پیشانی پر چوٹ لگی ہوئی تھی جس پر خون جم چکا تھا اس نے کلائی دیکھی وہ نارمل تھی۔ اس کو اٹھا کر صوفے پر لٹاتے ہوئے وہ کچن کی طرف آیا تھا باقی تو سارا گھر لاک تھا برتن بکھرے ہوئے تھے شیشے کے برتن ٹوٹے ہوئے تھے۔ فریج اور باقی سارا سامان خالی ہوچکا تھا۔

عباس کے اندازے کے مطابق جتنی خوراک وہ اسٹاک کرکے گیا تھا وہ سب پانچ دن پہلے ہی ختم ہوچکی تھی۔

وہ گلاس میں پانی لے کر واپس عادلہ کے پاس آیا تھا اس کے منہ پر چھینٹے مارے چند اور حربے استعمال کیے تھے مگر وہ سب بے سود تھے۔ نجانے کب کی بے ہوش پڑی تھی اسے ہوش نہیں آیا تھا ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی عادلہ اس وقت حال سے بے حال پڑی تھی۔ بکھرے گرد سے اٹے بال گرتا لباس برا حال ہوچکا تھا۔ عباس نے کچھ دیر سوچا اور پھر اسے اٹھا کر گاڑی میں لاکر ڈالا تھا وہ اسے لے کر ایک کلینک میں آیا تھا۔ کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد اسے ہوش آگیا تھا عباس کو سامنے دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگی تھی۔

"حرام زادے کمینے...... تم نے مجھے قید کیا میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میرے ڈیڈی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ چلا رہی تھی عباس خاموشی سے اسے چلاتے دیکھ رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ اس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

جب وہ چیخ چلا کر نڈھال ہوکر گرگئی تو عباس اس کی طرف بڑھا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے اتنی سزا کافی ہے مگر اب لگتا ہے تمہیں واپس اسی قید خانے میں ڈالنا ہوگا۔" عباس نے کہا تو عادلہ کی آنکھوں میں یکدم خوف کے سائے لہرائے تھے۔

"نہیں پلیز میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی میں وہاں کچھ دیر اور رہی تو مر جاؤں گی۔" وہ رونے لگی تھی۔ قید تنہائی نے اس کے سب انتقامی جذبات کو سرد کردیا تھا یکدم وہ منتوں پر اتر آئی تھی۔

"پلیز مجھے جانے دو مجھے معاف کردو۔ میں تمہیں یا اس ماہ رخ کو کچھ نہیں کہوں گی پلیز مجھے جانے دو۔"

"تم مجھے یا اس لڑکی کو نقصان تو تب پہنچاؤ گی جب میں تمہیں کسی قابل چھوڑوں گا۔ تم کیا سمجھتی ہو صرف پلاننگ کرنی تمہیں آتی ہے تم ایک بار مجھے دھمکی تو دے کر دیکھو پھر دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں؟" عباس نے نفرت سے کہا تو وہ سہم سی گئی۔

"کل مصطفی اور شہوار کی شادی ہے اور آج میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تم کیا کچھ کرتی ہو مگر یاد رکھنا میرے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو تمہیں دوبارہ مہلت نہیں دوں گا کہ تم کہیں اور جاسکو۔ یہ تمہارا موبائل اور بیگ ہے تمہارے والدین کو اطلاع مل چکی ہے کہ تم اس کلینک میں زخمی حالت میں موجود ہو اور کچھ نامعلوم لوگ تمہیں یہاں لے کر آئے تھے میں جارہا ہوں اور جانے سے پہلے پھر اچھی طرح یاد کروا رہا ہوں کہ خبردار میرے یا ماہ رخ کے متعلق کوئی کارروائی کی تو......" انگلی اٹھا کر وارن کرتے وہ وہاں سے نکل گیا تھا عادلہ شاک کی کیفیت میں اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ آزاد ہوچکی ہے کچھ دیر بعد ڈیڈ کے ساتھ ماما اور کاشف بھی وہاں آ پہنچے تھے وہ ان کو دیکھ کر خوب روئی تھی۔

"مجھے ابھی کلینک سے کال آئی تھی کہ تم زخمی ہو نامعلوم آدمی بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لائے ہیں تمہارے موبائل سے کال کی تھی میں تو حیران رہ گیا تھا فوراً ہم لوگ پہنچے ہیں۔ تم کہاں تھیں اتنے دن سے اور یہ کیا حالت ہوگئی ہے تمہاری؟" ڈیڈ پوچھ رہے تھے۔

عادلہ کا جی چاہا کہ وہ ڈیڈ کو سب بتادے مگر پھر عباس کی دھمکی یاد آنے لگی تو لب سی گئی تھی اور ہچکیوں میں رو رہی تھی۔

"تم بتا کیوں نہیں رہیں تم کہاں تھیں؟" مام اور کاشفہ بھی بار بار پوچھ رہی تھی۔

"پتا نہیں، کچھ لوگوں نے مجھے اغواء کرلیا تھا اور پھر خود ہی چھوڑ دیا اور اب ہوش آیا ہے تو خود کو اس کلینک میں پایا۔" وہ جو کسی سے بھی نہ ڈرنے والی تھی عباس سے ڈر گئی تھی۔

"مگر کیوں اغواء کیا بتایا نہیں ان لوگوں نے؟" ڈیڈ نے پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ نفی میں سر ہلا کر آنکھیں بند کرگئی تھی تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"ابھی پریشان ہے نارمل ہوتی ہے تو پھر پوچھتے ہیں۔" مام نے دونوں کو تسلی دی تھی ڈیڈ نے بھی سر ہلا دیا تھا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ہو کیا رہا ہے کون لوگ ہیں جنہوں نے یہ حرکت کی ہے اور کیا مقصد تھا ان کا؟" ڈیڈ نے سر پکڑ لیا تھا۔

"ادھر لیاز دن بدن میرے لیے پرابلم کا سبب بنتا جارہا ہے اور ادھر یہ لڑکی آخر کون لوگ تھے وہ اور گاڑی کدھر ہے؟" ڈیڈ نے پوچھا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

"مجھے نہیں علم۔" ڈیڈ نے چند پل اسے دیکھا تھا۔

"تمہارے ساتھ کسی نے کچھ کیا تو نہیں۔" مام نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ عادلہ ان کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئی تھی نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"تو پھر کیا مقصد تھا ان کا؟" کاشفہ بھی حیران تھی۔

"میں کہہ رہی ہوں ناں کہ مجھے کچھ علم نہیں۔" عادلہ نے تلخی سے جواب دیا تھا۔

"خوامخواہ کسی کو کوئی بھی اغواء نہیں کرتا یقیناً کوئی بات تو ضرور ہوگی۔" کاشفہ نے بڑے بے حس انداز میں تبصرہ کیا تھا عادلہ نے بہن کی بے حسی دیکھی تو ایک دم چیخ اٹھی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں خود کہیں غائب ہوئی ہوں خود سے کہیں چلی گئی تھی۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔" کاشفہ نے بے حسی سے کہا۔

"شٹ اپ۔" عادلہ کا صبر ایک دم ختم ہوگیا تھا۔

"ان لوگوں نے کوئی ڈیمانڈ بھی نہیں کی نہ ہی تمہیں کچھ کہا جس حالت میں گئی تھیں واپس آرہی ہو تو پھر اتنے دن اپنے پاس رکھ کر کیا تمہاری مہمان نوازی کرتے رہے تھے وہ لوگ۔" کاشفہ کا تجزیہ آگ لگا دینے والا تھا۔

"ڈیڈ پلیز اس کو چپ کروائیں میں پہلے ہی بہت پریشانیوں سے گزر کر آرہی ہوں۔" بہن کی باتوں پر عادلہ چیخ اٹھی تھی۔

"کاشفہ چپ کرو تم عادلہ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ خود سے کچھ بھی مسئلہ پیدا کرنے والی نہیں ہے یقیناً کسی اور پرابلم کی وجہ سے اغواء کیا گیا ہے ورنہ رقم کا مطالبہ ہوتا تو وہ بنا لیے دیے کیوں چھوڑتے؟" ڈیڈ کے کہنے پر کاشفہ "ہونہہ" کہہ کر خاموش ہوگئی تھی۔

"لیاز کیسا ہے اس کے مسئلے کا کیا بنا؟" مام اس کا سر دبانے لگ گئی تھیں کچھ وقت کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"کچھ نہ پوچھو دماغ خراب ہے اس لڑکے کا مجھے اطلاع ملی تھی کہ پرسوں مصطفیٰ کی شادی ہے وہ سب لوگ گاؤں جاچکے ہیں وہیں تقریب ہوگی۔ میں لیاز سے جب ملنے گیا تو اس کے سامنے ذکر کرنے کی غلطی کردی تب سے اس پر جنون سوار ہے وہ ہر حال میں اتنا محفوظ ٹھکانہ چھوڑ کر باہر آنا چاہتا ہے۔ وہ مصطفیٰ اور شہوار سے بدلہ لینا چاہتا ہے انتقام نے اس کے حواس پر قبضہ کرلیا ہے۔ میری کوئی بات اس پر اثر نہیں کررہی۔" عبدالقیوم صاحب سر سے پاؤں تک بھرے بیٹھے تھے۔

غصے سے سب بتایا تو عادلہ کو عباس کی بات یاد آ گئی وہ بھی تو مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا ذکر کررہا تھا۔

"ان لوگوں نے تمہیں بھی مدعو کیا تھا کیا؟" عادلہ نے پوچھا۔

"نہیں، کسی جاننے والے سے علم ہوا ہے مجھے بھی۔" اس نے سر ہلایا۔

"میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو گھر چلتے ہیں۔" عبدالقیوم کہہ کر باہر نکل گئے تھے کاشفہ اپنا موبائل نکال کر اس میں مصروف ہوگئی تھی جبکہ مام بڑی محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ وہ ابھی عباس کے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ عباس کو اس حرکت پر کبھی معاف بھی کرنے والی نہ تھی۔ وہ مکمل طور پر ذہنی طور سے سیٹ ہونے کے بعد عباس اور اس رابعہ کے بارے میں کوئی کارروائی کرنے کا سوچنے لگ گئی تھی۔

رات تین بجے تک ہنگامہ ہوتا رہا تھا پہلے گیتوں کا مقابلہ ہوا پھر شعر و شاعری کا اور اس کے بعد جب مرد حضرات مردانے کی طرف چلے گئے تو گاؤں کی خواتین کا علاقائی رقص ہوا پھر جس کو جہاں بھی جگہ ملی وہیں پڑ کر سو گیا۔

صبح دس بجے سے پہلے کوئی بھی اٹھنے کو تیار نہ تھا دس بجے کے بعد اٹھنا شروع ہوئے تھے بارہ بجے حلوہ پوری اور چنوں کے سالن کا ناشتا کیا۔ ولید اور احسن ابھی ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ بابا صاحب ان کے کمرے میں آ گئے۔ دونوں نے اٹھ کر بڑی عزت و احترام سے ان کو ویلکم کیا پھر سلام دعا کے بعد وہ ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئے تھے۔

"آپ نے خوامخواہ زحمت کی آپ بلوا لیتے کسی سے کہہ کر ہم آ جاتے۔" بابا صاحب کا خود سے خصوصی طور پر ان سے آ کر ملنا دونوں کو متاثر کر گیا تھا ولید نے کہا تو بابا صاحب نے محبت سے اسے دیکھا۔

"زحمت کیسی تم ہمارے مہمان ہو اپنے مہمانوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض بنتا ہے۔" ولید مزید اس محبت سے متاثر ہوا۔

"تمہارے والد کیسے ہیں ان کو بھی لے آتے۔" بابا صاحب نے پوچھا۔

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی لمبا سفر نہیں کرسکتے۔"

"کیا بیماری ہے ان کو؟"

"بلڈ پریشر رہتا ہے دل کے مریض ہیں۔" بابا صاحب نے سر ہلایا۔

"او اچھا..... شادی میں خوب انجوائے کررہے ہو؟" بابا صاحب نے پوچھا۔

"جی۔" ولید نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

بابا صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور پھر ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

"تم لوگوں کے والدین شامل نہیں ہوئے کیا؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"ماموں تو طبیعت خرابی کی وجہ سے نہیں آسکے اور پاپا کاروبار کی وجہ سے۔" احسن نے ہی جواب دیا۔

"تمہاری بہن کیسی ہے حسن کی شادی پر ہم گئے تھے؟" انہوں نے براہ راست ولید سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے وہ بہت خوش ہے۔" احسن کو مسکرا کر دیکھتے ولید نے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"وہ شادی میں شامل ہے؟" انہوں نے کچھ سوچتے پوچھا تو احسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ نہیں آسکی البتہ میری سسٹر آئی ہے۔" احسن کی بات پر بابا صاحب کا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا تھا۔

وہ دونوں سے ابھی باتیں ہی کررہے تھے کہ اتنا دروازہ ناک کرتی اندر داخل ہوئی تھی تینوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا وہ بھی چونک گئی تھی۔

"السلام علیکم!" بے اختیار کہتے اس نے سر پر دوپٹہ بھی درست کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" بابا صاحب نے اسے بغور دیکھا۔

"یہ میری بہن ہے۔" احسن نے تعارف کروایا تو بابا صاحب نے سر ہلایا۔ انا احسن کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

بابا صاحب انا سے اس کی تعلیم اور دیگر سوال کرنے لگے تھے، یہ جان کر بہت حیران اور خوش ہوئے تھے کہ انا نہ صرف شہر کی کلاس فیلو ہے بلکہ دوست بھی ہے۔ وہ مزید کچھ دیر تینوں کے پاس بیٹھے پھر ان کو کوئی بلانے آ گیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔

"بڑے نائس انسان ہیں اتنے بڑے جاگیردار ہیں مگر غرور نام کا نہیں۔" ان کے جانے کے بعد انا نے تبصرہ کیا۔ احسن مسکرا دیا جبکہ ولید کا انداز پرسوچ تھا۔

"ایک راز کی بات سنو یہ بابا صاحب پہلی نظر میں ولید کے معاملے میں کیوپڈ کے تیر کا شکار ہو چکے ہیں اور جب بھی ملتے ہیں بڑے تپاک سے ملتے ہیں۔" احسن کی بات پر انا نے حیران ہو کر ولید کو دیکھا وہ ذرا سا مسکرا دیا۔

"بھئی وہ انسان شناس آدمی ہیں انہیں ہیرے اور پتھر کی پہچان ہے ورنہ تم بھی تو اسی محفل میں تھے میرے برابر بھی نظر آ سکتے تھے۔" ولید نے جلا کٹا کسا تو احسن نے آنکھیں دکھائیں۔

"دیکھو تم مجھے احساس کمتری میں مبتلا مت کرو تمہارے مقابل کا نہیں تو کیا ہوا لڑکیوں کے ہجوم میں سو میں سے نوے نمبر تو ہمیں بھی مل ہی جاتے ہیں۔" انا ہنس دی۔

"ویسے مجھے یہ بابا صاحب کافی پراسرار انسان لگتے ہیں جب بھی ملتے ہیں لگتا ہے کچھ کھوج رہے ہیں بغور دیکھتے رہتے ہیں۔" ولید نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

"کیوپڈ کے تیر والا مذاق ایک طرف ہو سکتا ہے تمہارے وجود میں انہیں اپنی کوئی سالوں پرانی بچھڑی ہوئی محبوبہ نظر آتی ہو۔" احسن نے پھر چھیڑا تو ولید ہنس دیا۔

"بہرحال کچھ بات ضرور ہے ورنہ ہزاروں لوگوں سے ملتا ہوں یوں کسی سے بھی اپنائیت کا احساس نہیں جاگا۔ ان سے مل کر دل خود بخود ان کی طرف مائل ہونے لگتا ہے یوں جیسے لوہے کو مقناطیس آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔" ولید کا سوچتا انداز تھا۔

"ہاں ہو سکتا ہے کسی محبوبہ کی اولاد وغیرہ کا چکر ہو۔" احسن نے پھر چھیڑا۔ ولید نے ایک ہاتھ کندھے پر جڑ دیا۔

"بکواس کی نہیں ہو رہی میں ریئلی ان سے امپریس ہوں۔"

"ہاں تو اتنی گریس فل پرسنالٹی ہیں نرم خو اور شفقت آمیز رویہ رکھتے ہیں انسان خود بخود امپریس ہو جاتا ہے۔" احسن نے مذاق سے ہٹ کر کہا۔

"اچھا اس ٹاپک کو چھوڑیں مجھے آپ دونوں اپنے ڈریس نکال دیں میں فارغ ہوں پریس کر دیتی ہوں۔" انا نے کہا تو ولید نے دیکھا وہ رات والے لباس میں ہی تھی ہلکا پھلکا میک اپ تو اتر چکا تھا مگر دلکشی ابھی بھی برقرار تھی۔

"ہاں نکال دیتا ہوں۔" احسن اٹھا پر ولید اسی طرح بیٹھا رہا۔

"آپ نے پریس نہیں کروانے؟" انا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"احسن نکال دیتا ہے۔" وہ پھر سے نیم دراز ہو گیا۔

"رات کا فنکشن تم نے تو خوب انجوائے کیا ہو گا؟" ولید نے اسے دیکھتے پوچھا۔

"کیوں... آپ نے انجوائے نہیں کیا؟"

"پوچھو مت یہاں سب لڑکیوں نے وہاں سے آنے کے بعد مصطفیٰ کی جو درگت بنائی تھی مصطفیٰ ہمیشہ یاد رکھے گا۔" احسن نے کپڑے نکالتے کہا تو وہ چونکی۔

"کیا مطلب؟"

"ولید تصویریں دکھاؤ ذرا اسے۔" احسن نے ہنستے ہوئے کہا تو ولید نے سائیڈ پر پڑا موبائل اٹھا کر انا کو تھما دیا۔

"وہاں تو صرف گانا گانے تک لڑکے بے چارے شرافت دکھاتے رہے یہاں آ کر مصطفیٰ کو خوب نچوایا۔" احسن نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس دی۔

وہ تصویریں دیکھنے لگی مصطفیٰ اس کے سب کزنز مل کر بھنگڑا ڈال رہے تھے مختلف لوگوں کی مختلف انداز میں تصویریں تھیں ایک دوسرے کو مٹھائی کھلاتے ایک دوسرے کا حلیہ بگاڑتے بھنگڑا ڈالتے اچھے مختلف پوز تھے ایک تصویر پر آ کر وہ ٹھٹک گئی تھی مصطفیٰ کے ساتھ ولید بھنگڑا ڈال رہا تھا بال پیشانی پر گرے ہوئے تھے ہاتھ مصطفیٰ کے ہاتھ میں تھے۔ ولید اس تصویر میں حد سے زیادہ ڈیسنٹ اور اٹریکٹو لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" ولید نے ایک ہی تصویر دیکھ کر پوچھا تھا۔

وہ ذرا چونکی تھی پھر مسکرا کر اسکرین کو ٹچ کرتے اگلی تصاویر دیکھنے لگی تھی اور اگلی کچھ تصاویر پر وہ واقعی چونکی تھی۔ شہوار کے ساتھ صوفے پر بیٹھے اس کی اور شہوار کی تصویر تھی اگلی دو تصاویر میں مصطفیٰ شہوار کے ساتھ وہ خود بھی تھی۔

وہاں اور بھی کافی لوگوں نے تصاویر لی تھیں عموماً لڑکیوں نے اندازہ نہ تھا کہ ولید نے لی ہوں گی۔ اگلی تصاویر ہال کی ڈیکوریشن کی تھیں کچھ سب لڑکوں کی تھیں اور کچھ لڑکیوں کی اور چار پانچ تصاویر میں صرف اس کے چہرے کو فوکس کیا گیا تھا جب وہ عائشہ کے کہنے پر اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی تھی اور خوش ہو کر تالیاں بجا رہی تھی ہنس رہی تھی۔ مختلف انداز میں مختلف پوز تھے تصاویر کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر ایک دم خوش گوار سی کیفیت پیدا ہوئی تھی اس نے مسکرا کر سر اٹھا کر ولید کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر مسکرا کر سر ہلایا جیسے پوچھ رہا ہو کہ "کیا ہوا ہے؟" انا نے نفی میں سر ہلا دیا مگر چہرے کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہوئی تھی۔

"کیسی لگیں تصاویر؟" احسن بھی قریب آ گیا تھا اس نے جلدی سے بیک کو ٹچ کیا تھا اور موبائل سے نظریں ہٹائی تھیں۔

"بہت اچھی تصاویر ہیں یعنی وہاں سے آنے کے بعد آپ لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا پھر؟" اس نے موبائل واپس بستر پر ڈالتے مسکرا کر کہا تھا۔

"کیا ویسا...... مصطفیٰ کے سب کزنز ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں کوئی بھی بخشنے کو تیار نہ تھا اسے۔" احسن نے اپنے اور ولید کے کپڑے لا کر اس کو تھمائے تھے کپڑے لے کر وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"گھر سے کسی نے کال کی؟"

"ہاں ماما اور پاپا دونوں نے کال کی تھی ماموں بھی کرتے رہے ہیں۔" اس نے سر ہلایا تھا یہاں آنے کے بعد اس کی صرف روشی سے ہی ایک دو بار بات ہوئی تھی۔

"اوکے میں کپڑے پریس کر کے کسی کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔" وہ وہاں سے نکل کر حویلی کے اندر آئی تو وہاں سے کسی کام سے باہر نکلتے حماد نے اسے دیکھ لیا تھا وہ خود قریب آیا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" انا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔" اس نے اب بھی سنجیدگی سے کہا تھا وہ ذرا ٹھٹکا تھا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں میں مصطفیٰ بھائی کا کزن ہوں۔ ان کی پھپھو کا بیٹا حماد علی کا بھائی۔" اس نے تفصیل

سے تعارف کروایا۔
"جی میں نے پہچان لیا۔" اب کی بار لانا کا رویہ قدرے بہتر تھا۔ حماد کے چہرے پر ایک دم رونق آئی تھی۔
"یعنی میں آپ کو یاد ہوں۔" لانا نے الجھ کر دیکھا اس نے کندھے اچکا دیے تھے۔
"آپ کو دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی میں بڑی شدت سے آپ کا منتظر تھا۔" حماد نے کہا تو لانا حیران ہوئی۔
"کیوں؟" اس کا لہجہ ایک دم بدلا۔
"بس ویسے ہی آپ اچھی لگی تھیں اس لیے کہہ دیا۔" لانا کے ایک دم بدلتے تیوروں سے گھبرا کر اس نے فوراً وضاحت کی۔
"مگر آپ مجھے ذرا بھی اچھے نہیں لگے۔" اس کے الفاظ پر لانا نے ناگواریت سے کہہ کر قدم آگے بڑھا دیے۔
"لیکن کیوں......؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"میری مرضی......" وہ کہہ کر گھور کر وہاں سے چلی گئی تو حماد حیرت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔
وہ لانا کے ایک دم بدل جانے والے رویے پر غور کرتے پلٹا تو مصطفیٰ کو کچھ فاصلے پر کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔
"کیا کہہ رہے تھے تم لانا سے؟" مصطفیٰ قریب آیا اس کا انداز مشکوک تھا۔
"کچھ بھی نہیں بس سلام دعا ہوئی ہے۔"
"بس سلام دعا تک ہی رہنا وہ ایسی لڑکی نہیں جو ہر آتے جاتے سے کھڑے ہو کر بات چیت کرے۔" مصطفیٰ کا انداز طنزیہ تھا۔
"تو میں بھی اس سے کھڑے ہو کر بات چیت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا وہ موقع دیتی تو کہیں بیٹھ کر اچھی طرح تعارف حاصل کرتا۔" انداز پُراعتماد تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔
"مطلب؟" مصطفیٰ اب کے مکمل طور پر چونکا تھا۔
"وہ مجھے پہلی نگاہ میں ہی اچھی لگی ہے اور میں بھی محض اس سے سلام دعا نہیں رکھنا چاہتا بلکہ میرا ارادہ اسے باقاعدہ پرپوز کرنے کا ہے۔" مصطفیٰ نے چند پل بغور حماد کو دیکھا اس کے چہرے پر جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔
"وہ صرف شہوار کی دوست ہی نہیں بلکہ میرے دوست ولید کی کزن بھی ہے۔" مصطفیٰ نے اب کے کافی رکھائی سے کہا۔
"میں جانتا ہوں۔" حماد کا اطمینان جوں کا توں تھا۔
"تو پھر یہ بھی جان لو کہ وہ محض ولید کی کزن ہی نہیں اس کی فیانسی بھی ہے اور عنقریب دونوں کی شادی بھی ہونے والی ہے۔" مصطفیٰ طنز سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور حماد اپنی جگہ حیرت سے ساکت رہ گیا تھا بالکل گم صم اور بے یقین......!

جب سے اس نے عبدالقیوم کی زبان سے مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کی خبر سنی تھی وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی حد سے گزر جائے اس کا ذہن ہر وقت جلا بھنی کی طرح الجھا ہوا تھا اور ڈیڈی کی ہدایت نے الگ اس کے پاؤں باندھ رکھے تھے۔ بہت زیادہ سوچنے کے بعد اس نے اپنے ذہن میں ایک پلان تیار کیا۔ دوپہر میں اس کا ملازم کھانا لے کر آیا تو وہ اسے وہاں رکنے پر آمادہ کرتے اس کا لباس پہن کر اپنا حلیہ بدلتے وہاں سے نکل آیا تھا۔
وہ سیدھا شہزلو کے گھر آیا وہ اس کے موبائل پر رابطہ نہیں کر سکتا تھا کہ عبدالقیوم نے اسے سختی سے کسی بھی دوست سے رابطہ کرنے سے منع کر رکھا تھا اس کی خوش قسمتی تھی کہ شہزلو گھر پر ہی تھا اور فوراً اس کے ساتھ نکل آیا تھا اب دونوں کسی غیر معروف جگہ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
"ہاں [illegible] کپڑوں میں کچھ لوگ ہمارا پیچھا کرتے بھی دکھائی دیے ہیں ویسے تم تھے کہاں؟"

شہزلو نے اس سے پوچھا۔
"میں جہاں بھی تھا اس بات کو چھوڑو بس مجھے تم سے ایک کام ہے باقی کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا سو تم سے رابطہ کرنا پڑا بلکہ اپنا حلیہ بدل کر تم تک آنا پڑا۔" کیاز نے کہا۔
"تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر میں فوراً پہچان بھی نہیں سکا ایسا کون سا ضروری کام تھا جو تمہیں خود آنا پڑا۔" شہزلو نے حیرت سے پوچھا۔
"تم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں پتا کرواؤ کہ مصطفیٰ شاہزیب علی اور شہوار کب آ رہے ہیں ویسے سنا تو ہے کہ دونوں کی کل بارات ہوگی اور پرسوں ولیمہ اور یہاں سے یہ لوگ گاؤں جائیں گے کل واپسی پر شہر آئیں گے ولیمہ بھی یہیں ہوگا۔" شہزلو اس کی بات بغور سن رہا تھا ایک دم چونکا۔
"تمہارا ارادہ کیا ہے؟"
"تم بس یہ کنفرم کرو باقی پلان بعد میں بتاتا ہوں مثلاً وہاں سے بارات کب واپس لوٹے گی ٹائمنگ وغیرہ اور باقی روٹین......" شہزلو کے سوال پر اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"وہ تو معلوم کروا دیتا ہوں مگر اپنا ارادہ تو بتاؤ آخر سوچ کیا رکھا ہے تم نے......"
"پہلے آرام و سکون سے تم یہ اہم اطلاعات مجھے پہنچاؤ باقی سب بھی بتاتا ہوں۔" شہزلو کے سوال کے جواب میں اس نے پراسرار انداز میں مسکراتے کہا تو شہزلو نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

عباس اور شاہزیب علی صاحب جب حویلی پہنچے تو شام ہو رہی تھی رابعہ اور ہادیہ باقی لڑکیوں کے ساتھ گاؤں کی سیر کر کے لوٹی تھیں لانا اور کچھ لڑکیاں اندر چلی گئی تھیں۔ وہ دونوں وہیں لان میں تھیں جب شاہزیب صاحب اور عباس کی گاڑی آ کر رکی تھی دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔
"آؤ سر سے سلام دعا کر لیں۔" ہادیہ نے کہا تو وہ دونوں اسی طرف چلی آئیں دونوں نے شاہزیب صاحب اور عباس سے سلام دعا کی تھی۔ عباس رابعہ کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
"میں آپ کو یہاں دیکھ کر بہت سرپرائز ہو رہا ہوں۔" شاہزیب صاحب آگے بڑھ گئے تو عباس نے رابعہ سے کہا تھا تو وہ جھینپ گئی۔
"سر یہ سارا کمال میرا ہے پتا ہے یہ ٹال رہی تھی اس کی والدہ سے بات کی تو آنٹی نے فوراً ساتھ چلنے کی اجازت دے دی کل ہم لوگ آپ لوگوں کی فیملی کے ساتھ ہی یہاں آئی تھیں۔" ہادیہ نے مسکرا کر کہا تو عباس مسکرا دیا۔
"میں کل گھر پر نہیں تھا میٹنگ میں مصروف تھا سو مجھے علم نہیں ہو سکا کہ کون کون آ رہا ہے میں آج آفس گیا تھا مگر رابعہ موجود نہیں تھیں مجھے یہی لگا کہ شاید چھٹی پر ہیں۔"
"میں نے شاہزیب صاحب کو اطلاع تو دے دی تھی انہوں نے ہی گاڑی بھیج کر پک کروایا تھا آپ کے گھر آپ کا ڈرائیور ہی لے کر گیا تھا۔" رابعہ نے بھی بتایا۔
"ناکس فاروقی صاحب کو علم ہوگا انہوں نے ہی کسی اور لڑکی کو آپ کی جگہ بھیجا ہوگا ورنہ مجھے یہی لگا کہ آپ چھٹی پر ہیں۔"
عباس کی بات پر وہ مسکرا دی۔
"ویسے آپ کو یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگا امید ہے آپ دونوں اچھی طرح انجوائے کر رہی ہوں گی۔"
"بالکل سر!" ہادیہ نے کہا۔

"آپ دونوں ہماری مہمان ہیں' کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہیے گا۔"
"جی سر!" رابعہ نے بھی سر ہلا دیا۔
"ایک بات' یہاں آپ ہماری مہمان ہیں یہ سر ور کے خطاب آفس تک ہی رکھیں۔" عباس نے مسکرا کر کہا تو ہادیہ ہنس دی۔
"او کے سر!" عباس نے گھورا تو وہ کھل کر ہنس دی۔
"جو عادت پڑ جائے تو مشکل سے ہی چھوٹتی ہے سر!"
"مگر یہاں تو کوئی آفس والا ماحول نہیں ہے۔" عباس نے مسکرا کر کہتے اندر کی طرف اشارہ کرتے خود بھی قدم بڑھائے تو وہ دونوں ساتھ چلنے لگی تھیں۔
"مس رابعہ بہت خاموش ہیں' لگتا ہے کہ ان کو مزہ نہیں آ رہا۔" ساتھ چلتے چلتے عباس نے کہا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔
"نہیں سر! ہم بہت انجوائے کر رہے ہیں' کچھ دیر پہلے ہی ہم آپ کی کزنز کے ساتھ گاؤں کی سیر کر کے آئی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت خوب صورت گاؤں ہے آپ کا۔" رابعہ نے کہا تو عباس ہنسا۔
"اس کا مطلب ہے صرف گاؤں ہی پیارا ہے' ہم لوگ پیارے نہیں ہیں۔" انداز شرارتی تھا۔
"نہیں سر! ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔" وہ جھینپی۔
"مطلب کہ ہم پیارے ہیں؟" عباس کا انداز روٹین سے ہٹ کر تھا' رابعہ پزل سی ہو گئی تھی۔
"سر! اپنی تعریفیں کروانے کا موڈ ہو رہا ہے؟" ہادیہ نے بھی شرارت سے کہا۔
"بالکل۔" وہ لوگ اندر آ چکے تھے۔
عباس نے ارد گرد دیکھا عائشہ پر نظر پڑی تو فوراً پکارا۔
"عائشہ..." عائشہ فوراً قریب آئی تھی۔
"جی بھائی؟"
"بہت لیٹ پہنچے آپ دونوں' ہم کب سے انتظار کر رہے تھے۔"
"ہاں بس آفس کا کام تھا نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔" عباس نے بہن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر کہا۔
"عائشہ! یہ دونوں ہماری مہمان ہیں' ان دونوں کا خاص خیال رکھنا ہے' ہادیہ تو پہلے بھی ہمارے ہاں آتی جاتی رہی ہیں' یہ رابعہ فرسٹ ٹائم آئی ہیں' ان کا خصوصاً خیال رکھیں' کسی بھی قسم کی پریشانی اور شکایت نہ ہو ان کو او کے۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا۔ ہادیہ رابعہ کو دیکھ کر مسکرائی تھی' عائشہ نے بھی فوراً سر ہلایا تھا۔
"آپ بے فکر رہیں' یہ کل سے آئی ہوئی ہیں' مکمل طور پر خیال رکھ رہے ہیں ہم۔" عائشہ کے الفاظ پر عباس نے سر ہلا دیا تھا۔
"او کے آپ لوگ انجوائے کریں۔" عباس کہہ کر چلا گیا تھا' رابعہ نے عباس کو جاتے دیکھا تو چند پل کو وہ جاتے عباس کی طرف سے نگاہیں نہ ہٹا پائی تھی۔
ہر لحاظ سے ایک مکمل مرد جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے' اس کے اندر عادلہ جیسی عورت کے لیے عجیب سا دکھ پیدا ہوا تھا' پھر وہ خاموشی سے سر جھٹک کر ہادیہ کے ہمراہ چلتے اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

سب لڑکوں کا باہر مردانے کی طرف بنے گلے کا پروگرام تھا۔ ڈیک لگا کر خوب بھنگڑا ڈالا جا رہا تھا' لڑکیوں کو ملازمائیں

وہاں کی پل پل کی رپورٹ دے رہی تھیں۔ اندر حویلی کی طرف سب لڑکیوں کا رتجگے کا پروگرام تھا' ہال کمرے میں ہی سب نے انتظام کیا تھا۔
سب مل کر شہوار کو بھی وہیں کھینچ لائی تھیں' سب کا مہندی لگانے کا پروگرام تھا۔ شائستہ بھابی کی شامت آئی ہوئی تھی' ساتھ میں ہادیہ بھی لگ گئی تھی۔ دلہن کو مہندی لگانے کی ذمہ داری شائستہ بھابی کے ذمہ تھی' ابھی رات دس بجے تک تمام کاموں سے فارغ ہوتے ہی ہال میں آ چکی تھیں اور اب خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔
"دیکھو بھئی کوئی خاموش نہیں بیٹھے گا' سبھی کو کچھ نہ کچھ سنانا ہوگا۔" شائستہ بھابی نے کہا۔
"یہ سزا ہے یا فرمائش؟" کنا نے پوچھا۔
"جس کے جو جی میں آئے مرضی تھے۔" رشنا نے بھی صدا بلند کی تھی۔
"تو پھر ڈیک لگا لیں' سنا ہے باہر بھی ڈیک لگا کر لڑکے خوب بھنگڑا ڈال رہے ہیں۔" ہادیہ نے بھی کہا۔
ہادیہ اور رابعہ کل سے یہاں سب کے ساتھ خوب گھل مل گئی تھیں' ان کی باقی کولیگز کا بھی یہی حال تھا' ابھی کی کسی نہ کسی سے دوستی ہو چکی تھی۔
"نہیں بھئی کل بول بول کر تو ہمارا گلا خراب ہو گیا ہے' اب مزید بولا نہیں جائے گا۔" عاصمہ نے فوراً انکار کیا۔
"ہاں کل ڈھولک پیٹنے کے ساتھ ساتھ تم اپنے والیم کا بے دریغ استعمال بھی تو کر رہی تھی۔" صبا نے بھی ہنس کر کہا۔
"کل یہاں سے جانے کے بعد وہاں مردانے کی طرف سنا ہے رات سب لڑکوں نے خوب رونق لگائی تھی۔" عائشہ نے بتایا۔
"ابھی وہیں میں نے ساری تصویریں دیکھی تھیں مصطفیٰ بھائی کو بھی نچوایا تھا ان لوگوں نے۔" کنا نے بھی ہنس کر کہا۔
"واقعی..." کئی آوازیں گونجی تھیں۔
"بالکل میں نے اپنی آنکھوں سے تصاویر دیکھی تھیں مصطفیٰ بھائی کو بھنگڑا ڈالتے ہوئے۔" شرارت سے شہوار کو دیکھتے اس نے کہا۔
شہوار آرام و سکون سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی' رات والا پیلا جوڑا ابھی بھی پہن رکھا تھا' ان لوگوں کی رسم کے مطابق اب یہ جوڑا بارات والے دن ہی اترنا تھا۔
شائستہ بہت نفاست سے اس کے ہاتھوں کو مہندی سے سجا رہی تھی۔ دوسری طرف ہادیہ صبا کو مہندی لگا رہی تھی اور رابعہ اور دیگر سب باقی بھی ارد گرد بیٹھیں مہندی لگتے دیکھ رہی تھیں۔
"یار کچھ بولو نا' ایسے مزہ نہیں آ رہا۔" عائشہ بھی ایک دم بور ہونے لگی تھی۔
"کل جن لوگوں نے اپنے گلے کے سروں کو زحمت نہیں دی تھی وہ آج گائیں گی۔" لائبہ نے کہا تو سبھی لڑکیوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔
"عاصمہ شروع کرے' اس کی آواز اچھی ہے۔" رشنا بھابی نے کہا تو سبھی کے اصرار پر اسے گانا ہی پڑا۔
"بابل کی دعائیں لیتی جا
جا تجھ کو سکھی سنسار ملے"
عاصمہ نے تان اڑائی تھی' سبھی متوجہ ہوئی تھیں۔
میکے کی کبھی نہ یاد آئے
سسرال میں اتنا پیار ملے

شہوار کا دل ایک دم کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا اس نے ضبط سے لب دانت تلے دبا لیے اس لمحے اسے شدت سے کسی بہت اپنے کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ میکے کے نام پر اس کے پاس صرف تابندہ بی کے علاوہ اور کوئی حوالہ نہ تھا۔

نازوں سے تجھے پالا میں نے
کلیوں کی طرح پھولوں کی طرح
بچپن میں جھلایا ہے تجھ کو
بانہوں نے میری جھولوں کی طرح
میرے باغ کی اے نازک ڈالی
تجھے ہر پل نئی بہار ملے

عاصمہ کی آواز کا اثر تھا یا گیت کے بولوں کا شہوار کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں تھیں۔

جس گھر سے بندھے ہیں بھاگ تیرے
اس گھر میں سدا تیرا راج رہے
ہونٹوں پر خوشی کی دھوپ کھلے
ماتھے پر خوشی کا تاج رہے
کبھی جس کی جوت نہ ہو پھیکی
تجھے ایسا روپ سنگھار ملے

گیت کے بول ایسے تھے کہ شہوار بہت ضبط کے باوجود اپنے آنسوؤں کو نہ روک پائی تھی۔ اس کے آنسو جیسے ہی گرے تھے شائستہ نے فوراً دیکھا تھا۔

"ارے تم تو رو رہی ہو۔" شائستہ نے ایک دم ساتھ لگایا تو عاصمہ خاموش ہو گئی۔ شہوار کے اندر تو گویا طوفان اٹھا تھا وہ شدت سے رو رہی تھی۔

"کیا ضرورت تھی اتنا دکھی گانا گانے کی۔" لائبہ بھابی نے فوراً ٹوکا۔ سبھی اٹھ کر فوراً شہوار کے قریب آ بیٹھی تھیں انا بھی پاس آ گئی تھی۔ شائستہ کے کندھے سے جدا کیا تو وہ اس کے ساتھ لگ کر رونے لگی تھی۔

"ارے بس کرو یار اب رلاؤ گی۔" عائشہ بھی روہانسی ہو گئی تھی۔

"یہ سارا قصور عاصمہ کا ہے اس نے چن کر یہ رونے دھونے والا گیت گانا شروع کر دیا تھا کل گاتی ہمارے بھی بہانے سے دو چار آنسو نکل آتے۔" ماریہ نے ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے عاصمہ کو ڈانٹا۔

"تو بھی میرا کیا قصور خود ہی تو کہا تھا گانا گاؤ۔"

"یہ تو نہیں کہا تھا لے کے بچی کو رلا ہی دو۔" ملیحہ نے بھی ڈانٹا۔ انا بہت محبت سے اس کا سر تھپتھپاتے تسلی دے رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ سنبھل گئی مگر رونے سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

"اب کوئی کچھ نہیں گائے گا ورنہ ہماری دلہن پھر رو پڑے گی۔" صبا نے فوراً وارننگ دے دی۔

"بڑی فکر ہے نند کو بھاوج کی۔" رمشا نے چھیڑا۔

"تو کیوں نہ ہو میرے سب سے پیارے بھیا کی پیاری سی دلہن ہے اتنے ارمانوں سے ہم بیاہ کرکے لا رہے ہیں کبھی بھی آنکھ میں آنسو نہ آنے دیں گے ہم ان شاء اللہ۔" صبا نے بہت محبت سے شہوار کو دیکھتے کہا تھا۔

"دلہن سے بھی پوچھ لو اس کے بھی کچھ ارمان ہیں یا نہیں۔" رابعہ سے مہندی لگواتی دریہ نے چوٹ کی۔

"ہماری دلہن شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ والی ہے وہ ہر آئے گئے کے سامنے اپنے جذبات و ارمانوں کی نمائش نہیں لگائے رکھتی۔" لائبہ بھابی کو دریہ کی چوٹ ایک دم بری لگی تو فوراً جواب دیا۔

دریہ "ہونہہ" کہہ کر پھر سے اپنی مہندی میں مشغول ہو گئی تھی۔

"اف شہوار کے مہندی لگائیں پھر میں بھی لگواؤں گی۔" انا نے کہا تو سب دوبارہ مہندی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"ہاں بھئی جلدی کرو ابھی یہاں ایک لائن لگی ہوئی ہے۔ سب کو اچھی اچھی مہندی لگانی ہے جلدی ہاتھ چلاؤ گی تو باقی لوگوں کی بھی باری آئے گی نا۔" عائشہ نے بھی کہا تو سبھی کو اپنے اپنے بہت سارے کام یاد آنے لگے تھے جو بارات آنے سے پہلے تک مکمل کرنے تھے۔

❀ ❀ ❀

صبح کا دن بڑی افراتفری میں طلوع ہوا تھا شاہ زیب صاحب نے شادی انتظامات ارینج کرنے والوں کو بلوا رکھا تھا جو پچھلے تین دن سے حویلی کے ساتھ ملحق ہموار زمین پر بارات کا ارینج کر رہے تھے۔

اسٹیج لائٹنگ اور ساری جگہ پر بچھا قالین کہیں بھی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی ارینجمنٹ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا خواتین کے لیے علیحدہ اور مردوں کے لیے علیحدہ اسی طرح کھانے وغیرہ کا بھی خصوصی انتظام تھا۔ بڑے روایتی سے ماحول میں شادی ہو رہی تھی بارات کی روانگی کا وقت پانچ بجے کا تھا۔ حویلی کے اندر ایک افراتفری سی تھی کیونکہ رخصتی کے بعد بھی لوگوں نے شہر روانہ ہونا تھا اور کل ولیمہ میں شرکت کرنی تھی یہاں موجود بھی لوگ اسی کے مطابق تیار ہو رہے تھے صبح ناشتا لیٹ ہوا تھا پھر دوپہر کے کھانے کے بعد سبھی کو تیار ہونے کا الٹی میٹم مل گیا تھا۔

خواتین میں سے جو جو تیار ہوتی جا رہی تھیں وہ پنڈال میں خواتین والے حصے کی طرف آ رہی تھیں۔ انا نے آف وائٹ سوٹ پہنا تھا جس پر رنگینوں کا بہت ہی خوب صورت کام تھا وہ تیار ہونے کے بعد شہوار کے پاس ہی آ گئی تھی شہوار کو شائستہ بھابی تیار کر رہی تھیں۔

"شائستہ! جاؤ تم بیٹا کرو جلدی تیار کرو پھر انا کے ساتھ دلہن کو ادھر پنڈال میں لے آنا۔ بارات بس نکلنے والی ہے یہاں سے پورے گاؤں کا چکر لگا کر واپس پنڈال میں آ جائے گی نکاح تو ہونا نہیں ہے باقی رسمیں بھی بابا صاحب کی مرضی کے مطابق ہوں گی سو تم لوگ جلدی لے آنا ٹھیک ہے۔" عائشہ تیار تھی فوراً شہوار کے کمرے میں آئی تھی بطور خاص ہدایت دینے۔

"تیار ہی ہے بس زیور وغیرہ سیٹ کرنا ہے۔" شائستہ بھابی نے کہا تو عائشہ ایک دو اور ہدایتیں دے کر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد شہوار مکمل تیار تھی شائستہ بھابی نے اپنی تمام مہارت اور محنت استعمال کی تھی۔ لباس زیور میک اپ کی مہارت نے شہوار کو اس قدر حسین بنا ڈالا تھا کہ انا بے اختیار اس سے چمٹ گئی تھی۔

"شہوار! سچی تم بہت پیاری لگ رہی ہو میں نے اپنی زندگی میں آج تک اتنی پیاری کوئی دلہن نہیں دیکھی۔" اس نے بے اختیار اس کے رخسار کو چوم لیا تھا۔

شہوار بہت زیادہ کنفیوژ اور نروس ہو رہی تھی صبح سے لگاتار وہ کئی بار رو چکی تھی اب بھی انا کے الفاظ پر رو سی گئی تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے انا کے جواب میں کہا تو انا ہنس دی۔

"بھئی ڈر کس بات کا سبھی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔" شائستہ بھابی نے سامان سمیٹتے کہا تو شہوار نے لب دانت تلے دبا لیے۔

"کچھ نہیں ہو گا ڈونٹ وری۔ مصطفیٰ بھائی بہت نائس ہیں وہ تو تمہارا ایسا روپ دیکھ کر ہی سب بھول جائیں گے اور گھونگھٹ اٹھاتے ہی پٹ سے گر جائیں گے۔" انا کو شرارت سوجھ رہی تھی جبکہ شہوار از حد پریشان تھی۔

"میں کسی کو بلواتی ہوں پھر ہم شہوار کو باہر لے چلتے ہیں۔" شائستہ سامان سمیٹ کر چلی گئی۔

شہوار مسلسل ہاتھ مسل رہی تھی اس کے ہاتھوں پر لگی مہندی کا رنگ بہت گہرا آیا تھا ہاتھ پاؤں یخ سے ہو گئے تھے اور اوپر سے یہ دلہناپے کی سج دھج۔

"میں مصطفیٰ کے ساتھ کئی بار زیادتی کر چکی ہوں میں بہت ڈر رہی ہوں پتا نہیں کیا ہوگا۔" شہوار کا وہی ڈر تھا انا نے گھورا۔

"کچھ نہیں ہوگا کہہ تو رہی ہوں۔ مصطفیٰ بھائی کوئی کم عقل کم فہم انسان نہیں ہیں جو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر بدلے لیں گے ہی اتنا ٹائم کس میں۔ وہ سب سمجھتے ہیں کچھ نہیں ہوگا۔"

"اسی بات کی تو شرمندگی ہے ہمیشہ مصطفیٰ کے سامنے اس رشتے سے انکار کیا اور اب کس منہ سے سامنے جاؤں گی۔" اس کی پریشانی بے جا نہ تھی۔

"تو کتنا آسان سا حل ہے جیسے ہی مصطفیٰ بھائی سے سامنا ہوگا تم فوراً معافی مانگ لینا۔ دیکھو جو بھی ہوا جیسے بھی ہوا یہ تم نہ ہوا اور نہ ہی وہ۔ تم حالات سے مجبور تھیں تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی جس کے نزدیک اپنی عزت اور خاندان کا وقار اہم ہوتا ہے وہ یقیناً ایسا ہی ری ایکٹ کرتی اوکے۔" انا نے ہاتھ تھام کر سمجھایا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

"اب گلٹی فیل کرنا بند کرو مکمل طور پر اعتماد کے ساتھ سب کو ہینڈل کرو۔ یہ تمہاری زندگی کا سب سے اہم دن ہے بلکہ ابھی اچھی باتیں سوچو ہوں......" شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

کچھ دیر بعد شائستہ بھابی نے آ کر بتایا تھا کہ بارات پنڈال میں پہنچ چکی ہے انہوں نے زاہد بھائی کو بلوا لیا تھا وہ سب شہوار کو بھی ادھر ہی لے آئے تھے۔

گاؤں ہونے کے باوجود بہت زبردست ارینجمنٹ کیا گیا تھا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کسی گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہے ہیں۔ شہوار کو وہ سیدھا اسٹیج پر ہی لے آئی تھیں مرد و خواتین کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا تو شہوار کو پردے میں رکھنے کی بجائے ویسے ہی بٹھا دیا تھا۔ انا مسلسل ساتھ تھی ولید کی کال آئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

"خیریت......؟" ولید باہر کھڑا تھا فوراً متوجہ ہوا تھا اچھا خاصا ڈیسنٹ لگ رہا تھا ولید۔

"ہاں خیریت ہی ہے تم بتاؤ واپسی کا کیا پروگرام ہے؟"

"جیسا آپ کریں گے وہی ہم بھی دیکھ لیں گے۔" یہاں مردوں کی آمدورفت تھی دوپٹہ سر پر جماتے اس نے کہا۔

"مصطفیٰ کہہ رہا تھا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ جائیں گے احسن کو میں نے کہہ دیا ہے وہ باقی لوگوں کے ساتھ گاڑی لے آئے گا تم ہمارے ساتھ جاؤ گی ٹھیک ہے۔" ولید نے اپنا پروگرام بتایا۔

"او کے یہ تو بہت اچھی بات ہوگی شہوار تو پہلے ہی بہت پریشان ہے اس طرح اسے تسلی ہوگی۔" وہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔

ولید نے ذرا غور سے دیکھا تو آف وائٹ سوٹ میں وہ بہت ہی دلکش لگ رہی تھی اس وقت وہ دونوں جہاں کھڑے تھے، مردوں کی گزرگاہ کی جگہ تھی۔ ولید محسوس کرتے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھا۔

"کیا ہوا؟" وہ کچھ نہیں پائی تھی چونک گئی تھی ولید اسے قدرے فاصلے پر پرسکون سی جگہ پر لے آیا تھا یہاں دونوں طرف درختوں کی روش تھی حویلی کے باہر کا بیرونی احاطہ تھا۔

"رستے میں کھڑے تھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔" ولید نے ہاتھ چھوڑا۔ انا نے اردگرد دیکھا یہاں کوئی بھی نہ تھا وہ دونوں وہاں چلنے لگ گئے تھے۔

"ان لوگوں کا گاؤں بہت ہی پیارا ہے ہم کل گاؤں کی سیر کرنے گئے تھے تو عائشہ صبا نے بہت سی جگہیں دکھائی تھیں۔" انا نے کہا ویسے بھی اس کا موڈ آج بہت خوشگوار تھا ولید مسکرا دیا۔

"چلو تو پھر واک کر لیتے ہیں۔" اس نے آفر کی۔

"اتنی اونچی ہیل پہن کر وہ بھی گاؤں کے رستوں پر چلنا توبہ کریں۔" اپنی ہیل ولید کے سامنے کی ولید نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ عام روٹین میں تو تم اچھی خاصی لگتی ہو اس وقت کیا اوٹ پٹانگ حلیہ بنا رکھا ہے۔" ولید نے کہا تو وہ چونکی اس نے فوراً اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ پریشان ہوئی۔

وہ تو بطور خاص شائستہ بھابی سے تیار ہوئی تھی بال بھی بہت اچھے سیٹ کرائے تھے سبھی نے اس کی خوب تعریف کی تھی۔

"بالکل بھوتنی لگ رہی ہو۔" ولید سنجیدہ تھا۔ "ضرورت کیا تھی اتنا تیار ہونے کی؟"

"خواہ مخواہ...... میں اتنی پیاری لگ رہی ہوں یہ آف وائٹ فراک مجھ پر اتنا سوٹ کر رہا ہے سبھی تعریفیں کر رہی تھیں۔ شائستہ بھابی نے اتنے پیارے سے تیار کیا ہے مجھے۔" وہ ایکدم برا مان گئی۔

"میڈم ہم گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہے ہیں یہ تمہارا شہر نہیں ہے جہاں لڑکیوں کا اوٹ پٹانگ حلیہ بھی ان کا فیشن کاؤنٹ ہوتا ہے۔"

"اوہ یں بلاوجہ ہی ڈانٹ رہے ہیں آپ ذرا مصطفیٰ بھائی کی فیملی کی باقی خواتین کو آج کے جلسے میں دیکھ لیں ذرا اتنی ایڈوانس لگ رہی ہیں کبھی قطعی احساس نہیں ہو رہا کہ میں ایک گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہی ہوں ویسے اس حلیے میں خرابی کیا ہے اچھی تو لگ رہی ہوں۔"

"سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ تم حد سے زیادہ نمایاں ہو رہی ہو۔" ولید نے کہا تو وہ قدرے ریلیکس ہوئی تھی ورنہ وہ تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ "کیا ضرورت تھی اتنے اہتمام سے تیار ہونے کی۔"

"تو بس میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں واقعی تو بہت بری نہیں لگ رہی میری عزیز از جان دوست کی شادی ہے میں نے تو بطور خاص یہ سب کیا ہے سب کو پتا تو چلے کہ میں شہوار کی اکلوتی دوست ہوں۔"

"اف...... خواتین کا یہ شغف والا انداز بہت زہر لگتا ہے مجھے۔" ولید نے کہا تو وہ چونکی اسے ایک دم لگا کہ ولید خواہ مخواہ باتوں میں الجھا رہا ہے۔ اس نے اردگرد دیکھا مغرب کا وقت تھا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

"چلیں۔"

"کیوں یہاں رکنا برا لگ رہا ہے۔" ولید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

ہلکے ہلکے میک اپ سے سجی آنکھیں اس کے چہرے کی دلکشی کو بڑھا رہی تھیں ولید کے دیکھنے پر وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"نہیں...... وہاں شہوار ویٹ کر رہی ہوگی وہ آج بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس کے پاس ہی رہوں آپ کی کال آئی تو چلی آئی تھی۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"او کے چلو۔" ولید فوراً واپس پلٹا تھا انا بھی ساتھ چل رہی تھی اونچی ہیل میں اس کے قدم ایک دو بار لڑکھڑائے تو ولید نے ہاتھ تھام لیا تھا انا کو لگا اس کے دل کو سکون سا مل گیا ہے۔

ولید کی یہ توجہ اس کے ساتھ یہ چھوٹے چھوٹے گزرے لمحے سب بہت اچھا لگ رہا تھا مگر دل کے اندر اٹھتی آوازوں سے خوفزدہ ہو جاتی تو شادیانی لمحوں کو اور بھی شدت سے محسوس کرتی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پنڈال کی طرف آ گئے تھے۔

"پیکنگ وغیرہ بھی دیکھ لو احسن کی گاڑی میں بیگ رکھوا لینا۔ تمہیں تو مصطفیٰ کے ساتھ ہونا ہے مصطفیٰ کے ہاں جا کر

دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے مزید وہاں رکیں یا گھر چلیں۔" ولید نے اس کا ہاتھ چھوڑتے کہا تو وہ دھیمے سے سر ہلا گئی تھی۔ ولید کے جانے پر وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی مگر وہاں سے حماد کو نکلتے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی حماد بھی شاید اسے ولید کے ساتھ دیکھ کر رکا تھا۔

"ہیلو۔" حماد نے مسکرا کر کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی وہ جانے کو پلٹی تھی۔

"یہ آپ کے فیانسی ہیں مصطفیٰ بھائی کے دوست ولید۔" حماد کہہ رہا تھا وہ رک گئی تھی ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"مصطفیٰ بھائی نے بتایا تھا۔" اس کی حیرانی پر اس نے وضاحت دی۔

"سنیے۔" وہ جانے لگی تو اس نے روکا تھا وہ پھر رک گئی۔

"میں کبھی کسی سے اتنا امپریس نہیں ہوا مگر آپ کو ولید کے ساتھ کھڑے دیکھ کر جیلسی فیل ہو رہی ہے کیونکہ آج آپ بہت ہی پیاری لگ رہی ہیں۔" وہ کہہ کر تیزی سے چلا گیا تھا۔

انا کو اس کے الفاظ پر ایک دم ناگواریت کا احساس ہوا تھا اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں اسے ایک دم ولید کی بات یاد آ گئی تھی واقعی ٹھیک ہی تو وہ کہہ رہا تھا اسے بھلا کیا ضرورت تھی اس قدر اہتمام سے تیار ہونے کی۔ اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے وہ پھر سے شہوار کی طرف بڑھ آئی تھی جو شدت سے اس ہی کی منتظر تھی۔

بارات نے رخصت ہو کر چونکہ شہر جانا تھا تین چار گھنٹوں کا سفر تھا سو بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق لمبی چوڑی رسموں میں پڑنے کے بجائے کھانے کے فوراً بعد ٹھیک آٹھ بجے رخصتی کا شور بلند ہو گیا تھا شہوار کو بڑی سی چادر اوڑھا دی گئی تھی۔

مصطفیٰ کو عورتوں والے حصے میں شہوار کے برابر میں اسٹیج پر بٹھایا گیا تھا رسموں میں صرف دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم ہوئی تھی جو مصطفیٰ کی کزنز اور انا وغیرہ نے کی تھی جس کو بھاری بھرکم نیگ ملا تھا۔ کیمرہ مین اور مووی میکر باقاعدہ تصاویر لے رہے تھے۔

لڑکیاں تو اور بھی کچھ گیمز کرنا چاہتی تھیں مگر بابا صاحب کے سخت آرڈر کے بعد فوراً رخصتی کا عمل ادا کیا گیا اور رخصتی کے وقت شہوار انا بندو ہی سے گلے لگتے ہی شدت سے رو پڑی تھی۔

"دل میں کوئی بھی بدگمانی مت لانا میں نے اپنی زندگی میں بہت فیئر ہو کر تمہارے ساتھ اس تعلق کو نبھایا ہے میں اپنے ساتھ زیادتی کر سکتی ہوں مگر تمہارے لیے نہیں۔ تم سکندر کی اولاد ہو اور آج سکندر کا وعدہ پورا کر دیا ہے ہمیشہ خوش رہنا۔ مصطفیٰ بہت اچھا لڑکا ہے تم بہت سکھی رہو گی اگر میری طرف سے کوئی کمی بیشی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو معاف کر دینا۔" اس کے گلے لگے بندو بی دھیمے سے کہہ رہی تھیں۔ ماں نے زبردستی شہوار کو ان سے جدا کیا تھا شائستہ بھابی کی ہدایتیں ساتھ ساتھ تھیں۔

"رو نہیں میک اپ خراب ہو جائے گا۔" مگر اس کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے بابا صاحب نے اسے بازو کے حصار میں رکھتے بیٹی کی طرح سنبھالا تھا۔ وہ جو کل سے شدت سے باپ کی کمی محسوس کر رہی تھی اسے ایک دم لگا وہ کسی گھنی چھاؤں کے حصار میں آ گئی ہے۔ اتنے سارے لوگ تھے اس کو سنبھالنے والے اس کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تو آنسو بھی سمٹنے لگے۔

دلہا کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ولید موجود تھا انا بھی بیگ احسن بھائی کے حوالے کر کے شہوار کے ساتھ آ بیٹھی تھی دوسری طرف مہر النساء خاتون تھیں جو سسکیاں بھرتی شہوار کو ساتھ لگا کر تسلی دے رہی تھیں۔ رخصتی ہوتے ہوتے بھی نو بج گئے تھے۔ دلہن کی گاڑی روانہ ہوئی تو باقی لوگ بھی اپنا اپنا سامان سیٹ کر کے گاڑیوں میں آ بیٹھے تھے۔

رابعہ اور ہادیہ حویلی کے اندر سے اپنا اپنا بیگ لیے باہر آئیں تو عباس منتظر تھا۔

"دوسری خواتین دوسری گاڑی میں جا چکی ہیں آپ دونوں ادھر آ جائیں۔" عباس نے کہا تو وہ گاڑی کی طرف آ گئی تھیں۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر صبا اور عائشہ موجود تھیں ہادیہ بھی ساتھ ٹک گئی تھی۔

"تم آگے بیٹھ جاؤ۔" ہادیہ نے فرنٹ سیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی نجانے کس کی گاڑی تھی ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہو گا وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ عباس ان کو بٹھا کر اندر چلا گیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد عباس ہی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو رابعہ قدرے پرسکون ہوئی ورنہ وہ الجھتی رہی تھی کہ نجانے کس کی گاڑی میں عباس بٹھا گیا ہے۔

"کیسا لگا آپ دونوں کو آج کا یہ فنکشن؟" گاڑی جیسے ہی روانہ ہوئی تو عباس نے دونوں سے پوچھا۔

"بہت زبردست سر! ہم نے بہت انجوائے کیا۔" ہادیہ نے فوراً جواب دیا۔

"مگر لگتا ہے رابعہ نے انجوائے نہیں کیا۔" عباس نے اس کی خاموشی پر کہا۔

"نہیں سر! مجھے بھی بہت اچھا لگا میں نے پہلی بار کسی گاؤں کی شادی اٹینڈ کی تھی مگر قطعی فیل نہیں ہوا کہ یہ کسی گاؤں کی شادی تھی بہت اچھا ریسپشن اور ارینجمنٹ تھا یہاں۔" رابعہ نے بھی مسکرا کر کہا تو عباس نے مسکرا کر دیکھا مگر ٹھٹکا تھا۔

ہمیشہ یہ لڑکی چادر لپیٹے سادہ سے حلیے میں دکھائی دی تھی مگر آج لائٹ پنک کلر کے کام والے جوڑے میں ہلکے پھلکے میک اپ میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ سر پر سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ تھا ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی تھی۔

عباس پہلی بار اس کو اس روپ میں دیکھ کر چونک گیا تھا وہ بمشکل اپنی نگاہیں اس کے وجود سے ہٹا پایا تھا۔

"یہ لڑکی اپنے اندر ایسی اٹریکشن بھی رکھتی ہوگی۔" وہ حیرت زدہ تھا۔

وہ بڑے رکھ رکھاؤ والے انداز میں سیٹ پر موجود تھی عائشہ اور صبا سے کافی بے تکلفی ہو چکی تھی سو چاروں کوئی نہ کوئی بات کرتی رہی تھیں اور عباس نہ چاہتے ہوئے بھی گاہے بگاہے اس پر نگاہ ڈالنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ وہ کوئی نظر باز دل پھینک انسان تو نہ تھا اس کا اپنا ایک بیٹا تھا ایک پریکٹیکل لائف گزار رہا تھا مگر نجانے اس لڑکی میں ایسی کون سی دلکشی تھی جو نگاہ بار بار اس کے وجود کی طرف اٹھ رہی تھی۔

حادثے کے بعد تو ویسے بھی وہ عورت ذات سے مکمل طور پر متنفر ہو چکا تھا مگر اب رابعہ کو دیکھتے ایک عرصہ بعد اس کے دل و دماغ پر چھائی کثافت مٹنے لگی تھی۔

"سفر بہت لمبا ہے آپ لوگ آرام سے سو سکتی ہیں۔" اپنی ہی نگاہ کی بے ایمانی سے الجھ کر عباس نے فوراً گاڑی کی لائٹس آف کر دی تھیں کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ سبھی تھکی ہوئی تھیں۔ عباس پرسکون انداز میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا مگر رابعہ کے وجود سے اٹھتی ہلکی سی کلون کی مہک بار بار اس کی توجہ کو منتشر کرنے کا سبب ضرور بن رہی تھی۔

شہوار کے آنسو خشک ہو گئے تھے ماں جی کی محبت اور انا کی حوصلہ دیتی باتیں وہ قدرے پرسکون تھی۔ وہ فی الحال آنے والے لمحات سے متعلق کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ولید اور ساتھ بیٹھے مصطفیٰ مسلسل کوئی نہ کوئی بات کرتے رہے تھے انا اور مہر النساء بھی ان کی گفتگو میں شامل رہی تھیں۔

سفر کافی لمبا تھا بیٹھے بیٹھے سر جھکائے بھاری جوڑے اور میک اپ میں اب شہوار کی کمر تختہ ہو چکی تھی شروع میں تو وہ روتی رہی تھی مگر اب تو رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ ذہن دوسری طرف ہو چکا تھا آنے والے لمحات کو سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی اوپر سے حلق خشک ہو رہا تھا سارے رستے ماں جی انا دونوں گاہے بگاہے پانی کا پوچھتی رہی تھیں مگر وہ ہر بار انکار کرتی رہی تھی وہ لوگ شہر میں داخل ہو چکے تھے گھر سے ابھی کافی فاصلے پر تھے۔

"مجھے پانی چاہیے بہت پیاس لگ رہی ہے۔" اس نے انا کو آہستگی سے کہا۔

"مصطفیٰ بھائی پانی کی بوتل تو دے دیں۔" انا نے کہا۔

"پانی ختم ہو چکا ہے انتظار کریں آپ کوئی سی این جی اسٹیشن دیکھتے ہیں تو لے لیتے ہیں۔ گھر پہنچنے میں تو ابھی ٹائم لگے گا۔"

"اوہ..... تمہیں اور کو پیاس لگ رہی تھی۔" ثنا نے کہا تھا مصطفیٰ نے چادر میں سر جھکائے وجود کو دیکھا۔

"انتظار..... ابھی یہاں نزدیک کوئی دکان نہیں ارینج کر دیتے ہیں۔" تبھی کوئی بائیک ان کے پاس سے تیزی سے گزری تھی۔

"جب سے ہم شہر کی حدود میں داخل ہوئے ہیں یہ بائیک تب سے آگے پیچھے ہے نجانے ڈرائیونگ سینس ہی نہیں ہے ان کو ابھی گاڑی ٹکرا جاتی تو سارا الزام ہم پہ آتا تھا۔" ولید نے جھنجھلا کے کہا۔

"ہاں نوٹ تو میں بھی کر رہا ہوں اب کی بار ایسا کریں تو ان کو کراس کر کے گاڑی رکوا لینا پھر پوچھوں گا مسئلہ کیا ہے۔" مصطفیٰ نے بھی کہا تھا۔

"دفع کرو خوامخواہ الجھنے کی کیا ضرورت ہے آج کل کے نوجوانوں کو کہاں اثر ہے ون ویلنگ کرنے کا شوق ایسا ہے کہ نہ اپنی جان کی پروا ہے اور نہ ہی کسی اور کی۔" ماں جی نے منع کرتے کہا۔

"بائیک پر میرا خیال ہے دو نوجوان ہیں بیٹھے تو دکھائی نہیں دیے مگر چادریں اوڑھ رکھی ہیں دونوں نے۔" ولید نے کہا۔

"تم ذرا آگے جو بھی سی این جی آتا ہے گاڑی روکنا۔" مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

دس منٹ بعد ایک سی این جی کے پاس آ کر ولید نے گاڑی روکی تھی۔

"گاڑی کے دروازے بند کرلیں ہم آتے ہیں۔" مصطفیٰ اور ولید دونوں اتر گئے تھے مصطفیٰ روایتی دلہا کے روپ میں تھا شیروانی پہن رکھی تھی سر پہ کلاہ تھا جو گاڑی میں بیٹھتے ہی اتار دیا تھا۔

"اور لائٹس بھی بند کرلیں۔" مصطفیٰ نے مزید کہتے دروازہ بند کر دیا تھا ثنا نے آگے ہو کر لائٹس آف کر دی تھیں اور ساتھ ہی دروازے بھی لاک کر دیے تھے۔

"تم رکو میں لے آتا ہوں۔" سی این جی پر بہت رونق نہیں تھی لائٹس روشن تھیں اور ایک طرف گارڈ چکر لگا رہا تھا گارڈ کے کندھے پر رائفل تھی تبھی وہ بائیک ان کے پاس سے تیزی سے گزری تھی مصطفیٰ کے تیور بگڑے تھے۔

"نجانے کیا مسئلہ تھا ان نوجوانوں کو۔" وہ گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا ولید سی این جی کی ٹک شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔

مصطفیٰ ارد گرد دیکھ رہا تھا تبھی وہی بائیک واپس ان کے پاس سے گزری تھی اس سے پہلے کہ مصطفیٰ کچھ سمجھتا بائیک کی پچھلی طرف بیٹھے وجود نے اپنی چادر سے پسٹل نکال کر ان کی گاڑی پر فائر کھول دیے تھے خواتین کی چیخیں ایکدم بلند ہوئی تھیں۔ ولید فائرنگ کی آواز سن کر فوراً بھاگا تھا گارڈ نے بھی فائر کیے تھے مگر وہ نوجوان کسی کو بھی موقع دیے بغیر زن سے بائیک بھگا کر لے گئے تھے۔ ولید گاڑی تک پہنچا تو ایکدم ساکت ہو گیا تھا۔

"مصطفیٰ....." وہ چیخا تھا۔ وہ فوراً زمین پر گرے مصطفیٰ کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

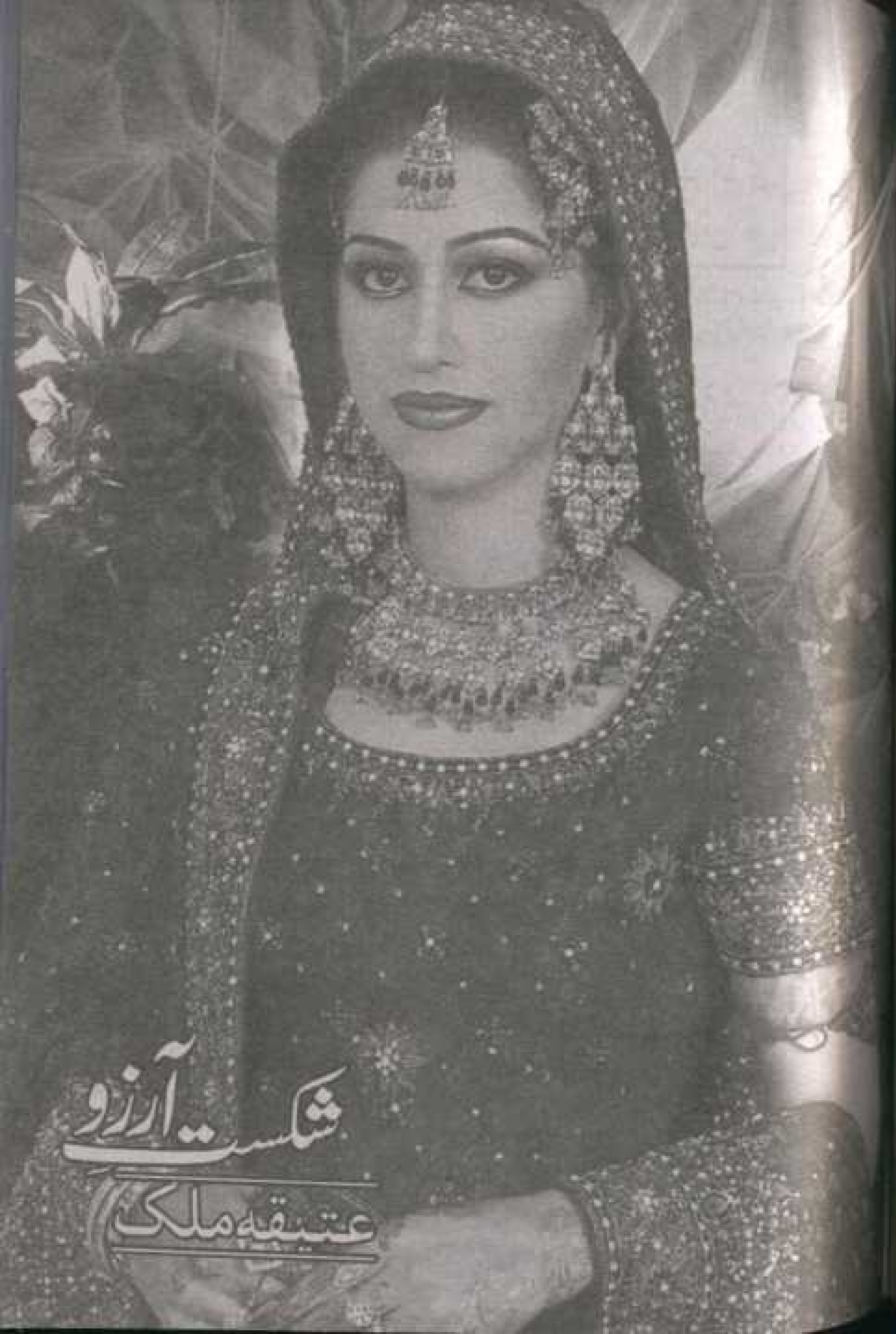

اجالے اس قدر بے نور کیوں ہیں
کتابیں زندگی سے دور کیوں ہیں
کبھی یوں ہو کہ پتھر چوٹ کھائیں
یہ ہر دم آئینے ہی چور کیوں ہیں

ایس پی اگلن شاہ کی طرف سے دیا جانے والا پیغام اس قدر اچنبھے کا باعث تھا کہ وہ حیرت سے اماں کا منہ تکتی رہ گئی جو نہ صرف اس کا مطمع نظر پورے سیاق و سباق کے ساتھ اس تک پہنچا چکی تھیں بلکہ بابا کی خواہش اور مجبوری بھی۔

"یہ اماں کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے ان کے جانے کے بعد حیرت سے نکلتے ہوئے ملکہ سے سوال کر ڈالا جیسے ابھی وہ تردید کردے گی کہ اس کی سماعتوں نے غلط سنا ہے مگر ملکہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بجھے ہوئے انداز میں کپڑے تہہ کرتی رہی۔

"اور بابا کو کیا ہوگیا؟"

"آپ نے سنا نہیں آپی کہ بابا کہہ رہے ہیں کہ ان حالات میں اس سے مناسب فیصلہ کوئی اور نہیں ہوسکتا کہ آپ کو......"

"کہ مجھے کسی اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا جائے۔" وہ تلخ ہوا ٹھی تھی جواباً ملکہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"عمید سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"کیا بات کریں کہ وہ اپنی ماں کو موت کے منہ میں چھوڑ کر سر پر سہرا سجا کر آجائیں یوں بھی وہ غیر خاندان کے لوگ ہیں انہیں اپنی فیملی پرابلمز سے ہم لوگ کس حد تک آگاہ کرسکتے ہیں۔"

"مگر یہ اس مسئلے کا حل کب سے ہوگیا کہ ایس پی اگلن شاہ...... جس نے انتہائی گھٹیا اور نامناسب بات کی ہے مگر کی کیسے؟"

"بس کریں آپی! یہ فیصلہ بابا کا ہے مگر حنا علی بخش قطعاً ماننے کو تیار نہیں ہے۔"

کمرے میں ادھر سے ادھر مارچ پاسٹ کرتے ہوئے اس نے دوسری مرتبہ اس کا نمبر ڈائل کیا تھا' حنا کو یاد نہ ہا کہ اس نے کیا الفاظ ترتیب دیئے تھے۔

اگلے پل وہ کال ڈسکنکٹ کرچکی تھی مگر چند پل گزرے پرو ہی نمبر اس کی اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو......" اس نے یس کا بٹن پش کیا تھا۔

"مس حنا علی بخش؟" سوالیہ انداز میں اگلن شاہ نے اس کا نام لیا تھا۔

"یہ کیا خبیث حرکت ہے ایس پی صاحب!" اس نے خاصا چبا کر پوچھا تھا۔

"کوئی بھی شرعی رشتہ قائم کرنے کے لیے کسی لڑکی کے والدین کو اپروچ کرنا خبیث حرکت ہے کیا؟" وہ قدرے دلچسپ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"مگر اس کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکی سوٹ ایبل ہے یا نہیں۔" اس نے ترش ہو کر کہا تھا۔

"یہ فیصلہ آپ ہم پر چھوڑ دیں کہ آپ سوٹ ایبل ہیں یا نہیں۔" محظوظ ہو کر کہتا رہا تھا۔

"یہ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بھی سن لیں کہ میں انگیجڈ ہوں۔"

"تو کیا ہوا؟ انگیجڈ ہی ہیں نا میرڈ تو نہیں۔ منگنی سے زیادہ ناپائیدار بندھن میرے نزدیک اور کوئی نہیں۔"

"مگر میرے نزدیک یہ بہت اہمیت رکھتا ہے' کمٹمنٹ بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"مگر مجبوریاں کمٹمنٹ سے بھی اہم ہوتی ہیں مس حنا علی بخش!" دوسری طرف جیسے کوئی پروا ہی نہ تھی۔

"ویسے بھی میں نے صرف ایک پرپوزل دیا ہے فیصلہ تو آپ کے والدین کو کرنا ہے۔"

"آپ اپنے فرض کو ہماری مجبوریوں کا نام دے کر ہمیں خریدنے کی کوشش مت کریں۔" وہ پھنکاری تھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آپ بکاؤ مال ہیں جو میں آپ کو......" دوسری طرف لہجے میں خاصی تختی آگئی تھی۔

"آپ کا کام ہمیں تحفظ دینا ہے نا کہ......"

"ہمارا کام تحفظ نہیں انصاف دینا ہے چند خدشات کی بنیاد پر ہم ہر گھر کے آگے ڈیرہ نہیں ڈال سکتے سو جب بھی کوئی مسئلہ ہو آپ ہمیں کال کریں ہم چند گھنٹوں میں آپ کے پاس پہنچیں گے' ہمیں آپ کی کال کا انتظار رہے گا' اللہ حافظ۔"

❁ ❁ ❁

ویل ڈیکوریٹڈ کمرے میں سجی سنوری حنا کو سیج پر بٹھایا گیا تو پھولوں کے درمیان وہ بھی کسی پھول کی مانند لگ رہی تھی مگر اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا' تھوڑی ہی دیر میں اس کے کمرے سے خواتین کا رش چھٹنے لگا تو لاؤنج سے مہمانوں کا شور بھی کم ہونے لگا حتیٰ کہ بالکل ہی خاموشی چھا گئی یوں بھی بارات میں گنے چنے افراد ہی الوائٹ تھے۔

"بخشی یار کھانا لگادو اور ابھی ہی چائے بنادو۔" اگلن شاہ کسی ملازم سے مخاطب تھا۔

کیوں نہ میں دروازہ بند کردوں؟ وہ جو کمرہ خالی ہوتے ہی ارد گرد کے بارے میں کانشس تھی اس سوچ کے تحت اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر جس وقت اس نے دروازہ بند کرنا چاہا اسی وقت اگلن شاہ کمرے میں داخل ہورہا تھا۔

"خیریت...... کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں مجھے دروازہ بند کرنا ہے۔" اس نے اپنی لرزش پر قابو پاتے ہوئے خاصا منہ توڑ جواب دیا تھا۔

"کہ آپ دروازہ بند کردیں گی تو میں اندر کیسے آؤں گا۔" اس نے آنکھیں پھیلا کر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"او کے۔" اگلے پل کوئی جواب نہ پا کر قدرے مشفق انداز میں اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور پھر باہر کی طرف آواز لگائی۔

"بخشی بھئی جلدی کرو اور لے بھی آؤ کھانا۔" تھوڑی ہی دیر میں ملازم کے کھانا لاتے پر اگلن شاہ نے ٹرے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اور خود الماری سے کپڑے نکال کر واش روم میں چلا گیا تھا' حنا بیڈ کے کنارے پر ٹک چکی تھی۔

"اب میں باہر جاؤں؟" وہ چینج کرکے واپس آیا تو سنجیدگی سے اس کے منتظر انداز کو ملاحظہ کرکے سوال کیا تھا۔

حنا نے فقط سر ہلایا تھا۔

"او کے۔" قدم بڑھاتے ہوئے وہ ذرا سا اس کے پاس رکا تھا۔

"حالات انسان کے اختیار سے باہر ہوجائیں تو خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہیے' انسان کی کوشش کے بغیر ایک فیصلہ رب کی طرف سے ہوتا ہے جو یقیناً اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ کھانا کھالینا......" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گہری نظر اس پر ڈال کر نرمی سے ہدایت کرتے ہوئے وہ باہر چلا گیا تھا۔

حنا کے لیے اس کا رویہ حیران کن مگر باعث اطمینان تھا۔

❁ ❁ ❁

"کیا ہوا' کچھ بات بنی؟" وہ جھولے پر منہ بسورے افسردہ بیٹھی تھی جب میڈم رضوانہ نے پاس سے گزرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ اس نے مایوسی سے انکار میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں ثنائرہ سے بات نہیں کی؟"

"میڈم سائرہ سے بات کی ہے مگر وہ کہہ رہی ہیں کہ میں اکیلی لڑکی کو یوں کسی کے گھر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

"بات تو ان کی بھی ٹھیک ہے' میڈم رضوانہ نے وارڈن کے موقف کی تائید کی تو وہ انہیں شاکی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ کو پتا ہے میڈم!"

"نہیں مجھے بالکل نہیں پتا۔" میڈم رضوانہ نے اس کے تکیہ کلام پر محظوظ ہو کر ٹوک دیا۔

"اُفوہ...... بات نہیں پکڑیں نا شانی کہہ رہی تھی کہ اس نے میلاد کی محفل اس لیے رکھی ہے تاکہ وہ مجھے گھر بلا سکے۔" اس نے شکوہ کناں انداز سے انہیں مطلع کیا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس بابرکت محفل کے انعقاد کا مقصد تمہیں اپنے گھر بلانا ہے۔" میڈم نے قدرے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"میں نے بھی یہی بات کہی مگر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی دوست کو بلانے کے لیے ایک اچھا اور نیک کام کررہی ہوں اس پر بھلا تنقید کی کیا تک بنتی ہے۔"

بات تو واقعی اس کی بھی درست ہے۔" میڈم رضوانہ فوراً قائل ہوگئیں۔

"تو آپ میڈم سائرہ سے بات کریں نا حنا کی دوست شانزے جتوئی اسے کئی بار گھر آنے کے لیے کہہ چکی تھی مگر ہاسٹل کے رولز اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر اب کی بار اس نے اتنا اصرار کیا کہ حنا کو ماننے ہی بنی۔ اس کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ بی اے کے پیپرز ہونے والے تھے اس کے بعد انہوں نے زندگی کے سفر میں الگ الگ راستوں پر گامزن ہوجانا تھا سو وہ خود بھی ایک بار اس کے گھر جانا چاہتی تھی اس لیے میڈم رضوانہ کی سفارش لے رہی تھی۔

"میں کیا بات کروں یار وہ کیا سوچیں گی میں بھلا ہاسٹل رولز سے واقف ہوتے ہوئے...... اچھا ایسا ہے کہ میں خود بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" کچھ سوچ کر میڈم رضوانہ نے کہا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"ہائیں میڈم! آپ کتنی اچھی ہیں سچ......" وہ جھولے سے اچھل کر ان کے قریب آن کھڑی ہوئی اور عقیدت سے ان کے ہاتھ پکڑ کر کہہ رہی تھی۔

"بس بس زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔" میڈم رضوانہ نے مسکراہٹ دبا کر مصنوعی رعب سے ڈپٹا تھا۔

❁ ❁ ❁

شادی جن حالات میں ہوئی تھی اب مزید کسی فنکشن کا تو سوال ہی نہیں تھا بس دوسرے دن انہیں اماں ابا نے کھانے پر انوائٹ کیا تھا اور حنا کا دل چاہ رہا تھا کچھ ایسا ہو کہ وہ گھر والوں کی نظروں کا سامنا کرنے سے بچ جائے تبھی اس نے تیار ہونے میں اتنی دیر لگادی جب ملکہ کا وہ تین بار تشویش بھرا فون آچکا تھا سرخ رنگ کے ہلکے کام والے سوٹ میں وہ دل سے تیار باہر آئی تو افگن لاؤنج میں اس کا انتظار کررہا تھا۔ اس کا تاثر دیکھ کر گویا اس کی نظر ٹھہر سی گئی اور حنا کو اپنی تیاری پر غصہ آنے لگا اس نے گھر والوں کو خوش ہونے کا تاثر دینے کے لیے یہ کیا تھا مگر اب...... اماں ابا سے مل کر وہ ملکہ کے ساتھ کمرے میں چلی آئی تھی کہ اس کے ساتھ باتیں کرنے کا بہانہ کرکے کھانے سے بھی انکار کردیا تھا۔

افگن نے اماں ابا کے ساتھ کھانا کھایا جبکہ ان دونوں بہنوں نے اندر کمرے میں وہ آتے وقت ہی کمرے سے باہر نکلی تھی۔

❁ ❁ ❁

شانزے کے گھر جا کر انہیں وی آئی پی پروٹوکول ملا تھا ایک تو وہ اس بات پر بے حد خوش تھی کہ حنا پہلی بار ان کے گھر آئی تھی مگر میڈم رضوانہ کی آمد تو اس کے لیے گرینڈ سرپرائز ثابت ہوئی۔ میلاد میں شریک خواتین سے اس نے بڑے فخر سے تعارف کرایا تھا۔ میلاد کے اختتام پر شانزے اسے وضو کرنے کے لیے باتھ روم تک اس کی رہنمائی کرکے گئی تھی ساتھ ہی اس نے کمرے میں جائے نماز بھی لاکر رکھ دی وہ وضو کرکے نکلی تو مغرب کا ملگجا سا اندھیرا اچھل رہا تھا اس نے جائے نماز اٹھا کر پچھلی طرف کا دروازہ کھولا تو خود کو ایک خوش نما اور سرسبز لان میں پایا۔ سرسبز گھاس پر جائے نماز بچھا کر نماز ادا کرکے دعا شروع کردی تھی۔

عبید نہا کر باتھ روم سے نکلا تو کمرے میں پھیلا اندھیرا لوڈشیڈنگ کی زیادتی پر چڑا رہا تھا چونکہ ابھی ابھی وہ واپس آیا تھا لہٰذا کمرے میں اے سی آن نہ ہونے کے سبب حبس ہورہا تھا۔ ملازمہ چائے کا کپ تھما کر واپس گئی تو وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ٹیرس پر کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر چلا آیا تھا۔

میلاد میں شریک خواتین بابرکت محفل کے اختتام پر کھانا کھلنے کے انتظار میں خوش گپیوں میں مصروف تھیں برتنوں کی کھنک

اور بچوں اور خواتین کا ملا جلا شور یہاں بہت سکون تھا۔ طائرانہ نگاہ ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے اس کی نگاہ بھٹک کر رہ گئی۔ روشن سا چہرہ ملگجے اندھیرے میں بھی اس قدر نمایاں تھا کہ اس کی نگاہ اس وجود سے ہٹنے سے انکاری ہوگئی۔

تبھی لائٹ واپس آنے پر ٹیرس کے نیچے لگی ٹیوب لائٹ جل اٹھی اور گویا عبید رضا کے اردگرد سب روشن ہوگیا اس کی ناک میں بھی سفید نگ والی بالی زیادہ لشکارے مار رہی تھی یا اس کا صبیح چہرہ۔ عبید رضا کو فیصلہ کرنا مشکل ہورہا تھا دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جائے نماز سمیٹ کر اندر چل دی مگر ساتھ ہی عبید رضا کا بھی چین و سکون سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

"شانزے کی بچی فوراً سے پہلے مجھے ہاسٹل چھڑوانے کا بندوبست کرو۔ مغرب کے بعد کسی لڑکی کو اس صورت میں ہاسٹل سے باہر رہنے کی اجازت ہوتی ہے جب وہ کسی ہسپتال میں ایڈمٹ ہو۔ آج تو میڈم کیا ساتھ ہونے کی وجہ سے تھوڑی سہولت ہے ورنہ...... اب آدھی رات کو واپس گئے تو وہ ناشپاتی جیسی شکل والا چوکیدار میڈم کی بھی کمپلین کردے گا۔" کھانا ختم ہوتے ہی وہ شانزے کے سر ہوگئی جو پہلے ہی موبائل پر اپنے بھائی کی دریافت میں سرگرداں تھی۔

"یار بھیا سے مسلسل رابطہ کررہی ہوں پتا نہیں کیوں لیٹ ہوگئے ہیں۔" اس نے کچھ جھنجلا کر نمبر ڈائل کیا اور موبائل کان سے لگا کر بیل جانے کا انتظار کرنے لگی تبھی اس کی نظر سیڑھیاں اترتے عبید پر پڑی جو گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیے باہر جانے کے لیے نکل رہا تھا۔

"ایک منٹ عبید بھائی مجھے آپ سے ایک کام ہے۔" شانزے لائن ڈسکنکٹ کرکے تیزی سے اس کے پیچھے باہر نکلی تھی۔

❁ ❁ ❁

ساون کی موسلا دھار بارش کے بعد ٹھنڈک اور چاندنی کی مدھری چاندنی دور تک پھیلے کھیتوں میں لہلہا رہی تھیں۔ اردگرد کے کھیتوں میں پانی سے بھرے بن اور ان میں ٹرٹراتے مینڈکوں کی آواز چاندنی کے خوشگوار طلسم کو توڑ رہی تھیں۔

حویلی کی چھت پر اپنے بستر پر دراز میاں علی بخش اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے تھے ان کی چھٹی حس کسی انہونی کا اشارہ دے رہی تھی۔ موسم بھی آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ چاند کسی وقت بادلوں میں منہ چھپاتا ملگجا سا اندھیرا رات کی سیاہی کو گہرا کرنے لگتا نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی تھی کہ ہوا میں سرسراہٹ بڑھنے لگی۔

رات کے آخری پہر بادلوں نے چاندنی پر حاوی ہوکر ہر سو سیاہی بکھیر دی تھی اس سے قبل کہ وہ قطرہ قطرہ زمین کا رخ کرتے حویلی کی دوسری طرف چھت پر دو سائے رینگتے ہوئے ان کے پاس سے گزر کر حویلی کے اندر جانے والی سیڑھیوں سے اندر جانے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں نسوانی چیخوں نے رات کا سینہ چیر کر علی بخش کو بھی جھنجوڑ ڈالا تھا۔

میاں علی بخش بدحواس ہوکر تکیے کے نیچے سے پستول نکال کر نیچے کی طرف دوڑے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں ملکہ کسی نقاب پوش کی گرفت میں مچلتی نظر آئی دوسری طرف رسولاں اور حنا بھی بدحال و پریشان تھیں۔ علی بخش کمرے میں داخل ہونے سے قبل ہی سیٹی کی چیخ بنا چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

نائلہ بیگم جو چند ماہ کے فرقان کو لے کر رضا علی خان کی معیت میں برسوں کے لیے امریکہ میں یوں مقیم ہوگئیں کہ ان کے جیون ساتھی جو انہیں ساتھ لے کر ہارورڈ یونیورسٹی کی ریسرچ ٹیم کا حصہ بنے تھے انہوں نے نائلہ بیگم کو دیار غیر میں جینے کے ڈھنگ سکھائے۔ سیدھی سادی نائلہ نے امریکہ میں رہ کر بچوں کو پالا پوسا اور خود بھی رضا صاحب کی معیت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی جب وہاں کے ماحول میں رچ بس گئیں تو رضا صاحب نے انہیں الوداع کہہ کر اجنبی دیس کی مٹی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

نائلہ بیگم کو وہ زمین بہت مقدس لگتی جہاں ان کے شریک سفر ابدی نیند سو رہے تھے یہی دیس تھا جس نے انہیں اور ان کی اولاد کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا تھا مگر جب فرقان نے مصری نژاد الوینا سے شادی رچا کر اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کی تو بے اختیار ہی نائلہ کو اپنا وطن، کلچر اور ماحول کی یاد

ستانے لگی یہاں کی دوشیزاؤں میں رکھ رکھاؤ، بزرگوں کا ادب اور خاندانی سسٹم میں ضم ہونے کا سلیقہ تھا الویرا چند دن بھی ان کے ماحول اور جوائنٹ فیملی سسٹم سے نباہ نہ کرپائی تھی اور اب جب وہ اپنی آٹھ سالہ بچی کو بورڈنگ میں چھوڑ کر خود آزاد اور بے باک زندگی کو انجوائے کررہی تھی تو نائلہ بیگم کو فرقان کی آئندہ نسل کے حوالے سے ہول اٹھتے تھے ایسے میں انہوں نے طے کرلیا تھا کہ دوسری بہو وہ اپنی سرزمین سے بیاہ کرلائیں گی تاکہ نا صرف اپنوں سے ناطہ جڑا رہے بلکہ اپنی سرزمین کی قدریں بھی آئندہ نسلوں کے خون میں شامل رہیں اور مغرب کی ہولناک اور اندھی تہذیب کا نوالہ نہ بن سکیں۔

یہی بات انہوں نے عبید رضا کے ذہن میں بہت عرصے سے ڈالنا شروع کردی تھی الویرا نے جس طرح ان کے ہنستے بستے خاندان کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تھا اور خاص طور پر جب سے وہ ننھی شناء کو بورڈنگ سے گھر لائی تھی تو اس ننھی پری کو دادی کے زیر سایہ پرورش پاتے دیکھ کر اکثر و بیشتر تاسف کا اظہار کرکے ماں کے فیصلے پر یقین کی مہر ثبت کرتا۔

❀ ❀ ❀

افگن شاہ اور حنا کے درمیان جو دیوار حنا نے اپنے ناگوار رویے سے قائم کی تھی افگن نے بھی اسے گرانے کی کوشش نہیں کی تھی آفس سے گھر آتا اور حنا سے سامنا ہونے پر نارمل لہجے میں کوئی سرسری بات کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا جاتا' حتیٰ کہ پہلے دن کے بعد اس نے حنا کے کمرے میں جھانکنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور رہ گئی حنا تو اس کا صرف ایک کام تھا گھر فون کرکے گھر والوں کو لمبی لمبی تسلیاں دیتی یا پھر کسی کونے میں گھٹنوں بیٹھ کر کڑھا کرتی۔ دن کو ایک عورت چند گھنٹوں کے لیے کام کرنے آتی' صفائی ستھرائی کے بعد کھانا بنا کر چلی جاتی تو پھر وہ اکیلی رہ جاتی۔

ایسے ہی لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی جب کھٹکے کی آواز پر چونک کر اٹھی تھی۔

"یہ دروازہ کیوں کھلا چھوڑ رکھا ہے؟" افگن شاہ نے کڑے تیوروں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ خود صبح کھلا چھوڑ گئے تھے۔" اس نے بیزاری کے ساتھ نظریں چرا کر جواب دیا تھا۔

"تو...... اس کے بعد تمہیں بند کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔"

جواب میں کچھ کہنے کے وہ بجائے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھوڑی دیر کچن سے کھڑ پڑ کی آوازیں آتی رہیں۔

"تم تیار ہوجاؤ میں تمہیں تمہارے والدین کے پاس چھوڑ کر آتا ہوں۔" تھوڑی دیر میں چائے کا کپ ہاتھ میں لیے وہ اندر چلا آیا تھا۔

"کیوں؟" حنا کی پریشانی دیکھنے والی تھی۔

"تمہارا وہیں رہنا بہتر ہے۔"

"آپ کو میرے یہاں رہنے سے کوئی پرابلم ہے؟" وہ اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"کیا تمہیں یہاں اسی طرح رہنا چاہیے جس طرح تم یہاں رہ رہی ہو؟"

"تو پھر یہاں کس طرح رہنا چاہیے؟" ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے قدرے چبا چبا کر پوچھا تھا۔

افگن شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچا اور وہ جو اس ذہنی جھٹکے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھی لڑکھڑا کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا خود کو اس پر گرنے سے روکا تھا۔

"اب یہ بھی مجھے بتانا ہوگا کہ تمہیں اپنے گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے؟" کوشش کے باوجود وہ دور نہ ہٹ سکی۔ افگن شاہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔

"ویسے تم یہ سن کر اتنی پریشان کیوں ہوگئی ہو کہ میں تمہیں تمہارے والدین کے گھر چھوڑنے جارہا ہوں' تمہیں تو اتنا خوش ہونا چاہیے۔"

"ملتان لوگوں کو بہت شہ ملے گی وہ دوبارہ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔" اس نے بے چارگی سے وجہ بتائی تو افگن شاہ چونک اٹھا تھا۔

"تو تم اس مجبوری کی وجہ سے یہاں رہ رہی ہو کہ......" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو افگن نے جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

ہر پیپر کے اختتام پر جب ساری دوستیں مل کر پیپر کی روئیداد بیان کرتیں تو شانزے کی ایک ہی رٹ تھی۔

"پیپرز کے بعد میں تمہارے گھر آؤں گی مجھے تمہارا گھر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔" پہلے پہل تو حنا حیران ہوئی پھر اس کی مسلسل تکرار سے مشکوک ہونے لگی اس سے قبل دو چار بار حنا کی اکیڈمی آ کر اس نے قطعاً درخوراعتنا نہ جانا تھا تو بھلا اب کیوں؟

"یہ اچانک تمہیں ہمارا گاؤں دیکھنے کا شوق کیوں ہوگیا۔" ایک روز وہ مشکوک ہوکر پوچھ بیٹھی اور جواباً شانزے کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رینگ گئی۔

"بھئی یہ شوق مجھے نہیں کچھ اور لوگوں کو لاحق ہوا ہے جو بہت بے تابی سے تمہارے پیپرز ختم ہونے کا انتظار کررہے ہیں۔"

"کون لوگ...... کیوں سسپنس کری ایٹ کررہی ہو۔" حنا نے کلپ بورڈ اس کے سر پر دے مارا تھا۔

"یہ تو وہاں آ کر ہم تمہیں بتائیں گے ایسی باتیں مشرقی لڑکیوں سے بھلا ڈائریکٹ تھوڑی کی جاتی ہیں۔" شانزے اسے مزید حیران کرکے آگے بڑھ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

چور...... چور...... سڑک پر بلند آواز کے ساتھ تیزی سے بھاگتے قدموں کی آوازیں سن کر ہڑبڑا کر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ کمرے میں چھایا گھپ اندھیرا بجلی کے نہ ہونے کا اعلان تھا وہ تیزی سے اٹھ کر اندازے سے دو چار چیزوں سے ٹکرا کر دروازہ کھول کر باہر نکلی اور برابر کے ادھ کھلے دروازے سے ملگجی روشنی میں تیزی سے اندر داخل ہوئی تو کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز موبائل پر بات کرتے افگن شاہ نے موبائل کی روشنی کا رخ اس کی طرف کیا اور دوبارہ فون پر بات کرنے لگا تھا۔

"آؤ بیٹھو...... کیا بات ہے؟" بات ختم کرکے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"باہر سے چور چور کی آوازیں آرہی تھیں' بیڈ پر ٹکتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔

"کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ یہ چوکیدار کو ذرا سا کھٹکا ہو تو وہ ایسے ہی آواز لگا دیتا ہے۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں جواب دیا تھا۔

"نہیں مجھے تو لگتا ہے وہ ایک سے زیادہ لوگ ہیں جبھی تو اتنا شور ہو رہا تھا۔ میں نے ابھی علاقے کے ایس ایچ او سے بات کی ہے وہ پیٹرولنگ پر ہے جو بھی ہے وہ دیکھ لے گا۔"

"وہ لوگ کہیں اندر نہ آجائیں۔" حنا نے خدشہ ظاہر کیا۔

محض چند ماہ پہلے تک یہ ہنسیوں اور خوشیوں سے بھرپور ایک بے فکر خوش باش زندگی گزارنے والی لڑکی جس کی سانسوں کا زیروبم اس کے خدشات و ہراس کو نمایاں کررہا تھا۔ بھلا میں اسے کیا دے سکوں گا افگن شاہ کو بیک وقت اس کی حالت پر رنج بھی ہوا اور اپنی خود غرضی پر غصہ بھی آیا تھا۔

"کیا بے وقوفی ہے؟ اب چور چوری کے لیے ایس ایس پی کا ہاؤس منتخب کریں گے گیٹ پہ بھی سامنے گارڈ موجود ہے اور پھر باہر گیٹ لاک ہے اور پھر گھر کا مرکزی دروازہ بھی بند ہے وہ اندر کیسے آجائیں گے۔"

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے تم یہیں سو جاؤ۔" افگن شاہ نے اپنے ذہن میں در آنے والے خیال کو جھٹک کر اسے تسلی دیتے ہوئے کمبل خود سے ہٹا کر بیڈ کی دوسری طرف کھسکا کر ہاتھ بڑھا کر تکیہ سیدھا کیا تو وہ قدرے جھجکتے ہوئے دوسری طرف دراز ہوگئی اور تھوڑی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔ افگن یوں ہی اپنے حالات پر غور و فکر کررہا تھا جب کمرہ لائٹ کی مدھم روشنی سے جگمگا اٹھا تھا۔

وہ تکیہ سیدھا کرکے لیٹا تو نظر برابر سوتے ہوئے وجود کی طرف چلی گئی دودھیا رنگت پر گھنیری سیاہ پلکیں اور بے ترتیب زلفیں بار بار اس پر پڑنے والی نظریں گویا ہٹنے سے انکاری ہوگئیں شاید اتنی فرصت سے اسے دیکھنے کا موقع پہلی بار ملا تھا کہ افگن شاہ کی نیند اس سوتے ہوئے وجود کا طواف کرنے لگی تھی جس وجود پر سارے حقوق رکھتے ہوئے بھی وہ کوئی حق جتانے سے قاصر تھا کافی دیر بعد جب اسے لگا کہ یہاں سونا کم از کم اس کے لیے ممکن نہیں تو وہ دوسرے کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھا تھا اور پریشان حال ہوگئی نیند میں

سوئی حنا دروازہ کھلنے کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کہاں...... کہاں جارہے ہیں آپ؟" دروازہ کھولتے اُفق شاہ کے ہاتھ تھم گئے اس نے مڑ کر دیکھا اور دروازہ بند کرکے اس کے قریب آ گیا۔

"کہیں نہیں، یہیں تو ہوں تمہارے پاس۔" اس نے حنا کی نیند سے بوجھل سرخ آنکھوں میں جھانک کر جواب دیا تھا۔

مغرب کے ملگجے اندھیرے میں جب چڑیاں چوں چوں کرتی شاخوں پر اپنا ٹھکانہ چننے میں مگن تھیں وہ نماز پڑھ کر پچھلے صحن میں مٹرگشت کرتی پھر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے خوب لطف دے رہے تھے۔

"حنا باجی...... حنا باجی...... آپ کا فون بج رہا ہے۔" جائے نماز پر نیت باندھنے کے لیے دوپٹہ صحیح کرتی ملکہ کی زوردار آواز پر اس نے بھاگ کر موبائل اٹھایا تھا۔

"ہیلو...... ذرا آنٹی سے بات کراؤ۔" دوسری طرف شانزے تھی حال احوال کے بعد اس کے کہنے پر حنا نے وسیع و عریض برآمدات سے پرے فضل چاچا کے تندور پر پیڑے بناتی ماسی بھاگی کے ساتھ کھڑی اماں کو ایک نظر دیکھا تھا۔

"جو بات اماں سے کرنی ہے پہلے مجھ سے کرو اس کے بعد بابدولت تمہاری بات اماں سے کروائیں گے۔" حنا اکڑ گئی۔

"فضول بات نہیں کرو اور آنٹی سے بات مجھے نہیں ماما نے کرنی ہے۔" شانزے کی جھڑک دینے پر اس نے منہ بنا کر صحن کی حدود میں داخل ہوتی اماں کو ہاتھ کے اشارے سے بلا کر موبائل پکڑا دیا اور خود بھی کان لگا کر سن گن لینے کی کوشش کرنے لگی۔

حال احوال کے بعد شانزے کی ماں نے دوسری طرف نجانے کیا بات کہی کہ اماں کے چہرے پر قدرے اچنبھے کے آثار پیدا ہوئے اور ان کی گفتگو بہن...... جی ہاں آپ کی مرضی اللہ بہتر کرے گا آپ کا اپنا گھر ہے...... تک محدود ہو گئی تھی اور ایسے میں حنا کے پلے خاک نہ پڑ سکا تھا اور اس شام بابا اور اماں کی ایک طویل میٹنگ ہوئی تھی جس کے اختتام پر اماں ان دونوں بہنوں کے پاس چلی آئی تھیں۔

حنا کا دل دھڑک دھڑک رخساروں پر قندھاری اناروں کی سرخی بکھیر رہا تھا۔

رنگین چار پائیوں پر سجے نئے گاؤ تکیے برآمدے میں لگا ایئر کولر اور دو رویہ برآمدوں کی قطار کے آگے بنا برآمدہ بھاگی کے ہاتھوں چمچما رہا تھا۔ بابا ڈیرے کے ملازم کے ساتھ سودے کی طویل لسٹ کا ایک ایک آئٹم خرید کر لائے تھے یہ سب کچھ کسی خاص مہمان کی آمد کا اعلان تھا کہ حویلی کے وسیع و عریض صحن میں لگے پھولوں کی باڑ سے پرے برآمدے میں کام بھگتاتی فضل تایا کی بیوی زمرد اور کریم چچا کی بیوی ریشماں بھی چونک اٹھی تھیں بلکہ پورا خاندان گویا کان بن گیا تھا۔

"کیا بات ہے زبیدہ حنا کی بکلی ملنے آرہی ہے کوئی وزیر سفیر تو نہیں؟" زمرد تائی نے ناک پر ہاتھ رکھ کر حیرت کا اظہار کر ڈالا تھا۔

"آپ کی عرض سر آنکھوں پر مگر مجھے خاندان کے باقی افراد سے بھی مشورہ کرنا ہے۔" میاں علی بخش نے شانزے کی ماں کے اصرار پر کہا تھا مگر ان کی بات پر بانو بیگم کے سوئے ہوئے حواس بھی گویا بیدار ہو گئے تھے وہ موقع ملتے ہی انہیں سمجھانے لگی تھی۔

"خدا کا خوف کریں میاں جی اتنی وسیع زمین جائیداد کے ہوتے ہوئے آپ کی بیٹیاں غیر برادری میں چلی جائیں؟ یہ بات آپ کے بھائیوں کو بھلا کہاں گوارہ ہوگی؟ مشورہ کرنے کا مطلب فساد کھڑا کرنا ہے اور پھر فضل لالہ نے اپنی بیٹیوں کے رشتے طے کرتے ہوئے آپ سے کب پوچھا تھا جو آپ فساد کو آواز دے رہے ہیں۔"

"تو پھر......"

"تو پھر یہ اولاد کی زندگیوں کے فیصلے والدین کو کرنے ہوتے ہیں۔" فضل بخش، کریم بخش اور میاں علی بخش گاؤں کے نمبردار محمد علی بخش کے تین سپوت تھے جن کے نام کا ڈنکا

گاؤں میں بجتا تھا وسیع و عریض زمین پر بنے ہوئے تین اطراف میں کمروں کی لمبی قطاریں اور ان کے آگے بنے برآمدے اور درمیان میں لگے نیم، پیپل اور شہتوت کے درخت ایک مشترکہ حویلی کا سا تاثر قائم کرتے۔ چند میل کے فاصلے پر کھیتوں کا ڈیرہ تھا جہاں دو تین ملازموں کی مدد سے ڈھور ڈنگر سنبھالے جاتے۔

فضل بخش کی دو بیٹیاں ہما اور شبنم اور دو بیٹے عثمان اور فرقان تھے کریم بخش کو خدا نے بیٹے ظہیر اور بیٹی فروا کی نعمت سے نوازا تھا جبکہ میاں علی بخش کے گھر میں حنا اور ملکہ کی صورت میں خدا کی دو رحمتیں کلکاریاں مارتیں۔ اردگرد کا ماحول اور زمین جائیداد کا غرور تھا کہ دونوں بڑے بھائیوں کی اولاد ذرینہ نے تعلیم کے معاملے میں بے حد بے پروائی برتی اور والدین "زمین جائیداد سنبھالیں گے" کہہ کر نظر انداز کر جاتے تھے۔ فضل بخش کی دو بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی فروا کا رشتہ عثمان سے طے تھا میاں علی بخش نے بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی مگر یہی بات آنے والے دنوں میں وجہ فساد بن جائے گی کسی کو اندازہ نہ تھا۔

جہاں کریم بخش اور فضل بخش نے طے کر رکھا تھا کہ بھائی کی دونوں بیٹیوں پر ان کا پورا پورا حق ہے یوں ان کی جائیداد خاندان سے باہر نہیں جائے گی وہیں میاں علی بخش پڑھے لکھے رشتوں کے خواہاں تھے۔ ایسے میں عبید رضا کا رشتہ ان کی توقعات سے بڑھ کر تھا۔ نائلہ بیگم نے شانزے کی والدہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا اور خود بھی میاں علی بخش اور بانو سے فون پر تفصیلاً بات چیت کرکے اس چاہ اور شدت سے رشتہ مانگا کہ وہ انکار نہ کر سکے اور حنا کی انگلی میں عبید رضا کے نام کی انگوٹھی سج گئی وہ حنا کی آنکھوں میں سنہرے خواب سجا کر پردیس لوٹ گیا جہاں سے چند ماہ میں واپس آ کر حنا کو رخصت کرکے لے جائے گا۔

"ہوش میں تو ہو علی بخش! کیا پہلے ایسا ہوا ہے جو اب ہوگا۔" خبر ملتے ہی پورا خاندان گرجتا، دندناتا ہوا ان کے سر پر آن پہنچا تھا ایسے میں انہوں نے شکر کیا کہ مہمان جا چکے تھے۔

"کیا ہوا ہے لالہ! کیا آپ نے اپنی بیٹیوں کو رخصت نہیں کیا؟ کیا یہ دستور نہیں ہے کہ بیٹیوں کو ایک دن رخصت ہونا ہوتا ہے۔" میاں علی بخش نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"بیٹیاں رخصت ہو کر جاتی ہیں مگر اپنی برادری میں، پرکھوں کی جائیداد کو غیروں میں بھیجنے کا دستور نہیں ہے ہمارا۔"

"جائیداد کے بٹوارے کا دستور اللہ نے بنایا ہے ہم کون ہوتے ہیں اس میں مداخلت کرنے والے جو جس کا حق ہوگا اس کو مل جائے گا۔"

"یہ حق حقوق کے دستور ہمیں نہ پڑھاؤ علی بخش! پہلے تم نے بیٹی کو پڑھائی کے نام پر شہر بھیجا جو کام ہم نے بیٹوں کو نہیں کرنے دیا وہ تمہاری بیٹی نے کیا مگر اب...... اب تو تم نے حد کر دی۔" کریم بخش نے بھی آگے بڑھ کر چھوٹے بھائی کو ڈپٹا تھا۔

"آپ کے بیٹے اس قابل ہوتے تو ضرور یہ کام کرتے۔" بانو بیگم نے سکون سے جواب دیا تھا۔

"تو چپ کر چاچی! یہ ہمارے خاندان کی عزت و غیرت کا معاملہ ہے اسے ہم مرد ہی طے کریں گے۔" عثمان نے انہیں گھرکا تھا۔

"کون سی عزت...... کون سی غیرت...... تم اپنی بہن کی شادی کرو گے تو تمہاری عزت اور غیرت پر چوٹ پڑ جائے گی؟" میاں علی بخش ان کی لایعنی باتوں پر چڑ کر کہہ رہے تھے۔

"پہلے تم لوگوں نے بیٹی کو کھلی آزادی دے کر شہر بھیجا اور وہ اپنے پیچھے نہ جانے کن لوگوں کو لگا کر لے آئی۔ پورے گاؤں میں ہماری تھو تھو ہو رہی ہے کہ نمبردار علی بخش کے خاندان کی لڑکی......"

"بس بہت ہو چکی بھرجائی میں مزید ایک لفظ برداشت نہیں کروں گا۔" فضل بخش کی بیوی زمرد کے کہنے پر میاں علی بخش ضبط کرتے کھڑے ہو گئے تھے۔

"برداشت تو ہم نہیں کریں گے اور نہ ہی ایسا کچھ ہونے دیں گے جو تم لوگوں نے سوچ رکھا ہے۔" عثمان نے تپ کر

ترچھی دی۔ "ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنے پر مجبور مت کرو چاچا۔" کور بات ان کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔

"نکل جاؤ یہاں......"

"خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو......" میاں علی بخش کے باہر کا راستہ دکھانے پر وہ بکتے جھکتے باہر نکل گئے تھے اور چند ہی دنوں میں ان کی دھمکیاں گاؤں بھر میں گردش کرنے لگیں۔

❀❀❀

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ علی بخش کوئی ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔" فضل کریم کے گھر میں میٹنگ ہو رہی تھی جہاں دونوں بھائی ان کے سپوت اور بیویاں بھی موجود تھیں۔

"ہمیں اسی وقت شور مچا دینا چاہیے تھا جب اس نے لڑکیوں کو پڑھائی کے لیے شہر بھیجا تھا۔" کریم بخش نے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"چھوٹی کو اس کا ارادہ ڈاکٹر بنانے کا ہے بڑی کے معاملے میں نہیں پوچھا تو چھوٹی کو ڈاکٹر بنا کر نہیں کہاں گھاس ڈالے گا۔" فضل بخش کی بیوی زمرد نے نوادی تھی۔

"نہیں نہیں یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے (جائیداد سے ہاتھ دھونا گوارا نہیں)۔" کریم بخش نے انکار میں سر ہلایا تھا۔

"اس کا صرف ایک ہی حل ہے۔"

"ہاں...... ہاں...... نکاح چاہے جبری ہو یا رضامندی سے......اس کے بعد بھلا کیا کر سکے گا مگر یہ ہو سکے گا؟" اور پھر وہ ہو گیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

تھانہ موڑہ جنگلاں...... میں رپورٹ کے لیے آئے میاں علی بخش کو فوراً گرفتار کر لیا گیا تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں سے فائرنگ میں بندہ زخمی ہوا تھا۔ عثمان جس کی ٹانگ پر فائر لگا تھا اس کو میڈیکل رپورٹ کے لیے سنٹرل ہسپتال بھجوا دیا تھا ایسے میں ان کو زخمی حالت میں پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ سلاخوں کے اندر کھڑے بے بس باپ اور سلاخوں کے باہر ماں اور بیٹی کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ میاں علی بخش نے چیخ چیخ کر بتانا چاہا کہ انہوں نے فائر سیلف ڈیفنس میں کیا ہے مگر کسی نے ان کی فریاد نہ سنی ان کو زخمی حالت میں لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔

❀❀❀

اسمگلنگ کی ایک بڑی کھیپ کی اطلاع پا کر مختلف جگہوں پر ناکے لگائے جا چکے تھے ایس پی اگھن شاہ بذات خود ایک ناکے پر موجود تھا جب سب انسپکٹر سے بات ادھوری چھوڑ کر موبائل کی بیل پر متوجہ ہوتے ہوئے پش کا بٹن پریس کیا تھا۔

"مجھے ایس پی صاحب سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف ادھ تھوڑیں سے ایک انجانی آواز ابھری تھی۔

"جی میں ایس پی بول رہا ہوں۔"

"سر میں حنا علی تھانہ موڑہ جنگلاں سے بات کر رہی ہوں۔ سر ہمارے گھر پر کچھ لوگ حملہ آور ہوئے تھے اور جب ہم رپورٹ درج کروانے آئے تو ان لوگوں نے میرے بابا کو بند کر دیا ہے وہ بہت زخمی ہیں اگر ان کو......"

"لو کے آپ ذرا ایس ایچ او کو فون دیں میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

"کون ایس ایچ او......؟" اس کے سوالیہ انداز پر وہ رکا۔

"اچھا آپ یوں کریں کہ اردگرد تھانے کے عملے کا کوئی بندہ دکھائی دے تو اس سے میری بات کروا دیں۔"

"ایکسکیوزمی یہ آپ ذرا ایس پی صاحب سے بات کریں۔" اگھن شاہ نے دوسری طرف سے کسی کو مخاطب کرتے سنا تھا۔

"یس سر میں ہیڈ محرر احمد خان بات کر رہا ہوں۔" دوسری طرف لائن پر محرر کی الرٹ آواز پر ایس پی اگھن شاہ نے اسے کچھ ہدایات دی تھیں۔

"بی بی ایک تو آپ لوگوں کو بڑی جلدی ہوتی ہے فوراً اوپر والوں سے رابطہ شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے ہمیں تو آزما لیں ہم عوام کی خدمت کے لیے ہی تو بیٹھے ہیں۔" محرر نے ایک اے ایس آئی کو اشارہ کیا تھا کہ موٹی توند والا اے ایس آئی کھسیاتے ہوئے انداز میں وضاحتیں دینے لگا اور منٹوں میں علی بخش کو بھی آزاد کر دیا گیا تھا۔

"بی بی آپ ادھر بیٹھیں اور چاچا آپ تفصیل سے احمد

خان کو بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے رپورٹ بھی درج ہو گی اور پرچہ بھی کاٹ دیا جائے گا۔"

❀❀❀

"جی ناشتا ادھر کمرے میں ہی لگا دینا۔" دروازے سے اندر آتے اگھن شاہ کی آواز پر حنا نے نم بالوں کو برش کرتے ہوئے قدرے عجلت میں ہیئر بینڈ میں دوپٹہ اوڑھا تو اگھن شاہ کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ در آئی تھی۔

سیلف پرنٹ بلیک کلر کی لانگ شرٹ جس پر ملٹی کلر کی نفیس کڑھائی کے ساتھ میچنگ پلین بلیک ٹراؤزر اور وہ پہنے میں اس کی دودھیا رنگت گویا دمک اٹھی تھی۔ اگھن شاہ کی ستائش بھری نظروں کے ارتکاز سے گھبرا کر اس نے نگاہیں جھکا لیں تو اس کے چہرے پر چھائی اداسی اور سنجیدگی محسوس کر کے وہ کوئی شوخ فقرہ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی! کوئی ناراضگی ہے کیا؟" بیڈ پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"آپ ہمیشہ دوسروں کی مجبوریوں کا فائدہ ہی اٹھاتے ہیں۔" حنا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"اوئے اوئے کاکے رونا نہیں ورنہ میں بھی رو دوں گا۔" اسے خود سے قریب کر کے اگھن شاہ نے کچھ اس طرح غیر سنجیدگی سے کہا کہ یکدم روتے روتے وہ ہنس پڑی۔

"یہ ہوئی نا بات۔" وہ محظوظ ہو کر کہہ رہا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم سوچتی ہو کہ مجھ سے جان چھڑا کر حالات بہتر ہوتے ہی واپس چلی جاؤ گی اور جہاں تمہاری منگنی......" کچھ دیر بعد وہ قدرے سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا تھا۔

"استغفراللہ ایسی کوئی بات سوچیے گا بھی مت۔" یکدم حنا نے خفگی سے اس کی بات کاٹ دی تو ایک بار پھر ریلیکس ہو کر اپنی جون میں واپس لوٹ آیا تھا۔

❀❀❀

ڈی آئی جی آفس میں دونوں فریقین کو انکوائری کے لیے بلایا گیا تھا۔ اڑتی اڑتی خبر یہ تھی کہ چونکہ فضل بخش کا داماد ڈی ڈی اے کے ایک اعلیٰ عہدیدار کے ہاں ملازم تھا لہٰذا اس عہدیدار نے ایس ایس پی صاحب کو اپروچ کیا تھا ایس ایس پی صاحب نے مختصراً ایس پی اگھن شاہ سے کیس کے متعلق دریافت کیا اور پھر آئی او سے کیس ریکارڈ لے کر سامنے رکھ لیا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ایس ایس پی صاحب نے بند فائل پر سرسری نظر ڈال کر میاں علی بخش سے استفسار کیا تھا۔

"میاں علی بخش۔"

"میاں علی بخش تم شکل سے ہی فراڈیے انسان لگتے تھے اپنے ہی بھتیجے کو قتل کر کے اس پر جھوٹا مقدمہ بنا کر انہیں خوار کرتے پھر رہے ہو۔"

"ایکسکیوزمی سر الفاظ کیسے ہیں آپ؟" یہ حنا علی بخش کی آواز تھی۔ "بند فائل پر نظر ڈالنے سے آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم جھوٹے مقدمے بنا کر پھر رہے ہیں اس کیس کی انکوائری ڈی ایس پی اڈہ موڑہ کر چکے ہیں ان کی انکوائری رپورٹ میں ہمارے موقف کو درست اور مخالف فریق کے موقف کو سراسر جھوٹ پر مبنی قرار دے کر اسے خارج کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ اس کیس پر انکوائری ایس پی صاحب کر چکے ہیں ان کی تحریر شدہ رپورٹ ڈپٹی صاحب کے موقف کی تائید کرتی ہے۔ اب سوال یہ نہیں کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا...... سوال یہ ہے کہ آپ خود اس فریق کا پرچہ خارج کریں گے یا پھر ہمیں سپریم کورٹ کا دروازہ ناک کر کے اس کیس میں میڈیا کو بھی انوالو کرنا ہو گا۔" ایس ایس پی صاحب کے چہرے کا رنگ بڑی سرعت سے بدل چکا تھا۔

"بی بی ہمارا کام بھی سپریم کورٹ سے متعلقہ ہے اور میڈیا کا تو ہم روز سامنا کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سر تو بند کریں یہ ڈرامہ جو آپ ڈرنگ کالر سے کریڈٹ لینے کے لیے لگا کر بیٹھے ہیں۔ اس کیس کا فیصلہ اب سپریم کورٹ میں ہو گا۔" اس کے حتمی انداز پر ایس ایس پی یکدم خاموش ہو گیا تھا۔

"ہم اس کیس کا ایک بار پھر جائزہ لیتے ہیں آپ لوگ جائیں۔" دونوں فریقین کے باہر جانے کے بعد ایس ایس پی کچھ دیر سوچ انداز میں فائل پر غور کرتا رہا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے یہ لوگ اس کیس میں میڈیا کو انوالو

کرلیں گے۔" اس نے ایس پی آفگن شاہ اور سب انسپکٹر سے سوال کیا تھا۔

"نہیں سر بالکل بھی نہیں۔" تب انسپکٹر نے شد ومد سے جواب دیا تھا وہ پہلے دن سے مسلسل دوسرے گروپ کو سپورٹ کررہا تھا۔ "ایسے ہی تڑیاں دے رہے ہیں۔"

"سر احتیاط کی ضرورت تو ہے نہ یہ لوگ سچے ہیں سچا انسان کچھ بھی کرسکتا ہے۔" آفگن شاہ نے دبے لفظوں میں میاں علی بخش کی حمایت کی تھی۔

"میرے بھائی کی ایک فائل سی ڈی اے میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے اگر میں اس معاملے میں تھوڑی سی فیور کروں تو.......؟" ایس ایس پی کا انداز پُرسوچ تھا۔

❁......❁......❁

"دیکھو چاچا تم اپنے بھائیوں سے صلح کرلو۔" آفگن شاہ نے میاں علی بخش کو آفس بلوا کر بات کی۔

"ایس پی صاحب صلح کرنے کا مطلب ان کی شرائط کو تسلیم کرنا ہے جو ناممکن سی بات ہے۔"

"یہ بات ہمیں کہی جارہی ہے کہ آپ نے سیلف ڈیفنس میں فائر کیا ہے مگر آپ کی ضمانت کینسل ہوگی یہ بھی پکا سمجھیں۔"

"صاحب میری بیٹیاں اکیلی رہ جائیں گی اور پھر میرے خاندان کے لوگ کچھ بھی کرسکتے ہیں' یہ کیسا قانون ہے جو ہمیں تحفظ دینے کے بجائے بے اماں کررہا ہے۔" میاں علی بخش کے انداز میں بے چارگی اتر آئی تھی۔

"بس یہ ایسا ہی قانون ہے اور اس کے سامنے قانون کے رکھوالے بھی بے بس ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ جہاں آپ نے رشتہ دیا ہے بیٹی کا ان سے کہیں کہ جلد از جلد رخصتی کرالیں جب تک آپ کی ضمانت نہیں ہوگی آپ کا داماد آپ کے گھر رہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ امریکہ سے آنا اتنی آسان بات نہیں اور پھر اس لڑکے کی ماں کا دل کا آپریشن ہے یہ حالات کم ویش انھیں بھی بتا ہیں اگر وہ خود آجاتے تو اور بات تھی لیکن میں بیٹی کا باپ ہوکر خود یہ مطالبہ کیسے کرسکتا ہوں۔" میاں علی بخش بالکل بے بس دکھائی دے رہے تھے اور تب ایس پی آفگن شاہ نے وہ بات کہہ دی جسے سن کر تھوڑی دیر کے لیے میاں علی بخش بھی دم بخود رہ گئے تھے مگر چند دن کی سوچ بچار کے بعد انہیں سب سے مناسب فیصلہ یہی لگا تھا یوں حنا علی بخش رنجش بھرے دل کے ساتھ آفگن شاہ کی زندگی میں شامل ہوگئی۔

یہ الگ بات کہ اس کی تمام رنجشیں آفگن شاہ کے سلجھے ہوئے روپ کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور دھیرے دھیرے اس کے روز وشب آفگن شاہ کی زندگی کا حصہ بن گئے۔

❁......❁......❁

"مجھے شام کو تھانہ موڑ جانا ہے تھوڑی دیر ہوجائے گی۔" آفگن اسے بتا کر گیا تھا اور وہ مغرب کے وقت لان میں کرسی ڈالے بیٹھی تھی اگر کبھی دیر سویر ہوجاتی تو وہ کام والی جو اپنا کام نمٹا کر چلی جاتی تھی اسے رکنے کا کہہ جاتا۔ گیٹ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کی گاڑی اندر داخل ہورہی تھی۔

"ہمارے نصیب کچھ زیادہ ہی جاگ گئے جو بیگم نے انتظار بھی کرنا شروع کردیا۔" حقیقتاً اسے انتظار میں پا کر آفگن شاہ مسرور ہوگیا تھا۔

"آپ گئے نہیں جہاں آپ نے جانا تھا؟"

"آپ کو چھوڑ کر بھلا جاسکتا ہوں۔" اس نے خاصے ہمدردانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے اپنی کیپ اس کے سر پر رکھ دی۔

"میں فریش ہوکر آتا ہوں پھر کہیں باہر چلتے ہیں لانگ ڈرائیو پر مگر اس سے پہلے چائے کا ایک کپ ہوجائے۔" اس کے کہنے پر وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

روڈ کے کنارے گاڑی میں بیٹھ کر آئس کریم کھاتے ہوئے آفگن شاہ کے گھر سے کال آئی تھی اور حنا کا سارا دھیان اس کی گفتگو پر چلا گیا تھا۔

"کیا حال ہے مائی بے بی؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"آپ نے کب آنا ہے یہ آپ ماما سے پوچھیں۔"

"میں آپ کے اسکول میں ریلیکشن دے کر آیا تھا مجھے آپ کی بالکل نہیں ڈانٹیں گی۔"

"اچھا آپ ماما سے بات کروائیں۔"

"ہاں زینب! کیا حال ہے بھئی سب لوگ خیریت سے ہیں؟" سب کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے فون بند کرکے حنا کی طرف دیکھا تھا۔

"کل زینب اور بچیاں واپس آرہی ہیں۔"

"آپ کی بیٹیاں کتنی بڑی ہیں؟" جواباً وہ پوچھنے لگی۔

"ایک آٹھ سال کی ہے اور ایک نو سال کی۔ تم ان کی وجہ سے خود کو ان سیکیور فیل کرتی ہو؟"

"نہیں۔" مختصراً کہہ کر اس نے انکار میں سر ہلایا تھا۔

"بچوں سے کیا ان سیکیورٹی فیل کرنا۔ اچھا اب چلیں۔" اس کے کہنے پر وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

"تمہاری اپنے گھر بات ہوئی؟"

"نہیں تو کوئی خاص بات ہے کیا؟" اس نے قدرے تشویش سے پوچھا تھا۔

"آج چاچا سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے کہ دوسری طرف سے صلح پر اصرار کیا جارہا ہے۔" حنا کے چہرے پر یہ سن کر سایہ سا لہرا گیا۔

ہاں اب انہیں احساس ہوگیا ہے کہ سب کچھ ویسا نہیں ہوسکتا جیسا وہ پلان کرتے ہیں۔ تقدیر ان کی ہر تدبیر کو سپورٹ نہیں کرتی' اس کے اداس اور شکستہ انداز نے آفگن شاہ کو کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔

"تم اتنی اداس کیوں ہورہی ہو یہ تو خوشی کی بات ہے۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

"خوشی کی بات تب ہوتی جب یہ سب ہوا ہی نہ ہوتا۔" اس کے انداز نے آفگن شاہ کو گم سم اور خاموش کرڈالا تھا اور جب وہ کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تو حنا کو احساس ہوا شاید اس نے ان ڈائریکٹ اسے ہرٹ کردیا ہے۔

"آپ یہاں کیوں آگئے؟" وہ لائٹ آن کرکے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی جواباً وہ آنکھوں پر کہنی رکھ کر خاموش لیٹا رہا۔

"بولیں نا کیا میری کسی بات سے ناراض ہوگئے ہیں آپ؟" حنا نے اس کا کندھا ہلایا اور بازو ہٹا کر چہرہ جانچا تو وہ آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا تھا۔

"تمہاری باتوں سے مجھے یوں احساس ہوتا ہے کہ میں کوئی بہت برا انسان ہوں۔ میں تمہیں پھولوں کی طرح بھی رکھوں تب بھی تم مجھ سے خوش نہیں ہوگی۔ میں نے اتنی کیئر صرف اور صرف اپنی بچیوں کی کی ہے جتنی تمہاری ——— کیا تمہیں میرے ساتھ رہنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔" وہ اپنی کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے انتہائی دکھ سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" حنا نے بہت سچائی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنا شروع کیا۔

"آپ بہت اچھے ہیں بس مجھے لگتا ہے کچھ غلط ہورہا ہے پتا نہیں کیوں یہ مجھے سمجھ نہیں آتا۔" اس کی بات آفگن شاہ کو حیران کرگئی وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"زینب مجھ سے لڑے گی تو نہیں؟" کچھ سوچ کر وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"اس کی جرأت ہے کہ وہ تم سے لڑے۔" آفگن نے اس کا اپنے سینے پر دھرا ہاتھ لبوں سے چھوا اور اسے خود سے بھینچ لیا تو حنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جو اس کے دل پر دھرے بوجھ کو کم کرگئے تھے۔

❁......❁......❁

اگلے روز وہ دوپہر کے وقت سونے کے لیے لیٹی تو طویل نیند کے بعد اس کی آنکھ لاؤنج سے آتے شور کی آواز سے کھلی تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد وہ اٹھ کر باہر آگئی۔

"السلام علیکم!" سب اس کی طرف متوجہ ہوئے خاص طور پر زینب جس نے ایک گہری اور ٹھہری ہوئی نظر حنا پر ڈالی اور پھر یک دم اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ طویل قامت چھتیس عمر کی اٹھی ہوئی گردن والی زینب حنا کو ان عورتوں میں سے لگی جو نہ صرف حکمرانی کی شوقین ہوتی ہیں بلکہ اکثر دوسروں پر حکمرانی کرتی بھی ہیں۔

"پاپا یہ نئی کون ہیں؟" حمنہ اور زارا دونوں آفگن شاہ کے ارد گرد خاصے شوق اور تجسس سے سوال کررہی تھیں۔

"یہ...... یہ آپ کی آنٹی ہیں بیٹا! ان کو سلام کرو۔" افگن شاہ نے قدرے گڑبڑا کر جواب دیا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!" دونوں ننھی پریوں نے فوراً اٹھ کر اپنے ننھے ننھے ہاتھ بڑھائے تو مسکرا کر ٹھیک بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے گال تھپتھپائے تھے۔

"ماشاء اللہ یہ تو بہت پیاری ہیں۔" وہ مسکرا کر افگن شاہ کی طرف مڑی تھی۔

"آنٹی آپ کے بال کتنے پیارے ہیں۔" مزنہ نے گرین جالی دار دوپٹے کے اندر سے جھانکتے اس کے لمبے بال حمنہ کے سامنے آئے تو وہ فوراً تعریف کرنے لگی۔

"اُف...... افگن شاہ نے ہنس کر سر پکڑ لیا۔ "یار خوب صورت بال ان دونوں کی کمزوری ہیں اب ان کے تبصرے سنتی رہنا۔" اس کا یہ کہنا بالکل درست نکلا تھا شام کو جب وہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی چائے پی رہی تھی تو وہ دونوں اس کے گرد پھر سے جمع ہو گئیں۔

"آنٹی آپ دوپٹے کو سر پر مت لیں یوں سائیڈ پر لیں اتنا پیارا لگے گا نا۔" حمنہ نے خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا دوپٹہ سائیڈ پر ڈال دیا تھا۔

"نہیں نہیں آنٹی...... آپ بالوں کو کھول کر یوں پونی بنالیں پھر آپ کے بال بہت پیارے لگیں گے یوں میری طرح......" زارا نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی پونی کو زور و شور سے ہلا کر دکھایا تو حنا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کیوٹ سی زارا کا گال چوم لیا اور اپنے کمرے سے آتی زینب نے ذرا سا رک کر یہ منظر دیکھا اور کچھ کہے بغیر سپاٹ سے انداز میں کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔ چند ہی دن میں بچیاں اس سے خائف نظر آنے لگیں یہ یقیناً زینب کی وجہ سے تھا۔

❁......❁......❁

افگن شاہ نے آج اس کی رپورٹ لے کر آنا تھا اس لیے وہ اس کے انتظار میں تھی اور جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا زینب اسے لاؤنج میں بیٹھی مل گئی تھی۔ لفافہ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر حنا کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"شاہ جی آپ رپورٹ لے کر آئے ہیں؟" اس سے پہلے ہی زینب نے استفسار کر ڈالا تھا۔

"ہاں بھئی مبارک ہو آپ لوگوں کو رپورٹ پازیٹو ہے۔" اس نے مشترکہ طور پر دونوں سے کہا تھا تو زینب اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ چند ہی منٹ میں گاؤں سے بے جی کی کال آ گئی جنہوں نے حنا سے بات کرتے ہوئے ڈھیر سارا اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے مبارک باد بھی دی اور ڈھیروں احتیاط کی تاکید کرتے ہوئے افگن شاہ سے بات کر کے اس کو بھی حنا کا بہت سارا خیال رکھنے کو کہا تھا یہ خبر انہیں زینب نے دی تھی جس پر حنا خاصی الجھن کا شکار تھی۔

حنا وضو کر کے نکلی تو وہ یونیفارم چینج کیے بغیر بیڈ سے ٹیک لگائے منہ کو کیپ سے ڈھانپے نیم دراز تھا‘ حنا کو کچھ کھٹک سا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ کو خوشی نہیں ہوئی‘ آپ کچھ پریشان ہو گئے ہیں۔"

"ارے نہیں بھئی پریشان کیوں ہوں گا؟" اس نے کیپ کے اندر سے منمنا کر کہا تو حنا نے آگے بڑھ کر کیپ اٹھائی اور الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس کی ایکسرے کرتی نظروں کے جواب میں اس نے بھرپور مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بھئی میں بہت خوش ہوں بس آفس کی کوئی ٹینشن ہے تم ادھر میرے پاس بیٹھو اس خوشی کو سلیبریٹ کرتے ہیں۔" یک دم وہ خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہا تھا۔

"جی نہیں مجھے نماز پڑھنی ہے۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

❁......❁......❁

الٹراساؤنڈ کی رپورٹ اگرچہ نارمل تھی مگر افگن شاہ اسے گاڑی میں بٹھا کر واپس ڈاکٹر کے آفس کی طرف چلا گیا تھا۔

"خیریت تو ہے ڈاکٹر کے پاس اتنی دیر کیوں لگا دی۔" وہ واپس آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو حنا پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں بس ایک دو باتیں ڈسکس کرنی تھیں۔" وہ

گاڑی ریورس کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔ گھر واپس پہنچنے پر زینب بے چینی سے لاؤنج میں ان کی منتظر تھی۔

"شاہ جی آپ نے ڈاکٹر سے پوچھا ہمارے گھر آنے والا نیا مہمان کون ہے بے بی بوائے بے بی گرل؟" زینب کی آواز پر کمرے میں داخل ہوتی حنا کے قدم رک گئے اور وہ مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں۔" افگن شاہ سپاٹ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

❁......❁......❁

"مبارک ہو آپ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔" ہوش میں آنے پر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو کمرے میں موجود نرس نے خاصی گرم جوشی سے مبارک باد دی تھی جبکہ چیئر پر براجمان افگن شاہ بالکل خاموش رہا۔ حنا کی نظریں اپنے خالی پہلو میں اور پھر کمرے کے چاروں اطراف بھٹکنے لگیں۔

"کہاں ہے بچہ؟" اس نے نرس اور افگن شاہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"وہ تو آپ کی سسٹر گھر لے گئی ہیں۔" نرس نے دونوں کی طرف دیکھ کر قدرے گڑبڑا کر جواب دیا تھا۔

"کون سی سسٹر؟ میرے ساتھ میری کوئی سسٹر نہیں تھی۔" اس کے جواب میں جیسے گھبراہٹ سی تھی۔

"مجھے گھر لے چلیں پلیز۔" یک دم اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے افگن شاہ سے کہا تھا۔

"پلیز آپ لیٹی رہیں‘ ابھی ڈاکٹر صاحبہ آپ کا چیک اپ کریں گی تو اس کے بعد آپ گھر جا سکیں گی۔"

"آپ نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہی ہوں۔" نرس کی بات ان سنی کر کے اس نے تڑپ کر افگن شاہ سے کہا تھا۔

"سسٹر میں بل کلیئر کرواتا ہوں آپ ذرا ان کو گاڑی تک لے آئیں۔"

"شاہ جی آپ اس چھوکری کو واپس لے کر کیوں آئے ہیں‘ تین لفظ کہہ کر وہیں کیوں نہیں چھوڑا‘ یہی طے ہوا تھا نا ہمارے درمیان۔" لاؤنج میں داخل ہوتے ہی زینب کسی چیل کی طرح چیخ کر گویا اس پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھی تھی۔ حنا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

"راستہ دو...... ہٹو آگے سے......" افگن شاہ کی آواز میں سختی تھی۔

"دیکھیں شاہ جی میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی‘ آپ وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔ بہت برداشت کر لیا میں نے میں ابھی لالہ اور بے جی کو فون کرتی ہوں۔" حنا کی سماعتوں پر زینب کی آواز صورِ اسرافیل کی مانند گونج رہی تھی اس کی سماعتیں افگن شاہ کی طرف سے کسی تصدیق یا تردید سے محروم رہیں اس کو اپنی بہت سی الجھنوں کے سرے مل گئے تھے۔

❁......❁......❁

افگن شاہ اور مریم کی شادی وٹے سٹے میں تایا تیمور شاہ کے ہاں زینب اور بابر شاہ سے ہوئی تھی۔ زینب افگن شاہ سے تیرہ سال بڑی تھی افگن شاہ کو بزرگوں کے طے کیے ہوئے اس رشتے کو قبول کرنا تھا کیونکہ انکار کا مطلب مریم اور زینب کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بابل کی دہلیز پر رہ جانا تھا۔ زندگی میں کچھ بھی ناخوشگوار نہ تھا سوائے اس کے کہ مریم کے ہاں جڑواں بیٹیوں کی پیدائش ہوئی جو پیدائشی معذور تھیں یہ خبر پورے خاندان کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی مگر بیٹیوں کے بعد منتوں اور مرادوں سے پیدا ہونے والا ارمغان شاہ ہر لحاظ سے تندرست اور صحت مند تھا۔

دوسری طرف چند سال بعد زینب اور افگن شاہ کے ہاں یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کی پیدائش ہوئی مگر بے جی کی ہزار منتوں اور دعاؤں کے باوجود افگن شاہ کا آنگن اولادِ نرینہ سے محروم رہا کوئی علاج معالجہ کام نہ آیا حتیٰ کہ ڈاکٹرز نے بھی مایوسی کا اظہار کر دیا تھا۔

چند سال بعد دبی ہوئی خواہش بے جی کے لبوں پر ابھرنے لگی وہ برادری کی کسی کم حیثیت خاندان کی سادہ سی لڑکی کو افگن شاہ کی زندگی میں لانے کے لیے منتخب کر بیٹھیں اور زینب نے نہ صرف دو ٹوک الفاظ میں انکار کیا بلکہ واویلا مچا دیا تھا اور بابر شاہ نے مریم کو طلاق کی دھمکی دے ڈالی تھی کہ وہ بیٹیوں کو لے کر اس کے گھر سے نکل جائے بیٹے کو وہ اپنے پاس رکھے گا۔

ایسے میں مریم نے بے جی اور زینب دونوں کو سمجھانے کی کوشش مگر دونوں ہی اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے سے انکاری تھیں۔

ایسے میں کافی سوچ بچار کے بعد مریم اور زینب نے مل کر بے جی کو تجویز پیش کی۔ افگن شاہ غیر برادری کی کسی لڑکی سے شادی کرلے اور اولاد نرینہ ہونے کے بعد اسے طلاق دے دے۔

"شاہوں کا یہ دستور کب سے ہوگیا کہ وہ اپنی نسل بڑھانے کے لیے پرائی بیٹیوں کے مقدر کو آگ لگادیں۔" بے جی کو اعتراض ہوا مگر افگن شاہ نے اس تجویز کو یکسر رد کرڈالا تھا۔ زینب اور بے جی کی کھینچا تانی اور بے جی کا اصرار مسلسل تین سال جاری رہا۔ یہاں تک کہ افگن شاہ نے ایک روز حنا علی بخش کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کرڈالا تھا۔ بے جی کے اصرار کو خاطر میں لاتے ہوئے زینب کی غیر برادری کی شرط کو پورا کرتے ہوئے یا پھر صرف اور صرف اپنے دل کی خاطر اس کا فیصلہ آنے والے وقت نے کرنا تھا۔

***

"میں اولاد کی خاطر کبھی بھی کسی کی زندگی برباد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر میں یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ میری وجہ سے میری بہن اجڑ جائے۔ کیا یہ دکھ اس کے لیے کم ہے کہ اس کی دو بیٹیاں عمر بھر کے لیے معذور ہیں۔" افگن شاہ کے لہجے میں اپنی بہن کا دکھ بول رہا تھا۔

"میں نے ساری مجبوریوں کو ایک طرف رکھ کر جس خاص ہستی کو اپنی زندگی میں شامل کیا ہے زینب کے واویلا کرنے پر اسے اپنی زندگی سے بے دخل کردوں گا ناممکن...... البتہ اس طوفان کا مجھے پہلے سے اندازہ ضرور تھا اور پلیز میری بات کا یقین کرو میں اس سب کو ذرا طریقے سے لیکن فیس کروں گا چلو میرے ساتھ اور تھوڑا سا کھانا کھاؤ۔" حنا نے اس کا ہاتھ جھٹک کر رندھی آواز میں مطالبہ کرڈالا۔

"آپ پلیز منے کو میرے پاس لے آئیں۔"

منے کو فیڈر راس نہیں آرہا تھا اسے دو مرتبہ ڈائریا ہوچکا تھا ایسے میں ڈاکٹر نے سختی سے ماں کا دودھ تجویز کیا تھا ایسے میں افگن شاہ تھوڑی دیر کے لیے اسے حنا کے پاس لے کر آتا تو حنا کو یوں لگتا گویا اس کا وجود صحرا کا کوئی ٹکڑا ہو جس پر بارش کی چند بوندیں برس گئی ہوں۔ اسی کھینچا تانی میں ایک مہینہ گزر گیا تھا زینب اسے بار بار فیڈر کا عادی بنانے کی کوشش کرتی جس سے اس کی طبیعت خراب ہوجاتی۔

زینب کو اس روز حمنہ زارا کی ٹیچر نے بلایا تھا اور وہ منے کو بھی ساتھ لے گئی تھی۔ حنا بہت اجڑے ہوئے انداز میں لاؤنج میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی جب افگن شاہ گھر میں داخل ہوا تھا اسے یوں بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" حنا نے اسے جواب دینے کے بجائے رخ موڑ لیا تھا مگر افگن شاہ نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"مت رویا کرو تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔" افگن شاہ نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"میری زندگی برباد کرڈالی مجھے عذاب میں ڈال دیا اب رونے پر پابندی کیوں؟" حنا یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ افگن شاہ کو اپنے الفاظ بے کار لگنے لگے تھے۔ اس نے حنا کو کھینچ کر خود سے لگالیا تھا۔

"زینب میری مجبوری ہے اور تم میری زندگی۔ زندگی کو خود سے کوئی جدا نہیں کرسکتا۔ تھوڑا سا وقت گزرنے دو سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا مجھے میرا بیٹا دے دیں میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"پاگل مت بنو تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی۔ وہ نفسیاتی مریض بن کر منے پر قبضہ کیے ہوئے ہے تو کیا ہوا ہے وہ اس گھر میں ہے تمہارا بیٹا تمہارا ہی رہے گا۔"

"بند کرو میرے گھر میں بے حیائی کے مظاہرے۔" زینب نہ جانے کس وقت لاؤنج کے دروازے پر آن کھڑی ہوئی تھی اس کی دھاڑتی ہوئی آواز پر حنا یکدم افگن شاہ سے الگ ہوئی تھی۔

"بات اب میری برداشت سے باہر ہوچکی ہے افگن شاہ! آج تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔" بپھری ہوئی شیرنی کا انداز

آج بالکل ہی جدا تھا۔ زینب نے اس سے قبل اسے اس انداز میں کبھی مخاطب نہیں کیا تھا اس کے فیصلہ کن انداز پر افگن شاہ کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا ضبط کی شدت سے یا پھر......

"میں آج ہی گاؤں سے لالہ کو بلارہی ہوں یا تو آپ فیصلہ کریں گے یا پھر لالہ۔" غصے میں آپے سے باہر وہ کمرے میں گئی اور پھر موبائل پر اس کے تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

حنا افگن شاہ کے چہرے کی گھبراہٹ ملاحظہ کررہی تھی اور شاید یہ پہلی بار ہوا کہ وہ منے کے فیڈ کی فکر کیے بغیر اور حنا کو کوئی دلاسہ دیئے بنا واپس آفس چلا گیا تھا۔

"زینب میری مجبوری ہے اور تم میری زندگی اور زندگی کو کوئی خود سے جدا نہیں کرسکتا۔" حنا نے دل ہی دل میں افگن شاہ کے الفاظ دہرائے۔ "مگر مجبوریاں بعض لوگوں کو زندگی کا دامن جھٹکنے پر مجبور کردیتی ہیں افگن شاہ!" اس نے خود سے سوچا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میرا اور تمہارا رشتہ تمہاری مجبوریوں کی بھینٹ چڑھ جائے مجھے کوئی فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ میری ساری کشتیاں جلی ہوئی ہیں۔"

منے کے رونے کی آواز پر حنا سوچتی ہوئی زینب کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"آپ مریم اور بے جی کو ساتھ لے کر آیئے گا وہی آپ کے ساتھ ساتھ شاہ جی کو فیصلہ کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔" زینب روتے ہوئے بھائی سے کہہ رہی تھی۔ "میں آپ کا انتظار کررہی ہوں آپ ابھی اور اسی وقت نکل پڑیں۔"

"تو فیصلے کی گھڑی آن پہنچی۔" زندگی میں پہلی اور شاید آخری بار منے کے رونے کی پروا کیے بغیر حنا کمرے میں پلٹ آئی اور تیزی سے چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی اور پھر تھوڑی دیر بعد جب اس نے زینب کے کمرے میں جھانکا تو کمرہ خالی تھا اور قسمت سے واش روم کا دروازہ بند۔ اس نے تیزی سے بیٹے کو اٹھایا اور مختصر سا سامان لیے گھر سے باہر نکل آئی صرف چند قدموں کا فاصلہ طے کرکے وہ ایک گیٹ پر دستک دے رہی تھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے بی بی!" بڑی بڑی مونچھوں والا پٹھان دروازہ کھول کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"اندر تو آنے دو بابا بتاتی ہوں۔" وہ زبردستی راستہ بناتے ہوئے اندر چلی آئی تھی۔

"میں جارہی ہوں مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا میں آپ کو کہیں نہیں ملوں گی۔" تھوڑی دیر میں افگن شاہ کو اس کا میسج موصول ہوا تو اس کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی۔

***

حنا کو بچے سمیت غائب پاکر وہ زینب سے جھڑپ کے بعد گاڑی لے کر خود ہی قریبی بس اسٹاپ اور نزدیکی اڈوں پر دیکھ آیا تھا۔ مگر اتنی دیر میں نہ جانے وہ کہاں گم ہوگئی تھی۔ سٹی ایس پی ہوتے ہوئے وہ اس کی رپورٹ بھی درج نہیں کرسکتا تھا یا پھر اپنے ماتحتوں کو بتاتا کہ اس کی بیوی بچے سمیت اپنی مرضی سے غائب ہوگئی ہے۔ میاں علی بخش کو فون کرکے اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ حنا نے ان سے رابطہ کیا ہو یا ان کے پاس پہنچی ہو مگر ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ اس معاملے سے قطعی لاعلم تھے اور اس سے حنا اور منے کا حال احوال دریافت کررہے تھے۔

جب بابر شاہ مریم اور بے جی کو لے کر پہنچا تو صورت حال بالکل بدل چکی تھی۔ بے جی بھی یہ سن کر ازحد پریشان ہوئیں۔

"افگن اس کے پاس کچھ پیسے وغیرہ تو تھے؟ چھوٹے سے بچے کو لے کر نہ جانے کہاں کہاں خوار پھر رہی ہوگی۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔

"جانا کہاں ہے اس نے بی بی یقیناً اپنے ماں باپ کے پاس گئی ہوگی بچے کو ہم واپس لے آئیں گے لیکن افگن شاہ پہلے اس چھوکری کا فیصلہ تو کرے۔" بابر شاہ نے اطمینان سے اپنا راگ الاپا تھا۔

"کیسا فیصلہ بھائی جان؟" موبائل پر پریشانی سے نمبر ڈائل کرتا افگن شاہ جھٹکے سے مڑا تھا۔ "وہ میرے بچے کی ماں ہے اور میں اپنے بچے کو اس کی ماں سے محروم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" حنا کو چھوڑنے کا تصور تو مشکل تھا ہی لیکن

منے سے دوری گویا اس کی جان پر بن آئی تھی۔ ایسے میں بابر شاہ کا مطالبہ اسے عجز کا گیا تھا۔

"اس چھوکری کو فارغ نہیں کرو گے تو کیا بہن کو گھر بٹھا لو گے؟ بیچ تو کچھ بھی نہیں رہے گا۔" بابر شاہ اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"سوال یہ نہیں ہے کہ میں اپنی بہن کو گھر بٹھا لوں گا یا نہیں مسئلہ یہ ہے کہ میں کسی کی خاطر اپنے بچے سے اس کی ماں نہیں چھین سکتا لیکن کیا آپ میرا گھر برباد دیکھنے کے شوق میں اپنے بچوں سے ان کی ماں چھین لیں گے اور بچے بھی وہ جن کو دیکھ کر اپنے تو کیا غیروں کے دل رو پڑیں اگر آپ اپنی دو معصوم جوان بیٹیوں کو کسی اور کے در پر پھینکنے کا حوصلہ رکھتے ہیں تو ایسا کر گزریں مگر مجھ سے ایسی کوئی امید نہ رکھیں۔"

"تو ٹھیک ہے میں......"

"زینب، مریم ان کو سمجھاؤ یہ کیا کر رہے ہیں۔" بے جی چیخ کر ان کے درمیان آ گئیں۔ "خیر خیریت کی دعا کرو جس بچے کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا ہے نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا اور تم لوگ اسے ڈھونڈنے کے بجائے آپس میں لڑ رہے ہو کیوں خود کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

"لالہ آپ پلیز غصہ نہ کھائیں یہ وقت غصہ کرنے کا بالکل نہیں ہے۔" زینب تسلی لگا کر خود ہی بابر شاہ کو کول ڈاؤن کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے بے جی! ابھی تو میں آپ کی بات مان کر چپ ہو رہا ہوں مگر میں کچھ بھی کر گزروں گا اگر اس نے چند دنوں میں اپنا فیصلہ نہ بدلا تو میں صرف اتنی مہلت دے رہا ہوں کہ یہ اس لڑکی سے اپنا پیچھا چھڑا لے یا اسے چلتا کرے۔" اور اسی شام سب کو لے کر گاؤں واپس چلا گیا تھا زینب بھی بچیوں کو لے کر اس کے ساتھ چلی گئی۔

❀❀❀

ہاسٹل کی منتظم میڈم کو کچھ جھوٹی سچی کہانی سنا کر وہ رہائش حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میڈم کو تسلی تھی کہ وہ بچے کو خود فیڈ کراتی تھی لہٰذا کوئی اغوا والا معاملہ نہ تھا البتہ چارجز انہوں نے کچھ زیادہ وصول کر لیے تھے جس کی حنا کو قطعاً پروا نہ تھی۔

ہاسٹل میں پہنچنے کے چوتھے دن منا شام سے رو رہا تھا رات تک اس کی حالت مزید خراب ہونے لگی رات بارہ بجے اس نے رونا شروع کر دیا تو وہ اسے چپ کراتے کراتے ہلکان ہو گئی۔ ہاسٹل کی بوڑھی ملازمہ اس کے پاس آ کر منے کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی جبکہ میڈم بھی اٹھ کر آ گئیں۔

"کمال ہے بچے کی طبیعت اتنی خراب ہے اور تم اسے لوریاں دے کر سلانے کی کوشش کر رہی ہو صاف نظر آ رہا ہے بچے کے پیٹ میں مروڑ پڑ رہے ہیں۔"

"آنٹی اماں نے ابھی عرق پلایا تو ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بتانے لگی۔

"تو شہر کے سارے ڈاکٹر مر گئے ہیں جو تم اماں کے ٹوٹکے پر بیٹھی ہو چلو اسے میڈیکل سینٹر لے چلتے ہیں۔"

"نہیں آنٹی......"

"کیا مطلب ہے بیٹا تمہیں آخر کس سے خطرہ ہے جو بیمار بچے کو باہر لے جانے سے گھبرا رہی ہو۔"

"میں گھر والوں کو فون کر کے بتاتی ہوں۔" میڈم کے ڈپٹنے پر کچھ سوچ کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تب تک ڈرائیور سے گاڑی نکلواتی ہوں۔"

گود میں منے کو لیتے ہوئے اس نے اتنے دن سے آف موبائل کو آن کر کے افگن شاہ کا نمبر ملایا پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو حنا...... کہاں ہو تم......" اس کی آواز سن کر کچھ کہنے کی کوشش میں حنا کی آواز رندھ گئی تھی۔ "یہ منا اس وقت اتنا کیوں رو رہا ہے؟" دوسری طرف وہ تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"اس کی طبیعت خراب ہے اس کو ڈائریا ہو گیا ہے۔"

"تم مجھے بتاؤ کہاں ہو میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں بتاؤں گی وہ زینب اسے پھر سے مجھ سے چھین لے گی اور آپ......" وہ چیخ پڑی تھی۔

"خدا کے لیے مجھے بتاؤ زینب یہاں نہیں ہے وہ تو اسی روز چلی گئی تھی۔"

"نہیں وہ پھر واپس آ جائے گی۔"

"نہیں آئے گی۔" پتا نہیں کس رو میں افگن شاہ کے منہ سے نکلا تھا۔

"آپ قسم کھائیں پھر میں بتاتی ہوں کہ میں کہاں ہوں؟"

"ہاں میں قسم کھاتا ہوں......" افگن شاہ بے تابی سے کہہ رہا تھا۔

❀❀❀

دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد منے کے ڈسچارج ہونے پر وہ حنا کو گھر چھوڑ کر گاؤں چلا گیا تھا۔ زینب اپنے بھائی کے گھر جانے کے بجائے بے جی کے سمجھانے بجھانے پر اپنے ہی گھر پر رو رہی تھی۔

"بیٹا آپ لوگ تیار ہو جائیں آج ہی واپس جانا ہے پہلے ہی آپ لوگوں کی بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں۔" تھوڑی دیر بے جی کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ بچیوں سے مخاطب ہوا تھا۔

"میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی۔" زینب فوراً بول پڑی تھی وہ چند لمحے اس کے تاثرات دیکھتا رہا۔

"میں نے صرف بچیوں کی بات کی ہے۔"

"کیا مطلب......؟" وہ حیران پوچھ رہی تھی۔

"حنا مجھ سے ایک قسم لے کر واپس آئی ہے۔" زینب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ "میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں اسے طلاق دوں تو تمہیں بھی میری طرف سے تین طلاقیں ہوں۔ شہر میں میرے ساتھ وہ رہے گی اگر کبھی تم اس گھر میں قدم بھی رکھو تو تم پر میری طرف سے تین طلاقیں واجب ہوں گی۔" زینب کا چہرہ اتر گیا تھا وہ جیسے نیند میں اٹھ کر ڈولتے ہوئے قدموں سے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔ وہاں موجود باقی نفوس پر بھی سکتہ طاری تھا۔

❀❀❀

"ٹی وی نہیں لگاؤ بھائی سو رہا ہے نا۔" حمنہ بڑے بڑے انداز سے زارا کو سمجھا رہی تھی۔ کمرے سے نکلتی حنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ دروازہ بند کرتی ان دونوں کے پاس آ گئی۔

"بیٹا آپ کو کس نے بتایا کہ بھائی سو رہا ہے تو ٹی وی نہیں لگاتے۔"

"ماما نے۔" حمنہ نے مختصراً کہا تھا۔ "ماما نے کہا تھا آنٹی کو تنگ نہیں کرنا آنٹی کی ساری باتیں ماننا بھائی سو رہا ہو تو شور نہیں کرنا اور بھائی کے پاس بیٹھ کر کھیلنا اور اس کو گود میں نہیں اٹھانا ورنہ آنٹی ڈانٹیں گی۔" زارا نے رٹے رٹائے طوطے کی طرح سارا سبق دہرایا تو حنا کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"نہیں بیٹا بھائی سو رہا ہو تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ آپ بالکل ٹی وی نہ دیکھیں دروازہ بند کر دیتے ہیں اور ٹی وی کا والیوم تھوڑا سا کم کر دیتے ہیں۔" دونوں کو خود سے لگا کر پیار سے سمجھایا تو وہ سر ہلانے لگیں۔

حالات پلٹنے کے بعد زینب نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے اور بچیوں کے درمیان کوئی کلیش پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ الٹا اس کو خدشہ تھا کہ وہ حنا کی ڈانٹ ڈپٹ نہ سہیں اور حنا کے دل میں ان کے لیے قطعاً کوئی بغض نہیں تھا وہ ان کے آنگن کی چڑیاں تھیں جنہیں کل کو پرائے دیس اڑ جانا تھا کل کو ان کا مقدر کون جانے۔

حنا کے حسن سلوک نے دونوں کو اس کا گرویدہ کر دیا تھا اور آنے والے سالوں میں حنا نے افگن شاہ سے جڑے ہر رشتے کا احترام کیا تھا۔

❀❀❀

افگن شاہ آؤٹ آف سٹی گیا ہوا تھا بچیوں کے اسکول جانے کے بعد وہ منے کو لاؤنج میں کارٹون دیکھتا چھوڑ کر اس کے لیے فیڈر بنانے آئی تھی مگر جب واپس لوٹی تو وہ غائب تھا۔ ادھر ادھر کمروں میں جھانک کر گراؤنڈ میں آئی اور اسے کہیں نہ پا کر وہ حواس باختہ ہو گئی ایک بار پھر عجلت میں سارا گھر سمیت واش روم کو کھنگال ڈالے تھے۔ گھبرا کر اس نے افگن کو کال کر کے بتایا تھا بمشکل دو منٹ میں ہی افگن شاہ کی دوبارہ کال آ گئی۔

"صاحبزادے میرے پیچھے آفس پہنچے ہوئے ہیں اب وہاں پی اے کے پاس تشریف رکھے ہوئے ہیں شاباش ہے تمہاری بے خبری پر۔ روڈ پر گاڑیاں آ جا رہی ہیں شکر ہے وہ خیریت سے پہنچ گیا۔" ایس پی آفس گھر سے دو بلڈنگ چھوڑ

کر رہا تھا۔
"میں نے کب کہا تھا کہ وہ یوں سیر کرنے نکل پڑے۔" حنا کو ڈھائی سالہ منے پر شدید تاؤ آیا تھا۔
"اچھا میں نے ان سے کہا ہے ابھی وہ گھر چھوڑ جائیں گے۔" حنا اس سے بات کرتے کرتے گیٹ سے باہر نکل آئی سامنے چند قدم کے فاصلے پر ایک کانسٹیبل کی انگلی پکڑے منا باتیں بگھارتا چلا آ رہا تھا۔
کانسٹیبل سلام کر کے پلٹا تو حنا منے کا بازو پکڑے اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اندر لائی تھی۔
"ماما روڈ سے نہیں چلیں میں تھک گیا ہوں۔" اس کے جارحانہ انداز سے اس شاطر بچے کو اندازہ ہو چلا تھا کہ اس نے کوئی غلطی کر ڈالی ہے لہٰذا منمناتے مسکین انداز میں کہہ رہا تھا۔
"کہاں چلے گئے تھے پوچھے بغیر؟" حنا لاؤنج میں آ کر جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی دل تو چاہ رہا تھا کھینچ کر تھپڑ لگائے۔
"پاپا کو دیکھنے گیا تھا۔" وہ ہونٹ لٹکا کر بسورتے ہوئے بمشکل بتا پایا تھا۔
"کیوں.....؟ دم کرنا تھا کیا؟"
"آئس کریم کھانی تھی۔" وہ سسک کر بتا رہا تھا۔
"منے....." یک دم وہ اسے سینے سے لگا کر رو پڑی۔ "میری جان نکال دی اس طرح ماما کو بتائے بغیر تھوڑی جاتے ہیں۔"
"ماما روئے نہیں میں کل پاپا کو دیکھنے نہیں جاؤں گا۔" وہ اس کے رونے سے گھبرا کر ننھے ہاتھوں سے آنسو صاف کر رہا تھا۔
"میں اپنے بیٹے کو آئس کریم منگوا کر دوں گی۔"

❀ ❀ ❀

"یونیورسٹی روڈ پر طالب علم کے قتل پر طلبا کا پرتشدد مظاہرہ جلاؤ گھیراؤ اور پتھراؤ کے ساتھ روڈ بلاک۔ سٹی ایس پی آفگن شاہ بھی پتھراؤ کی زد میں آ کر شدید زخمی" اگرچہ چند گھنٹے ہسپتال میں گزرنے کے بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ گاڑی کا شیشہ ٹوٹنے سے چند کرچیاں اس کے چہرے اور اس کی گردن پر لگنے سے معمولی زخم تھے مگر میڈیا نے اپنی مستعدی کا مظاہرہ کیا اور مقامی چینل پر خبر نشر ہوتے ہی گاؤں سے ایک قافلہ روانہ ہو چلا تھا اور ان کے گھر پہنچنے سے قبل ہی سب اس کے منتظر تھے۔ گاڑی کا ہارن بجتے ہی گیٹ کھلا مگر آفگن شاہ گاڑی روکنے کا کہہ کر نیچے اترا تو حنا چونک کر پوچھنے لگی۔
"کہاں جا رہے ہیں؟" مگر اگلے پل ہی الجھن گئی گیٹ کے باہر ایک اور گاڑی ان کی منتظر تھی۔ حنا اور زارا اس کو دیکھ کر چہکتے ہوئے اتر گئیں اور آفگن شاہ بھی چند منٹ زینب کے پاس جا کر بات چیت کرتا رہا پھر اس نے پلٹ کر منے کو آواز دی تو حنا نے اسے گود سے اتار کر ان کی طرف جانے کو کہا تھا۔
زینب کے ہاتھ بڑھانے پر منا جھجک کر اس سے ہاتھ ملا رہا تھا مگر جونہی زینب نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانے کی کوشش کی وہ باپ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور آفگن شاہ نے اسے زینب کے پاس جانے پر اصرار کیا تو وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر حنا کے پاس گاڑی میں آن گھسا تھا۔
"ماما گاڑی والی آنٹی مجھ کو پکڑنے والی تھیں میں بھاگ کر ماما کے پاس آ گیا۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بتا رہا تھا۔
"میری جان آپ کو پاپا کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔" حنا نے اس کے سرخ گال چوم کر تسلی دی تبھی دوسری گاڑی ان کے پاس سے سرسراتی ہوئی گزری مگر حنا جان بوجھ کر اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئی گزرتے ہوئے نخوت انداز والی اس عورت کے چہرے کی شکست دیکھنے کا حوصلہ اس میں نہ تھا جو اتنا سفر طے کر کے شوہر کے گھر کے باہر سے لوٹ رہی تھی۔
حنا نے کہیں سنا تھا جبر کو صبر سے برداشت کرنے والوں کے لیے صرف موت رہ جاتی ہے۔ ڈھائی برس پہلے جب زینب کی حکمران طبیعت نے جبر کا لبادہ اوڑھا تو حنا نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کے بجائے حالات کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔
گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی جہاں بے جی سمیت خاندان کے باقی افراد ان کے منتظر تھے۔

کچھ مسرت مزید ہو جائے
اس بہانے سے عید ہو جائے
عید ملنے جو آپ آ جائیں
میری بھی عید، عید ہو جائے

میں چھت پر دھلے ہوئے کپڑے پھیلانے گئی تھی کہ یکایک گلی میں بچوں کا شور اٹھا میں نے دیوار سے جھانکا تو کسی کے گھر قربانی کا جانور آیا تھا اور شہزور سے موٹا تازہ بچھڑا اتارا جا رہا تھا' قریب ہی فراست صاحب کھڑے تھے یقیناً ان کا ہی لایا ہوا جانور تھا۔ وہ ہمیشہ خوب موٹا تازہ اور مہنگا ترین جانور لاتے تھے کیوں کہ محلے کے صاحب حیثیت شخص تھے جن کے دو بیٹے کافی عرصے سے دبئی میں مقیم تھے۔ باقی ہم جیسے درمیانے درجے کے لوگ تھے جو قربانی کے لیے سارا سال پلان کرتے تھے تب کہیں جا کر ڈھنگ کا جانور لانے کے قابل ہوتے لیکن اس بار تو میں نے سوچ رکھا تھا کہ مصطفیٰ سے کہہ کر اچھا اور مہنگا جانور منگواؤں گی سبکی کا احساس ہوتا تھا جب فراست صاحب کے گھر بھاری جانور کو اترتا دیکھتی۔ کتنی مشکلوں سے اور کافی لوگوں کی مدد سے ان کا جانور اتارا جاتا کیوں کہ وہ بھاری اتنا ہوتا تھا جبکہ ہمارے یہاں کا بچھڑا تو یوں سر جھکا کر معصومیت سے اتر جاتا جیسے کہ کوئی مودب شوہر سر جھکا کر بیوی کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ پچھلے سال تو فراست صاحب کی بہو نے ہنستے ہوئے یہ کہہ بھی دیا تھا کہ مصطفیٰ بھائی کا جانور بھی ان کی طرح معصوم اور سیدھا سادا ہے۔ اُف..... مجھے کتنی شرمندگی ہوئی تھی اس کی بات پر تب میں نے سوچ لیا تھا کہ اگلے سال تگڑا جانور ہوگا۔ میں کپڑے پھیلا کر نیچے آئی تو اماں اور مریم بیٹھی میتھی بنا رہی تھیں۔
"بھابی آپ نہا کر آرام کر لیں میں کھانا پکا لوں گی۔" مریم نے مجھے دیکھ کر کہا۔
"ارے نہیں میں نہا کر عصر کی نماز پڑھ لوں پھر پکا لوں گی سالن۔"
"نہیں بیٹی تم کپڑے دھو کر تھک گئی ہوگی۔ مریم نے گوشت بگھار دیا ہے بس بھون کر میتھی ڈالنا ہے اور روٹیاں مغرب کے بعد پکا لے گی تم آرام کرو۔" اماں نے میتھی کا گچھا شاپر میں ڈالتے ہوئے کہا تو میں

مسکرادی کتنا خیال رکھتے تھے سب لوگ میرا' ابا جی' اماں' مریم...... لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ میری ساس نند ہیں' میں بہت خوش نصیب تھی کہ اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی۔ مصطفیٰ بھی بہت خیال رکھنے والے اور محبت کرنے والے تھے' میں جب شادی ہو کر آئی تھی جب مریم 13 سال کی تھی اور کلاس 8th میں تھی۔

اب میری شادی کو سات سال ہو گئے تھے میرے اپنے دو بچے ہیں 6 سالہ شافعہ اور 4 سالہ ابریز۔ ابا جی گورنمنٹ ملازم تھے ریٹائر ہوئے تو سرکاری گھر چھوڑنا پڑا اور اس پلاٹ پر مختصر سا گھر بنا لیا تھا' یہ پلاٹ بھی اماں نے کمیٹیاں ڈال ڈال کر خریدا تھا۔ اس پر گھر بنایا اور مصطفیٰ کی شادی کی' ابا جی کے ریٹائرمنٹ کے پیسوں سے دو کام ہی ہوئے۔ اب ان کی پینشن آتی اور مصطفیٰ کی تنخواہ...... مصطفیٰ بھی آفس میں جاب کرتے تھے میرے دونوں بچے اسکول میں پڑھتے تھے اسکول فیس' دین کی فیس اور ٹیوشن بھی...... اس مہنگائی کے دور میں سب مینج کرنا آسان نہ تھا مگر اماں نہایت سلیقے اور عقل مندی سے گھر چلا رہی تھیں' ساتھ ساتھ مریم کی شادی کی بھی ہلکی پھلکی تیاری کرتی جارہی تھیں۔ مریم کی منگنی ہو چکی تھی اور کچھ عرصے بعد شادی ہونی تھی۔

ہمارا گھر مثالی گھر تھا' سارے خاندان والے' دوست احباب اور خاص طور پر محلے والے ہماری مثالیں دیتے تھے' آج تک ہمارے گھر میں آپس میں کبھی بھی تلخ کلامی نہ ہوئی تھی۔

بقر عید سر پر تھی' ہر سال مصطفیٰ اور ابا جی مل کر نارمل سا جانور لے آتے' ہم پانچوں کے پانچ حصے ایک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا اللہ کے نام کا ہوتا۔ گزشتہ کئی سال سے یہ سلسلہ جاری تھا۔ پچھلے سال جانوروں کے ریٹ آسمان سے باتیں کر رہے تھے تو ذرا ہلکا جانور آیا تھا اور فراست صاحب کی بہو کی بات میرے دل میں پھانس بن کر اٹک گئی تھی۔

ہمیشہ کی طرح ہمارے یہاں عید کی تیاریاں ہو رہی تھیں بچے بہت خوش تھے کہ گھر میں گائے آنے والی ہے۔ بقر عید سے ایک دن پہلے کی بات ہے شام کا وقت تھا میں اور اماں نماز عصر سے فارغ ہو کر صحن میں آ بیٹھے۔ ابا جی عصر کی نماز پڑھنے مسجد جاتے تو مغرب پڑھ کر گھر لوٹتے تھے۔ مریم چائے بنا کر لے آئی ہم تینوں چائے پی رہے تھے کہ مصطفیٰ بھی آفس سے آگئے۔

"ارے واہ......" چائے کے ساتھ گرما گرم نگٹس اور پکوڑے دیکھ کر خوش ہو گئے مریم ان کے لیے بھی چائے لے آئی۔ چائے پیتے پیتے انہوں نے نوٹوں کی گڈی جیب سے نکال کر اماں کی طرف بڑھائی۔

"اماں یہ رکھیں ابا جی مسجد سے آجائیں تو ہم دونوں جا کر جانور لے آئیں گے تب تک بچے بھی آجائیں گے۔" انہوں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"بسم اللہ......" اماں نے پیسے لیتے ہوئے کہا۔

"کتنے پیسے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"60 ہزار۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"کیا...... 60 ہزار......؟ ابا جی کہہ رہے تھے منڈی بہت چڑھی ہوئی ہے 60 ہزار میں کیا آئے گا بھلا؟"

"موٹا بکرا......" میرا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"ارے نہیں بھابی آپ نے دیکھا معراج انکل کا بچھڑا 55 ہزار کا ہے ماشاء اللہ سے کافی اچھا ہے۔" مریم نے برجستہ معصومیت سے کہا۔

"نہیں عروہ! ان شاء اللہ اچھا جانور مل جائے گا' 60 ہزار اچھی خاصی رقم ہے۔" اماں نے بھی ملامت سے کہا۔

"ہنہہ......" میرا موڈ آف ہو گیا حالانکہ میں نے کئی بار مصطفیٰ سے کہا تھا کہ اس بار رقم ذرا بڑھا دیں مگر وہ تو لکیر کے فقیر بنے ہوئے تھے جو سوچ لیا بس سوچ

لیا' میں چائے کا کپ لے کر اٹھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" مصطفیٰ غالباً میری کیفیت سمجھ چکے تھے۔

"کچھ نہیں' مجھے کپڑے تہہ کرنے ہیں۔" میں کہتی ہوئی کمرے میں آکر بڑبڑانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد مصطفیٰ بھی کمرے میں آگئے مگر میں نے ان کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ آپ کو کون سی میری پروا ہے یا میری بات ماننی ہے کرنا تو وہی ہے نا جو آپ چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بھی تھا کہ اس بار ذرا ڈھنگ کا اور تگڑا جانور لے کر آنا مگر...... وہی لے آئیں گے کمزور اور لاغر سا کہ جسے دیکھ کر کمزوری کا احساس ہونے لگے۔"

"ارے پاگل ہو گئی ہو کیا؟ کیا اول فول بک رہی ہو' کیا ہو گیا ہے تمہیں ایسی فضول باتیں کیوں کر رہی ہو؟ اب خدانخواستہ ایسا گیا گزرا جانور بھی نہیں لائے ہم۔ پچھلی بار بھی الحمدللہ اچھا خاصا گوشت نکلا تھا اور بات نیت کی ہوتی ہے جانور کے سائز اور جسامت سے قربانی کا کوئی تعلق نہیں بشرطیکہ وہ قربانی کے سارے تقاضے پورے کرنے کے قابل ہو عجیب بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" مصطفیٰ بڑبڑاتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئے کیونکہ مغرب کی اذان ہو رہی تھی میں بھی منہ بناتی ہوئی وضو کرنے چل دی۔

مغرب کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر ابا جی اور مصطفیٰ منڈی چلے گئے میں نے سر درد کا بہانہ بنا کر کھانا بھی نہیں کھایا' یہ میرا خاموش احتجاج تھا۔ اماں' ابا جی اور مریم خاصے پریشان ہو گئے اماں نے مجھے زبردستی کمرے میں بھیج دیا کہ آرام کرو' مریم گرما گرم چائے لے آئی اور میں منہ لپیٹے پڑی رہی۔ اس کے بے حد اصرار پر بھی جب میں نہیں اٹھی تو وہ مایوس ہو کر کمرے سے چلی گئی تھی۔ باہر سے آنے والا شور بتا

سدرہ شاہین

السلام علیکم! ایک انجانی سی کچھ بے گانی سی مگر کسی کسی کے لیے جانی پہچانی سی شخصیت تعریف لارہی ہے۔ اللہ ہم سب پر اپنا کرم فرمائے پیارے پاکستان کو ہر ناگہانی آفت و مصیبت سے محفوظ فرمائے آمین۔ معزز قارئین! ملیے سدرہ شاہین سے جنہیں ہماری ماما اس دنیا میں اس وقت لائی جب لوگ گرمی سے تنگ رہے تھے یعنی 20 جون 1995ء میں۔ میرا تعلق اس پیارے پاکستان کے شہر خانیوال سے ہے۔ اس سال ایف اے کا امتحان دیا ہے آگے ان شاء اللہ بی اے امتحان دینے کا ارادہ ہے۔ میرے لیے خوشی کا دن وہ تھا جب میرا ایف اے کا رزلٹ آیا جو کہ میں نے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ویسے میٹرک بھی فرسٹ ڈویژن میں ہی کیا تھا۔ جناب اب آتے ہیں خوبیوں خامیوں پسند و ناپسند کی طرف' میری سب سے بڑی خوبی پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں' دوسروں پر بہت جلد ترس کھا جاتی ہوں زیادہ دیر کسی سے ناراض نہیں رہ سکتی' کسی پر ظلم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ خامی یہ ہے میری اپنی نظر میں کہ دوسروں پر اعتبار کرلیتی ہوں' اچھی لگتی ہیں اچھی کتابیں' اچھے مناظر بہت اٹریکٹ کرتے ہیں' زیادہ خاموش رہنا ہی اچھا لگتا ہے تنہائی پسند ہوں' دوغلے لوگ زہر لگتے ہیں۔ غصہ بہت جلدی آجاتا ہے' موڈ ٹھیک نہ ہو تو کسی سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا ہے نہ ہی کرتی ہوں۔ لوگوں کی فلاح و بہبود اور ملک کی ترقی کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں' کچھ لکھنے کا جنون اور اس سے بڑھ کر مطالعہ کا حد جنون ہے۔ کتابیں میری روح ہیں میری سانسوں کا تسلسل مطالعے کے سبب ہے۔ پینٹنگ کرنے اور شاعری کرنے کا بہت شوق ہے۔ فضول خرچ حد سے زیادہ ہوں۔ خود اعتمادی بالکل صفر ہے' لوگوں سے زیادہ فرینک نہیں ہوتی اس وجہ سے میری صرف ایک ہی فرینڈ ہے سعدیہ۔ میری ایک خواہش ہے کہ میں مکہ اور مدینہ میں جاؤں جہاں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم رہتے ہیں' خواب میں تین بار جاچکی ہوں اللہ حقیقت میں بھی لے جائے جالیوں کو چوموں حرم پاک کو دیکھوں ان شاء اللہ۔ میرے لیے میری کل کائنات جن کے حصار محبت نے مجھے زمانے کی ہر بلا ہر خوف سے بچایا اور مجھے ہونے کا احساس دلایا' میرے والدین اور میرے بہن بھائی ہیں جن کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے میرے والدین کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔ محبت کے بارے میں کہنا چاہتی ہوں کہ محبت تو ایک پاکیزہ رشتے کا نام ہے' محبت تو وہ ہوتی ہے جو اپنے والدین سے ہو خاص کر ماں سے ہو جس نے ماں سے محبت کی اس نے اپنی جنت بنالی۔ بہن بھائی اور باپ سے کرو جو زندگی کے ہر دکھ سکھ میں آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن اور پیارے آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ نیک خواہشوں' امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ اجازت دیں اللہ حافظ۔

رہا تھا کہ ابا جی اور مصطفیٰ لوٹ آئے ہیں مگر میں کمرے سے باہر نہیں نکلی' تھوڑی دیر بعد مصطفیٰ کمرے میں آئے تو میں جان بوجھ کر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

''ارے بیگم صاحبہ! ابھی تک ناراض ہو؟'' انہوں نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر مزاحیہ انداز میں کہا مگر میں بدستور لیٹی رہی جب مصطفیٰ گھوم کر دوسری طرف میرے سامنے آگئے' میں نے آنکھیں موند لیں تو وہ زور سے ہنس دیے۔

''یار دیکھو! باہر کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے ہلکی ہلکی بوندا باندی اور ہمارا خوب صورت سا جانور تمہارا منتظر ہے۔'' وہ مزاحیہ انداز میں بولے۔ ''یار! ایسی بچوں کی سی حرکتیں چھوڑ دو تم دو بچوں کی ماں ہو۔''

''چپ کریں' مجھے ڈسٹرب مت کریں ایک بات کہی تھی آپ سے وہ بھی پوری نہیں کی آپ نے۔'' میری بدتمیزی عروج پر تھی۔

''عروہ......'' مصطفیٰ کا لہجہ بدل گیا۔ ''میں قطعی اس بات کے حق میں نہیں ہوں کہ محض دکھاوے اور امارت ظاہر کرنے کے لیے غیر ضروری پیسہ خرچ کروں تاکہ لوگوں کو مرعوب کرسکوں۔ میں صحت مند اور قربانی کے جائز تقاضے پورے کرنے والے جانور کا انتخاب کرتا ہوں اور آج بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے' کبھی ایسا ویسا جانور نہیں لائے ہم اور اگر تم آس پاس کے لوگوں کے جانور دیکھ کر ایسا سوچ رہی ہو تو یہ تمہاری چھوٹی سوچ ہے۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری سوچ پر' تم ایسا سوچ سکتی ہو یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا' خدا کے لیے اپنی سوچ کو بدلو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔''

ابھی میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک باہر گلی میں عجیب بے ہنگم سا شور اٹھا' مصطفیٰ کے ساتھ میں بھی کمرے سے باہر بھاگی۔ ابا جی' اماں اور مریم بھی کمروں سے نکلے اور باہر کی سمت لپکے' بوندا باندی قدرے تیز ہوگئی تھی۔ فراست صاحب کا قیمتی اور صحت مند بچھڑا بجلی کے کھمبے سے بندھا ہوا تھا' کھمبے میں کرنٹ آگیا تھا ساتھ ہی اسپارک ہوا اور ایک ننگی تار اس پر آن گرا اور وہ بچھڑا اسی وقت تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ فراست صاحب ان کے بیٹے' سب لوگ کھڑے تھے مگر کوئی کچھ نہیں کرسکا تھا۔ اچانک سے چند لمحوں میں سب کچھ ہوگیا کہ سب لوگ منہ کھولے حیران کھڑے تھے۔ فراست صاحب کے گھر میں گویا ماتم جیسا سماں ہوگیا تھا' ایک لاکھ کا جانور لمحوں میں خاک میں مل گیا تھا۔ اب کیا کیا جاسکتا تھا' محلے کے سارے لوگ جن میں ابا جی اور مصطفیٰ بھی شامل تھے ان سے افسوس کرنے لگے' اماں بھی افسردہ تھیں جب کہ مریم باقاعدہ رونے لگی اور میں عجیب سی سوچوں کا شکار تھی۔

''اتنا مہنگا جانور' بھلا کیا ملا انہیں...... اگر یہ لاکھ روپیہ کسی غریب کی شادی پر دے دیتے تو...... کتنا ثواب ملتا' کتنی دعائیں ملتیں۔'' اب فوری طور پر تو وہ معمولی سا جانور ہی لانے کی قائل تھی۔

میری بدلتی کیفیت سے مصطفیٰ بے بہرہ نہ تھے کیونکہ وہ میری رگ رگ سے واقف تھے۔ میں واپس پلٹی تو میرے سامنے مصطفیٰ کا لایا ہوا قربانی کا خوب صورت سا بلیک اینڈ وائٹ بچھڑا کھڑا تھا' میری آنکھوں میں بے تحاشا آنسو امڈ آئے۔ جانے شرمندگی کے تھے یا اپنی سوچ کے۔ مصطفیٰ میرے قریب آئے' میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیسا لگا......؟'' جھک کر قدرے شرارتی انداز میں پوچھا' اشارہ بچھڑے کی طرف تھا۔

''آپ جیسا سیدھا اور معصوم......'' میں کہاں پیچھے رہتی کہہ کر میں پلٹی اور ہنستی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی اپنے پیچھے مصطفیٰ کا جاندار قہقہہ سن کر مجھے طمانیت کا احساس ہوا۔

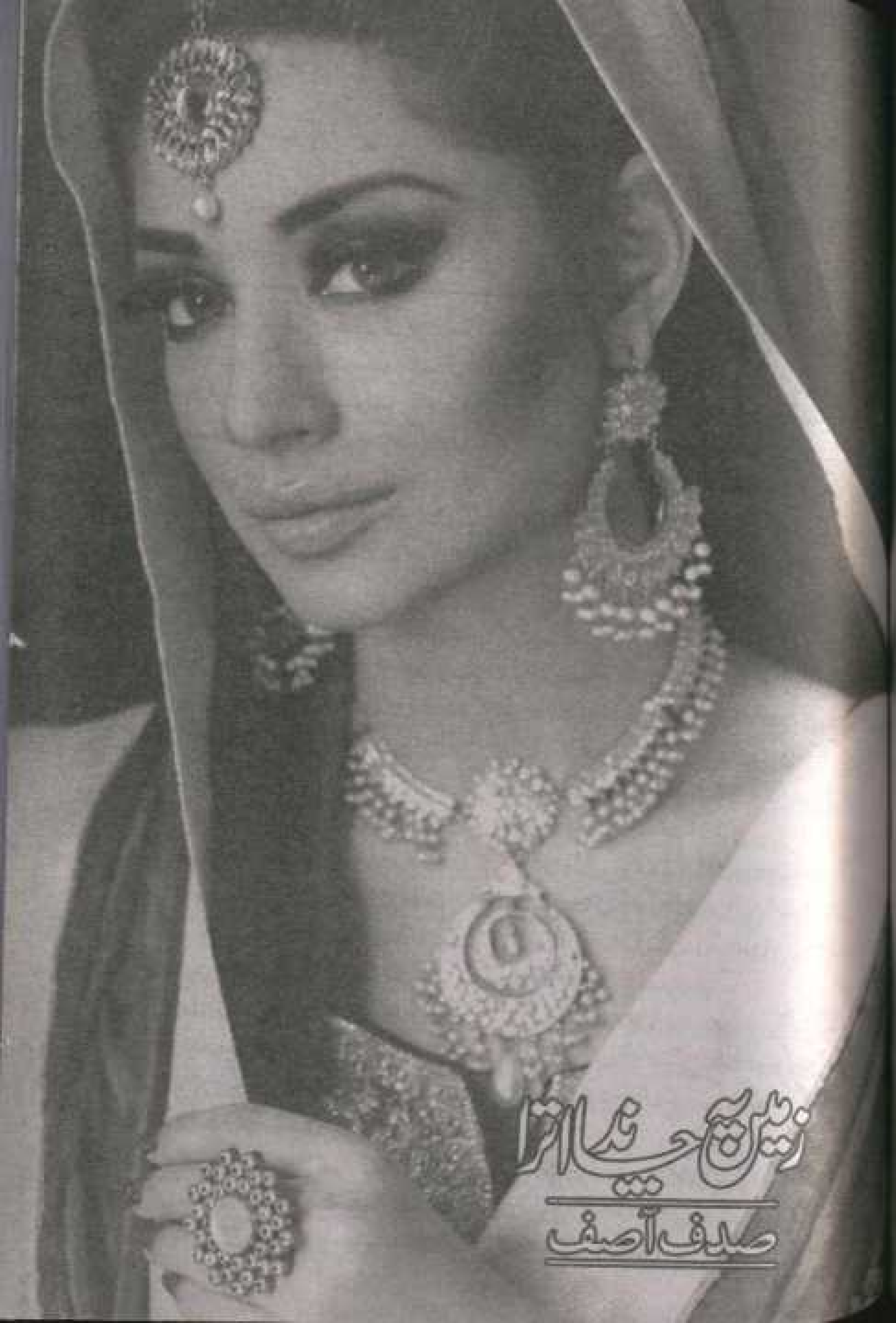

ہر ذرہ امید سے خوشبو نکل آئے
تنہائی کے صحرا میں اگر تو نکل آئے
کیسا لگے اس بار اگر موسم گل میں
تتلی کا بدن اوڑھ کے جگنو نکل آئے

"اتنی گرمی ہے، اگر ایک کھوئے والی قلفی کھلا دو گے تو تمہارا کیا چلا جائے گا؟" رتبہ عادت کے برخلاف اس کی طرف مڑی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر ضد کرنے لگی۔

"ایک دفعہ کہہ دیا ناں تو نہیں پلیز بہت تھک گیا ہوں۔ مجھے اب کہیں نہیں جانا بس۔" علی زر نے چبا چبا کر کہا اور جھنجلا کر لنچ باکس ایک طرف پھینکا جو لڑھکتا ہوا رتبہ کے پاؤں کے پاس آ کر رکا۔ وہ اس کو نظر انداز کرتا خود صحن میں بچھی کرسی پر جا کر ڈھیر ہو گیا۔

"علی! تم جانتے ہو ناں، میں اس دن کے لیے پورے مہینے تیاری کرتی ہوں۔" مجال ہے جو اس نے شوہر کے خراب تیور کو ذرا بھی اہمیت دی ہو۔ پاس آ کر ناز سے بولی۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ علی زر کس الجھن میں تھا کہ محبوب بیوی کی دل داریاں بھی دل کو نہ بھائیں۔

"اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا" کی عملی تفسیر بنا بیٹھا کتنے لوگوں کی آس اس کے ایک روزگار سے بندھی ہوئی تھی کچھ کی ضرورتیں، کچھ کے مان جو وہ نبھاتا چلا آ رہا تھا۔

"ٹیوشن کے پیسے ملے تھے تو میں نے سوچا۔" رتبہ نے اسے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کرتے ہوئے اٹک اٹک کر ایک کوشش اور کی۔ علی زر یہاں موجود ہوتا تب ہی تو جواب دیتا۔ وہ کسی اور سوچ میں گم ہم گلاس تھامے بیٹھا رہ گیا۔

رتبہ نے نظر بھر کر شریک حیات کو دیکھا۔ چوڑے شانے، گندمی رنگت، مضبوط ہاتھ پیر اور عام شکل و صورت کو خاص بنانے والی پرکشش سنہری آنکھیں جو کسی کا دل بھی اپنی گرفت میں لے لینے کی بھرپور طاقت سے مالا مال تھیں۔

جانے کیا راز چھپے تھے، ان دو آنکھوں میں کہ جب وہ جذبے لٹانے پر آمادہ ہوتیں تو رتبہ شرما جاتی۔

"علی! اچھا ناں تم صبح سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" قلفی کا اشتہار آنکھوں کے سامنے ابھرا تو اس نے پھر سوال کیا۔ جس میں ہر ایک ماڈل ناچ ناچ کر قلفی کے ذائقے اور مزے کے گن گا کر للچاتا اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اشتہار والی نے تیج چاچا کی قلفی ہی کی۔

"کیا پیسے کاٹتے ہیں۔ چار ٹکے جوڑ لے گی تو اس میں کوئی برائی ہے؟ مشکل وقت میں کام ہی آئیں گے۔ چند مہینوں بعد چھوٹی بہن کی شادی سر پر کھڑی ہے۔ پر تیری زبان کو تو بازاری اشیا کی چاٹ لگی ہے۔ نہ وقت دیکھتی ہے نہ موقع محل بس شروع۔" اس نے مبالغہ آمیزی کی حد کرتے ہوئے کہاں کا غصہ کہاں نکالا، رتبہ کا چہرہ اتر گیا۔ بیوی کو پھٹکار کر خود بھی بے چین ہوا تھا۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟ ہاں نہیں تو بلاوجہ کا غصہ۔"

رتبہ کی برداشت بھی ختم ہو گئی، غصے میں اس پر الٹ پڑی اور گلابی لبوں کو بھینچ کر بیٹھ گئی۔ علی زر کی شرمندگی عود آئی۔ وہاں سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہو گیا ہے جو یوں غصہ کرتے جا رہے ہو؟" رتبہ نے صاف تولیہ اور صابن دانی تھماتے ہوئے شکوہ کیا۔ کیا کرتی اس کا خمیر جس مٹی سے بنا تھا، اس میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، بیوی جو تھی۔

"کچھ نہیں ہوا، کب سے سمجھا رہا ہوں پر تو سمجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی، عورت ذات ٹھہری نہ عقل کے پیچھے لٹھ لے

کر گھومتی ہے۔ اب جا کر جلدی سے روٹی پکا لے۔ بجلی چلی گئی تو بلاوجہ بازار سے روٹی لانے کی بھی فرمائش کر دے گی۔" علی زر فوراً ہی روایتی مرد بن گیا۔ سفید جھاگ سا تولیہ تھام کر نہانے گھس گیا، پیچھے سے غسل خانے کا دروازہ زور سے بند کیا۔ رتبہ نے دکھ بھری نظروں سے غسل کے دروازے کو دیکھا اور زبان چڑا دی۔

علی زر کئی سالوں سے کپڑوں کی ایک فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ تنخواہ اور اوور ٹائم ملا کر دونوں میاں بیوی کا اچھا گزارا ہو جاتا تھا اگر اس پر گھر والوں کی ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ نہ ہوتا باقاعدگی سے پیسے گاؤں بھیجنا ضروری تھا۔ یہاں الگ گھر گرہستی کے پورے خرچے اپنے حالات کی وجہ سے ایک دو کمروں کا چھوٹا سا گھر غریبوں کے محلے میں لیا پھر بھی آٹھ ہزار روپے تو صرف کرائے کی مد میں نکل جاتے۔ علی زر شام میں بھی ایک جگہ پارٹ ٹائم جاب کرتا تھا اس کے باوجود پیسے دانتوں سے پکڑنا پڑتا۔ رتبہ کا دل کڑھتا مگر اس معاملے میں وہ بے اختیار تھی۔

رتبہ پورے دن اکیلی بولائی پھرتی، پھر ایک حل سوچا۔ اپنی تعلیمی قابلیت کو استعمال کرنے کے لیے، ایک گتے پر کالے مارکر سے بڑا بڑا "ٹیوشن سینٹر" لکھ کر بورڈ گھر کے دروازے پر آویزاں کر دیا۔ غریبوں کا محلہ تھا کم فیس رکھی تو محلے کے کئی بچے شام میں پڑھنے آنے لگے۔ اتنی محنت کے باوجود بمشکل دو، ڈھائی ہزار مل پاتے لیکن اب اس کا وقت باآسانی کٹنے لگا تھا وہ شادی سے پہلے آرٹ ٹیچر رہ چکی تھی، یہاں بھی بچوں کو منت سے اصرار میں پینٹنگ کرواتی تو بچے بہت خوش ہوتے۔

☆☆☆☆

ٹیوشن کے پیسے ملنے کے بعد رتبہ نے فوراً ہی پانچ سو روپے کی کمیٹی پروین بھابی کے یہاں ڈالنا شروع کر دی باقی جو پیسے بچ جاتے انہیں وہ گھر کی ضرورت پر خرچ کر دیتی۔ وہ دونوں مشقت بھری زندگی سے خوشیوں کے کچھ رنگ کشید کرنے کی کوشش کرتے، اسی لیے دونوں میاں بیوی مہینے میں ایک بار، باہر جا کر کچھ کھاتے پیتے موج اڑاتے۔ آج بھی ایک ایسا ہی دن تھا، جو علی زر کے خراب موڈ کی نظر ہونے جا رہا تھا۔ رتبہ تڑپ ہی اٹھی پر جانتی تھی جب علی زر ایک بار "نہیں" بول دے تو اس کا مطلب نہیں ہی ہوتا ہے۔

"اوہ! ماں لائٹ نہ چلی جائے، جلدی سے روٹی پکا لوں۔"

جھلائی ہوئی رتبہ نے ہاتھ دھو کر آٹا گوندھنے کے لیے پرات نکالی۔ وہ ایک نرم مزاج اور امن پسند لڑکی تھی۔ اسی لیے شوہر کی مرضی پر خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری جانی اور روٹی پکاتے ہوئے بار بار اس کی نگاہیں رسی پر ٹنگے اپنے لان کے نئے استری شدہ فیروزی جوڑے سے ٹکرا رہی تھیں، جس کے پرنٹڈ گلابی پھول ہوا سے جھوم جھوم کر اپنی بہاریں دکھاتے ہوئے اسے منہ چڑا رہے تھے۔

رتبہ نے کچھ دیر باہر گھومنے کے بعد میکے جانے کا پروگرام بھی بنایا تھا، جو اس کے گھر سے پیدل کے راستے پر ہی تھا۔ میکے کے قریب رہنے کے باوجود وہ ہر وقت ماں کے دروازے پر جا کر نہیں کھڑی رہتی تھی۔ شوہر کے ساتھ کم ہی ادھر کا رخ کرتی، اسی لیے بھائی بھابیوں کی نظر میں اس کی توقیر قائم تھی۔ رتبہ نے فریج سے نکالی گئی ایک دن قبل پکائی گئی چنے کی دال میں پیاز اور زیرے کا تازہ بگھار لگایا۔

کہاں بریانی اور کہاں یہ چنے کی دال وہ بھی باسی دال جو دکھ رہا تھا ایسی باتیں سوچتے ہوئے اس کے اندر ایک دم سے چڑ پیدا ہوئی کسی اور پر بس نہ چلا تو چمٹا اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا۔ ایک گلاس پانی بھر کر پیا تو سکون ملا۔ روٹی کو اچھی طرح سے چنگیری میں لپیٹا۔ بتی بجھا کر باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

علی زر سامنے سے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتا چلا آ رہا تھا، اس کی مخصوص خوشبو رتبہ کے آس پاس پھیل گئی۔ دل بے ایمان ہوا، پر دماغ نے بے رخی کی ٹھانی، ناراضی ظاہر کرنے کے لیے کنی کترا کر نکل گئی، پر شوہر کے نوٹس نہ لینے پر حیران رہ گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو علی اس کو منانے کے لیے گدگدی کرتا۔ پیار سے چھیڑ چھاڑ کر کے آخر ہنسنے پر مجبور کر ہی دیتا۔ گھر میں وہ دو ہی نفوس تو تھے، زیادہ دیر ایک

دوسرے خمار رہتا بھی مشکل۔ علی ایسا بے درد تو نہیں اللہ خیر کرے۔ آج لگتا ہے کوئی سیریس مسئلہ ہے۔" رتبہ نے اسے خاموشی سے پلنگ پر لیٹے دیکھا تو دل میں بے چینی کی یلغار سی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے؟" رتبہ دھیرے سے پائنتی کے پاس بیٹھی اور شوہر کا پاؤں ہلاتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ علی زر نے لمحہ بھر اسے دیکھا اور جواب دینے کی بجائے کروٹ بدل لی۔ بیوی سے ہی نہیں اس وقت وہ ساری دنیا سے نظریں چرانا چاہتا تھا۔

غربت، بھوک کتنی بے درد ہوتی ہے؟ اس سے بہتر کون جانتا تھا۔ پانچ سال پرانی لگی بندھی نوکری کیا گئی، اس کی دنیا ہی اندھیری ہوگئی۔ آئے دن کی ہڑتالوں اور لوڈشیڈنگ کی مصیبت نے فیکٹری کا کام مندا کردیا۔ مالکان نے مجبور ہوکر چھانٹی شروع کردی۔ کم تنخواہوں پر نئے لڑکے رکھ لیے گئے جو بےروزگاری کی عفریت سے بچنے کے لیے آدھی تنخواہوں پر بھی کام کرنے پر بخوشی تیار کھڑے تھے۔ انتظامیہ نے پرانے ورکرز کو دو مہینے کی تنخواہ دے کر بے مروتی سے باہر کا راستہ دکھادیا۔ جو لوگ نکالے گئے بدقسمتی سے ان میں علی زر کا نام بھی شامل تھا۔

"کچھ تو گڑبڑ ہے ورنہ میرا علی اتنی دیر چپ رہے، مجھ سے بات نہ کرے ایسا ہو نہیں سکتا۔" رتبہ کے شبہ کو علی زر کے رویے نے تقویت بخشی۔ وہ کچھ سوچ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ شوہر کا موڈ ٹھیک کرنے کا جادو اسے آتا تھا ایک کپ خوشبودار گرما گرم چائے۔

علی زر کا مقولہ تھا کہ "اگر میرا موڈ اچھا رکھنا ہو تو ہر گھنٹے بعد چائے پلاتی رہا کرو۔" وہ اپنی بات کو پورا کرنے کے لیے کبھی کبھی اس کو بستر سے بھی اٹھا دیتا۔ رتبہ چائے بالکل نہیں پیتی تھی۔ اسی لیے شوہر کی بار بار چائے پینے کی عادت سے اسے چڑ تھی۔

"اف اتنی رات کو بھی تمہارے جسم میں خون کی جگہ چائے دوڑتی ہوگی۔ لوگوں کی نیندیں چائے پینے سے اڑ جاتی ہیں، پر تمہیں اسے پیے بنا نیند نہیں آتی۔" وہ منہ چڑا کر ہنستی تو علی زر چائے بھول کر بیوی کی معصوم شوخی پر توجہ دینے لگتا۔

"نہیں تیری چاہ کے بنا بھی نیند نہیں آتی۔" اس کی گہری آنکھوں پر محبت کی مستی چھانے لگتی، تو رتبہ ہاتھ چھڑا کر کھلکھلاتی ہوئی باورچی خانے کی طرف بھاگ جاتی۔

☆☆☆

علی زر کے والدین اور بھائی، بہن پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے، وہ شاہین اور رفیق کی آخری اولاد تھا۔ اس سے پہلے ہی اس کٹیا میں غربت کی آگ میں جلتے روتے بلکتے اس کے چار بھائی اور ایک بہن تھی۔ قسمت میں اس کا بھی دنیا میں آنا لکھا تھا سو آگیا۔ بغیر کسی چاہت کے وہ اس خاندان میں شامل بھی ہوگیا۔ جھلنگا سے پلنگ کی پٹی پر کپڑے کا جھولا باندھ کر اسے لٹا دیا جاتا، کبھی کبھی تو وہ بھوکا روتے روتے سو جاتا مگر ماں کی جان کو سو بکھیڑے تھے، ان سے فارغ ہوکر ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوتی۔

اس کی پیدائش کے دوسرے دن پڑوس والی استانی جی شمیو کی طبیعت پوچھنے اور مبارک باد دینے آئی تو میلے سے کپڑے میں سنہری آنکھوں والے روتے بلکتے بچے پر ایک دم ترس آگیا، اسے چارپائی سے اٹھا کر سینے میں بھینچ لیا، دفعتاً فریدہ کا سینہ ممتا کی گرمی سے دہکنے لگا۔ ننھے شریر ہاتھ پاؤں چلاتے زندہ وجود کو وہ جیسے اپنے اندر جذب کرنے لگی۔ اف یہ احساس، محروم آنکھیں جھل مل ہوگئیں۔ شادی کے پانچ سال گزرنے کے باوجود اس کی گود خالی تھی۔ لگتا تھا وہ بھی ہر احساس سے خالی ہوتا جارہا ہے۔

فریدہ جھرجھری لے کر چونکی۔ دو سو روپے بچے کی مٹھی میں تھمائے اور اسے شمیو کے پاس لٹا دیا۔ تھوڑی دیر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ دل وحشی موجوں کی طرح سینے میں تلاطم برپا کیے ہوا تھا۔ وہ بچوں کو پڑھانے کا بہانہ بنا کر آنسو اپنے اندر اتارتی وہاں سے اٹھ گئی۔ دروازے سے نکلتے ہوئے واپس پلٹی پھر اپنے سوکھے ہونٹ علی زر کے نرم ہاتھوں پر رکھ دیے تو ایک قطرہ پھسل کر اس کی ہتھیلی پر جا گرا اور بچے نے بھی بند کرلی۔ فریدہ مسکرادی۔ لگا جیسے اس کی پیاسی محبت بچے میں جذب ہوگئی ہو۔

"استانی جی! آپ کا جب دل چاہے کاکے سے ملنے چلی آنا، یہ آپ کا بھی پتر ہے۔" شمیو نے اسے دلاسا دیا۔ وہ گاؤں کی دوسری عورتوں کی طرح دیہاتی نہیں تھی۔ جو اپنے نو زائیدہ بچوں کو استانی کے سائے سے بھی بچاتیں۔ بچے بڑے ہونے پر بچے اس کے ہی آنگن میں سبق پڑھنے جاتے تھے۔ فریدہ نے سر ہلایا اور اٹھ کر تیزی سے چلی گئی۔ شمیو نے افسردگی سے استانی کو جاتا دیکھا، وہ ایک عورت تھی، عورت کا درد اچھے سے سمجھتی تھی۔

☆☆☆

فریدہ نے چھٹے دن بڑے ارمانوں سے بچے کو نہلا دھلا کر اپنے ہاتھوں سے سلا ہوا سفید کرتا پہنایا، آنکھوں میں کاجل کے ڈورے ڈالے اور ماتھا چوم کر اس کا نام علی زر رکھا۔ فریدہ نے گڑ چاول پکا کر سارے بچوں کا منہ میٹھا کروایا۔ اس گھر کا پہلا اور آخری دن مسکرایا جب علی زر کو اتنی پذیرائی حاصل ہوئی، ورنہ شمیو کے پاس بچوں کے لاڈ پیار اٹھانے کا وقت ہی کہاں بچتا، غربت کی چکی کو پیتے پیتے اس کے ہاتھ چھل گئے پھر کہاں کی محبت اور کیسا پیار؟ ویسے بھی وہ دکھیاری ماں دل کو مار کر مان بیٹھی تھی کہ یہ سارے بھرے پیٹ کے چونچلے ہیں، اسی لیے معصوم سے بچے کو بڑی بچی کے حوالے کرکے کام پر نکل جاتی۔ علی زر اس کی اکلوتی اولاد تو تھا نہیں۔ اتنے لوگوں کا پیٹ کیسے بھرا جائے، گھر کا ٹھنڈا ہوجانے والا چولہا کیسے گرم رکھا جائے؟ اس کے دماغ میں ہر وقت ایک ہی سوال گردش کرتا رہتا۔

دو سال قبل تک زندگی شاہین بی بی کے لیے اتنی بدتر نہ تھی۔ لمبا چوڑا اور مضبوط جسم والا پرکشش ساتھی فیکا چوہدری کے کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ اس وقت کسمپرسی کا یہ عالم نہ تھا پر برا ہو اس کے دوستوں کا، نشے کی ایسی لت لگی کہ اب جو کماتا، سگریٹ کے دھوئیں میں اڑا دیتا، اجلی رنگت، آنکھوں کے گرد حلقے، لاغر جسم والا فیکا، اپنی ماضی کی پرچھائیں بنتا جارہا تھا۔

تیکھے نقوش اور سانولی رنگت والی شمیو کی محبت کا دم بھرنے والا اس کا خاوند نشے کی طلب پوری کرنے کے لیے اکثر انسان سے حیوان کا روپ دھارنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا۔ جان سے پیاری بیوی پر ہاتھ اٹھاتا تو کبھی راستے میں آنے والا بچہ پٹ جاتا۔ نشے کی لت نے اس کے سارے جذبوں کو بانجھ کردیا تھا۔ ایک بھری ہوئی سگریٹ میں وہ سرور تھا جو بیوی بچوں کی محبت سے بھی پورا نہیں پڑتا تھا۔ فیکا زبردستی پیسے چھین کر گھر سے نکل جاتا اور شمیو سر پر ہاتھ رکھ کر ان محبت بھرے دنوں کا ماتم کرتی جب خوشیاں اس کے ارد گرد رقصاں تھیں۔ اب تو زندگی یونہی سسکتی، الجھتی اور تڑپتی سی گزر رہی تھی۔

اپنے معصوم بچوں کے لیے شمیو نے زندگی کو محنت کی تفسیر بنا ڈالا۔ وہ پہلے چوہدری کے گھر جاکر ان کے کام نپٹاتی پھر چوہدریوں کے باڑے کی صفائی کرکے وہاں سے گوبر جمع کرکے لاتی، اوپلے تھوپتی، انہیں سکھا کر بیچتی۔ سردیوں میں لحافوں کے ڈورے ڈالنے کا کام کرتی۔ اتنی محنت کے بعد بھی مٹھی بھر پیسے ہاتھ آتے تو گھر میں روٹی اور دال پکتی جس کی سوندھی سوندھی مہک، اس گھر کے لوگوں کو پھولوں کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند تھی۔ کبھی کبھی شمیو کے سمجھانے پر فیکا نشے سے توبہ کرلیتا۔ چند دن ہی اٹک کر کام پر چلا جاتا اور کچھ کمائی بیوی کے ہاتھ پر رکھنے لگتا تو شمیو کی اداس آنکھیں بھی چمکنے لگتیں۔ بچوں کو پڑھانے کا، اپنا پکا گھر بنانے کا اور نبیلہ کی شادی کے لیے کپڑے لتے جمع کرنے کا سپنا پھر آنکھ میں کھل جاتا اور فیکا ایک بار پھر ساری کمائی نشے میں اڑا کر خالی ہاتھ لوٹتا تو ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھ جاتیں۔ امید اور ناامیدی کے اس کھیل سے نگاہیں چرا کر وہ پھر جان توڑ محنت میں جت جاتی۔

یونہی علی زر ایک سال کا ہوگیا۔ نبیلہ گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بھائی کا بھی تھوڑا بہت احساس کرلیتی، ورنہ اس گھر میں صرف ایک ہی احساس سب پر حاوی تھا، بھوک کا احساس۔ نبو بھائی کے بیچ بیچ کر رونے پر بکری کے دودھ میں پانی ملا کر شیشی بنا کر اس کے منہ میں ٹھونس

دیتی، جو اس کی ماں نے پالی ہوئی تھی۔ علی اپنی آنکھیں گھما گھما کر ماں کو ڈھونڈتا رہ جاتا اور تھیشی کو سینے سے لگا کر سو جاتا۔ نیو کو اکثر سکھیوں کے ساتھ کھیلنے کی جلدی ہوتی تو وہ بھائی کو فریدہ استانی کے حوالے کر جاتی۔ بچے کو گود میں اٹھاتے ہی استانی کا نیلا سا چہرہ چاندنی اوڑھنے لگتا اور اسے لگتا سرد ہوتے وجود کو جیسے زندگی کی حرارت مل گئی ہو۔ فریدہ کا نیک دل میاں عبدالمنان بھی علی زر سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ ان کا کچا مکان ان لمحوں میں مکمل گھر بن جاتا، چھوٹے بچے کی قلقاریاں چار سو گونج اٹھتیں۔ فریدہ کے کانوں میں جلترنگ سی بجنے لگتی۔ وہ جلدی سے سوجی بھون کر اصلی گھی ڈال کر حلوہ پکانے میں مصروف ہو جاتی۔ اتنی دیر عبدالمنان خوشی خوشی علی زر کو گود میں اٹھائے بیوی کے قریب ہی پیڑھے پر بیٹھ جاتا۔

"کتنا دے سب خیراں توں کھلا دے استانی۔" حلوے کی خوشبو آنگن میں کیا پھیلتی سکینہ چونک کر چارپائی پر اٹھ بیٹھتی، وہیں سے اس کی بڑبڑ شروع ہو جاتی۔ فریدہ سب باتوں کو نظر انداز کیے علی زر کو اپنے ہاتھوں سے کھلا کر خوش ہوتی، پیٹ بھرنے پر وہ رونا بھول جاتا اور پرسکون ہو کر اس کے گود میں سر ڈال دیتا۔ ان دونوں کو عجیب سی راحت ملتی۔ اس کی ساس کی باتیں سکون میں دراڑیں ڈالتی جاتی تھیں۔

"تیری تو اتنی اوقات نہیں کہ ایک بچہ ہی جنتی۔ اب ایک غیر تے میرے بیٹے کی محنت سے کمایا اللہ اناتی اے۔" فریدہ پہلے ہی ساس کی پلنگ کے پاس چائے کا پیالہ اور سوجی کا حلوہ رکھتی۔ وہ دوبارہ چوکس ہو کر بیٹھ جاتیں، فریدہ کو سنانے لگتیں۔ اس کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو جاتا۔ سینہ دکھ سے بھر جاتا، پر مجال ہو جو اس نے کبھی ساس کو کوئی جواب دیا ہو۔ تعلیم اس نے صرف حاصل نہ کی، اسے خوش دلی سے اپنایا بھی اور اوڑھنا بچھونا بھی بنا لیا۔

"تو ہو چھڈ اماں! علی کنے پیار نال تجھے ویکھ رہا ہے۔" عبدالمنان ماں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سکینہ کی گود میں علی کو لٹا دیتا پر وہ ٹس سے مس نہ ہوتی۔

"اصل سے پیارا سود۔" فریدہ اس بات کو مانتی تھی۔ جوانی میں بیوہ ہونے والی سکینہ بی بی کی عبدالمنان اکلوتی اولاد تھا۔ وہ پوتی پوتے کھلانے کی آس میں ہی جیسے جل بھن کر کبھی فریدہ مجرم ٹھہرائی جاتی۔

"اماں جی! رب دی مرضی رب ہی جانے۔" عبدالمنان بیوی کی مدد کو پہنچتا۔ ماں کے پاؤں دباتے ہوئے دھیرے دھیرے سمجھانے لگتا۔

"ماننے تو تو بولے ہی نہ، تیری آنکھوں پر تو استانی نے پٹی باندھ دی ہے۔ اگر تو ہی کسی جوگا ہوتا تو آج اللہ بخش مرحوم کا اس ویڑے میں ماتمے کی روشنی سے اجالا نہ کر رہا ہوتا۔" وہ بے بس پڑتی فریدہ شوہر کو چپ رہنے کا اشارہ دیتی۔ چاہتی کہ ساس کی بھڑاس نکل جائے، ورنہ چپکے چپکے آنسو بہا کر ایویں سینہ سڑائے گی۔

"پترا تو بس مان جا تو گھر سے دم دوجا ویاہ رچا دوں۔" بہو کی خاموشی پر شیر ہو کر وہ بیٹے کو بولتی۔ اس کانٹی میں پڑ کر دیکھ کر چیخ جاتی۔ فریدہ کے رخساروں سے آنسو کی لڑی بہنے لگتی۔ وہ علی زر کو عبدالمنان کے پاس بٹھا کر دری پر لٹا کر دوپٹہ منہ میں دبائے سسکیاں روکتی کمرے میں چلی جاتی۔

"پتر جی! اماں توں بے وقوف سمجھتا ہے۔ تو خود جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، تیری شہ تے ہی یہ گلے بھر کے بچوں کو تعلیم دیتی ہے۔ سارا دن وہ شیطان مجھے چین نہیں لینے دیتے۔ اب یہ نئی مصیبت پال لی ہے تو اینوں۔ روکے ٹوکے تو میں دیکھوں وہ کیسے اپنی مرضی چلائے؟" سکینہ نے بیٹے کو پاؤں سے پرے کیا اور گرجی۔ عبدالمنان کی دکھ بھری نگاہوں نے بیوی کا کمرے تک پیچھا کیا، پر اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ماں کے سامنے بیوی کی حمایت میں اس کے پیچھے دوڑ پڑتا۔

"اماں کچھ غلط کرتے دیکھوں تو ٹوکوں نہ۔" دوبارہ ماں کے پاؤں گود میں رکھ کر دبانے لگا، اتنا سیاپا ڈالنے کے بعد وہ مزے سے حلوہ کھانے لگی۔ ان سب باتوں سے بے خبر وہیں پر بیٹھا علی زر مزے سے کھیل رہا۔

☆☆☆

"اے شاہین! اچل ہینوں تھوڑے پیسے دے۔" تکرے نے

اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے بیوی کو گھورا، جو چارپائی کا بان کسنے میں مصروف تھی۔

"کیا تو نے میرے پاس کوئی خزانے گڑوائے ہیں؟" شاہین بی بی نے طنز کیا تو وہ اٹھا۔

"بک بک نہ کر، عورتیں اپنے شوہروں دی خاطر پتا نہیں کیا کیا کرتی ہیں، ایک تو ہے نری جاہل۔" وہ گرجا۔

"میکے میں جاہل اور تو پڑھا لکھا سی، دیکھ تجھے اللہ کا واسطہ مجھے مزید پریشان مت کر۔ بڑا دلاور کل سے بیمار ہے، میرے پاس اس کی دوا دارو کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں، تیرے نشے کا کیا انتظام کروں، ایسا کر تو کہیں سے کچھ قرضہ لے کر شفیقے کے لیے حکیم جی کی دوا لا دے۔" شاہین نے رسی چھوڑ کر شوہر کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ کر درد مندی سے کہا۔

"چل ہینوں پتا ہے، کچھ نہ کچھ تو نے کہیں چھپا کر رکھا ہوگا، اس میں سے ہی نکال دے، جنمی عورت رب کی سوں بڑا برا حال ہے۔" میکے نے پہلے غصہ دکھایا پھر منتیں کرنے پر اتر آیا، اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا، نشے کی طلب نے بے قرار کر رکھا تھا، اپنے سوا کسی کی پروا نہ تھی۔

"چل دفع ہو جا یہاں سے بڑا آیا مجھے جہنمی بولنے والا۔ پہلے تو اپنا سوچ تجھے کتنے چھتر پڑیں گے، یہ بھوکے پیاسے یہاں پڑے رہتے ہیں اور تو اپنا نشہ گرم کرنے میں لگا رہتا ہے، معصوم بچوں کی آہ لگے گی۔" شمیم ہمیشہ کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر میدان عمل میں اتر آئی، پر وہ ایسا چکنا گھڑا بن گیا تھا، جس پر پانی نہیں ٹھہرتا پھسل کر گر جاتا۔

"دماغ ویسے ہی گھوما ہوا ہے، پیسے دینے ہیں تو دے ورنہ اپنا منہ بند رکھ۔" میکے نے بڑھ کر شاہین کا ہاتھ مروڑا اور غصے میں ایک لات مار کر باہر نکل گیا۔ شمیم زمین پر بیٹھ کر اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگی۔

"اماں ایہ پانی پی لے۔" تجلیہ روز روز کے ڈراموں سے اتنی بے زار ہو چکی تھی جیسے اس کے احساسات ہی مر گئے ہوں، اسے نہ باپ پر غصہ آتا، نہ ماں سے ہمدردی محسوس ہوتی۔ اسے پتا تھا ابھی کچھ ہی دیر میں سب کچھ معمول کے مطابق ہو جائے گا۔ رات کو اماں ابا کے انتظار میں حلق سے

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ
AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے
ماہنامہ نئے اُفق
قلندر ذات
دنیا کو تسخیر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر نچانے والے ذات کے قلندر کا احوال امجد جاوید کی قلندرانہ تحریر
دیدبان
عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے لیے بطور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول
جگت سنگھ
تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی ایسی دلگداز داستان جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے
AANCHALNOVEL.COM
قارئین کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے
خوشبوئے سخن، منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگہی، اقتباسات، اقوال زریں، احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانیے
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ کریں (021-35620771/2)

نوالہ نہیں اتارے گی۔ لا کے آتے ہی پہلے اس کا یوں ہاتھ منہ دھلائے گی جیسے وہ بڑی کمائیاں کرکے لایا ہو۔ پلنگ پر بیٹھ کر اسی کی پلیٹ میں کھانا کھاتے ہوئے ہنس ہنس کر باتیں بنانے لگے گی۔ نبیلہ نے بھی پانی کا گلاس پیش کرکے جیسے معاملہ بھگتایا اور پیڑھی پر بیٹھ کر نل کے نیچے اپنے بالوں کو دھونے لگی، جو گرد مٹی میں اٹ کر بھورے ہورہے تھے۔

"اری او نبو تیرے فیشن ختم ہو جائیں تو بھائی کو استانی جی کے گھر سے لے آ اور سن ان سے سو روپے ادھار مانگ لانا کہنا شفیق کو بخار ہے، دوا لانی ہے۔ اماں وہ ایک دن میں واپس کردے گی۔"

"کماں ابھی تو کہتی ہوں کاکے کو استانی جی کو ہی دے دو وہ وہاں خوش تو رہتا ہے، پیٹ بھر کر من پسند کھانا تو کھا لیتا ہے، تمہیں بھی اسے جہنم میں گھسیٹنے کی جلدی رہتی ہے، جہاں باقی لوگ پہلے ہی سڑ رہے ہیں۔" نبیلہ نے نانی دادیوں کی طرح ماں کو سمجھایا تو شمیو نے چارپائی کے نیچے سے ٹٹول کر جوتی اٹھائی اور نکا نبو کی کمر پر ماری۔ نشانہ ہمیشہ کی طرح ٹھیک جا کر لگا۔

"چل دفع ہوجا۔ کمینی میں اپنے بچے کو کیوں کسی کو دوں؟ ارے بوزیاں ہیں کہ باتیں پھروں۔ سکینہ کو دیکھا ہے علی زر سے کتنا سڑتی ہے۔ دیکھتے ہی باتیں سنانے لگتی ہے۔ وہ تو استانی جی اللہ جوگی ہیں تو میں چپ رہتی ہوں ورنہ کبھیوں بھی نہ دیتے، بھی پتا نہیں ان کے دل میں کیا ہے؟ زبردستی دے دوں۔" شمیو نے ایک جھاڑ پلائی۔

"کماں اتم تو کرکٹ کی کھلاڑی بن جاتی۔ وہ جو ساری دنیا میں گیند بلا کھیلتے ہیں نا۔ ہمیشہ ٹھیک جگہ پر مارتی ہو۔ ہمارا ملک جیت کر آتا۔" وہ میٹھ سہلاتی ہنستی مسکراتی ہوئی ماں سے دور ہٹ گئی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ شمیو اس کی بات پر مسکرائی۔ "ہائے میرے سوہنے رب کرم کرے۔ بیچاری استانی جی کی بھی ایک اولاد ہو جاوے۔ وہ کیسی نیک بی بی ہے۔ اس نے میرے علی زر کا سگوں کی طرح دھیان رکھا، ورنہ نبو کے آسرے میں اس ننھی سی جان کو چھوڑ کر جاتی تو وہ پیچھے رل ہی جاتا۔ استانی جی کی نیکیوں کے صلے میں اس کا دامن اپنی رحمتوں سے بھر دے۔" شمیو نے شفیق کے سر پر ہلکے سے ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو کر رکھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا مانگی۔

☆☆☆

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم علی کو گود لے لیں؟ ویسے ہی اتنے بچوں کی اکیلے ذمہ داری اٹھاتے اٹھاتے شمیو تھکنے لگی ہے۔" فریدہ نے رات کو شوہر کی دل جوئی پر من میں آئی بات ڈرتے ڈرتے بتائی۔

"او بھلی مانس کوئی اپنی اولاد کب کسی کو دیتا ہے؟ یہ نہ ہو کہ تو بول کر بری بن جائے۔" منان نے پیار سے اس کے زخموں پر مرہم رکھا۔

"دیکھو منانے وہ جب تک میری گود میں رہتا ہے۔ دل جیسے سکون سے بھر جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے میری سگی اولاد ہو۔" فریدہ نے اپنے ویران پہلو میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ عبدالمنان نے نظریں اٹھا کر اپنی پڑھی لکھی، سمجھدار بیوی کو دیکھا جو اس معاملے میں آکر ایک دم نا سمجھ بن جاتی۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں پر اماں کبھی نہیں مانیں گی یہ نہ ہو کہ اس بات پر شمیو بہن سے تیری ان بن ہوجائے۔ تو چند لمحوں کی اس خوشی سے بھی جائے، جو علی زر کے آنے سے تجھے ملتی ہے۔" عبدالمنان نے اس کا سانولا ہاتھ تھام کر بڑے قرینے سے بہلایا تو وہ شوہر کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ کر بری طرح سے رودی۔ فریدہ بڑی باحوصلہ عورت تھی پر جہاں اس کی سونی کوکھ پر سوال اٹھائے جاتے وہ حوصلہ ہار دیتی۔ دکھوں کے دلدل میں دھنسنے لگتی لیکن ہر بار اس کا مانا ہاتھ تھام کر اسے ڈوبنے سے بچالیتا۔

"تو اماں کی باتوں کو دل سے نہ لگایا کر۔ دیکھ اس کی اتنی عمر ہوگئی، وہ خود نہیں جانتی کہ کیا بول رہی ہے۔ بس تو سوہنے رب سے امید لگالے، سچے دل سے دعا کیا کر۔ سب کو سبق پڑھاتی ہے اور خود ہی بھول جاتی ہے۔ ناامیدی موت کے جیسے ہوتی ہے۔ یقین رکھ ایک نہ ایک دن وہ ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش ضرور کرے گا۔ تو اپنا کام تو کر باقی سوہنے رب تے

چھوڑ دے۔" عبدالمنان نے بیوی کے آنسو پونچھ کر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عقیدت سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

قدرت کے رنگ نرالے، زندگی کو برتنے اور سمجھنے کے لیے ہر انسان کے ہاتھ میں جیسے ایک امتحانی پرچہ تھما دیا گیا ہے۔ جسے وہ اپنی سمجھ بوجھ کے حساب سے تاعمر بھرتا چلا جاتا ہے۔ کوئی اولاد کے لیے ترستا ہے تو کسی کی اولاد ہی اس کی سب سے بڑی آزمائش بن جاتی ہے پر سب سے اعلیٰ صفات کا حامل ہمارا مالک جو رحمان بھی ہے، رحیم بھی اور خالق بھی۔ وہ اپنے بندوں سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ زندگی کے یہ امتحان ہی تو ہیں جن سے گزر کر کامیابی کی نوید ملتی ہے۔

☆☆☆

فریدہ کی زیر تربیت علی زر سمجھدار ہوا تو اپنے بھائیوں سے بہت مختلف نکلا۔ بڑے والے شفیق کو تو شمیو نے مار پیٹ کر زبردستی استانی کے پاس پڑھنے بٹھانا چاہا کہ تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر اس کا سہارا بنے۔ پر وہ پڑھائی میں لگتا تب نا، اس کی جان تو کنچوں میں اٹکی رہتی۔ میلی قمیص کی جیب میں رنگ برنگ کی کانچ کی گولیاں بھرے وہ چھوٹے بھائیوں اور گلی کے بچوں کے ساتھ خوب شور مچاتا پھرتا، چھت در چھت بھاگ بھاگ کر پتنگیں لوٹتا۔ ایسے ماحول میں پل کر سارے بھائی تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ شمیو جیسے ہی توا رکھتی تو سارے چولہے کے پاس گھیرا بنا کر بیٹھ جاتے اور کوشش ہوتی کہ اترنے والی گرما گرم روٹی سب سے پہلے اسے ہی ملے کیوں کہ پہلی روٹی کا پیڑا بھاری ہوتا، جیسے جیسے تھال میں سے آٹا ختم ہوتا جاتا روٹی بھی سے پتلی ہوتی چلی جاتی۔ آخری روٹی تو سب سے پتلی بچتی جو شمیو اپنے لیے اٹھا کر رکھ دیتی۔ پر علی زر کو پہلی اور آخری روٹی کی یہ تکرار پسند نہ تھی۔ ویسے بھی فریدہ اس کی پسند ناپسند کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جب کوئی اچھی چیز پکاتی اپنے ہاتھوں سے علی زر کو کھلاتی شاید اسی لیے اس کا دل ان چیزوں کے لیے نہیں مچلتا تھا جن پر باقی لوگ جھگڑتے تھے۔

فریدہ کی نصیحتوں، خلوص اور اعلیٰ تربیت نے علی زر کے اندر کی اچھائیوں کو پوری طرح سے بیدار کر دیا۔ وہ چپ چاپ ایک جگہ پر بیٹھا ماں کا منہ تکتا، اپنی ماں سے اسے بہت محبت تھی، پر کبھی اظہار نہ کیا۔ کبھی ماں اور کبھی بڑی بہن نبیلہ کو خیال آجاتا تو پہلی روٹی اس کا بھی نصیب بن جاتی۔ اچھا ہو یا برا وقت تو گزر ہی جاتا ہے، یہ اور بات ہے کہ خوشیوں بھرا وقت ایک ساعت کا لگتا ہے، جب کہ دکھ بھرے دن سالوں پر محیط ہوجاتے ہیں۔ بچے بڑے ہونے لگے اور محنت کرکے شمیو کمزور پڑتی چلی گئی۔ اس نے بیٹوں کو چھوٹے پن سے ہی باپ کی جگہ کام پر لگا دیا۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مست ملنگ ہوگئے۔

چین نہ ملا تو علی زر کی ذات کو اسے بہت پڑھنا تھا، ترقی کرنی تھی۔ وہ اسی لیے غربت بھرے ماحول سے نکلنے کی جدوجہد میں مشغول ہوگیا۔ اس کے جذبے صادق تھے تو اللہ نے منزل بھی آسان کی۔ فریدہ اور عبدالمنان کے تعاون سے علی نے گاؤں کے اسکول سے پانچ جماعتیں پاس کرلیں۔ اب آگے داخلہ حاصل کرنے کے لیے اس کا کسی بڑے شہر جانا ضروری ہوگیا۔ وہ رات بھر یہی سوچ کرتا رہا کہ آگے نہیں پڑھ پائے گا۔ اچانک اسے اپنی پھوپی پروین کا خیال آیا جو کراچی میں رہتی تھی۔ وہ جب بھی ان لوگوں سے ملنے آتی۔ خاص طور پر علی زر کی جدوجہد پر اس کی ہمت بندھاتی۔ اس نے باپ سے بات کرنے کی ٹھانی اور آنکھیں موند لیں۔

"ابا مجھے پھوپی کے پاس شہر چھوڑ آؤ، مجھے آگے پڑھنا ہے۔" علی زر منہ اندھیرے اٹھ کر باپ کی چارپائی کے پاس پہنچا اور پاؤں پکڑ کر ضد کی۔

"تو بھی کیا یاد کرے گا چل ٹھیک ہے۔" تیکا بھی اس وقت انسانیت کے دائرے میں تھا، ایک جگہ سے مزدوری ملی تو جیب بھی گرم تھی، بیٹے سے سامان تیار کرنے کو کہا، انہیں دوسرے دن نکلنا تھا۔

"میرے ربا تیرا شکر ہے سب نہیں چلو ایک بچہ تو پڑھ لکھ جائے گا۔" شمیو نے شوہر کو بیٹے پر آمادہ دیکھا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر شکر ادا کرتے ہوئے سکھ کا سانس لیا۔ نبیلہ البتہ بھائی سے لپٹ کر بری طرح رودی۔

"تو کیوں آنسو بہاتی ہے کیا کل علی زر کی نہیں۔ تیری رخصتی ہے۔" باقی بھائی بہن کا مذاق اڑانے لگے، چھیڑنے لگے تو وہ ہنس دی۔

☆☆☆

"ماسی جی! میں شہر پڑھنے جارہا ہوں۔" علی زر خوشی خوشی فریدہ کے گھر داخل ہوتے ہوئے مسرت سے چہکا۔ گھر کے در و دیوار بچپن سے اس آواز سے مانوس تھے۔

دھڑ...... دھڑ...... دھڑ...... فریدہ جو برتن دھونے میں مشغول تھی، اس کے ہاتھ سے سلور کا پیالہ چھوٹ کر گرا۔ فریدہ کا سر چکرا گیا۔ اس نے اپنے راکھ بھرے ہاتھوں کو پانی سے جیسے تیسے دھویا، بمشکل سے اٹھی۔

"ہائے صدقے کتنی گرمی ہے پتر! ذرا بیٹھ، میں ٹھنڈی لسی لاتی ہوں۔" اس نے علی زر کے ماتھے کا پسینہ اپنی آسمانی چادر سے پونچھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر چارپائی پر ساس کے نزدیک بٹھا دیا۔ خود باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

"پتر! آرام نال بیٹھ، میں تجھے کچھ نہیں کہتی۔" وہ سکینہ سے بہت ڈرتا تھا، سمٹ سکڑ کر کونے میں بیٹھنے لگا۔ وہ مسکرادی اور پیار بھری سختی سے بولی۔ سکینہ بھی علی زر کے شہر جانے کی خبر سے چونک گئی، دل پر دھکا پڑا۔ بھلے بہو بیٹے کے سامنے وہ اس بچے کی کتنی بھی مخالفت کرتی۔ پر یہ بھی ایک سچائی تھی کہ اس کی معصومیت دن بہ دن گہری جگہ بناتی چلی گئی۔ اتنے برسوں کا ساتھ جو تھا، انسان جانور بھی پالے تو مانوس ہوجاتا ہے۔ یہ تو ایک پیارا سا بے ضرر بچہ تھا۔ علی کا یہاں سے جانا کوئی ایسی اچھی خبر بھی نہ تھی کہ وہ مٹھائیاں بانٹنے لگتی۔

"رج کے پی لے میرا پتر۔" فریدہ جگ کے گلاس میں منہ تک بھر کر لسی لے آئی اور علی زر کو تھما کر حسرتوں سے تکنے لگی۔ سکینہ نے بھی بیٹھ کر اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ ان دونوں کے جذبات سے بے بہرہ مسکراتے ہوئے اپنے شہر جانے کا احوال سنانے میں لگا رہا، جوش سے چہرہ تمتمانے لگا۔

"پتر! یہیں سے اگر امتحان دے دو تو..." اس نے دبے سے کہنا چاہا پھر زبان روک لی وہ خود غرض بن کر بچے کی ترقی کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتی تھی۔ ایک دم چپ کر گئی۔

"اچھا ماسی! اب میں چلتا ہوں۔" علی زر نے محبت سے اس کا دامن تھاما، ماں تو اس کی شیمو تھی، پر اس سے بڑھ کر فریدہ نے علی کا خیال رکھا۔ اس کی محبت فراموش کردینے والی نہ تھی۔

"یہ رکھ میری طرف سے کچھ لے لینا۔" فریدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے چپکے سے اس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ دبا دیا۔ بوڑھی سکینہ نے بھی اپنے مربے کی برنی اٹھا کر بڑے خلوص سے شہر لے جانے کے لیے دی۔ ان کو دیکھ کر ہمیشہ علی زر کے منہ میں پانی آتا تھا، پر عبدالمنان کی سفارش کے باوجود سکینہ اسے کھلانے کی روادار نہ تھی آج جانے کیا ہوا دل بھر آیا۔ جلدی سے مربے کی پوری برنی ایک تھیلے میں رکھ کر اسے تھما دیا۔

علی زر کے باہر نکلتے ہی فریدہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ ساس کے طعنوں کی پروا کیے بغیر دیوار کا سہارا لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اچانک اسے کسی نے پیچھے سے تھام کر گلے سے لگا لیا۔ آنسو کی باڑ تھمی تو سکینہ کا جھریوں بھرا چہرہ واضح ہوا۔ وہ بھی زار وقطار رو رہی تھی۔ فریدہ کو اچانک اتنی زور کا چکر آیا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔ عدم تحفظ کا ایسا احساس جاگا کہ وہ چھوٹی سی بچی کی طرح ساس سے چمٹ گئی۔

پو پھٹتے ہی سارا گھر جاگ اٹھا۔ سب علی زر کی تیاری میں مدد دینے لگے۔ ماں نے پراٹھا انڈہ بنا کر اپنے ہاتھوں سے نوالے بیٹے کو کھلائے۔ نبو نے جوتے صاف کرکے بھائی کے پیروں میں ڈالے۔ بھائیوں نے بھی بھینچ کر اسے پیار کیا۔ شفیق نے تو محبت سے ماتھا بھی چوما۔ گھر سے نکلتے وقت شیمو نے بیٹے کے سر پر سے دس روپے وار کر نکڑ پر بیٹھے بوڑھے بابا فقیر کو بھجوائے۔ فریدہ نے البتہ اسے دروازے سے ہی رخصت کیا، طبیعت اتنی خراب، چکر اور کمزوری نے ایسا لیا کہ عبدالمنان نے چارپائی سے نیچے قدم دھرنے ہی نہ دیا۔ وہ بیوی کا درد سمجھ رہا تھا۔ علی زر خود اس کے پاس ملنے آیا تو چاروں قل پڑھ کر اس کے ماتھے پر پھونکا۔ سکینہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر کامیابی کی دعائیں دیں۔

عید پر بننے والا نسواری کرتا شلوار زیب تن کیے فیکا بیٹے کا ہاتھ تھام کر صبح صبح لاری اڈے کے لیے نکل گیا۔ سارے بھائیوں اور دوستوں کے جھرمٹ میں چاند کی طرح مسکراتا علی زر چلا جارہا تھا۔ عبدالمنان سارے راستے اس کا ہاتھ تھامے رہا۔ لاری پر بٹھا کر اپنی پگڑی سے آنسو پونچھتا اداسی کی دبیز تہوں میں لپٹا مردہ قدموں سے چلتا ہوا گھر لوٹا تو زندہ کردینے والی خوش خبری اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

"تجھے کیا ہوگیا؟ کس کی نظر کھا گئی؟" جیسے ہی فیکا بہن کے دروازے پر پہنچا پروین بھائی کی بری حالت دیکھ کر دہل گئی۔

پروین ماں جائے کو دیکھ کر مستعد ہوگئی۔ ان کے آرام کے لیے کمرہ درست کروایا۔ بکرے کا اسٹو اور پلاؤ پکا کر دعوت کا اہتمام کیا۔ ان کی تواضع ڈھیر سارے فروٹ کاٹ کر کی۔ وہ بھائی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے زبردستی اپنے ہاتھ سے پھل کھلاتی رہی، کئی سالوں بعد میکے کی خوشبو اس پاس پھیلی تھی۔

"بس بہن اپنے بھائی پر اک احسان کردے۔ یہ تیرا بھتیجا آگے پڑھنا چاہتا ہے۔ اسے تو چند سالوں کے لیے اپنے گھر رکھ لے۔" فیکے نے دوسرے دن گاؤں واپسی سے قبل بہن کے قریب بیٹھ کر دلاورے سے کہا۔ بہنوئی سرور کے منہ کے زاویے، سالے کی بات سنتے ہی بگڑنے لگے۔ وہ روایتی شوہر اور داماد تھا تو جو سسرال والوں کو زیادہ منہ لگانا پسند نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ پورے علاقے میں اس کی واحد اسٹیٹ ایجنسی تھی۔ جما ہوا کاروبار تھا۔ دو ہی بچے تھے۔ گھر میں خوش حالی تھی، بھری جیب تھی، پر دل بہت چھوٹا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر..." پروین نے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن علی زر کو دیکھ کر چپ ہوگئی۔

پھوپی کی ہچکچاہٹ دیکھ کر علی زر کا چہرہ اتر گیا۔ سارے خواب چکنا چور ہوتے نظر آئے۔ وہ بھری نگاہوں سے باپ کو دیکھنے لگا۔ بیٹے کی نظریں جیسے فیکے کے دل میں کھب گئیں۔ اس نے سر دھڑ کی بازی لگانے کا سوچا۔

"بہن! تیری مہربانی ہوگی ایک اولاد ہی کسی قابل ہوجائے تو ہمارا بڑھاپا سدھر جائے۔ شاہین کی ہڈیاں محنت کرکے گل گئی ہیں، بھائی سمجھ کے نہیں، کسی غریب کا بچہ سمجھ کر ہی اپنے گھر رکھ لے۔" وہ بڑی بہن کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بھائی کی بات دل پر گھونسے کی طرح پڑی۔ فیکے کے رونے پر بہن کا دل پگھل گیا۔

"چل ٹھیک ہے جا پتر! اوپر اپنا سامان رکھ دے۔ خوب محنت سے پڑھ لکھ کر ماں پیو کا سہارا بننا۔ او سلیم بھائی نوں لے جا۔" پروین نے شوہر کی خونخوار نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بھتیجے کو اپنے گھر رہنے کی باضابطہ اجازت دے ہی دی۔ اس کی سنہری آنکھیں چمک اٹھیں۔ سلیم بڑا سا منہ بنا کر اس کے ساتھ چل پڑا، چھوٹی جاسمین البتہ مسکرائی۔

☆☆☆

"مبارک ہو ماسے پتر، تیرے آنگن میں چاندنی نے اجالا کردیا ہے۔" گاؤں کی صفیہ دائی نے روتا بسورتا، کپڑے میں لپٹا ہوا ننھا سا وجود لاکر سکینہ کی گود میں ڈالا۔ عبدالمنان نے خوش ہوکر بچی کو دیکھا۔ البتہ سکینہ کا جوش وخروش پوتی کا سن کر کچھ کم ہوگیا۔ چپ بیٹھی رہ گئی۔ بچی نے گلابی منہ کھول کر روتے ہوئے دادی کو پکارا۔ چپ کرانے کی کوشش میں جب ننھی کلی کو سینے سے لگا کر ہلایا تو جیسے خزاں رسیدہ روح مہک اٹھی، بوڑھی آنکھیں بھیگ گئیں۔ خون نے ایسا جوش مارا کہ پوپلے منہ سے بچی کے پھولے ہوئے گالوں پر چٹاچٹ بوسے لینے شروع کردیے۔ عبدالمنان ماں کی محبت پر کھلکھلایا۔

"مائی! کیسی ہے؟" عبدالمنان نے نظریں بچا کر پانچ سو کا نوٹ صفیہ کے ہاتھ میں دباتے ہوئے شرما کر یوں پوچھا جیسے اپنی بیوی کی نہیں کسی غیر کی خیریت دریافت کررہا ہو۔

"شکر ہے سوہنے رب نے بڑا کرم کیا۔ استانی چنگی بھلی ہے بس ذرا کمزوری ہے۔" صفیہ عبدالمنان کے شرمانے پر ہنس دی۔

"بھائی خوش ہوجا تیرے ویڑے رب دی رحمت اتری

ہے۔ سونے گھر میں کیسا خوشیوں بھرا دن آیا۔ خالہ آپ کو بھی مبارک ہو۔" شاہین اور نبیلہ خوشی خوشی دروازے سے داخل ہوئیں اور دوردار مبارک باد پیش کی۔

"خیر مبارکاں آؤ دیکھو، میری گڑیا رج کے سوہنی ہے۔" سکینہ ایک دم جوان ہوگئی۔ لہجے سے جوش ابل پڑا۔ شمیو نے بڑھ کر بچی کو تھاما واقعی چاند کا ٹکڑا تھی۔ ماتھے کو چوما۔ سکینہ کے منع کرنے کے باوجود اس نے پلو سے پچیس روپے نکال کر بچی کی چھوٹی سی گوری ہتھیلی میں دبا دیئے۔ نبیلہ لاڈ سے بچی کو گود میں لے کر بیٹھ گئی۔

"میں جا رہی ہوں۔ استانی کو گرم دودھ سے بنا دے، رات کو مرغی کا پتلا شوربہ روٹی چور کر کے کھلانا۔" صفیہ کو جانے کی جلدی تھی اس لیے ہدایت دیتی گھومتی نکل گئی۔

"اچھا چل ٹھیک ہے، فکر دی کوئی گل تو نہیں۔" سکینہ گودام سے باہر آکر کمر پر ہاتھ ٹکا کر بولی۔

"ہاں ہے نا پتر عبدالمنان میرے لیے ریشمی جوڑا بھجوا دینا ہے۔ کچھ ہو تو مجھے بلوا لینا۔" صفیہ نے شوخی دکھاتے ہوئے سامان سمیٹا، پانچ کلو چینی کا تھیلا اٹھایا، جو سکینہ نے فوری طور پرائے دشمن کے نام پر دیا اور لہراتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

"چل یہاں سے منڈی نہ ہو تو مل جائے گا جوڑا۔ ذرا میری استانی تو اپنے پیروں پہ کھڑا تو ہو جانے دے۔" سکینہ نے اسے پیار بھری جھاڑ پلائی تو وہ ہنستی ہوئی بڑے دروازے سے باہر نکل گئی۔

"مبارک ہو استانی رب نے تیری سن لی۔" شاہین نے کمرے میں داخل ہو کر بتی جلائی اور فریدہ کو مبارک باد دی۔ اس کے چہرے سے نقاہت جھلک رہی تھی، پر ممتا کے انوکھے روپ نے جیسے پورے وجود میں خوبصورتی بکھیر دی۔

"شمیو بہن یہ سب آپ لوگوں کی دعاؤں کا اعجاز ہے۔" وہ مدبرانہ انداز میں بولی۔

"گل سن کوئی بھی کام ہو بے جھجک بولنا۔" شمیو نے اس کے سر کے پیچھے تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"ہاں ایک بڑا اہم کام ہے۔ وہ یہ کہ میری کاکی کا نام تم اپنی پسند سے رکھ دو۔" فریدہ نے اس کا مان لوٹایا تو اس کا دل بڑھ گیا۔

"اچھا تے فیر ہم اپنی گڈی کو عالیہ پکاریں گے۔" نبیلہ بہن عالیہ ٹھیک ہے نا۔" شمیو نے عالموں کی طرح گال پہ انگلی رکھ کر سوچا اور پھر دادطلب نگاہوں سے استانی کو دیکھا۔

"بالکل ٹھیک اب سے میری بیٹی کا نام یہی ہوگا۔" استانی نے سر ہلا کر تائید کی۔

"اچھا جو بات کرنے آئی تھی۔ وہ بھول ہی گئی۔" شمیو نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ہاں کہو۔" فریدہ نے پوچھا اور کروٹ بدلی۔

"جب تک تم چھٹی نہیں نہالیتی۔ تمہاری ہانڈی میں یا ہم پکا جائیں گے۔ تم کو زمین پر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں۔" شاہین کو ایک موقع ملا۔ وہ استانی کے احسانات کا بدلہ تو نہیں اتار سکتی تھی پر اس کے کچھ کام آنا چاہتی تھی۔ فریدہ کا میکہ دور تھا، ساس بھی بوڑھی تو کام کاج میں مشکل ہونی ہی تھی۔ اس لیے فوراً خدمات پیش کر دیں۔ فریدہ نے اس کی محبت پر بغیر حیل وحجت کے سر ہلا دیا۔

"شمیو بہن! میرے علی پتر کو کہلوا دینا، اس کی ایک اور بہن دنیا میں آگئی ہے۔ خوب دل لگا کر پڑھے۔ اب اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔" کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ گھر جانے کے لیے اٹھنے لگی تو استانی نے اس کا ہاتھ تھام کر دھیرے سے کہا۔ شمیو نے مسکرا کر حامی بھری دونوں کی آنکھوں سے ایک ساتھ کئی آنسو بہہ نکلے۔ اس باران میں دکھ کی نہیں خوشیوں کی پرچھائیاں نظر آئیں۔

☆☆☆

"اے لڑکے تم اس وقت نیچے کیا کر رہے ہو۔" علی زر جاسمین کا انتظار کر رہا تھا کہ سرور نے اسے سرخ آنکھوں سے گھورا۔ وہ اندر ہی اندر کپکپا اٹھا۔ جب سے وہ کاٹیج میں آیا، ان کی نگاہیں اس کی نشست و برخاست پر ہی لگی رہتیں۔

"یہ لیجیے بھائی علی گرما گرم چائے اور سر درد کی دو گولیاں۔" جاسمین ٹرے میں چائے کا کپ اور پانی رکھ کر خوشگوار موڈ میں کچن سے لوٹی۔ وہ باپ کو وہاں کھڑا دیکھ کر

گھبرائی وہ ہی ہوا۔

"باپ چائے کا بولے تو تجھے موت آنے لگتی ہے فوراً بھائی کے بہانے بناتی ہے۔" سرور نے سر سے پیر تک بیٹی کو گھورا۔ جاسمین کا منہ جواب دینے کے لیے کھلا، پر اب وہ علی زر کی طرف مڑ چکے تھے، جو ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

"او گل سن یہ بے وقت کی چائے کے چونچلے یہاں نہیں چلیں گے، اتنا ہی شوق چڑھا ہے تو گکڑ والے ہوٹل پر چلا جا۔ تم جیسوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کس لیے شہر آتے ہو؟ ایک گل غور نال سن۔ یہاں تیری ایک نہیں چلنی آئندہ جاسمین کے آس پاس بھی نظر نہ آنا.....؟" سرور نے عورتوں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے باتیں سنائیں۔

"ابا! دوسرے کی بھی سن لو یا خالی اپنی ہی سناتے رہو گے۔ بھائی علی کو بخار اور سر میں درد تھا۔ اس بیچارے کا اتنا قصور ہے کہ وہ مانگ لی۔ چائے میں نے خود ہی بنا دی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایویں شروع نہ ہو جایا کرو۔" جاسمین بھی اس کی بیٹی تھی، جھلا کر کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"بہت زبان چل رہی ہے کاٹ کر پھینک دوں گا۔" سرور نے عادت کے مطابق بات کو ربڑ کی طرح کھینچا۔ علی زر کا سر درد سے پھٹ رہا تھا، اس کے لیے کھڑا ہونا مشکل لگا، پر پیشی بھگتائے بغیر وہ کیسے جا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ ان دونوں کے مکالمے سننے لگا۔

"نہیں تو کچھ غلط بول رہی ہوں علی بھیا کئی سالوں سے اس گھر میں ایک فرد کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر اس کی بیماری پر ہم ہمدردی کر لیں، تیرا کچھ گھٹ نہیں جائے گا۔" جاسمین نے باپ کو دیکھ کر کڑوا منہ بنایا۔ علی زر کے سامنے بیٹی کا مسلسل زبان چلانا سرور کو برا لگا۔ پر سامنے سالے کی نہیں اپنی اولاد کھڑی تھی، اس نے اندر چلے جانے میں ہی عافیت جانی۔ علی زر نے جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کیا اور سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ وہ چائے کا بہت شوقین تھا۔ پر آج بے عزتی کے بعد چائے پینے کا دل نہیں مانا۔

"بھائی علی! یہ لے جاؤ ابا کی بات کا برا نہ مانو وہ ایسے ہی بولتا ہے دل سے نہ لگایا کرو۔ میں ہوں نا آپ کی بہن، جب بھی کوئی کام ہو مجھے آواز دے لینا۔" علی نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا، دھلا دھلایا معصوم سا چہرہ جاسمین کے اندر کی اچھائیوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ علی زر کا دل بھر آیا ایک ہاتھ سے ٹرے پکڑی دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپا دیا۔

وہ جب سے جوان ہوا اس گھر میں علی زر کی عزت نفس کا ایک نیا امتحان شروع ہو گیا۔ پھوپھا اس پر یوں نظر رکھتے، جیسے وہ کوئی چور اچکا ہو۔ کبھی وہ جاسمین سے بے ضرر سی بات چیت بھی کر لیتا تو پھوپھا جی پورا گھر سر پر اٹھا لیتے۔ چہرے سے ناگواری چھلکتی لیکن پروین پھوپو کی وجہ سے منہ بند رکھنا پڑتا۔ وہ اس گھر میں اس کا سب سے بڑا سہارا تھیں۔ ان کا بڑا بیٹا سلیم، خود کو شہزادہ سلیم اور علی کو چینڈو دیہاتی گردانتا۔ نہایت مغرور، اکھڑ اور بدبولا۔ علی زر کی اس کے ساتھ پہلے دن سے نہ بنی پر مجبوری کا نام شکریہ۔ وہ ان لوگوں کی بددماغی ہنس کر برداشت کر جاتا۔

علی زر کا ارادہ گاؤں لوٹنے کا نہیں تھا۔ اسے شہر میں ہی اپنے لیے الگ رہائش کا انتظام کرنا تھا، لیکن اس کام میں ابھی وقت لگنا تھا۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے تک ان لوگوں کا ساتھ ضروری تھا۔ اسی لیے وہ یہاں خاموشی سے اپنا وقت گزار رہا تھا۔ پروین اس کے لیے صحرا میں نخلستان کا کام کرتی۔ اس کی ضرورتوں کا دھیان رکھتی۔ علی کی جیب اس کے دیے ہوئے پیسوں سے ہمیشہ گرم رہتی۔ اس کی فیس وقت پر ادا ہو جاتی، کتابیں کاپیاں بآسانی دستیاب ہو جاتیں۔ ہر موسم کے کپڑے بن جاتے۔ جوتا چپل غرض اس نے بھتیجے کو مادی اشیاء کی کمی کبھی محسوس ہونے نہ دی۔ پر اپنے گھر والوں کے بدصورت رویوں کے آگے وہ مجبور ہو جاتی۔ ان کے دلوں میں علی کے لیے محبتیں پیدا کرنے پر اسے اختیار حاصل نہ تھا۔ گھر کا سکون برقرار رکھنے کے لیے جانتے بوجھتے بہت سی باتوں پر اسے خاموش رہنا پڑتا تھا۔

علی زر چھت پر پڑی جھلنگا سی چارپائی پر رات گزار کر پھوپا کی ناگوار نظروں اور زہریلے طعنوں سے بچنے کے لیے جلدی جلدی ناشتہ کرنے کے بعد ان کے اٹھنے سے پہلے ہی

گھر سے نکل جاتا۔ علی نے اسی لیے ہمیشہ گروپ اسٹڈی کو اپنا معمول بنالیا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح بی کام تک تعلیم مکمل کی۔ جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا، ماسٹرز کے پیپر پرائیوٹ دینے کے لیے رجسٹریشن کروا کر جاب کی تلاش شروع کردی۔ خوش قسمتی سے اسے ایک شاپنگ سینٹر میں اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر کی جاب مل گئی۔ تنخواہ کم تھی پر وہ خوش تھا کہ کہیں سے بھی شروعات تو ہوئی۔

☆☆☆

"کمال جی! اس بیگ میں کپڑے ہیں یہ پھوپو پروین نے سب کے لیے بھجوائے ہیں۔" علی زر جو شام کو گھر پہنچا تو ان سب کا اشتیاق دیکھ کر سامان کھول کر بیٹھ گیا۔ شاہین کریم کرتے شلوار میں اس کے پاس بیٹھی بلائیں لیتی رہی۔ فریکا بھی بیٹے کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ علی چپ چاپ بیٹھا گھر والوں کے ساتھ کو محسوس کررہا تھا۔ اس کی پیاسی نگاہیں بار بار ماں کے عکس کو اپنے اندر جذب کرتیں۔ ہمیشہ وہ ماں کے لیے ہی تو ترستا آیا تھا۔ راتوں کو پھوپی کی چھت پر ڈرتا تو ماں کو زور زور سے پکارتا اور آخر روتے روتے سوجاتا۔ آج وہ کتنی بوڑھی لگ رہی تھی۔ مگر پھر بھی بتاپن جوانوں جیسا تھا۔ فریکا البتہ ڈھانچہ بنا پلنگ پر لیٹا کھانس رہا تھا لڑکوں نے جوان ہوتے ہی زبردستی نشے کی عادت کے ساتھ خراب دوستوں کی سنگت بھی چھڑوادی تھی۔

"بھائیوں کے لیے بھی کچھ لایا ہے یا نہیں۔" بیچ والے فرید نے مسکرا کر اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا، نذیر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"ہاں آپ سب کے لیے میں گھڑیاں لایا ہوں۔" علی نے محبت سے بڑے بھائیوں کو دیکھا۔ جواب بھی اس کے اردگرد بیٹھے منتظر تھے کہ پہلے کس کو کیا چیز ملتی ہے۔

وہ سب اپنے تحائف لے کر مگن ہوگئے۔ علی اٹھ کر ماں کے پیچھے پیچھے گیا، جو باورچی خانے میں اس کے لیے خوشی سے گڑ والے چاول پکا رہی تھی جو اس کو بہت پسند تھے۔

"کمال! یہ کچھ پیسے رکھ لے اب شفیق بھائی اور باجی نبیلہ کی شادی ہونی ہے۔ سو خرچے ہوں گے میں پیسے بھیجتا رہوں گا۔ بس تم جلدان فرائض کی ادائیگی کی تاریخ رکھو۔" اس نے کئی سالوں سے جمع کی جانے والی خطیر رقم کا لفافہ جیب سے ماں کو تھماتے ہوئے صلاح دی۔ شاہین نے جلدی سے لفافہ آٹے کے کنستر میں چھپا کر اوپر سے کپڑا ڈال دیا۔ علی زر ماں کی حرکت پر مسکرایا۔ وہ اب بھی بیٹے سے ڈرتی تھی کہ چوری سے جائے۔ بیر ابھیری سے نہیں۔

"پتر! عالیہ اور استانی جی کے واسطے بھی کچھ لایا ہے؟" بیٹے کا چہرہ پیار سے تھام کر ماتھا چوما پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"بھلا ماں کو بھول سکتا ہوں ماسی بھی تو میرے لیے ماں ہی ہے نا۔" اس کی نگاہوں میں ماضی کے منظر گھوم گئے۔ الفاظ میں تشکر سمٹ آیا۔ شمیو نے سر ہلا کر تائید کی۔ استانی جی کی اچھائیوں کی تو وہ خود گواہ تھی۔

"ایک بات بولوں پتر! برا تو نہیں مانے گا۔" شاہین بی بی نے چاولوں کو دم پر لگاتے ہوئے بیٹے کو آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔

"جی اماں! بولو۔" اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ کافی عرصہ بعد پرانے پیڑھے پر بیٹھنا اچھا لگا۔ اس کے بچپن کی یادگار تھا۔

"عالیہ پورے پنڈ دی سب سے سوہنی کڑی ہے۔ اگر بول تے میں استانی نال رشتے دی گل کروں؟" شمیو دل کی بات زبان پر لے آئی۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"کمال! میں ماسی کو ماں بولتا نہیں دل سے مانتا بھی ہوں میرے لیے عالیہ اور نبو میں کوئی فرق نہیں اس بات کو یہیں ختم کردو پھر کبھی منہ سے نہ نکالنا۔ مجھے ایسی بات سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔ ویسے بھی میں یہاں گاؤں میں شادی ہی نہیں کروں گا۔" اس نے دوٹوک الفاظ میں اپنے خیالات بتا کر ماں کے منہ پر تالے ڈال دیے۔ شمیو نے گھبرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کاکے کو دیکھا جو اتنا بڑا ہوچکا تھا۔ اس کی سوچ سے بھی زیادہ۔

"اچھا میں ماسی کے گھر جارہا ہوں اس کی آنکھیں میرا راستہ تک رہی ہوں گی۔ ماں اور بہن کے لیے کچھ تحائف لایا ہوں دے آؤں۔" علی زر تیزی سے اٹھا اور اپنے سوٹ کیس کی طرف بڑھا تاکہ سامان نکال سکے۔ شمیو نے فخر سے بیٹے کو بڑا سا بیگ اٹھائے استانی جی کے گھر جاتے دیکھا۔

میرا بچہ کتنا سمجھدار ہے اسے رشتے بنانے کے ساتھ نبھانے بھی آتے ہیں۔ کوئی نیکی کام آگئی جو اس کا بچپن استانی جیسی نیک بی بی کی گود میں گزرا۔ ورنہ ان ساتھیوں کی طرح عقل و سمجھ سے عاری ہوتا۔ شمیو سوچ کر مسکرائی۔ علی زر کئی سالوں بعد چھٹی لے کر اپنے پنڈ لوٹا تھا۔ پاس پڑوس والے اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کرتہ، شلوار اور سر میں ڈھیروں تیل تھوپنے والا لڑکا تو شہری بابو بن گیا تھا۔ اس کے تو رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے۔ جینز اور ٹی شرٹ اس پر خوب جچ رہی تھی۔ کلائی پر چوڑے پٹے والی گھڑی۔ شیمپو کیے ہوئے ریشمی بال غرض کہ وہ پورے گاؤں کے لیے ایک فلمی ہیرو کی حیثیت اختیار کرگیا۔

☆☆☆

"علی! ایک بات پوچھوں؟" رتبہ اپنی ماں کے گھر سے چوتھی کی دعوت کھا کر واپس آرہی تھی تو شوہر کے پیچھے بائیک پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"ہونہہ بول کیا بات ہے؟" علی زر نے گنگ لگاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"نبیلہ تو میری سگی نند ہے پر عالیہ؟" علی نے پلٹ کر بیوی کو دیکھا۔

"وہ بھی میری بہن ہے۔ ہماری کمی اس کے بارے میں بھی کچھ غلط نہیں سوچنا باجی نبیلہ کے فرض سے تو میں پہلے ہی فارغ ہوگیا، پر اب تجھے اس کی شادی کی ذمہ داری میرے ساتھ مل کر نبھانی ہوگی۔" علی کا دوٹوک کھرا انداز رتبہ کے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔ وہ بھی کیا کرتی چوتھی کی رسم کے لیے بیٹھی گئی تو سب کی زبان پر عالیہ کے حسن کے چرچے تھے، دل میں کھد بد مچی، پھوپی ساس نے تو گھر والوں کو یہ بتایا تھا کہ لڑکے کی ایک ہی بہن ہے پھر اچانک دو بہنوں کے چاؤ چونچلے پورے کروائے گئے، اماں نے پہناوئی میں ایک نند کا جوڑا رکھا تو تاکید کی گئی دینا ہے تو عالیہ کو بھی دیں ورنہ رہنے دیں۔ ساس سسر نبیلہ، جاسمین کے ساتھ وہ بھی ایک ہفتے سے ان کے گھر میں رکی ہوئی تھی ان کا نیا گھر چھوٹا سا تھا باقی باراتیوں کو پروین نے اپنے گھر ٹھہرا لیا تھا۔ علی زر ان سب کو ضد کرکے اپنے ساتھ لے گیا۔ رتبہ نے عالیہ کو اس کے والدین سے سگوں کی طرح نخرے اٹھواتے دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

"چلیں یا کچھ اور پوچھنا ہے؟" علی زر کا موڈ ایک دم آف ہوگیا۔ رتبہ نے ڈھلکنے والی چادر سے سر ڈھانپا اور مزید سوالات اپنے ہونٹوں میں ہی دبا کر سر ہلا دیا۔ علی زر کی بائیک نے اسپیڈ پکڑی۔ رتبہ کو جھٹکا لگا تو اس نے شوہر کی چوڑی کمر کو اپنی نازک بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

☆☆☆

علی زر کی پروین پھوپی رتبہ کی بڑی بہن کی ممانی ساس لگتی تھیں، عاطفہ کی شادی میں انہوں نے اپنے بھتیجے کے لیے چلبلی سی رتبہ کو پسند کرلیا۔ سرور کے ناک منہ بنانے کے باوجود شادی کے ایک ہفتے بعد ہی رتبہ کے گھر رشتہ مانگنے پہنچ گئیں۔ وہاں کون سا کسی شہزادے کی آس تھی قبول صورت، شریف کماتا کماتا لڑکا تھا وہ لوگ خوش ہوگئے۔

رتبہ کے والدین کو البتہ یہ ڈر تھا کہ کہیں علی زر ان کی بیٹی کو اپنے والدین کے پاس گاؤں نہ چھوڑ آئے۔ مگر اس کی پھوپی کی یقین دہانی پر کہ وہ ہمیشہ شہر میں اپنے میاں کے ساتھ الگ گھر میں رہے گی۔ فوراً حامی بھرلی گئی علی زر کے اہل خانہ اور قریبی رشتے داروں کے شہر آنے کے بعد سادگی سے نکاح کی تقریب ہوئی اور رتبہ بیاہ کر علی زر کے دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں چلی آئی جو اس نے شادی سے قبل کرائے پر لیا تھا۔ اس کے سسرال والے چند دن ان لوگوں کے ساتھ رہ کر واپس لوٹ گئے، تو پورے گھر پر رتبہ کا راج ہوگیا۔ وہ علی زر کی سنگت میں بہت خوش تھی، پر کبھی کبھی شوہر پر طاری ہونے والی یاسیت اسے حیران کرجاتی۔ اس کے موڈ کا اتار چڑھاؤ، سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی کہ وہ ایسے کھلکھلانے لگتا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

☆☆☆

"رتبہ کیا مصیبت ہے ایک وقت کی روٹی کھاتا ہوں وہ بھی ڈھنگ کی پکایا کرو۔" علی زر نے چنگیری ایک طرف دھکیلی اور غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ رتبہ جو اس کے لیے پانی لینے گئی تھی۔ اس کے گرجنے برسنے پر دوڑی۔

"کیا ہوگیا ٹھیک تو ہے؟" رتبہ نے انڈے آلو کے شوربے میں روٹی کا ٹکڑا ڈبویا، لبوں تک لے گئی۔ نوالہ چبانے کے بعد بولی۔

"اتنا بدذائقہ سالن کھایا ہی نہیں جا رہا ایک کپ چائے بنا کر لے آؤ۔" رتبہ نے بھیگی بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھا اور دسترخوان میں روٹی لپیٹی۔ سالن کی پلیٹ اٹھائی اور مڑ گئی۔

"سالن تو ٹھیک ہے بس آج کل علی کا دماغ خراب ہو گیا ہے نوکری نہیں رہی خرچوں کی لمبی لائن بڑی عید بعد عالیہ کی شادی وہاں بھی پچاس ہزار دینے کا وعدہ کیا ہے، کسی اور پر تو بس چلتا نہیں باتیں سننے کے لیے میں ہی رہ گئی ہوں لگتا ہے مجھے ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔" پتیلی میں ابلتے پانی کے ساتھ ساتھ وہ بھی کھولی۔ جلدی جلدی چائے نکال کر ٹرے میں رکھی۔ دو پاپے نکال کر چھوٹی سی طشتری میں رکھے مہینے کی سودا بھی ختم ہو رہا تھا، کرایہ دینا باقی تھا ایک کے بعد ایک پریشانی گھیرنے لگی۔

"اٹھو یہ لو چائے کے ساتھ پاپے کھا لو خالی پیٹ سونا ٹھیک نہیں۔" رتبہ نے منہ پھلا کر کہا۔ علی زر نے من موہنی سی شریک حیات کو دیکھا، پیار آ گیا پریشانی ہوتی ہمیں مسئلے مسائل کہیں دور بھاگتے لگے۔

"اچھی بیوی بھی خدا کی عطا کردہ نعمت ہے اس نے بھی تو کچھ نہیں کھایا ہوگا۔" پاپا منہ میں رکھتے ہوئے اسے خیال آیا مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی۔ وہ سامنے بیٹھی اپنی قمیص کی سلائی ادھیڑ رہی تھی۔ خاموشی سے اٹھ کر اندر گیا۔ پلیٹ میں دوبارہ سالن نکالا روٹی کی چنگیری ٹرے میں رکھی اور لے کر باہر آ گیا۔

"منہ کھولو۔" ایک نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا وہ چونک گئی، شوہر کی محبت پر دل مسکایا، جلدی سے منہ کھول دیا۔ بھوک کی ویسے ہی لگی تھی پر علی زر کے یوں غصہ کرنے کے بعد ایسے ہی مزے سے کھانا لے کر بیٹھ جانا اسے مناسب نہ لگا۔

"مجھے پتا نہیں آج کل کیا ہو گیا ہے؟ اتنی اچھی ہانڈی بنائی ہے پر ذائقہ منہ کو لگتا ہی نہیں۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے صفائی دینے لگا تو رتبہ جو منہ پھلا کر بیٹھی تھی ایک دم ہنس دی، وہ بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے ہنسا۔ خوشیوں کی دھنک اس چھوٹے سے آنگن میں پھیلتی چلی گئی۔

☆☆☆

"بیٹا رتبہ کہاں ہو؟ ان سے میری بات ہو گئی۔" بتول نے کھلے دروازے سے داخل ہوتے ہی پاٹ دار آواز میں اسے پکارا۔ سامنے ہی علی زر بیٹھا اپنی موٹر سائیکل کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ ایک دم چونک کر خاموش ہو گئیں۔ رتبہ اندر باورچی خانے میں اس کی فرمائش پر چائے بنانے گئی ہوئی تھی۔ نوکری کی ٹینشن کی وجہ سے اس کا کھانا کم اور چائے، تمباکو نوشی بڑھ گئی تھی۔ رتبہ سے ان باتوں پر جھگڑا بھی ہوتا پر وہ آج کل خود بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

"کیا بات ہو گئی خالہ جی؟" گھر گھر گھومنے والی خالہ بتول سے وہ جتنا چڑتا رتبہ ان کو اتنی ہی عزیز رکھتی۔

"کچھ نہیں بیٹا! بس ایسے ہی......"

"بیٹی رتبہ نہیں ہے کیا؟" علی کے سوال پر بتول کا منہ فق ہوا۔ جلدی سے بات بدلنے کے لیے خود ہی سوال کر ڈالا علی زر نے ایسا محسوس کیا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔ رتبہ اندر سے ہاتھ پونچھتی چلی آئی۔ بتول کو دیکھ کر اشارہ کیا وہ اندر چلی گئی۔

"میرا وہم ہوگا بھلا وہ مجھ سے کیا چھپائے گی؟" تھوڑی دیر کچھ سوچنے کے بعد اس نے سر جھٹکا اور دوبارہ اپنے کام پر لگ گیا۔

کہتے ہیں انسان مرنے کو بیٹھ کر نوکری کو کھڑے ہو کر روتا ہے۔ علی زر کا بھی آج کل ایسا ہی حال تھا۔ ایک روشنی کی لکیر نظر تو آئی۔ دوسرے دن اسے ایک جگہ انٹرویو کے لیے بلایا گیا تھا۔ ان کی جو ڈیمانڈ تھی، اس پر علی زر پورا اترتا تھا۔

"چلو کہیں امید تو بندھی۔" اس نے مل مل کر کالے ہاتھوں کو دھوتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

"خالہ کتنا دور ہے۔" رتبہ نے رکشے میں سے گردن نکال کر اونچے بنگلوں پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"بس بھیا! وہ جو سفید اور سبز ابرو اسا دروازہ ہے نا۔ وہاں ایک منٹ کے لیے رکشا روکنا۔" بتول خالہ نے رکشے والے کو ہدایت دی۔

"چلو بیٹا! میں نے اپنے بھانجے سے فون پر بات کر لی ہے۔ بس ذرا سمجھداری سے کام لینا۔ پیسے بھی معقول مل جائیں گے۔" بتول خالہ کی پرسوچ نگاہیں اس پر ٹک گئیں۔ فیروزی جوڑے میں اس کی چھب ہی نرالی لگ رہی تھی۔

"جو پہن لے اس پر جچ جاتا ہے۔ پیاری بھی تو اتنی ہے۔" خالہ نے دل ہی دل میں سراہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے خالہ پر۔" رتبہ کا دل ایک دم گھبرایا۔ کچھ خوف سا بھی محسوس ہوا۔

"بیٹا! یہ سب تو پہلے سوچنا چاہیے تھا اب عین وقت پر آ کر چلو شاباش جاؤ۔ ویسے کچھ نہیں ہوگا صرف تین گھنٹے کی تو بات ہے۔" انہوں نے رتبہ کا ہاتھ پکڑ کر دلاسہ دیا، جو ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ علی زر کا خوف الگ دل کو دہلا رہا تھا۔

"چلو بھائی! ذرا جلدی ہے۔" بتول خالہ واپس رکشے میں بیٹھ گئیں۔

"خالہ! میرے ساتھ اندر تک تو چلو نا۔" رتبہ نے مڑ کر کہا۔

"رتبہ! ایسے ڈر گئی تو ہو چکا مجھے ایک ضروری کام سے اپنی بہن کے گھر جانا ہے، ورنہ رک جاتی اب تم وقت ضائع نہ کرو جلدی اندر چلی جاؤ، واپسی میں گاڑی پر اسٹاپ تک چھڑوا دیں گے۔" انہوں نے اسے تسلی دی اور رکشے والے کو چلنے کا اشارہ کیا۔

پھٹ...... پھٹ...... پھٹ رکشے کی آواز دور تک آتی رہی۔ وہ مجبوراً سفید گیٹ کی طرف بڑھی۔

☆☆☆

"رتبہ! کہاں ہو بھئی؟ یار ذرا ٹھنڈا پانی تو پلا دو۔" علی زر نے صحن کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر بیوی کو بڑے ترنگ میں پکارا مگر کوئی جواب نہ پایا تو قمیص کو جھاڑتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ گرمی بھی تو اتنی شدت کی پڑ رہی تھی مگر وہ بہت خوش تھا۔ اس کو پہلے سے بھی بہتر نوکری مل گئی تھی۔

کرائے کا گھر ہر مہینے گاؤں بھجوانے والے پیسے پھر بڑی عید پر گاؤں جانا تھا۔ عالیہ کی شادی جو ٹھہر گئی تھی۔ بڑے بھائی کی حیثیت سے اسے بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ اچانک بے روزگاری کا جھٹکا لگا تو اس کے حواس جاتے رہے کسی پر بس نہ چلا تو رتبہ پر ہی غصہ اتارا۔

اب جب کہ ایک بڑے ادارے میں اکاؤنٹنٹ کے طور پر تقرری ہوئی۔ دگنی تنخواہ کے ساتھ ساتھ عید بونس دینے کا وعدہ بھی کیا گیا اس کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ رتبہ کو خوش خبری سنانے کے لیے جلدی ہی گھر لوٹ آیا۔ ویسے بھی اپنی پریشانیوں میں وہ رتبہ کو کافی نظر انداز کر چکا تھا۔ آج سب باتوں کا ازالہ کا سوچ کر مسکرا دیا۔

"رتبہ کہاں چلی گئی ہے؟" اب وہ فوراً اپنی زندگی کو اپنی خوشی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

شیٹ والا کمرہ تندور بنا ہوا تھا پورے کمرے میں اس کو شادی پر ملنے والا بیڈ ہی قابل قدر چیز لگا مگر وہ خالی پڑا ہیہ اسے منہ چڑانے لگا۔ وہ ہوتی تو کمرہ روشن ہو جاتا۔ رتبہ آجاؤ یار۔ علی زر پہلے بیوی کا تصور کر کے مسکرایا پھر ایک دم تشویش میں مبتلا ہونے لگا۔

اچانک اس کی نظر سفید پھڑ پھڑاتے ہوئے کاغذ پر پڑی جو ایک رجسٹر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھایا، رتبہ کی لکھائی وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ پڑھنا شروع کیا تو لگا ہاتھوں میں جان ہی نہ رہی ہو۔

"جانو میں زندگی کے مسئلوں سے لڑ لڑ کر تھک گئی ہوں، غربت بھرے ماحول میں آنکھ کھلی۔ اپنی خواہشوں کو مار کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا کہ اماں بابا نے بغیر سوچے اور بغیر جانے ہاتھ پکڑ کر ایسے شخص کے ساتھ بیاہ کر دیا جو خود بیچارہ ہماری طرح غربت کا مارا تھا۔ میں نے ماں باپ کے فیصلے کا مان رکھا سر جھکا کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ صبر کا دامن تھام لیا۔ تمہاری سحر انگیز آنکھوں سے میری نگاہیں مل

گئیں۔ "تم نے مجھے بھرپور اپنی محبت میں کیا جکڑا پھر سب کچھ بھلا بیٹھی۔ پر اب ہو بھی کیا سکتا تھا؟ کاش تم ایسے کچے بندھن میں بندھنے سے پہلے مل جاتے جس نے سوائے پچھتاوؤں کے مجھے کچھ نہیں دیا۔ تمہاری بے لوث محبت اور چاہت مجھے زندگی کا حوصلہ فراہم کرتی ہے۔" رتبہ کی تحریر یہاں تک آکر ختم ہوگئی باقی کا صفحہ شاید جلدی میں خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ علی زر اندر تک کپکپا اٹھا۔ گیلی آنکھیں صاف کیں تو ہاتھوں کی پشت بھی بھیگ گئی۔

"کیسی زندگی... سب یہی ہونا رہ گیا تھا۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ وہ ایک دم ٹوٹ پھوٹ گیا۔ دیوار پر ان دونوں کی شادی کی بڑی سی تصویر لگی تھی جو اس کے ایک فوٹو گرافر دوست نے بنا کر تحفتاً دی تھی۔ اس کی نگاہیں اٹک گئیں۔

"میں نے رتبہ کو کیا سمجھا آنکھ بند کرکے اعتماد کیا اور اس نے کیا کیا؟ بھائیوں نے کتنا سمجھایا، پڑھی لکھی لڑکیاں بے وفا ہوتی ہیں، پنڈ سے بیاہ کر لے جاؤ۔ ہمیشہ سر جھکا کر گزارہ کرے گی پر مجھ پر تو علم کا بھوت سوار تھا، یہ نتیجہ نکلا، چار دن دکھ کے بادل کیا چھائے، وہ تو کسی دوسرے کی چھتری میں پناہ ڈھونڈنے لگی۔" جان سے پیاری بیوی کے بارے میں علی زر سوچتے ہوئے پل بھر میں بھٹکنے لگا۔ شاید زندگی کی بے یقینی نے اسے ایسا بنا دیا تھا ورنہ بات تو ایسی بڑی نہ تھی۔

رتبہ جو دن رات اس کی محبت کا دم بھرتی تھی وہ اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتی ہے۔ چھوٹے سے کمرے میں ٹہل ٹہل کر اس کے پیروں میں درد ہونے لگا۔

"کہیں اسی خبیث آدمی سے ملنے تو نہیں چلی گئی، جس نے میری رتبہ کو جھوٹے جال میں پھانس لیا ہے۔" وہ ان دیکھے رقیب روسیاہ کو دل ہی دل میں گالیوں سے نوازنے لگا۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہے نہ چاہے تو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے نہیں رہتے جب ہو جائے تو ٹوٹنے کے بہانے تراش لیتی ہے۔ وہ بھی تو کتنی پیاری۔ علی زر کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت پہلا ایسا خالص رشتہ جو اس کے پاس اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ہاتھ کے ذرا سے فاصلے پر جب چاہے ہاتھ بڑھا کر وہ اسے چھو لے نہیں تو وہ ساری عمر اپنے پیاروں کے قرب کو ترستا آیا تھا۔

"آج تم جلدی آگئے؟" رتبہ ایک دم کمرے میں داخل ہوئی تو اسے بیڈ پر سوچوں میں گم لیٹا پایا، چونک کر پوچھا۔

"ہوں تمہیں تھوڑی دیر ہوئی ہے مگر تم یوں گھر کھلا چھوڑ کر کہاں غائب ہوگئی تھیں؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر بیوی کو تنقیدی نگاہوں سے گھورا۔ لان کا نیا تربوزی رنگ کا سوٹ۔ ہونٹوں پر سرخی، آنکھوں میں کاجل کے ڈورے خاصی کھلی کھلی سی نظر آئی۔ وہ تھی تو بہت حسین، گہرا رنگ ریشمی بال، مڑی ہوئی گھنی پلکوں والی بادامی آنکھیں، چمپئی رنگت اور کھڑی ناک پر لشکارے مارتی سنہری لونگ۔ وجود میں سرسراتے شک کے ناگ نے سر اٹھا کر گھورا اور اس کے حسن سے خوف زدہ دل شک کے تانے بانے بننے میں مصروف ہوگیا۔

"میں... وہ... جو ل خالہ کی طرف گئی تھی کچھ کام تھا۔" رتبہ شوہر کے کڑے انداز پر ذرا گڑبڑائی پر دل صاف تھا اعتماد سے جواب دے کر کمرہ سمیٹنے لگی۔

"اتنی تیاری خالہ جی کے لیے ان کے یہاں جانے کے لیے تم کب سے یوں اہتمام کرنے لگی؟ اور یہ کچھ زیادہ ہی آنا جانا نہیں لگا ہوا ہے۔" علی زر کی تیز نگاہیں اور تفتیشی انداز پر بھی رتبہ کا ماتھا نہیں ٹھنکا اس کا دل و دماغ تو کہیں اور اٹکا تھا۔ انجانی مسرتوں کی کشتی میں بیٹھی خوشیوں بھرے ہلکورے لینے میں مشغول ہوگئی۔ بلاوجہ مسکراتی رہی۔ علی زر بیوی کی ایک ایک حرکت کو خوب دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسلسل غیر حاضر دماغی پر بری طرح سے چڑ کر تیزی سے بستر چھوڑا، انگلیوں سے بال سنوارتا بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔

"اسے کیا ہوگیا؟" رتبہ حیران ہوئی، سامنے پڑا صفحہ دیکھا تو جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا، بہت احتیاط سے موڑ کر رجسٹر میں دبا لیا۔

"جناب کا موڈ کچھ آف ہے، کہیں سے کچھ پتا تو نہیں چل گیا؟" وہ حیران و پریشان وہیں کی وہیں جمی رہ گئی۔

"رتبہ کو اپنی نئی نوکری کی خوش خبری بھی نہ سنا سکا، میرا دماغ بھی نہ جانے کن فضول مسئلوں میں الجھ رہا ہے۔" علی زر نے خود کو جھڑکا۔ افسردگی سے محلے میں واقع

چھوٹے سے پان کے کھوکھے پر جا کر کھڑا ہوا۔ ایک سگریٹ خرید کر سلگائی۔

"مجھے رتبہ سے پوچھ لینا چاہیے تھا پر جانے وہ کیا سوچتی؟" علی زر مسلسل سوچے جا رہا تھا چپ رہنا ہی بہتر لگ رہا ہے ویسے بھی محبتیں اسے راس آتی کہاں ہیں؟ ہمیشہ دور بھاگتی ہیں۔

ایک طویل عرصہ حالت جنگ میں رہنے کے بعد اب جیسے زندگی کھلنے لگی تھی۔ چھوٹی سی شک بھری ٹھیس ذرا سی بے احتیاطی اس بندھن کو کانچ کی طرح نہ بکھیر دے۔ اسے حالات نے کافی سمجھدار بنا دیا تھا۔ دل و دماغ کا کیا کرتا، جو کبھی اس کے حق میں اور کبھی خلاف دلائل دینے میں مصروف تھا۔

"کوئی بات تو ہے رتبہ کچھ تو چھپا رہی ہے آج کل اس کے تیور بدلے بدلے سے نظر آرہے ہیں۔ خوب سج سنور کر رہنے لگی ہے۔ پھر اس کے ہاتھوں سے لکھا وہ رقعہ" ہمیشہ کی ہم سفر احساس محرومی عود آئی۔

☆☆☆

"استانی جی کیسی ہو؟" شعیبو ہانپتی کانپتی فریدہ کے گھر میں داخل ہوئی۔

"رب دا بڑا کرم ہے۔ شعیبو بہن تم سناؤ۔" فریدہ جو عالیہ کے جہیز کے دوپٹے میں گوٹا لگا رہی تھی، سوئی دھاگے میں لپیٹ کر مسکرائی۔

"اماں! اپنا لو بہت گرمی ہے نا۔" عالیہ وڈ کرسی لے آئی۔

"رب میری دھی دا نصیب اچھا کرے۔ سدا خوشیوں وچ کھیلے، پتر ممتاز ہمیشہ تیری خدمت میں رہے۔" شعیبو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیتے ہوئے شرارت سے چھیڑا تو عالیہ ہنس دی۔

"علی کا فون آیا تو پوچھ رہا تھا کہ عالیہ کی شادی عید کے بعد کون سی تاریخوں میں رکھی جائے گی وہ اور بہو ایک ہفتہ پہلے سے آجائیں گے ویسے جہاں نوکری کرتا ہے وہاں بتا کر چھٹی لینی ہوگی۔" شعیبو نے فریدہ کو بیٹے کا پیغام پہنچایا عالیہ اپنی شادی کی بات پر شرما کر اٹھ کر اندر چلی گئی تو دونوں عورتیں مسکرائیں۔ ایسا ہی وقت ان دونوں پر بھی آچکا تھا۔

"ہاں اے گل تے ہے۔ میرے پتر اور نو کے بغیر شادی تھوڑی ہوگی۔ میں کل ہی اس کے سسرال جا کر تاکید کردوں گی کہ رسم بھلے بعد میں کرلیں، پر تاریخ پہلے سے طے کرکے بتا دیں۔" فریدہ نے اپنا چشمہ اتار کر قمیص کے دامن سے صاف کرکے دوبارہ لگایا اور کچھ سوچ کر بولی۔

"بھائی عبدالمنان کہاں ہے؟" شعیبو نے چاروں طرف نگاہیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ذرا دوستوں میں نکلا ہے۔" فریدہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہا... ہا... آج خالہ سکینہ بھی زندہ ہوتی تو پتری کے ویاہ پر کتنی خوش ہوتی وہ بیچاری عالیہ کی پیدائش کے دو سال بعد ہی دنیا سے چلی گئی۔" شعیبو کو ایک دم سکینہ کی یاد آئی ایسا محسوس ہوا کہ اس کا بھرا بھرا سا وجود کونے والی چارپائی پر لیٹا ان دونوں کو مسکرا کر دیکھ رہا ہو۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"ہاں مالک دی مرضی، اماں زبان کی تھوڑی کوڑی ضرور تھی، پر دل کی بڑی اچھی اور نیک خاتون تھی۔" فریدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نبو کی عیدی کی تیاری ہوگئی، کیا کیا بھیجوگی؟" استانی جی نے شاہین کا من پسند موضوع چھیڑا۔ نبیلہ کی شادی کو اتنے سال گزرنے کے باوجود وہ اس کی باتیں یوں دہراتی جیسے وہی کو ایک دن پہلے رخصت کیا ہو، شاید مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

"ابھی تو پچھلی بہو کو بولا ہے، اس کی پسند اچھی ہے۔ تو وہ ہی ساری خریداری کرے گی۔ بیٹی داماد اور نواسے کے عید کے جوڑے رکھوں گی، سویاں، میوے، پھل، چوڑیاں مہندی اور رومال۔ بس یہ ہی چیزیں ہیں۔ ہاں علی زر کی خواہش ہے کہ اس بار ممتاز کی عیدی کا سوٹ ہماری طرف سے ہوگا۔" شاہین بی بی نے سر پر ہاتھ مار کہا۔ جیسے کوئی بھولی بات ذہن میں آگئی ہو۔

"رب سوہنا میرے پتر کو اتنا دے کہ اس کے ہاتھ بھی خالی نہ ہوں۔ میری تو نو بھی وڈے دل والی ہے۔ اللہ پاک

ان کی پلک بھی نہ دکھے۔" فریدہ ان کی محبت اور سادگی کے آگے ہارنے لگی۔ استانی جی نے بھی جو محبت کا بیج ڈالا تھا وہ تناور درخت بن کر اسے سایہ اور پھل فراہم کر رہا تھا۔

"اچھا بہن اجازت دے ساری عمر کام کاج میں مصروف رہی اب بچوں نے گھر پر بٹھا دیا۔ بچی، بہوئیں بھی چنگی ہیں چارپائی پر بٹھا کر رکھتی ہیں۔ مینوں آرام کرنا عجیب سا لگتا ہے۔" شمیم مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔ عالیہ جلدی سے باہر آئی، اس کے کان ان لوگوں کی باتوں پر ہی لگے تھے۔

"اماں یہ شفیق بھائی کے کاکے کے واسطے لڈو ہیں اسے بہت پسند ہیں نا۔" عالیہ نے جلدی سے تھیلی پکڑائی، جس میں سے بیسن کے پیلے پیلے لڈو جھانک رہے تھے۔

"عمیر کے لیے تیر اور نبیلہ کا ایک سا کرتے کا کپڑا منگوایا ہے۔ خود ہی کڑھائی بناؤں گی، آ کر دیکھ جا جیسا پسند کرے گی ویسا کام کروں گی، ورنہ بعد میں منہ بسورتی رہے گی۔" دروازے سے نکلتے ہوئے اسے یاد آیا تو رک کر بولی۔ عالیہ کا چہرہ چمک اٹھا۔ محبتیں بھی کیا کیا کمال دکھاتی ہیں۔ استانی نے سر اٹھا کر چلتی ہوئی شاہین بی بی کو دیکھا۔

زندگی کے حالات بھی ایک سے نہیں رہتے۔ دکھ جاتا ہے تو بچھڑی خوشیاں لوٹ آتی ہیں۔ کل کی وہ شمیم جس کے گھر روٹی کے لالے پڑے تھے، آج اس کے آنگن سے قہقہے چھلکنے لگے۔ وہ صبر والی تھی تو قدرت نے صلہ بھی اچھا دیا۔ نبیلہ اور شفیق کی شادی اس نے اپنی برادری میں کردی تھی۔ فرید اور نذیر کی بیویاں وہ غیر برادری سے لے آئی تھی۔ علی زر کی شادی تو پروین نے اپنی پسند سے شہر کی ایک لڑکی سے کروادی تھی۔ اب سب اپنی اپنی جگہ پر شاد و آباد تھے تو شاہین جیسے پھر سے جوان ہوگئی تھی۔

☆☆☆

"اچھا بھئی آج تو ہم رنگ بھریں گے پر درخت پر اگر کالا رنگ کیا جائے تو کیسا لگے گا؟" رتبہ نے بڑی سی پوسٹر شیٹ پر ایک درخت کی شکل بنائی، اس پر کالا رنگ بہت بھدے طریقے سے کرنا شروع کیا۔ وقاص جو پہلے اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ایک دم اس کے چلتے ہاتھوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"یہ کلر اچھا نہیں اس پر تو گرین کلر ہوتا ہے۔" وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگا نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑا کیونکہ جیسے جیسے رتبہ درخت پر برش پھیر رہی تھی تصویر کی بدصورتی میں اضافہ ہونے لگا۔ وقاص کی برداشت یہیں تک تھی، اسی لیے رک رک کر بولا۔ روانی سے بولنے میں مشکل پیش آتی تھی۔

"اچھا تو ایسا کریں کہ آپ کلر کرکے بتائیں۔" رتبہ نے بے پروا انداز اپنایا اور ایک اور پوسٹر شیٹ اس کی طرف بڑھائی، جس پر ویسا ہی درخت کا اسکیچ بنا ہوا تھا۔ وقاص نے منہ بنا کر انکار کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"بھئی یہ کیا بات ہوئی؟ لگتا ہے آپ کو کلر کرنے نہیں آتے خیر مجھ سے اچھا کلر کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔" رتبہ کی مسلسل جاری تعریف پر اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ چھائی۔ منہ سے کچھ نہ بولا بس اسے ہی گھورے جا رہا تھا۔

"واہ میں نے کتنا اچھا رنگ بھرا ہے نا۔" رتبہ نے اس کو جوش دلانے کے لیے اپنی پینٹنگ لہرا کر خود ہی داد دی۔ وقاص کی نگاہوں میں کچھ کرنے کا جذبہ ابھرا اس نے شیٹ لینے کے لیے دھیرے دھیرے اپنا کپکپاتا ہاتھ بڑھایا۔

"چلو ایک مقابلہ ہو جائے۔" رتبہ نے چیلنج دیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے پینٹنگ کا سارا سامان وقاص کے قریب پڑی چھوٹی میز پر سجا دیا۔ وہ سر جھکا کر شروع ہوگیا۔ پہلے پانچ منٹ تو اس کا ایک ہاتھ رنگوں کو پھیلانے میں اٹکا رہا، پر اگلے دس منٹوں میں کام میں روانی آتی گئی۔ وہ رنگوں کی دنیا میں کھو گیا۔ رتبہ کے ہونٹوں پر سادہ سی مسکراہٹ چھا گئی۔ اس نے پہلے ہی ناجیہ بھابی سے وقاص کی پسند ناپسند کے بارے میں ساری معلومات حاصل کرلی تھی۔ اسی لیے ابتداء پینٹنگ سے کی۔ ناجیہ جو کسی حادثے سے خوف زدہ چپکے چپکے کھڑکی سے جھانک کر ان دونوں پر نظر رکھ رہی تھیں حیران رہ گئیں۔ اتنی جلدی اتنی مثبت تبدیلی۔ وہ رتبہ کو مان گئیں۔ آنکھوں کی گیلی سطح کو خشک کرکے وہاں سے ہٹ گئیں۔

☆☆☆

"اتنی رات کو یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟" علی زر کو چائے کی طلب نے بے قرار کیا تو رتبہ کو ڈھونڈتا باہر صحن میں نکل آیا۔ وہ انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ اس کی آواز پر چونکی۔

"کچھ خاص نہیں ایسے ہی لکھ رہی تھی۔" رتبہ کی شفاف آنکھیں اور بے پروا لہجہ دل بے چین ہوا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے، جو اس پر شک کرتا ہوں۔" اس نے اپنے آپ کو ملامت کی۔

"علی! کیا سوچ رہے ہو کوئی کام تھا؟" رتبہ نے اس کے آگے اپنا مومی ہاتھ لہرایا جو کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

"وہ چائے بنا دے ایک کپ اور اب سونے آجا۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔" علی نے سر جھٹک کر کہا۔ رتبہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔ بال پین پر ڈھکن لگایا۔ وہاں سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھی۔

"دیکھوں تو اس نے اب کیا لکھا ہے؟" علی زر کے اندر تجسس جاگا ہاتھ فوراً رجسٹر کی طرف بڑھایا۔

"ارے یہ میرا بہت کام کا کاغذ ہے.... ذرا دو نا۔" رتبہ الٹے پاؤں لوٹی، چہرہ پر تشویش کے بادل چھائے تھے، اس کے ہاتھ سے رجسٹر جھپٹ لیا اور مڑ گئی۔ وہ اس کی کمر پر جھولتی چوٹی کو دیکھ کر اپنے ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔

"زیادہ دن یہ ڈرامے نہیں چلیں گے۔ رتبہ سے بات کرنی ہی پڑے گی۔" سنہری آنکھیں تشکیک کے رنگ سے آلودہ ہوئی۔

کچھ مردوں کی نفسیات بھی نرالی ہوتی ہے اپنا بنانے پر آئے تو زور زبردستی، حق جتا کر تن، من، دھن بن مانگے اپنی عورت کی جھولی میں دان کر دیتے ہیں، جب گمراہ ہو جانے پر آمادہ ہوں۔ تو بغیر جانے بوجھے دلوں کے بیچ بے اعتباری کی دیوار چن دیتے ہیں۔ بیوی کو تا عمر کے لیے جیون ساتھی کا درجہ دیں گے اور جلدی اس عہد کو بھلا بھی بیٹھیں گے۔

☆☆☆

"سنو کیا بات ہے آج کل بڑے اکھڑے اکھڑے سے رہنے لگے ہو۔" رتبہ سارے کام نمٹا کر بستر پر آئی تو علی زر نے فوراً منہ موڑ لیا۔ اس نے شرارت سے گدگدی کی۔

"کوئی بات نہیں سونے دے۔" علی نے اس کے نازک ہاتھ بے مروتی سے پرے کیے اور آنکھوں پر بازو رکھ کر سونے کی کوشش کی۔ وہ اس کی ناگواری پر ہک دک رہ گئی، صبر کا گھونٹ پی کر غصہ دبایا۔

"اب تو نوکری بھی لگ گئی ہے پھر بھی تم اداس سے لگتے ہو اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ نا پلیز۔" رتبہ اس طرف جا کر کھڑی ہوگئی جدھر اس کا منہ تھا نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اس نے یوں کھینچا جیسے وہ کوئی نامحرم ہو رتبہ کا دل پھر چٹخا۔

"علی! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو پلیز معاف کردو تمہاری بے رخی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔" رتبہ کی آواز گلوگیر ہوئی، پر وہ سخت دل کیے یونہی لیٹا رہا حتیٰ کہ ہار کر وہ بھی بستر کے کونے پر سمٹ کر جا لیٹی۔ کیا عجیب عالم ہوا کہ دونوں ساتھ ساتھ تو تھے، پر پاس پاس نہ رہے۔ رات بھر سوچوں سے لڑتے ہوئے جانے کب آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

"رتبہ! میں بہت خوش ہوں، سچ میں تمہارا یہ احسان تا زندگی نہیں اتار سکتی۔" ناجیہ نے اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھماتے ہوئے عاجزی سے کہا تو وہ شرمندہ ہونے لگی۔ پیسے کا لفافہ پرس میں رکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کوئی بات نہیں بھابی میں کوشش کروں گی وقاص جلد ہی سب میں گھل مل جائے۔" رتبہ نے ناجیہ کے متفکر چہرے کو دیکھا تو کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو میری پریشانیوں میں کافی کمی واقع ہو جائے گی۔" وہ اپنی ساڑھی کا پلو کاندھے پر ڈالتے ہوئے خوش ہو کر بولی۔ کھلے بالوں کے ساتھ سجی سنوری وہ عام دنوں سے خاصی مختلف لگ رہی تھیں۔

"بھابی جی جہاں اتنا صبر کیا وہاں تھوڑا اور سہی۔ وہ ایسا ہی ہو جائے گا، جیسا آپ چاہتی ہیں، میری محبت اسے مجبور کرکے ہی چھوڑے گی۔" وہ شرارت سے کھلکھلائی۔ ناجیہ نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا میں کل نہیں آسکوں گی۔ ہاں پرسوں حاضر ہوجاؤں گی۔" رتبہ نے کالی چادر سے خود کو اچھی طرح لپیٹا اور اطلاع دی، اسے کچھ تیاریاں کرنی تھیں۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟ آج ایک پارٹی ہے۔ بس مہمان آنے ہی والے ہیں تم بھی رک جاؤ شریک ہوکر جانا۔" ناجیہ کو اس سے ایک خاص انسیت سی ہوگئی تھی۔ اس کے نرم ہاتھ تھام کر دعوت دی۔

"بھابی! آج نہیں میرا میاں گھر آگیا تو پریشان ہوگا، ویسے بھی آج مجھے گھر کا سودا سلف بھی لانا ہے۔" رتبہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ناجیہ کو یہ بات بتا کر اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتی تھی، کہ وہ یہاں روزانہ علی زر کو بتائے بغیر آتی ہے۔ تاہم اس نے وقت ایسا منتخب کیا کہ علی زر کے لوٹنے سے پہلے وہ گھر پر موجود ہوتی۔

"ویسے بھی جناب آج کل منہ پھلائے پھرتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے؟" وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ساتھ چلتے مناظر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

☆☆☆

وہ ایک بہت خوش رنگ پھولوں سے بھرے باغ میں گھوم رہی تھی۔ معطر ہوا کے جھونکے اس کے بالوں کو اڑا رہے تھے، سفید بادلوں نے نیلے آسمان کو چھپا رکھا تھا، اپنے اردگرد محو رقصاں تتلیوں کے پروں کی نرمی اپنے ہاتھوں سے محسوس کرنے میں وہ ہلکان ہوئی جارہی تھی اچانک باغ کا سنہرا جالی دار دروازہ کھلا اور علی زر کالی شیروانی میں سجا اس کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔ وہ سب بھول کر اس کی طرف متوجہ ہوئی کہ اچانک ایک طرف سے سرخ آندھی اٹھی۔ خوشگوار موسم یک لخت حبس زدہ ہوگیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز پر سرخی چھا گئی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ریت بھر گئی تھی وہ کوشش کے باوجود علی زر کو دیکھ نہیں پارہی تھی بجلی کڑکی اور اس کا وجود خوف سے کپکپایا۔ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس نے روتے ہوئے علی زر کو زور زور سے پکارا مگر وہ وہاں نہ تھا۔

"رتبہ...... رتبہ...... اٹھ جا ناشتہ بنادے۔ دفتر کا وقت نکلا جارہا ہے۔" علی زر نے اسے جھنجوڑا۔ اس کا دفتر دور واقع تھا تو وہ منہ اندھیرے نکلتا تھا۔ رتبہ بری طرح سے کپکپاتی ہوئی اٹھی، پورا جسم پسینے میں یوں شرابور تھا جیسے نہا کر آئی ہو، حلق میں پیاس سے ایسے کانٹے چبھنے لگے جیسے کئی کوس کا پیدل سفر کیا ہو۔ اس نے بے یقینی سے شوہر کو دیکھا، جو اسے نیند سے جگا رہا تھا۔ وہ موجود تھا دل کو سکون ملا۔

"اٹھ جا مجھے کیا دیکھے جارہی ہے۔" رتبہ کی خاموشی اور اسے ایک ٹک دیکھنے پر علی زر ذرا ٹھٹکا، دل کا چور کہیں وہ من میں اٹھنے والے شک کو جان تو نہیں گئی؟ دھیان بٹانے کو تیز لہجے میں بولا۔ وہ ایک دم اٹھی اور دوڑ کر علی زر کے پاس جا پہنچی اس کا ہاتھ تھام کر اتنا روئی کہ علی زر خاصا تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"چل تو لیٹ جا۔ طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ واپسی پر ڈاکٹر کے یہاں لے جاؤں گا۔" اسے پانی پلا کر چارپائی پر زبردستی لٹانا چاہا، رتبہ کی آنکھ کے پانی نے علی زر کے دل پر چھانے والی شک کی نئی تہہ کو دھو ڈالا۔

"نہیں تم فریج سے آٹا نکال کر باہر رکھو میں وضو کرکے آتی ہوں، پھر پراٹھے بناؤں گی۔" رونے سے دل ہلکا ہوا تو، تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی کتنا پاگل ہوں اتنی معصوم اور نیک بیوی پر شک کرنے لگا لگتا ہے ساسی جی کی پڑھائی اور ساری اچھی باتیں بھولتا جارہا ہوں۔" وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

رتبہ کچن میں داخل ہوئی تو مسکراہٹ لبوں کو چھو گئیں، علی زر نے چائے ہلکی آنچ پر پکنے کو رکھ دی تھی۔ پیالے میں دو انڈے آملیٹ کے لیے پھینٹے نظر آئے، متلاشی نگاہوں سے علی زر کو دیکھا تو وہ چھوٹی سی کھانے کی میز پر پانی اور ناشتے کے دیگر لوازمات سجا رہا تھا۔

☆☆☆

بھابی! رتبہ آپ کے یہاں ہے کیا؟ گھر پر تالا لگا ہوا ہے۔" علی زر نے آج آفس سے جلدی چھٹی لی راستے سے پھول اور گجرے خریدے اور گھر پہنچا تو دروازہ بند دیکھا،

پڑوس کا دروازہ بجایا۔ محلے کے کسی گھر میں جانا ہوتو وہ کنڈی لگا کر چلی جاتی تھی۔ تالے کا مطلب رتبہ کہیں دور گئی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا اس نے عالیہ کی شادی کے لیے چھٹی کی درخواست دی تھی جو منظور ہوگئی، دو دن بعد انہیں گاؤں کے لیے نکلنا تھا۔ آج اس کا ارادہ تھا کہ رتبہ کے ساتھ جاکر کچھ خریداری کرلے اور اسے ڈنر بھی باہر کروائے۔ اتنے دنوں سے ان دونوں کے بیچ جو فاصلے بڑھ گئے تھے، انہیں مٹانے کا فیصلہ تھا۔ ویسے بھی کل رات وہ جس طرح خواب سے ڈر کر روئی، علی زر کا دل اس کے لیے موم ہوگیا تھا۔ اپنے اوپر تھوڑی سی شرم بھی آئی بلاوجہ ذرے کا پہاڑ بنادیا۔

"یہ لو بھائی! چابی وہ آتی ہی ہوگی۔ روزانہ اس وقت تو آجاتی ہے۔ آج تھوڑی دیر ہوگئی ہے۔" بھابی شاید جلدی میں تھیں، چابی تھما کر پلٹ گئیں، اسے کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

"روزانہ وہ مجھے بتائے بغیر کہاں جاتی ہے؟" پڑوسن بھابی کی بات نے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔ شکستہ دلی سے تالا کھولنے لگا۔ نئی نئی نوکری تھی، منہ اندھیرے نکلتا تو رات گئے لوٹتا۔ زیادہ سے زیادہ کام پر توجہ دے کر مالکان کا اعتماد جیتنا چاہتا تھا، یہاں تو اس کے اعتماد کا ہی خون ہوا جارہا تھا۔

"پہلے تو کبھی ایسا نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپائے، اب کیا ہوگیا ہے، میرے پیچھے کہاں جاتی ہے۔" علی زر نے پنکھے کی اسپیڈ تیز کی اور بیڈ پر دراز ہوگیا۔ پھول ایک طرف پڑے ہوئے مل رہے تھے، دل ساری دنیا سے اچاٹ سا ہونے لگا۔ جانے کب آنکھ لگ گئی، کھٹ پٹ کی آواز سے کھلی۔ رتبہ سبز جوڑا پہنے، آنکھوں کو کاجل سے سنوارے گئے بالوں کی چٹیا ایک طرف ڈالے، گلابی پیروں کو کالے جوتوں کی قید سے آزاد کرنے میں مصروف تھی۔

"تم کب آئے؟" منہ دھو کر آئی تو اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے مگر تم کہاں تھیں؟" علی زر نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"علی تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" رتبہ نے آنکھیں میچ کر بچوں کی طرح خوش ہوکر کہا۔

"ہونہہ آج کل تو سب کچھ میرے لیے سرپرائز ہی ہے۔" وہ مایوسیت سے بولا، رتبہ اس کے احساسات سے بے بہرہ اندر گئی اور ایک لفافہ لاکر اسے تھمادیا۔

"میں کافی دن سے ایک بات تم سے چھپارہی تھی، ارادہ تھا کہ جب عالیہ کی شادی پر دینے والے پیسوں کا ٹارگٹ پورا ہوجائے گا تو تمہیں ایک دم ساری بات بتا کر حیران کردوں گی۔" وہ اپنی جون میں خوش خوش بولے چلی جارہی تھی، اس بات سے بے خبر کہ علی زر گم سم بیٹھا ہے۔

"یہ...... یہ...... کیا ہے؟ اتنے سارے روپے تم کہاں سے لائیں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ رتبہ کا دیا ہوا پیکٹ کھولنے پر ایک خطیر رقم ہاتھ میں آگئی، اب وہ پیسوں کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ سانپ بچھو ہوں دل میں سارے شکوک دوبارہ زندہ ہوگئے، بے یقینی سے رتبہ کو گھورنے لگا۔

"یہ میں نے جمع کیے ہیں جب تمہاری نوکری چھوٹ گئی تو تم بہت پریشان رہنے لگے۔ عالیہ کی شادی سر پر کھڑی ہوئی تب میں کمر کس کر کھڑی ہوگئی تم اب یہ پیسے باجی کو دے دینا۔ عالیہ کی شادی میں کام آئیں گے۔" وہ شریک حیات سے داد وصولنے کے موڈ میں بولی چہرہ جوش سے چمک رہا تھا۔ علی زر میں جنبش تک نہ ہوئی، گھر کا سارا خرچہ وہ اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا رتبہ کے پاس ہزار دو ہزار بھی بمشکل ہوتے۔

"رتبہ کے پاس اتنے پیسے جمع ہونے کا سوال ہی نہ تھا تو کیا میرے اندیشے سچ تھے؟" وہ گڑبڑایا، اس نے دل اور دماغ کی آنکھ مچولی سے پیچھا چھڑایا۔ بات صاف کرنے کا سوچا۔

"یہ پچاس ہزار کی خطیر رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" نگاہیں رتبہ پر جا ٹھہریں، وہ ذرا سا گھبرائی۔

"تم اتنا پریشان رہنے لگے تھے۔ کھانا پینا کم ہوگیا، سگریٹ نوشی بڑھ گئی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ محلے کے بچوں کے ٹیوشن سے بھی قلیل پیسے ملتے۔ میں نے ایک دن خالہ بتول سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا، اتفاق سے ان کا بھانجا

اپنے بیٹے کے لیے ایک ایسی خاتون ڈھونڈ رہے تھے جو گھر آکر ٹیوشن پڑھا سکے۔ میں پہلے تھوڑا گھبرائی پر خالہ نے بتایا وہ کافی امیر لوگ ہیں۔ دس ہزار تک دینے کو تیار ہیں تو دل للچایا۔ میں اگر تم سے پوچھتی تو تم فوراً منع کردیتے، پر تمہیں پریشان دیکھنا میرے لیے دنیا کا سب سے مشکل کام تھا اسی لیے چپکے سے یہ ٹیوشن پکڑلی۔ خالہ نے ان لوگوں سے بات کی اور مجھے ان کے گھر لے گئیں۔" وہ بڑے جوش سے بولی جیسے بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔

"ٹیوشن سے تمہیں اتنے پیسے ملنے لگے ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اصل میں بتول خالہ کے بھانجے منور خان سعودی عرب میں انجینئر ہیں۔ ان کا خاندان مالی طور پر بہت مضبوط ہے۔ ان کے تین بچے ہیں۔ بدقسمتی سے سب سے چھوٹا بچہ وقاص جسمانی طور پر معذور ہے، اس کا ایک ہاتھ اور پاؤں پیدائشی کام نہیں کرتے۔ بڑا ہونے پر اسے عام بچوں کی طرح اسکول بھیجا گیا مگر وہاں نارمل بچوں میں ایڈجسٹ نہیں ہوسکا۔ اس کے بعد وقاص کا داخلہ معذوروں کے اسکول میں کروایا گیا وہاں بھی جھگڑے کرتا۔ ایک دن کسی چھوٹی سی بات پر اسے اتنا غصہ آیا کہ ایک بچے کے کان پر کاٹ لیا۔ اسکول والوں نے فوراً ایکشن لیا، ناجیہ بھابی کو بلا کر اسے نفسیاتی اسپتال میں داخل کرانے کا مشورہ دیا۔ ناجیہ بھابی اور منور بھائی ایسا نہیں چاہتے ہیں مگر بچہ ان کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ اپنی احساس محرومی کی وجہ سے اگر کوئی اس سے الجھتا تو اس کا غصہ بے قابو ہوجاتا۔ بچے کو جاہل رکھنا بھی ممکن نہ تھا کیوں کہ وہ کسی بھی طرح اسکول جانے کو تیار نہیں ہوتا، ماں بیچاری اس بچے کے پیچھے روتی پھرتی۔ پیسوں کی ریل پیل کے باوجود اس ایک بچے کا دکھ انہیں بیمار رکھتا۔ ایک دوست نے مشورہ دیا کہ گھر پر پرائیوٹ طور پر پڑھایا جائے۔ اخبار میں اشتہار دیا گیا کئی ٹیچر بدلے گئے پر وہ کسی کے قابو میں ہی نہیں آتا، نہ ہی کسی کی بات مانتا۔ کئی ٹیوٹر اس کی بدمزاجی کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بچہ دن بہ دن تنہائی کا شکار ہوکر نفسیاتی مریض بننے لگا۔ وقاص کی ماں ناجیہ بھابی نے سب سے کسی خاتون ٹیوٹر کے لیے کہہ رکھا تھا۔ بتول خالہ کے سامنے بھی یہ بات ہوئی تو انہوں نے میرا ذکر کردیا۔ ناجیہ بھابی ناامید ہوچکی تھیں پھر بھی مجھے ٹرائل پر بلوالیا۔ ایک ہفتہ تو مجھے اس بچے کو رام کرنے میں لگا۔ وہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا اس کے ساتھ کافی محنت کی اب وہ حیرت انگیز طور پر مجھ سے مانوس ہوگیا ہے، پڑھائی پر بھی دھیان دینے لگا، میں اسے دو بجے سے چار بجے تک پڑھانے جاتی ہوں، اس طرح گھر کا معمول بھی ڈسٹرب نہیں ہوتا۔ ناجیہ بھابی مجھ سے بہت خوش ہیں۔ میرے آگے ہاتھ جوڑتی ہیں کہ دو لفظ ان کے اس معذور بچے کو سکھا دوں، تو شاید آگے اس کی زندگی میں کام آجائیں۔ انہوں نے مجھے اس ٹیوشن کے دس ہزار روپے شروع کردیے۔ یہ میری فیس ہے جو میں نے عالیہ کے لیے جمع کی۔ اس کے علاوہ پڑوسن بھابی کے یہاں جو کمیٹی ڈالی تھی وہ بھی اس مہینے نکلی ہے اس کے پچیس ہزار تھے۔" رتبہ مزے مزے سے اپنا کارنامہ بتاتے ہوئے حساب بھی جوڑ رہی تھی۔ علی زر کا چہرہ کھل اٹھا، سچائی دل کو بھائی۔

"اچھا ابھی بھی کچھ پیسوں کا گھپلا آرہا ہے۔" علی زر کا دل ایک دم صاف ہوگیا، شوخی سے بیوی کا ہاتھ تھام کر آنکھیں دکھائی۔

"اچھا سو ایک اور بھی سرپرائز ہے۔" اب وہ بستر پر شاہانہ انداز میں دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"اب بھی کچھ باقی ہے وہ بھی بتادو ورنہ تیرے پیٹ کا درد نہیں جائے گا۔" علی زر نے اس کے بالوں کی لٹ کو کھینچا۔

"شادی سے پہلے میں ڈائجسٹوں میں افسانے اور ناول وغیرہ لکھتی تھی نا اب دوبارہ قلم اٹھالیا، لکھنا شروع کیا، اتفاق سے قارئین نے بہت پسند کیا تو لگاتار میری دو تحریر چھپ گئیں، گھر بیٹھے معقول معاوضہ بھی بھیج دیا گیا۔" رتبہ نے اپنا خیالی کالر کھڑا کیا تو علی زر کا دل اس کے لیے مچلا۔

"وہ جو جنتر میں صفحے چھپا کر لکھتی تھی وہ تیرے افسانے تھے؟" بدگمانی کے کالے بادل کیا صاف ہوئے، خوش گوار روشنی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لیا اور رتبہ نے ایک ادا سے ناک

پر جاکر سر ہلایا۔

"یہ باتیں پہلے ہی شیئر کرتی تو کچھ برا ہوجاتا۔" وہ گجرے اٹھائے اس کے دربار میں عقیدت سے داخل ہوا، جو کب سے ایک کونے میں اداس پڑے تھے۔ ابھی آخری چانس نکالنا ضروری ہوگیا۔

"مجھے بتا سکتی تھی پر تم میں ایک برائی ہے۔ بہت جلد مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبنے لگتے ہو۔ ایک نوکری کیا چھوٹی منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئے حوصلہ ہارنے لگے، پر اچھا ہی آگیا۔ ایسے وقت اگر میں تم سے کہیں جاب کی اجازت مانگتی یا کہیں جاکر ٹیوشن پڑھانے کا پوچھتی تو تم ہاں بولتے بھی نہیں، تمہاری مردانگی پر شدید چوٹ پڑتی۔ مزید احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے۔ اسی لیے خاموشی سے یہ سب کیا ویسے سرپرائز بھی دینا چاہتی تھی۔" اسے بیوی کی حساسیت پر پیار آگیا بے ساختہ آگے کو بڑھا۔

"چائے کا موڈ نہیں کیا؟" رتبہ نے زبان چڑاتے ہوئے اسے دھکیلا۔ علی زر کے ہاتھ سے پھول چھوٹ کر رتبہ کے قدموں میں بکھر گئے۔

☆☆☆

"رتبہ بیٹے آج عید ہے اور تو ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ تیرے ابا، بھائی اور علی نماز پڑھ کر واپس آتے ہوں گے پھر قربانی کا سلسلہ چل پڑے گا۔ دیکھ باقی ساریاں کڑیاں تیار شیار ہوگئی ہیں، چل جا جلدی نئے کپڑے پہن لے۔" شبو کسی کام سے باورچی خانے میں آئی تو اسے پاستا سویاں بناتے دیکھ کر سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

"جی اماں! بس جارہی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی دودھ میں چمچ چلاتے ہوئے کہا کہ کہیں گٹھلیاں نہ بن جائیں۔

"تو چل ادھر آ یہ کیا اس بیچاری کو کلے ہی کاموں پہ لگا دیا۔ شبو کی کمی نہ ہوتی تو میں سے چلائی۔ باقی بہوویں الرٹ ہوگئیں۔

"نہیں اماں یہ سویاں میں شہر سے لائی ہوں ننان کو پکانی نہیں آتی، بڑی بھابی نے شیر خورمہ بنالیا ہے یہ تو میں آپ

غزل

حسرت ہے تمہاری دید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
کچھ دیر تو دل کو چین ملے
کچھ روز تو من کا پھول کھلے
کہتے ہیں عید کی آمد ہے
ہم لوگ بھی تائید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
تم سے ایک گزارش ہے
یہ اپنے دل کی خواہش ہے
اک بار ملو اک بار ملو
ہر بار بھی تاکید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
مانا کہ ہم دیوانے ہیں
سب باتوں سے انجانے ہیں
جب اپنے ہی بیگانے ہیں
کیا غیروں سے امید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں

انتخاب: ہما ... سرگودھا

کے اور ابا کے لیے اپنے شوق سے بنارہی ہوں۔" رتبہ گڑبڑائی۔ دودھ گاڑھا ہوگیا تو اس میں میوہ ملا کر چولہا ہلکا کرتے ہوئے بولی۔

"ماں صدقے چل پتر جلدی سے نہا دھو کر تیار ہوجا۔" شبو نے بہو کی سعادت مندی پر بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں چھوٹی تم جاؤ تیار ہوجاؤ۔ اس حلیہ میں دیور جی سے عید کیسے لوگی؟" بڑی بہو کلثوم جو ساس کی آواز پر حاضر ہوئی تھی اس کے پاس جا کر دھیرے سے چھیڑنے لگی۔ شبو ایسی بن گئی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو کبھی کبھی جان کر انجان بننا بھی اچھا ہوتا ہے۔

"بھابی اچھا ایک کام کریں گی گرم گرم بھاپ نکل جائے تو اسے بڑی ڈش میں نکال دیجیے گا اور ان چھوٹے پیالے میں الگ سے نکالنا ہے۔" اس نے تیزی سے بڑی ڈش سمیٹتے ہوئے

بڑی جٹھانی کو سمجھایا۔

"اچھا یہ بتا کس کے لیے نکھر رہی ہے۔" سلمیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے زبردستی کچن سے باہر نکالا۔

"وہ فریدہ ماسی کے گھر سے ہو کر جاؤں گی۔" رتبہ نے مسکرا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔ وہ جب بھی سسرال آتی ایک وقت کا کھانا یہاں کھاتی تو ایک وقت کا استانی جی کے ساتھ، علی زر بھی رتبہ کی اس عادت پر مسرور ہوتا۔ فریدہ کا پورا گھر بہو بیٹے کے ناز نخرے اٹھانے میں مصروف ہو جاتا۔

"کمال! علی کتنا خوش قسمت ہے نا جو اس کو ایسی لڑکی ملی، جس نے سگوں کے ساتھ ساتھ منہ بولے رشتوں کو بھی دل میں جگہ دے دی۔" سلمیٰ نے شاہین بی بی کی طرف دیکھ کر دیورانی کو سراہا۔

"شہر کی پڑھی لکھی لڑکی ہے، مجال ہے جو یہاں آکر ذرا نخرے دکھائے، بھلے نیچے بٹھاؤ یا اوپر مسکراتی رہتی ہے۔" عشیہ نے مسکرا کر گردن ہلادی۔ یہاں صرف الفاظ نہیں اچھے جذبات بھی بول رہے تھے۔

☆☆☆

"ذرا ہاتھ تو بڑھاؤ اماں نے سب کے لیے گجرے منگوائے ہیں تو تیار نہیں ہوئی تو مجھے یہ دے کر بھیجے ہیں اور تاکید کی کہ اپنے ہاتھوں سے پہناؤں۔" رتبہ جیسے ہی نکلنے والی تھی، پاؤں میں ونکن رہی تھی علی زر کریم کلر کرتا شلوار اور کالی واسکٹ میں بانکا سجیلا اندر داخل ہوا اور بیچ میں اپنے مطلب کے جھوٹ کی آمیزش کی، کاغذ سے ہاتھوں کے کنگن نکال کر اسے پہنانے شروع کردیے، مہندی لگے ہاتھ سج گئے۔

"رتبہ آج میں ایک بات کا اقرار کرلوں، تم واقعی میری زندگی ہو۔" علی زر کی سنہری آنکھوں میں جذبے ہلکورے لے رہے تھے۔ رتبہ کریم اور سرخ کنٹراسٹ کا انگرکھا اور چوڑی دار پائجامہ پہنے، بالوں کی سادی سی چٹیا بنائے، ہلکے ہلکے میک اپ اور سونے کے جھمکے پہنے بہت دلربا سی لگی۔ یہ ہی جذبات کے اظہار کا صحیح وقت لگا، پھر تو عید کا پورا دن ملنے ملانے میں گزرنا تھا۔

"علی پلیز میں جارہی ہوں، باہر اماں اور بھابیاں میرا انتظار کررہی ہوں گی۔" اس کی محبت لٹاتی آنکھیں رتبہ کی جان نکالے دے رہی تھی، اس کے مقابل کھڑے رہنا مشکل ہوگیا تو بہانہ بنا کر کترائی۔ علی زر نے چوڑیوں بھری کلائی کو کس کر پکڑا، وہ کسمسائی۔

"اپنی عیدی تو لیتی جاؤ۔" اس نے کافی دیر تک اسے یونہی نگاہوں کی زد پر رکھا، وہ شرمائی سی بہت اپنی اپنی سی لگی۔ پھر دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔

"عیدی..... ہاں وہ تو میں لوں گی۔" رتبہ چونکی اور خوش ہو کر بولی۔ علی زر نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ نازک سی رنگ نکالی اور اس کی مخروطی انگلی میں پہنادی، اس میں ننھے ننھے سے زرقون ایک قطار میں لگے شعاعیں مار رہے تھے۔ رتبہ کا چہرہ کھل اٹھا وہ بہت دنوں سے اس ڈیزائن کی انگوٹھی لینے کی خواہش کررہی تھی پر علی زر کی جیب اجازت نہیں دیتی تھی اب اچانک خواہش پوری ہوگئی تو وہ خوش ہوگئی اس نے علی کو زبان چڑائی۔

رتبہ نے پروین بھابی کے یہاں کمیٹی بھی اسی نیت سے ڈالی تھی، پر سارے پیسے عالیہ کی شادی کے لیے علی زر کے حوالے کردیے۔ وہ بیوی کی دل کی بات جانتا تھا اس وقت تو کچھ نہ بولا لیکن جیسے ہی اس کے آفس والوں نے عید بونس دیا، اس نے اپنی بچت ملا کر ایک نازک سی انگوٹھی خریدلی۔

"اچھا باہر آجاؤ میں جاتا ہوں۔" اس نے نرمی سے رتبہ کا ہاتھ دبا کر چھوڑا، پھولوں کی خوشبو اس کی ہتھیلی سے بھی لپٹ گئی۔ علی زر نے خوشبو اپنے اندر اتاری وہ سرشار ہوگیا۔

اسے لگا کمرہ اچانک جگمگا اٹھا، شاید ان کی راہیں روشن کرنے عید کا چاند بھی آج زمین پر اتر آیا، سارا منظر نکھرا نکھرا اجلا اجلا ہوگیا۔ وہ سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتی ساس، سسر اور باقی لوگوں سے عیدی وصول کرنے باہر کی طرف چل دی۔

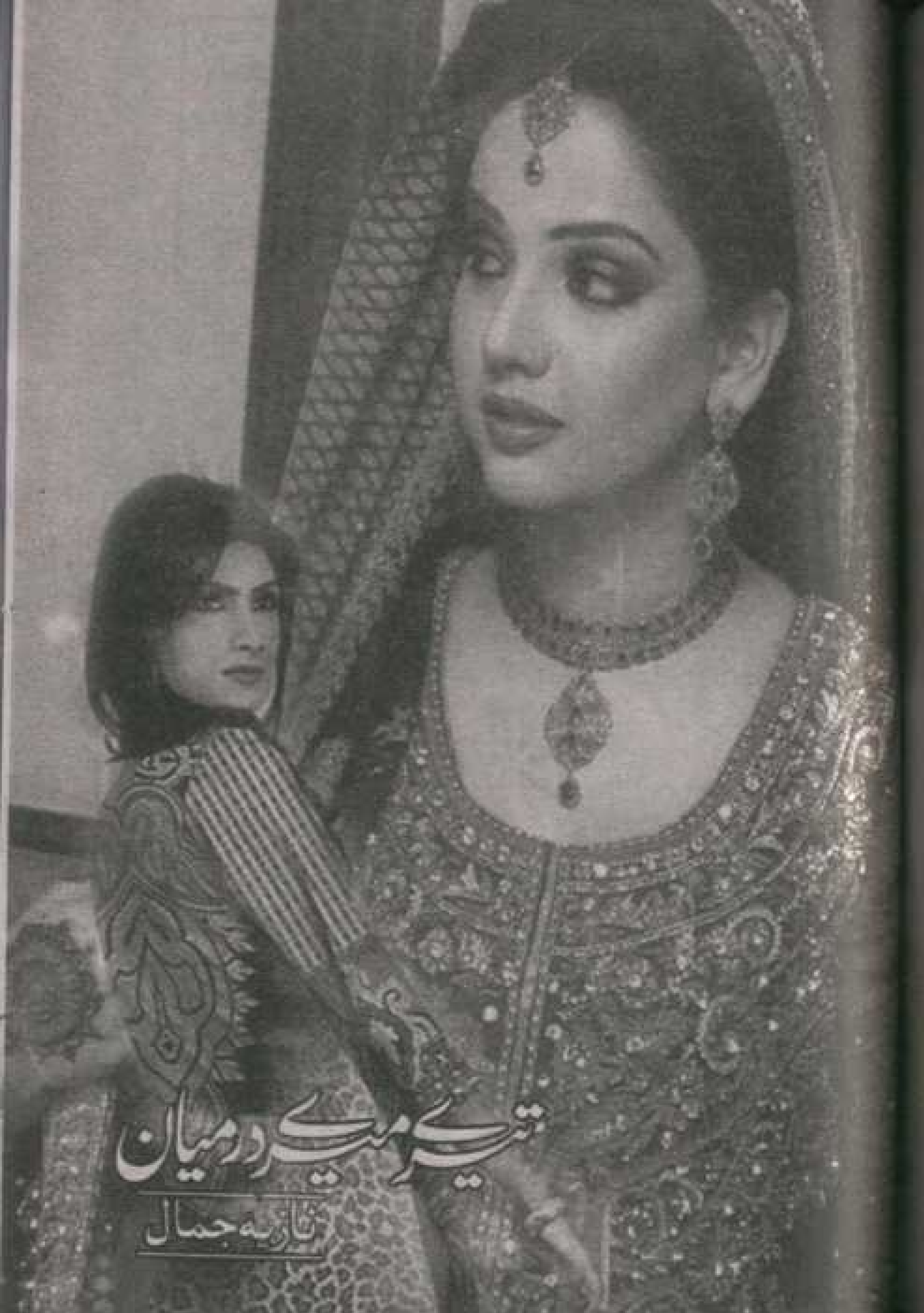

رخصت ہوا تو بات میری مان کر گیا
جو اس کے پاس تھا وہ مجھے دان کر گیا
کتنی سدھر گئی ہے جدائی میں زندگی
ہاں وہ جفا سے مجھ پر تو احسان کر گیا

"او...... آئی...... لوئی ماں۔" وہ دونوں بیڈ پر چڑھی بیٹھی تھیں، موبل بیڈ کی پشت سے لگی لال چہرہ اور آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھوں کے ساتھ گزشتہ ایک گھنٹے سے مسلسل واویلا مچائے ہوئے تھی پر یسمل اس کی ساری دہائیوں کو نظر انداز کیے اس کی بھنوؤں پر تندہی سے مشق ستم ڈھا رہی تھی۔

"اف یسمل کی بچی آج کیا جان لوگی ایک سیکنڈ کا بریک نہیں لے سکتیں۔"

"چپ کرو یوں ہائے وائے مچا رکھی ہے جیسے خدانخواستہ میں تمہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنا رہی ہوں۔" تیزی سے انگلی پر دھاگہ لپیٹتے ہوئے یسمل نے ڈپٹا۔

"کوئی ایسا ویسا تشدد، ایمان سے یوں لگ رہا ہے جیسے میں کوئی بکرا ہوں اور تم قصائی۔" سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹشو بکس سے ایک ٹشو نکال کر ناک اچھی طرح پونچھنے کے بعد دوپٹے کو جھلتے ہوئے چہرے کی بے تحاشہ جلن کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"خوامخواہ اتنی اذیت جھیلی ارے تم تو ان دیہاتیوں کو ماسیوں والے حلیے میں بھی پہنچ جاتیں۔ کیا ہے جو آنسہ موبل تین دن بعد اپنے بالوں کو کنگھی کا شرف بخشتی ہیں۔ تن پر سجے لباس کو ہفتہ بعد بدلنے کا خیال آتا ہے گھڑی کو وہ اپنی فیورٹ جیولری اور کاجل کو مکمل میک اپ سمجھتی ہیں پر ہیں تو بی اے پاس ناں اپنی اماں کی بے جوڑ بیٹی اور ہاں شہریار عادل صاحب کی اکلوتی ہمشیرہ کو بھلا آنے والے ناپسند کرنے کی کیسے حماقت کر سکتے ہیں۔" چہرے پر استہزائیہ تبسم لیے گھبرے لہجے سے بولتی وہ نیچے اتر آئی۔

"ہائیں یسمل! کیا دیہاتی واقعی بہت جاہل اور اجڈ ہوتے ہیں۔" بے حد سراسیمگی سے پوچھا گیا۔

جب سے اس کا رشتہ بھائی کے دوست نواز علی سے طے پایا تھا اس وقت سے اس کا چین سکون حرام ہو چکے تھے دل طرح طرح کے انجانے خدشوں میں گھرا رہتا گو کہ بھائی اور امی بارہا اسے تسلی دلا چکے تھے کہ نواز علی انتہائی مہذب خوش اطوار اور سلیقہ شعار لڑکا ہے، جس نے شہریار کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کرنے کے بعد اپنے آبائی پیشے کھیتی باڑی کو صرف اس لیے اپنایا تھا کہ والد کی بیماری کے بعد لامحالہ طور پر بڑے بیٹے کی حیثیت سے پورے گھر کا بوجھ سا اپنے کندھوں پر اٹھانا تھا۔

رشتے کو سند قبولیت تو اس کی رضامندی کے حصول کے بعد ہی بخشی گئی تھی دل ودماغ اس بے جوڑ جوگ کو قبول کرنے کی تیاری پکڑتے ہی تھے کہ یسمل سب چوپٹ کر دیتی۔

"اجڈ گنوار چھوڑو مجھے خدا وہ دن نہ دکھائے جب ہماری موبل پنگھٹ سے پانی بھر کر لائیں گی۔ بھاری بھرکم رنگین جھجیوں کی رسیاں کسیں گی، منوں اناج صاف کرتے ہوئے کمر تختہ اور آنکھیں چندھیا نہ جائیں تو میرا نام یسمل اکرام کی بجائے اپنی مرضی کا کوئی بھی نام رکھ لینا۔" لہجے کو حتی المقدور ہمدردانہ بناتے ہوئے وہ آخر میں سینہ ٹھونک کر بولی۔

"ہائے نہیں مجھے تو نل سے بوتلیں بھر کر فریج میں رکھنا ہی مشکل لگتا ہے چہ جائیکہ گھڑا اٹھا کے کنویں سے بھر کر

لاؤں۔" موبل سخت ہراساں ہو کر بولی۔ دیہی زندگی محنت طلب ہوتی ہے یہ تو وہ جانتی تھی پر یسمل کے کھینچے گئے خاکوں میں روز اس کی مرضی سے شامل ہوتے رنگوں نے تو اسے سہما کے رکھ دیا تھا۔

"میں تو بھول ہی گئی، تم اوپلے کیسے تھاپو گی، گاؤں والوں کا روایتی ایندھن۔ امی بتا رہی تھیں کوئی ڈیڑھ درجن گائیں بھینسیں تو ان کے باڑے میں بندھی ہوئی تھیں۔"

"چچ...... چچ...... موموا میں اپنی اکلوتی فرینڈ کی زندگی کو کیسے برباد ہوتا دیکھ پاؤں گی۔" انتہائی رقت آمیزی سے بولتے ہوئے اس نے سر موبل کے کندھوں سے لگا دیا اور موبل جس کی آنکھیں پہلے ہی درد اور جلن سے بھری ہوئی تھیں اپنی مستقبل کی زندگی کی زبانی جھلک سن کر چھلک پڑیں۔

"میں کیا کر سکتی ہوں بھائی مکمل گارنٹی دے رہے ہیں نواز علی کی۔" سخت بے بسی سے بولتے ہوئے موبل نے آنسو روکنے کی کوشش کی۔

"ارے تمہارے بھائی کی گارنٹی کی ایسی کی تیسی۔" اس نے سخت طیش میں دانت کچکچائے۔

"لنگوٹیا یار ہے اس دیہاتی کا، دم بھرے گا تو سہی۔ تم بس بے خوف ہو کے انکار کر دو ابھی منگنی میں چار دن باقی ہیں بہت کچھ ہو سکتا ہے تم منہ سے ناں پھوٹو تو سہی آگے میں خود سنبھال لوں گی۔" انتہائی جوش سے اس نے موبل کو سمجھایا۔

موبل اس کی فرینڈ صبا کو اپنے بھائی کے لیے بڑی طرح بھا گئی تھی چچی اور امی بھی تقریباً راضی ہو گئی تھیں۔ صبا کی مکمل کارکردگی اور مہذب رہن سہن دیکھ کر چچی فرخندہ کو یہ رشتہ ہر لحاظ سے موبل کے لیے بہترین لگا مگر برا ہو شہریار عادل کا جس نے ملتان سے واپسی پر دونوں خواتین کی پسند کو یکسر رد کرتے ہوئے اپنے ایک دوست نواز علی کا پروپوزل سامنے رکھ دیا تھا کہ وہ اس پروپوزل کو مکمل شرف قبولیت بخش چکا ہے باقی آپ خواتین نواز علی کا گھر بار جا کر دیکھ لیں اور جو روایتی چھان پھٹک ہے وہ بھی کر لیں۔ صبا چونکہ یسمل کی دوست ہے لہٰذا اس کے کوڑھ مغز ہٹ دھرم اور عقل سے پیدل ہونے میں کوئی شک نہیں لامحالہ صبا کا بھائی بھی یقیناً انہی صفات سے متصف ہوگا۔ اپنی اکلوتی بہن ایسے لوگوں میں دینے کا رسک میں نہیں لے سکتا۔ اپنے حتمی لہجے میں اس نے تو فیصلہ سنا دیا تھا دونوں خواتین اور موبل کے پاس سوائے سر جھکانے کے کوئی اور چارہ نہیں رہا تھا۔

بات اگر صبا اینڈ فیملی کو انکار کرنے تک رہتی تو ٹھیک تھی لیکن شہریار نے حسب عادت اسے کم عقل، جذباتی اور کوڑھ مغز قرار دیتے ہوئے اس کی ذات کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔

وہ اندر ہی اندر جیسوں بل نہ بھرتی تو اور کیا کرتی اندر کی کھولن کو کم کرنے کی خاطر اس نے یہی طریقہ اپنایا کہ کسی طرح موبل کو اس رشتے سے برگشتہ کر دیا جائے تبھی تو وہ ہر وقت موبل کے سامنے دیہاتیوں کے بارے میں زہر افشانی کرتی رہتی۔ انجانے لوگوں سے بیر باندھنے کی بھلا اسے کیا ضرورت تھی اسے تو صرف شہریار عادل کی ہزیمت اور سبکی مطلوب تھی۔

"اف...... جب موبل بھائی کے سامنے اس کے یار غار سے شادی کرنے سے انکار کر دے گی تو شہریار عادل اپنا سا منہ نہیں لے کر رہ جائے گا؟" یہ سوچ ہی اس کے جسم و جاں میں انوکھی خوشی بھر دیتی تھی۔

"پر یسمل میں تو بھائی کو ہاں کہہ چکی ہوں۔ رد و قبول کے کل اختیارات انہوں نے مجھے تھمائے تھے اب اگر انہوں نے اقرار کے بعد انکار کا جواب مانگا تو میں کیا جواب دوں گی؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"تو کہہ دینا اس وقت میری عقل شریف گھاس چرنے گئی ہوئی تھی اب چونکہ عقل واپس آ گئی ہے تو مجھے نواز علی کا ساتھ قبول نہیں ہے۔" یسمل جل کر بولی۔

"ٹھیک ہے میں بھائی سے بات کرتی ہوں۔" یسمل کے ہمدردانہ اور پر سوز لہجے نے اس کے اندر ایک ہلکی سی جرأت کی لہر پیدا کر دی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات۔" یسمل نے خوش ہو کے اسے گلے لگا

لیا تھا۔

برآمدے میں رکھے پلنگ پر جھولتے ہوئے وہ بڑے موڈ میں اونچی تانیں بکھیر رہی تھی' موبل نیچے میٹ پر بیٹھی دن کے کھانے کے لیے کالے چنے صاف کررہی تھی۔ دھوپ سارے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی امی اور چچی فرخندہ سارے کام نمٹا کر اپنے مشترکہ کمرے میں ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

"میں سوچ رہی تھی کہ تمہارا صبا کی بھابی بننا اس کے بھائی سے زیادتی......" اس کی بات ادھوری رہ گئی کہ کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

"تو تم موبل کو ورغلانے سے باز نہیں آؤ گی۔" شعلہ ساماں لہجہ اور چہرے پر غیض وغضب کی سرخی لیے وہ یقیناً اس سے ہی مخاطب تھا۔

"ورغلانا کیسا...... یہ تو سدا کی نادان اور عقل سے پیدل ہے ہی مگر میں تو اس کی دمساز وہم راز ہوں' ایسے کیسے کھائی میں کودنے دوں۔" وہ اس کے تیوروں سے خوف کھائے بغیر بولی۔

"چہ خوب...... تم ہی اس کی سارے جہاں میں ہمدرد ہو اور میں تو دشمن ہوں۔" وہ طنز سے بولا۔

"دشمن نہیں ہیں تو اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کو غیر مہذب اور شہر سے کوسوں دور دیہاتیوں میں جھونکنا کس قسم کے پیار کا اظہار ہے۔" وہ دوبدو بولی جبکہ موبل سر جھکائے مکمل یکسوئی سے صاف کیے ہوئے چنوں کو دوبارہ صاف کررہی تھی۔

"موبل میری بہن ہے اس کی زندگی کے تمام فیصلوں کے اختیارات مجھے ابو تفویض کرگئے تھے لیکن میں کوئی ایسا مچھکل مرد نہیں ہوں جو بہن کی رضامندی لیے بغیر اپنے فیصلے ان سب پر ٹھونس دوں۔ گڑیا تمہیں نوازعلی کا ساتھ قبول نہیں تو ابھی بتادو نو پرابلم میں انہیں انکار کہلوا دیتا ہوں۔ میں نے کوئی گن پوائنٹ پر تم سے منظوری نہیں لی تھی۔" پیار بھرے انداز میں موبل سے مخاطب ہوتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ جواباً وہ ڈل اٹھا کر کچن کا رخ کررہی تھی۔

"نہیں بھائی! آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کی محبت پر شک کروں گی یا خدانخواستہ آپ کے کسی فیصلے سے سرتابی کروں گی۔ ابو کے بعد آپ ہی تو ہمارا سہارا ہیں۔" بولتے بولتے موبل کی آواز بھرا گئی۔

"بس گڑیا تم نواز کے بارے میں کسی قسم کا وسوسہ دل میں نہ لاؤ اس کی گارنٹی تمہیں تمہارا بھائی دے رہا ہے جس پر تم ساری دنیا سے زیادہ بھروسہ کرتی ہو اور ہاں ذرا حاسدوں سے بچا کرو جب نصیب کھلنے میں دیر ہوجائے تو یونہی دوسروں کی خوشیاں برباد کرکے اپنی گھٹیا جذبوں کی تسکین کرتے ہیں۔" موبل کا سر تھپک کے جاتے ہوئے ایک طنز بھری کٹیلی نظر اس پر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

"بائی فٹ۔" احساسِ توہین سے وہ اپنی جگہ پر سن رہ گئی۔ "گھٹیا کمینی...... اگر بھائی کے سامنے یہ سب کچھ پھوٹنا تھا تو میرے سامنے اتنے گھڑیالی آنسو کیوں بہائے تھے۔" دانت کچکچاتے ہوئے وہ موبل کی طرف بڑھی۔

"تو میں کیا کرتی کوئی وجہ تو بات بنے اور ہوسکتا ہے وہ تمہاری بتائی گئی سب باتوں سے الٹ نکل آئیں۔" موبل کا دھیما لہجہ قدرے کیف آگیں تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا بھائی۔" غصے سے پیر پٹختی وہ وہاں سے چل دی۔

"کیا ہے یار زندگی اتنی بور اور ڈل لگنے لگی ہے کہ بس کوئی ٹوئسٹ نہیں ہے لائف میں۔" سنگترے کی قاشوں پر ڈھیر سارا چاٹ مسالہ چھڑکتے ہوئے بیسل بےزاری سے بولی۔ موبل نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"اچھا بھلا تمہارے سسرال والے منگنی کا فنکشن کرنے آرہے تھے کرلے دے کے تمہارے سڑیل بھائی نے منع کردیا کہ ہم خاندانی لوگوں میں زبان ہی کافی ہوتی ہے۔" شہریار کا ذکر کرتے ہوئے وہ منہ بنا کے بولی۔

"موموآئیڈیا...... کیوں ناں قریشی انکل کے صحن سے بیر توڑ لائیں۔" چاٹ مسالے سے لتھڑی انگلیاں چاٹتے ہوئے وہ ایکدم ایک انبساط سے بولی۔

"نہیں بیسل! ان کا دروازہ لاکڈ ہے جائیں گے کیسے اور پھر ویران گھر میں ہمیں کوئی دیکھ لے تو کیا سوچے گا؟" موبل نے صاف انکار کردیا۔

"ٹھیک ہے میں اکیلی بیر توڑنے جارہی ہوں لیکن یہ ضرور ذہن میں رکھنا کہ ایک دو دن تک تمہاری سسرالی خواتین کی آمد متوقع ہے یقیناً تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے گی۔" موبل کو بےمروتی سے کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیسل کی بچی اچھا ہے ناں میں تمہارے بغیر کسی کام جوگی نہیں تھی تو بلیک میل کرتی ہو چلو مرو پھر۔"

"یہ بیر ہم کسی بچے کو اندر بھیج کر بھی منگوا سکتے ہیں لازمی گوڈے گٹے تڑوانے کا رسک لینا ہے۔" اسٹول پر پاؤں رکھ کر بیسل تو بآسانی دیوار پر چڑھ گئی تھی لیکن موبل کو چڑھنے میں تامل ہورہا تھا۔

بیسل نہ صرف اس کی اکلوتی چچازاد بلکہ بیسٹ فرینڈ بھی تھی' عادات ومزاج میں حد درجہ اختلاف کے باوجود دونوں کی خوب بنتی۔ وہ جتنی لیے دیے رہنے والی اور پڑھائی میں اوسط درجے کی طالبہ رہی تھی بیسل اتنی ہی شوخ' زندہ دل اور اپنے قدرت کی طرف سے فیاضی سے عطا کردہ حسن کو نکھارنے سنوارنے میں ہمہ وقت متحرک اور تیار رہتی۔ فیشن وملبوسات کے نت نئے رجحانات سے بخوبی آگاہ رہتی جب کہ موبل کی باتوں سے لے کر پہننے اوڑھنے سب میں سادگی جھلکتی۔ اسے نت نئی ڈشز بنانے کا شوق تھا اور بیسل کو کھانے کا۔ کوئی قدر مشترک نہ ہونے کے باوجود دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر ایک لمحہ بتانا محال تھا تبھی تو وہ اب بھی خلاف فطرت بیسل کا ساتھ دے رہی تھی۔

سرخ موٹے موٹے رسیلے پیوندی بیر ان کی پہنچ سے کافی دور تھے کہ درخت کافی لمبا تھا۔ درخت پر چڑھنا تو اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر مصیبت یہ تھی بیری پر بھڑوں کا کافی بڑا چھتہ تھا چڑھ تو جاتی لیکن اگر بھڑیں اس پر حملہ آور ہوجاتیں تو ہڈیاں ٹوٹنی لازم تھیں۔ آخر بچاؤ کے لیے چھلانگ تو لگانی ہی پڑتی۔

"اف اتنی کٹھنائیاں عبور کرکے آئے ہیں لیکن یہ بیر ہنوز ہمارے دستِ طلب سے دور ہیں۔" بیروں کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ مایوسی سے بولی معاً اس کی نظر ویران گھر کے ایک کونے میں پڑی چھڑی پر گئی وہ بھاگم بھاگ اٹھا آئی۔

"مومو میں ایسا کرتی ہوں چھڑی سے بیر گراتی جاؤں گی اور تم انہیں اپنے آنچل میں چن کر اکٹھا کرتی جاؤ۔" مسئلہ حل ہوجانے پر وہ بےحد خوش تھی۔

ادھر شاخوں پر چھڑی پڑی اور ادھر پٹاپٹ بیر گرنے لگے موبل کے دوپٹے میں تیزی سے بیر جمع ہورہے تھے۔ ایسے میں اس کی نظر بیروں کے ذخیرے پر گئی تو لمحہ بھر کو جیسے تھم سی گئی چھڑی والا ہاتھ جو مسلسل متحرک تھا زمین پر جھکی بیر چنتی موبل نے اپنے سر پر کوئی چیز دھپ سے گرتی محسوس کی اور اگلے ہی لمحے قریشی انکل کا ایک ماہ سے بند ویران گھر موبل انعام کی کربناک چیخوں سے گونج اٹھا۔

بلا مبالغہ درجنوں بھڑیں موبل کے پورے چہرے اور ہاتھوں بازوؤں پر اپنے ڈنگ زور سے گاڑھ چکی تھیں۔ وہاں سے نکل کر اپنے گھر جانے اور امی چچی کے بعد شہریار عادل کا سامنا کرنے تک اسے اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا کہ روح فنا ہونا کسے کہتے ہیں اور ناخنوں سے جان نکلنے کی کیفیت اصل میں ہوتی کیا ہے۔

"تم کوئی کام ایسا بھی کرو گی جو عموماً شریف' تعلیم یافتہ اور خاندانی لڑکیاں کرتی ہیں۔" پشت پر ہاتھ باندھ کر غصے سے لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے وہ آدھے گھنٹے سے مسلسل اسے ڈانٹ رہا تھا جو سامنے چیئر پر بیٹھی سر جھکائے اسے غصے سے چنگھاڑتے ہوئے سن رہی تھی کہ آج مقابل کو دوبدو جواب دینا خود کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔

"یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں جو تم کم عمر دکھنے کے لیے کرتی ہو مگر برائے مہربانی ایسی فضول حرکتوں سے تم موبل کو الگ ہی رکھا کرو۔ ابھی نواز نے کال کی کہ اس کے گھر والے کل یہاں کے لیے روانہ ہورہے ہیں' پہلی دفعہ آرہے ہیں منع بھی نہیں کرسکتا لیکن موموکو بھی ایسے "منہ" کے ساتھ ان

کے سامنے بھی نہیں لایا جاسکتا۔" طیش کے مارے شہریار کو بس یہی سوجھ رہا تھا کہ اس سامنے بیٹھی کانٹی سی لیکن آفت کی پرکالہ کزن پر تھپڑوں کی بارش کردے جس نے ایسی سنگین صورت حال سے دوچار کردیا تھا اور لاڈلی بہن کو سخت اذیت میں مبتلا کردیا تھا جسے ذرا نزلہ زکام ہوتا تو اس کی جان پر بن آتی تھی چہ جائیکہ درجنوں بھڑوں کا زہر اسے نیلو نیل کرچکا تھا۔ وہ تو اچھی طرح بے عزت کرکے اپنے غضب ناک تیوروں کے ساتھ چلا گیا لیکن امی کی باری تو بہرحال ابھی باقی تھی۔

"کب سدھرو گی تم یسمل! اب تک یونہی مجھے شرمندہ کرواتی رہو گی فرخندہ بھابی کو۔ بھلا مومل نے کون سا سکھ ہے جو انہیں نہیں دیا۔ بیٹی جوان ہوتی ہے تو ماں کو سکون مل جاتا ہے اور تم......" غزالہ کے لہجے میں تاسف ہی تاسف تھا۔

"امی میں نے کب چاہا تھا کہ موموکو یوں تکلیف ہو وہ تو بدقسمتی سے میرا ہاتھ چوک گیا۔" وہ بے حد شرمندگی سے بولی۔

"آج کی حرکت ایک طرف پہلے تم نے میرا کون سا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہوا ہے۔ بھابی نے سمدھیوں کی خاطر مدارات کے لیے ڈھیروں سامان منگوایا ہے پہلی بار باقاعدہ طور پر مومل کو دیکھنے آرہے ہیں شیری کو پریشانی الگ لاحق ہے۔"

"ان محترم کا نام مت لیں پتا نہیں کس بات کی خار کھائے رہتے ہیں مجھ سے۔ میرا ہنسنا بولنا ان پر گراں گزرتا ہے خود تو لکڑ پتھر ہیں ہی دوسروں کو بھی جذبات و احساسات سے عاری سمجھتے ہیں۔" وہ تپ کر بولی۔

"تمیز سے نام لو گھر کا اکلوتا مرد اور سربراہ ہے مت بھولا کرو۔" امی ڈپٹ کے بولیں۔

وہ پیر پٹختی اپنے اور مومل کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی۔ مومل مسکن ادویات کے زیر اثر سو رہی تھی انجکشن کی وجہ سے درد کم ہوگیا تھا پر سوجن برقرار تھی۔

"موموسو رہی ہو؟" اس نے سرہانے بیٹھ کے ہولے سے پکارا۔

"نہیں بس ایسے غنودگی سی آگئی تھی۔" مومل نے کہنی کے سہارے سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"سوری موموا تمہارے ساتھ ایسی ٹریجڈی ہوگی یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ میں نے تو صرف بوریت سے نکلنے کا طریقہ سوچا تھا۔" وہ حقیقتاً بے حد شرمندگی سے بولی۔

"ارے نہیں ڈفر! ایسا سوچو بھی مت۔" مومل نے اس کی آزردگی محسوس کرکے محبت سے اس کے ہاتھ تھاما۔

شہریار نے دانش مندی سے کام لیتے ہوئے مناسب سے ایکسکیوز کے ساتھ نواز کے گھر والوں سے معذرت کرلی کہ وہ اپنا وزٹ اگلے ہفتے رکھیں۔ وہ مومل کو رجیکٹ تو کیا کرتے لیکن مومل تکلیف میں مبتلا ہونے اور مہمانوں سے اس شکل میں ملاقات کا سوچ کر ہی گھبرا رہی تھی سو اپنی بہن کی شرمندگی اور گھبراہٹ کو دیکھتے ہوئے اس نے مناسب بہانے سے انہیں ٹال دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

آج مومل کی مہندی تھی روشنیاں، رنگ برنگے آنچل مہکتی خوشبو کی لپٹیں، پُر مسرت قہقہے، انتہائی باریک کرنکل شفون کی آف وائٹ لانگ شرٹ پر موتیوں اور نگینوں کا دیدہ زیب کام کیا گیا تھا۔ لمبے سے دوپٹے اور تنگ چوڑی دار پاجامے میں ملبوس لمبے سیاہ سلکی بال اور مناسب میک اپ وجیولری کے ساتھ یسمل کتنی خوب صورت لگ رہی تھی اس کا اندازہ اسے خود پر پڑتی لاتعداد ستائشی نظروں سے ہورہا تھا لیکن اسٹیج پر مومل کے پہلو میں بیٹھے خود کو لاتعداد نظروں کے حصار میں سے خود پر کافی دیر سے بڑی دوشوخ و گہری نظریں کافی الجھن میں مبتلا کررہی تھیں تبھی وہ غیر محسوس انداز میں اسٹیج سے نیچے اتر آئی تھی۔

ہنگامہ اپنے عروج پر تھا نواز کی شادی شدہ رشتہ دار خواتین مومل کو مہندی لگا کر باری باری مٹھائی کھلا رہی تھیں۔ بے حد ہینڈسم اور دراز قد ارسلان حیدر اپنا موبائل جب سے نکال کر اسٹیج پر ہونے والی کارروائی کو محفوظ کرنے لگا مگر جس سفید لباس والی اپسرا کے دو کلوز اپ لینا چاہ رہا تھا وہ تو وہاں دکھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ اپنے کزن نواز کی مہندی کا فنکشن

اٹینڈ کرنے کی خاطر آج ہی اسلام آباد سے گاؤں پہنچا تھا۔ اس نے بے تابی سے اس کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں، سامنے بیلے کی لڑیوں سے سجے بار سے ٹیک لگائے وہ نظر آگئی تھی اس نے سکون کا سانس لیا۔ ارسلان نے ایک دم سے سامنے آکر موبائل میں کئی کلوز اپ لے ڈالے تھے یسمل تو اس حرکت بلکہ جرأت پر ہکا بکا رہ گئی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے کسی کی اجازت لیے بغیر اس کی تصویر لینا کہاں کی تہذیب ہے؟" چند ثانیے بعد جب وہ حواس میں لوٹی تو غصے سے چیخ پڑی۔

"بے ہودگی...... میں تو قدرت کے حسین نظاروں کو ہمیشہ سے اپنے کیمرے میں قید کرنے کا عادی رہا ہوں، جانتی ہو کیوں اگر خوب صورت چیزوں کو نظر انداز کیا جائے تو یہ ان کی سراسر ناقدری ہوتی ہے۔" وہ اس کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے پر بغور نظر جماتے ہوئے بہت آرام سے بولا۔

"ہائی نٹ...... اپنی اس فضول لاجک کے ساتھ یہاں سے دفع ہوجائیں ورنہ میں کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا سکتی ہوں کیونکہ آپ میرے ہی گھر میں کھڑے ہیں۔" وہ سخت دھمکاتے ہوئے انداز میں بولی مگر ادھر خاک اثر نہ ہوا۔

"تو آپ کے ہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟" بے حد دوستانہ انداز میں پوچھا گیا۔ یسمل تو اس کی بے تکلفی پر کھول کر رہ گئی تھی۔

"مہمانوں کے ساتھ نہیں صرف آپ جیسے وبال جان مہمان کو تو میں دھکے دے کر بھی گھر سے باہر نکلوا سکتی ہوں۔" چبا چبا کر بولتے ہوئے اس نے سر سے پاؤں تک ارسلان پر ایک سخت نظر ڈالی اور تیزی سے اندر کی طرف چل دی۔

غصے سے کھولتے ہوئے وہ اپنی ہی جھونک میں کسی سے بُری طرح جا ٹکرائی ٹکر اتنی زور سے تھی کہ ایک لمحے کو نظروں کے سامنے تارے ٹمٹما اٹھے۔ اس نے مقابل کی خبر لینے کو جونہی سر اٹھایا شہریار عادل کو اپنی طرف خشمگیں نظروں سے دیکھتا پاکے دل میں مچلتے کوسنے اندر ہی اندر دم توڑ گئے۔

"یہ آنکھیں جو اللہ نے دی ہیں ان کا بنیادی اور بہترین مصرف یہ ہے کہ بندہ انہیں پوری طرح کھول کر پورے دھیان سے چلے تاکہ نہ تو خود کو شرمندگی ہو اور نہ ہی سامنے والا کوفت محسوس کرے۔" ارسلان سے ہونے والی جھڑپ پر وہ پہلے ہی غصے سے لبالب بھری ہوئی تھی اس پر مستزاد شہریار نے بُری طرح جھاڑ دیا تھا۔

"بہت خوب یعنی کہ شرمندگی میرے کھاتے میں ڈال دی آپ کو تو جیسے میرا دماغ گھما کے لطف ہی ملتا ہے ابھی تک گول گول میرا سر گھوم رہا ہے۔" وہ کمر پر دونوں ہاتھ جما کے باقاعدہ لڑنے والے انداز میں بولی۔

"اُفوہ...... تم سے بات کرنی ہی وقت کا ضیاع ہے ہٹو میرے سامنے سے۔" درشتی سے کہہ کر اس نے ایک ہاتھ سے یسمل کو یوں پرے ہٹایا کہ وہ ہائی ہیل کے سبب لڑکھڑا کر ڈریسنگ ٹیبل کا کونہ تھام گئی ورنہ تو زمین بوس ہوچکی ہوتی۔

کاجل سے سجی گہری شفاف آنکھوں کے نچلے کنارے اسے بھیگے سے معلوم ہوئے کاجل کی لکیریں نمی سے پھیل چکی تھیں۔

آج کی محفل میں بلاشبہ اسے ہر ایک نے سراہا تھا مومل کی سسرال میں سے کتنی ہی لڑکیوں نے اس سے پوچھا تھا وہ کہیں انگیجڈ تو نہیں ہے اس کا جواب نفی میں ہونا تو سامنے والی کی خوشی دیدنی ہوتی۔ وہ ان کے بے ساختہ ردعمل پر بس ہنستی ہی رہی کسی کو وہ بھابی تو کسی کو مامی چاچی کے روپ میں پرفیکٹ لگ رہی تھی۔ وہ حقیقتاً ان کے محسوسات کو انجوائے کررہی تھی پتا نہیں کیوں اس وقت دل بھر آیا تھا اپنی کیفیت اسے خود ہی سمجھ نہ آرہی تھی۔ شہریار تو ہمیشہ ہی سے اس کی حرکتوں پر بلاتکلف اسے جھاڑ دیا کرتا تھا اگر آج ڈانٹ دیا تھا تو کون سی انہونی ہوگئی تھی آج کون سا خاص دن تھا۔

"ہاں آج خاص دن ہی تو تھا مومل کی مہندی تھی اور اس فنکشن میں بلاشبہ میں مرکز نگاہ رہی تھی۔ داد وستائش سے میرا دامن مالا مال ہے پھر کیا ہے جو شہریار نے ہلکے سے

جھڑک دیا بس میں خود ہی اس کے رویے کو زیادہ محسوس کرگئی ہوں۔" دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ بے دھیانی میں گجرے نوچنے لگی' شفاف آبی قطرے گھنیں رخساروں پر لڑھک آئے تھے۔

❀❀❀

پورا گھر مختلف خوشبوؤں سے مہک رہا تھا' شادی کے بعد آج موئل اپنے شوہر نواز کے ساتھ آئی تھی۔ غزالہ اور فرخندہ کچن میں موجود لاتعداد ڈشز بنانے میں مصروف تھیں ساتھ ہیمل کو بھی اپنے ساتھ لگا رکھا تھا موئل کی باضابطہ طور پر شادی کے بعد پہلی دعوت تھی سو وہ خوشی سارے کام نمٹا رہی تھی ورنہ گھر کے کاموں کو ہاتھ لگانا تو اس پر جیسے حرام تھا۔

نواز ہیمل کی توقعات وخدشات کے برعکس بہت سلجھا ہوا' روشن خیال اور مہذبانہ اطوار کا مالک انسان ثابت ہوا تھا۔ موئل کے چہرے پر کھیلتی مطمئن و پُرمسرت مسکراہٹ نے بخوبی باور کرادیا تھا کہ نواز شہریار کی بتائی ہوئی تمام خصوصیات پر پورا اترا ہے۔ نواز کی پُرجوش ووالہانہ رفاقت نے موئل کو چند دنوں میں ہی اتنا خوب صورت بنا ڈالا تھا کہ ہیمل تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"یار موئل یہ نواز بھائی نے ایسا کیا جادو کردیا ہے کہ بات کرنے سے پہلے تم ہنس پڑتی ہو؟"

"محبت میری جان! صرف محبت۔ میں نواز علی کی محبت کی پھوار میں بھیگ کر نکھر گئی ہوں سچ ہیمل! بھائی نے ایسا ہیرا صفت انسان میرے لیے چنا ہے کہ میں تاحیات ان کے لیے دعا گو رہوں گی۔" نئی نئی قربت کے خمار میں ڈوبی موئل کا لہجہ بھی کھنک دار تھا۔

"پتا ہے نواز کی کتنی ہی کزنز تم پر جی جان سے فدا ہوچکی ہیں سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ وہ پیاری سی نازک سی لڑکی کہیں کمیٹڈ تو نہیں مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ وہ میرے شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والے بھائی کے لیے ہے۔" کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے موئل مسکراتے ہوئے بولی۔

"منہ دھو رکھو میں کوئی تمہارے بھائی وائی سے شادی نہیں کرنے والی۔" وہ موئل کی خواہش سے بخوبی آگاہ تھی تبھی آرام سے بولی' پھر بالوں سے نکال کر وہ گجرے بے پروا ہوگئی تھی' موئل خاصا برا مان گئی تھی۔

"ناشکری ہو تو' گھر بیٹھے اتنا ہینڈسم وجیہہ بھائی سوچ رہی ہوں ورنہ پوچھو میرے سسرال والوں سے ایک سے ایک لڑکی شیری بھائی پر مرتی تھی۔ شادی پر کتنی ہی لڑکیوں نے فری ہونے کی کوشش کی مگر مجال ہے جو کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہو۔" موئل کو تو بس موقع ملنا چاہیے تھا بھائی کی تعریفوں کا۔

"تو دیکھ لیتے کوئی گناہ تھوڑی ہے۔" وہ جل کر بولی' دھیان میں اس دن کا شہریار کا روڈ رویہ یاد آ گیا تھا۔

"پتھر دل ہے تمہارا بھائی' مسکرانا تو جیسے گناہ ہے ان کے نزدیک۔"

"مسکراتا نہیں صرف لڑکیوں سے مسکرا کر بات کرتا۔" موئل نے فوراً تصحیح کی۔

"تو کیا لڑکیاں اللہ کی مخلوق نہیں ہیں ان کے پاس دل نہیں ہوتا' تمہارے بھائی سے شادی کا مطلب میرے لیے تو خودکشی ہی ہے۔ منہ کا ایسا زاویہ ہر وقت بنا رہتا ہے جیسے کڑوی کونین نگل لی ہو اپنی بھابی کے لیے کوئی اپنے سسرال سے الہڑ مٹیار دوشیزہ ہی ڈھونڈ لو جس نے کوئی ایک گیلن تیل سر پر انڈیل رکھا ہو پاؤ بھر سرمہ آنکھوں میں ہو اور سر جھکائے بس جی حضوری کرتی رہے۔ میرے تو اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ہر چیز پر انہیں اعتراض ہے۔ مزاج پہلے کیا کم تھا اب تو پولیس جاب نے تو جیسے سونے پر سہاگے والا کام کردیا ہے۔ ان کی موجودگی میں ہر وقت گھر میں کرفیو کا سماں ہوتا ہے' شکر ہے جاب کی وجہ سے گھر میں کچھ سکون سے بندہ کھا پی تو لیتا ہے۔" وہ غصے کے عالم میں بولے جارہی تھی۔

"ہیمل! تم بھائی سے اس حد تک خار کھائے بیٹھی ہو میں جانتی نہ تھی۔" موئل آزردگی سے بولی۔ اسے حقیقتاً ہیمل کے خیالات جان کر دکھ ہوا تھا۔

❀❀❀

تم جس ادائے خود سری پر ہو مغرور
نصاب عشق میں وہ ظلم کی حد ہوتی ہے

وہ میسج پڑھ کر سلگ اٹھی تھی۔ موئل کی شادی سے لے کر اب تک اسے ارسلان حیدر کی طرف سے لاتعداد رومانوی میسجز اور کالز موصول ہو چکے تھے۔ بقول ارسلان کہ وہ اس کے طوفانی عشق میں مبتلا ہو چکا ہے جب سے اس نے ہیمل کو دیکھا ہے دل کا سکون اور نظر کا چین لٹ گیا ہے بس اس کی من موہنی صورت آنکھوں میں بسی ہے' دل کی ہر دھڑکن پر صرف اسی کا نام ہے' وغیرہ وغیرہ۔

ہیمل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے جان چھڑائے' کال تو وہ اٹینڈ کرتی ہی نہیں تھی بس میسجز پر ہی خوب برا بھلا کہہ کر لکھتی تھی مگر مجال ہے جو ادھر اثر ہو۔

"ہیمل! کیا بات ہے بیٹا! تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟" غزالہ اندر آئیں تو اسے موبائل ہاتھوں میں تھامے پریشان سا دیکھ کر متفکر ہوگئی تھیں۔

"ارے نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ یک دم خیالوں سے چونک کر باہر نکلی۔

"اچھا تو پھر جاؤ فرخندہ بھابی سے پوچھو بجلی کے بل انہوں نے کہاں رکھے ہیں آج آخری تاریخ ہے جمع کرانے ہیں۔" ماں کی بات پر وہ سر ہلا کر باہر نکل آئی' بچی فرخندہ کے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے جونہی ناب پر ہاتھ رکھا تو اندر سے اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔

"نہیں امی! آپ میرے لیے ایسا سوچیں بھی مت' ہیمل کہاں سے میرے لیے پرفیکٹ لگتی ہے۔" شہریار نے مضبوط لہجے میں ماں کی بات کی نفی کی۔

"شیری! تمہارا اعتراض سراسر بے بنیاد ہے' یہ ٹھیک ہے کہ ہیمل میں لاابالی پن زیادہ ہے معاملات کو زیادہ سنجیدہ نہیں لیتی مگر یہ رد کرنے کی کوئی خاص وجہ تو نہ ہوئی اس عمر میں تو سبھی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں' بے پروا اور کھلنڈری......" فرخندہ نے بیٹے کو قائل کرنا چاہا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے امی! مگر یہ بھی تو دیکھیں ہیمل میں نام کی بھی میچورٹی نہیں ہے محترمہ کو جہاں بھر کے فیشن کا پتا ہے لیکن گھرداری کی الف ب نہیں آتی۔ موئل نہیں ہے تو اب اسے گھر کے کاموں کی طرف کچھ تو جہ دینی چاہیے مگر اس کا تو وہی حال ہے۔" حسب عادت شہریار نے بڑے آرام سے اس کی ذات کے بخیے ادھیڑے تھے جبکہ وہ باہر کھڑی احساس توہین سے اپنی جگہ سن کھڑی رہ گئی تھی۔ غم و غصے سے حالت ایسی خراب ہوئی کہ ٹھہرنا دوبھر ہوگیا تھا فوراً پاؤں پٹختی وہاں سے واپس آ گئی۔

"بیٹا میں اب بہو ڈھونڈنے کے لیے کہاں دھکے کھاتی پھروں میرے ساتھ ساتھ غزالہ کی بھی یہی خواہش ہے گھر کی بچی ہے ایسے انمول ہیرے کہاں ملتے ہیں۔ سچ پوچھو تو گھر کی رونق اسی کے دم سے ہے ورنہ تو ہم دو بڈھیوں کا ہونا تو بس نہ ہونے کے برابر ہے۔" فرخندہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولیں۔

"امی! آپ کے حکم سے سرتابی کی مجال بھلا مجھ میں کہاں...... ہیمل ہو یا کوئی اور بس فی الحال ایک دو سال تک شادی کا نام نہ لیں۔ میری سروس کا اسٹارٹ ہے پھر جہاں بھی اور جب آپ چاہیں گی میں تیار ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ماں کے پہلو میں بیٹھ گیا ان کے ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا تو فرخندہ نے اس کی تابع داری پر نہال ہو کر اس کی کشادہ پیشانی چوم لی تھی۔

❀❀❀

وہ صبا سے فون پر لمبی سی گپ شپ لگا کر جب باہر نکلی تو غزالہ اسے دیکھتے ہی غصے سے بولیں۔

"تم جیسی پھوہڑ لڑکی پورے زمانے میں بھی نہ ہوگی' کہا بھی تھا پانی کا خیال رکھنا دیکھا گھر تالاب بن گیا ہاں۔" ٹینک بھرنے کے بعد غزالہ نے پانی کا پائپ گراس پر چھوڑ دیا تھا کہ جب گراس وکیاریاں بھر جائیں تو وہ موٹر بند کروے اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا لیکن جب اپنے موبائل کی ٹون سنی تو وہ اندر چلی آئی اور بیڈ پر رکھے موبائل کی اسکرین پر صبا کا نام دیکھ کر اس نے کال ریسیو کرلی تھی اور اس سے باتیں کرتے ہوئے بھول ہی گئی کہ

امی نے کوئی کام ڈھنگ سے لگایا تھا۔

اب جو باہر نکلی تو دیکھا پانی باہر نکل کر سارے صحن میں پھیل چکا تھا سارا گھر جل تھل ہو رہا تھا۔

"اُفوہ امی اس میں اتنا پریشان ہونے والی کون سی بات ہے پانی کا رخ سیوریج پائپ کی طرف کردیں پانی خود بخود نکل جائے۔" ناشپاتی کھاتے ہوئے اس نے آرام سے مشورہ دیا۔ غزالہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے وائپر اٹھا کر پانی نکالنے لگیں۔

اس پر آج کل عجیب سی خودسری سوار تھی جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دے۔ ہر کام کو غلط طریقے سے انجام دیتی تھی کھانا پکاتی تو نمک تیز کردیتی وغیرہ وغیرہ۔ آج صبح ناشتے میں ابلے ہوئے انڈوں کی بجائے کچے انڈے رکھ دیے تھے شہریار نے فورک سے انڈہ توڑا تو اپنے بھیگے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے اس کا دل چاہا کہ یسل کو ایسا ہاتھ جڑے کہ دماغ ہی گھوم جائے اس بدتمیز لڑکی کا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ محض اسے تپانے اور غصہ دلانے کے لیے ہی ایسی حرکتیں کرتی ہے بچی کے سامنے تو شہریار غصہ پی گیا تھا مگر غزالہ نے اس کے خوب لتے لیے تھے۔

"آخر ان حرکتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو یہی ناں کہ میں نے تمہاری ایسی تربیت کی ہے۔ باز آجاؤ یسل! ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔" غزالہ نے سخت لہجے میں اسے دھمکایا تھا۔

"امی! آپ جانتی تو ہیں یہ گھر کے کام مجھ سے نہیں ہوتے۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولی تو غزالہ قدرے نرم پڑ گئیں۔

"بیٹا سلیقہ، گھر گرہستی بس انہی چیزوں سے تو عورت کی زندگی عبارت ہوتی ہے چاہو نا چاہو بھی گھر کے کاموں میں دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ آگے کے فیشن نہیں صرف ہنر اور سلیقہ کام آتا ہے۔" غزالہ سادگی سے کہہ کر تکیے پر غلاف چڑھانے لگیں اور وہ ماں کے خیالات سن کر بے ساختہ ہنس دی تھی۔

❁ ❁ ❁

انہیں ہم یاد آتے ہیں مگر فرصت کے لمحوں میں
مگر یہ بھی سچ ہے کہ انہیں فرصت نہیں ملتی

میسج ٹائپ کرنے کے بعد وہ یونہی خالی الذہنی سے اسکرین کو دیکھے گئی پھر بے اختیار میسج کو ارسلان حیدر کے نمبر پر بھیج دیا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا اس نے کیوں کیا تھا ارسلان پچھلے آٹھ مہینوں سے مسلسل اس سے رابطہ کرنے میں لگا ہوا تھا بلا مبالغہ اسے روزانہ سینکڑوں ایس ایم ایس بھیجتا تھا جس میں اس کی محبت، خوب صورتی اور اپنی بے تابی بے قراری کا اظہار ہوتا تھا لیکن وہ اس کے التفات و والہانہ انداز کا جواب ہمیشہ رکھائی سے دیتی آرہی تھی میسج کا جواب بھی بھول کر بھی نہ دیا تھا فون کال فوراً ڈس کنکٹ کردیتی۔

غزالہ نے جن خطوط پر اس کی تربیت کی تھی ان میں اپنی نسوانی جوہر کی حفاظت سرفہرست تھی۔ کبھی بھولے سے بھی ماں کی تربیت کو مجروح کرنے کا خیال دل میں نہ آیا تھا خاندان میں سے کتنے ہی چاہنے والوں نے دست طلب اس کی طرف بڑھایا مگر وہ ان ساری آفرز کو بے اعتنائی سے نظر انداز کردیتی تھی۔ پتا نہیں آج کیسے ارسلان کو میسج کر بیٹھی معلوم نہیں یہ حرکت شعوری تھی یا لاشعوری۔ وہ مضطرب کیفیت میں اٹھ کر ٹہلنے لگی اگلے ہی لمحے اس کے موبائل کی رنگ بج اٹھی توقع کے عین مطابق نمبر ارسلان کا تھا ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے او کے کا بٹن پش کردیا۔

"ہائے گاڈ یسل! مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا یار! تم مجھے بخشو گی۔ دیکھا آخر میرے جذبے سرخرو ٹھہرے میری لگن رنگ لے ہی آئی۔" دوسری طرف وہ بولے جا رہا تھا وہ بس چپ چاپ اسے سنے گئی۔

"ارے کچھ بولو گی نہیں، کب سے بس میں ہی بولتا آرہا ہوں۔" وہ اس کی خاموشی پر ٹوک گیا تھا وہ پھر بھی خاموش رہی تھی اصل میں اسے ارسلان کو سننا اچھا لگ رہا تھا اس کا بولنے کا دلنشین انداز گمبھیر لہجے میں جب وہ اسے سراہتا تو وہ گم صم سی بس اس کی سنے جاتی۔ اس کے تو لفظ کہیں کھو

گئے تھے اور پھر آنے والے دنوں میں اس کا معمول بن گیا ارسلان سے چیٹنگ کرنا رات گئے تک اس سے باتیں کرنا جب غزالہ خوب گہری نیند سو چکی ہوتیں۔

❁ ❁ ❁

"نہیں نہیں ارسلان...... یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ ارسلان کا مطالبہ سن کر گھبرا اٹھی تھی۔

"یار میں تم سے ملنا چاہتا ہوں کسی خوب صورت سی جگہ پر کب تک تم مجھے میسجز سے بہلاتی رہو گی بس کل کسی ریسٹورنٹ میں ملتے ہیں۔" ارسلان کسی قدر ضدی لہجے میں بولا۔

"تم جانتے نہیں ہو میری امی مجھے جان سے مار ڈالیں گی اگر انہیں علم ہوگیا تو......"

"تو تمہیں مجھ پر میری محبت پر بھروسہ نہیں ہے۔" وہ ایک دم خفا سا ہوا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے میں یہ سب نہیں کرسکتی۔" یسل بے بسی سے بولی۔

"ارے محبت کرنے والے تو بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جاتے ہیں کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتے میں کون سا تمہیں کچے گھڑے پر تیر کر آنے کی فرمائش کررہا ہوں بس تمہارے گھر کے سامنے جو ڈرنک کارنر ہے وہاں انتظار کروں گا۔ آج کل میں آفس کے کام کی خاطر ایک دو ہفتوں کے لیے اس شہر میں آیا ہوا ہوں اس گولڈن چانس کو مس کرنا نہیں چاہتا بس تم ایک بار آکر مجھ سے مل لو۔ تمہاری دید سے سیراب ہوکر چلا جاؤں گا پلیز۔" ارسلان اتنی عاجزی سے گڑگڑایا کہ اسے ماننے ہی بنی۔

اگلے دن اس نے اپنی وارڈروب سے بلیک جارجٹ کا مہین سوٹ نکالا جس پر بلیک موتی ستاروں کا کام کیا گیا تھا بلیک اسٹون کی جیولری نے اس کے حسن کو دو آتشہ بنا ڈالا تھا۔ غزالہ کو اس نے صبا کی برتھ ڈے پارٹی کا کہہ کر مطمئن کردیا تھا چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر جب وہ گھر سے نکلی تو دل تیزی سے دھڑک رہا تھا ہاتھ کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوئی جارہی تھیں۔ ارسلان مین روڈ پر اپنی گاڑی سے ٹیک

اقصیٰ ہاشمی

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کرام آپ سب کو میری طرف سے محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ میں 12 مارچ 1998ء کو شورکوٹ سٹی میں پیدا ہوئی میرا اسٹار سرطان ہے گو کہ اسٹارز پر یقین تو بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر بات کی جائے پسند ناپسند کی تو کھانے میں بریانی، قورمہ، برگر بہت پسند ہے۔ چاندنی رات، ٹھنڈی ہوا اور کافی اور کتاب کا ساتھ بہت پسند ہے۔ رنگوں میں پنک اور بلیک پسند ہے اور جیولری میں بریسلیٹ اور کنگن بہت پسند ہے۔ لباس میں اسکرٹ اور ساڑھی بہت ہی پسند ہے میری کزن فرینڈ علیمہ ہم دونوں اکٹھی مل کر آنچل پڑھتی ہیں اور خوب آپس میں لڑتی ہیں۔ اجازت دیجئے اللہ حافظ۔

لگائے اس کا منتظر کھڑا تھا اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔

"کیا خیال ہے ریسٹورنٹ جانے سے پہلے مارکیٹ کا چکر نہ لگا لیا جائے؟" ارسلان نے ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا ساتھ گاڑی کی رفتار بھی تیز کردی تھی۔

"نہیں نہیں، مارکیٹ نہیں جانا...... کسی نے دیکھ لیا تو......؟" وہ گھبرا کر بولی ارسلان بدمزہ ہوا تھا۔

"یار ایک تو تم ڈرتی بہت ہو جب پیار کیا تو ڈرنا کیا......؟" وہ اس کے ماتھے پر چمکتے پسینے کے قطروں کو دیکھ کر ہنس پڑا۔

"پتا ہے یسل! تم خدا کی صناعی کا شاہکار ہو تمہاری غزالی آنکھیں ایک سحر دھار رہی ہیں لب ایسے کہ گلاب جل جائیں جب میں نے پہلی بار تمہیں نواز کی مہندی میں دیکھا تھا تو گنگ رہ گیا۔ تم ہوا کا جھونکا ہو تا مد بہار ثابت ہوئی ہو۔" وہ جیسے مخمور لہجے میں بول رہا تھا اور وہ سحر زدہ سی سنے جارہی تھی لفظوں کے جگنوؤں نے اس کے گرد حصار باندھ دیا تھا۔ تیزی سے دھڑکتا دل یکدم پرسکون ہوگیا تھا اضطراب اور بے چینیاں منہ چھپا کر کہیں روپوش ہوچکی تھیں۔ وہ لفظوں سے بہلنے کی عادی تھی خوب صورت الفاظ اس کی کمزوری رہے تھے اور ارسلان حیدر تو تھا ہی لفظوں کا

چادوگر...... گاڑی اب رہائشی حدود سے نکل کر ویرانے سے گزر رہی تھی۔ یمل کو دور نزدیک کسی ریسٹورنٹ تو کیا کسی آبادی کا نشان تک نظر نہ آیا۔

"یہ ہم کہاں آگئے ہیں؟ نہ مارکیٹ نہ ریسٹورنٹ؟" یمل نے کسی قدر اندیشے سے پوچھا تھا۔

"بس ڈیئر! فی الحال تو میں ادھر اپنے بنگلے سے ایک ضروری فائل لینے آیا ہوں' مجھے ابھی ابھی یاد آیا ہے کہ آج ہی فائل مجھے آفس پہنچانی ہے' میرا آفس اسی سائیڈ پر ہے۔ اسی لیے سوچا کہ فائل لیتا چلوں' تمہیں گھر ڈراپ کرنے کے بعد آفس کی راہ لوں گا۔" ارسلان نے انتہائی اطمینان سے اپنا منصوبہ اس کے گوش گزار کیا تھا۔

اس ایریے میں ہاؤسنگ اسکیموں کے تحت کنسٹرکشن کا کام جاری تھا' جابجا اینٹوں' بجری اور بلاکس کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ ادھورے گھروں کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں خوب صورت اور جدید طرز تعمیر کے نمونے شاندار سے بنگلے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے ہی شاندار سے ایک بنگلے میں ارسلان اسے لے آیا تھا۔

"ڈارلنگ! تم ذرا بیٹھو میں تمہارے لیے کچھ لاتا ہوں۔" ارسلان ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے بہت پیار اور نرمی سے بولا تھا۔

"نہیں ارسلان! آپ فائل لے لیں پھر ہم چلتے ہیں۔" وہ تیزی سے بولی' دل کسی انجانے خدشے سے دھڑک رہا تھا۔

"جان ارسل! ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ تم ایزی فیل کرو' یہ تمبو تو کم از کم اتار دو' تمہارے کومل بدن کی حشر سامانیاں تو فی الحال نظر سے اوجھل ہیں۔" بہت آرام سے بولتے ہوئے ارسلان نے اس کی چادر اتارنا چاہی لیکن یمل نے دونوں ہاتھوں سے بڑی سختی سے چادر کو پکڑ لیا۔

اسے پہلی بار ادراک ہوا تھا کہ اس نے گھر سے نکل کر ارسلان کی گاڑی میں بیٹھنے کی بہت بڑی حماقت کی ہے اور اس سے بڑی حماقت اس ویران جگہ پر اس گھر میں ارسلان کے ہمراہ قدم رکھنا' اس کا تیزی سے دھڑکتا دل خوب باور کرا رہا تھا کہ وہ کسی بڑے نقصان سے دوچار ہونے والی ہے۔

"نہیں ارسلان! یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے ہراساں سی ہو کر کہہ رہی تھی۔

"کیا ٹھیک ہے کیا غلط' میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ہوں' تم ہو اور بس یہ تنہائی ہے۔" خواب ناک لہجے میں بولتے ہوئے ارسلان نے اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا تھا۔

"دور ہٹو کمینے...... خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا تو۔" بھرائی ہوئی آواز میں چلاتے ہوئے یمل نے پوری طاقت سے ارسلان کے سینے پر دونوں ہاتھوں کا زور ڈال کر اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

ارسلان اس دھکے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا فوراً لڑکھڑاتا ہوا پیچھے رکھے صوفے کی ہتھی سے سر بری طرح جا ٹکرایا تھا۔

"آج مجھ سے بچ کر دکھاؤ تو سہی۔" وہ غصے سے چنگھاڑتا ہوا اٹھا اور یمل پر جھپٹا تھا۔

یمل نے لمحے کے ہزارویں حصے میں جسم کو حرکت میں لاتے ہوئے باہر کی طرف دوڑ لگانی چاہی مگر ارسلان نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا۔ بازو کو اتنے زور سے جھٹکا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس کے سینے سے آ لگی اب وہ مکمل اس کے حصار میں تھی' مکمل بے بس اور لاچار......

"ہاں اب بتاؤ کہاں بھاگ کر جاسکتی ہو' تمہارا یہ مومی بدن مجھ سے داد پائے بغیر ہی میری گرفت سے نکل جائے ایسا تو ممکن ہی نہیں۔" وہ اس کے کان کے قریب غرا رہا تھا۔

"خدا کے واسطے ارسلان! مجھ پر رحم کرو' میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہے ہو۔" وہ ہاتھ جوڑ کر اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی مگر ارسلان پر نفس بری طرح غالب آچکا تھا۔

"میں بھی کوئی ایسا لڑکا نہیں ہوں' کب سے تمہیں لائن پر لانے میں لگا ہوں مگر تم کچھ کر بھی انجان بنی میرے صبر کا

امتحان لیتی رہیں۔ آج کل کے دور میں بھلا فون کالز اور ایس ایم ایس پر گزارا کیا جاسکتا ہے؟" وہ اس کے حسین چہرے پر خباثت بھری نظریں گاڑے کہہ رہا تھا اور یہ خباثت دیکھ کر یمل اندر تک کانپ اٹھی تھی۔

ارسلان کی گرفت سے نکلنے کے لیے وہ پورا زور آزما رہی تھی مگر ناکام ہوئی' اپنی نسوانی متاع کو خطرے میں دیکھ کر اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اپنے دانت ہی ارسلان کے بازو پر گاڑ دیئے' ارسلان نے بلبلا کر جونہی دایاں ہاتھ بائیں بازو کو سہلانے کے لیے رکھا تو اسے نکلنے کا موقع مل گیا۔

سامنے ریک پر رکھی بے شمار آرائشی اشیا میں سے پیتل کے گلدان کو اٹھانے اور اپنے پیچھے آتے ارسلان کے سر پر پوری قوت سے مارنے میں چند سیکنڈز ہی لگے تھے۔

ارسلان پیچھے گرا تھا یمل نے سرپٹ دوڑ لگا دی' بے تحاشا بھاگتے ہوئے اس کی چادر کہیں اندر رہ گئی تھی' پاؤں مڑا تو سینڈل کا اسٹریپ ٹوٹ گیا تھا' بھاگتے ہوئے اس نے ٹوٹی سینڈل پاؤں سے نکال دی اور بھاگ کر گیٹ عبور کر گئی۔

❀ ❀ ❀

"سر! ڈیڈ باڈی تو ورثاء کے حوالے کر دی گئی ہے اور موقع پر ملنے والے شواہد ہم نے اکٹھے کر لیے ہیں۔ جائے وقوعہ کی مکمل ویڈیو کلپس لے لی ہیں۔" ایس ایچ او خادم حسین نے بے حد مستعدی سے واقعہ کی تمام تر تفصیلات کی رپورٹ اسے پیش کی۔

"ٹھیک ہے خادم حسین فی الحال تو تھانے چلتے ہیں' کیس میں جو بھی پیش رفت ہوگی تو ہم میڈیا کو آگاہ کرتے رہیں گے۔" خادم حسین کی رپورٹ سے مطمئن ہوتے ہوئے اس نے قدم پولیس موبائل کی طرف بڑھا دیئے۔

آج کل وہ بہاولپور میں تعینات تھا' بہاولپور کی ایک نامی گرامی سیاسی شخصیت کو کسی نے لاہور میں قتل کر دیا تھا آج وہ اسی کیس کے سلسلے میں ادھر آیا ہوا تھا۔ تفتیش کے دوران جو تفصیلات سامنے آئی تھیں ان کی رو سے یہ بنگلہ جہاں قتل وقوع پذیر ہوا تھا' کسی کال گرل کی ملکیت تھا۔ مقتول یہاں اکثر و بیشتر تفریح کی غرض سے آیا کرتا تھا' رات کسی نے انہیں چاقو کے وار سے بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کیس نمٹانے کے بعد وہ گھر کا چکر لگائے گا' کافی دن ہو گئے تھے گھر والوں سے ملاقات کیے۔

چند پولیس اہلکاروں کے ہمراہ اس نے پولیس موبائل میں ڈرائیونگ نشست سنبھال لی تھی' وہ گاڑی کے اگنیشن میں چابی ڈال ہی رہا تھا کہ ساتھ والے بنگلے کے گیٹ سے ایک ننگے سر اور ننگے پاؤں بری طرح حواس باختہ لڑکی بھاگتے ہوئے نکلی تھی اور زوردار طریقے سے اس کی گاڑی کے سامنے والے حصے سے آ ٹکرائی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر تیزی سے نیچے اترا اور اوندھی پڑی لڑکی کو پکارا۔ آنسوؤں سے تر چہرے کو یمل نے جونہی اٹھایا تو سامنے کھڑے شہریار عادل کو دیکھ کر اس کے آنسو خوف و دہشت سے منجمد ہو کر رہ گئے تھے اور شہریار اپنی کزن کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا جس کے سر پر نہ دوپٹہ تھا نہ پیروں میں جوتی...... پھٹے ہوئے کپڑے اور بری طرح الجھے ہوئے بال......!!

❀ ❀ ❀

"بس میرا آیا آخری چکر ہے' آئندہ کبھی جو بھولے سے تمہارے گھر میں پاؤں رکھا تو......" کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے ہوئے صبا بھرپور خفگی سے بولی تھی۔

"ارے یہ غضب کیوں ڈھا رہی ہو' کون سا روز روز میرے گھر آتی ہو۔ آج بھی پورے پانچ ماہ بعد چکر لگایا ہے۔" سیب کی قاشیں نفاست سے کاٹتے ہوئے اس نے حیرانی سے صبا کو دیکھا تھا۔

"پانچ ماہ بعد آئی ہوں تو یہ حال ہے کہ محترمہ ساتھ ٹک کر پانچ منٹ بھی نہیں بیٹھیں اگر روز آئی تو شکل بھی نہ دکھا پاتیں تم تو......؟" صبا کا انداز ہنوز تھا۔

"میں گزشتہ ایک گھنٹے سے آئی بیٹھی ہوں تم ہو کہ ہر پانچ منٹ بعد کچھ نہ کچھ سرو کر جاتی ہو مگر مجال ہے جو آرام سے تسلی سے بیٹھ کر مجھ سے گپ شپ لگائی ہو۔ میرا حال احوال پوچھا ہو' بس یہ کھاؤ وہ کیوں نہیں کھا رہیں' جیسے گھر

سے میں بالکل بھوکی آئی تھی ناں۔" صبا کی ناراضی بجا تھا۔

"سوری یار! مجھے خود بھی احساس ہے میں تمہیں کچھ نہیں دے پائی ہوں مگر یقین جانو صبح سے کام میں لگی ہوئی ہوں مگر کام ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے۔ سردیوں کی آمد سے فرخندہ چچی کا استھما بہت بڑھ گیا ہے رہ گئیں امی تو وہ بھی جوڑوں کے درد اور ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ...... اتنے سارے کام نمٹانا ان کے بس کی بات نہیں سو بیشتر کام میرے ذمہ ہیں۔" اس نے وضاحت دی تو صبا جیسی مخلص اور بہترین دوست ناراض ہوجائے یہ بھی اسے منظور نہ تھا۔

"سیمل تم بہت بدل گئی ہو۔" چند ثانیے بعد صبا بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کہاں سے بدل گئی ہوں' سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟" صبا کی بات پر وہ ہنس دی تھی' ایک پھیکی بے جان ہنسی......

"اگر سینگ نکل آتے تو اتنی حیرت نہ ہوتی یہ تمہیں ہر ٹائم کھانا پکانا' گھر کی صفائی ستھرائی...... ذرا خود کو غور سے دیکھو تم ذرا بھی نہیں بدلیں؟ یہ بالوں کی لمبی سی سادہ چوٹی حالانکہ تم لمبے بال رکھنے کے سخت خلاف تھیں۔ فنکشن تو کیا گھر میں بھی ٹپ ٹاپ رہا کرتیں۔ تم بالکل بھی وہ سیمل نہیں ہو جسے میں برسوں سے جانتی آرہی ہوں۔" صبا اس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولی اور وہ جواباً کچھ بھی نہ بولی تھی کہ صبا کا کہا حرف بہ حرف درست ہی تو تھا۔

کچھ بھی تو نہ بدلا تھا نہ لیل و نہار کی گردش' نہ موسموں کا تغیر فرخندہ چچی کے پیار میں سر مو فرق نہ آیا تھا اور نہ ہی مومل کی محبت میں۔ اس کے یوں بدلنے بلکہ سدھرنے پر بے تحاشا خوش تھیں تو وہ غزالہ تھیں' جنہیں بطور ماں اس کے مستقبل کے خدشے بے چین کیے رکھتے تھے۔ اس کی کتابوں' بے پروائیوں اور بدتمیزیوں کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ ان کی زندگی میں سیمل کا سنجیدہ ہونا ممکن ہے۔

"کہاں تو اٹھانا اپنا محال ہوتا تھا اور کہاں اب نوع بہ نوع کھانے پکانا' پانچ وقت کی نماز' قرآن' بڑوں کا ادب...... میری تو دعائیں مستجاب ہوئی ہیں۔" غزالہ بے حد مسرور تھیں۔

اسے بھی سمجھ نہ آتا تھا کہ وہ ماں کی اس درجہ سادگی پر ہنس پڑے یا رو دے۔ اگر وہ دعاؤں سے راہ راست پہ آئی تھی تو محبت بھی تو ایک دعا ہی ٹھہری ناں' وہ محبت جو اسے شہریار عادل سے ہوئی تھی آج سے نہیں بلکہ شعور کے قدم چھے پر پاؤں دھرتے ہی یہ اونچا لمبا خوبرو' سنجیدہ و مغرور اور کسی حد تک خود پسند کزن اس کی دھڑکنوں میں آسمایا تھا دل و نظر میں آ بسا تھا۔ اسکول سے لے کر کالج تک مومل اسے اپنی بھابی کے طور پر بھی متعارف کرواتی تھی فرینڈز اس سے یہ جاننے کی کوشش کرتیں کہ وہ اتنی خوب صورت ہے تو اس کا منگیتر اسے کن لفظوں میں سراہتا ہے' خاص خاص موقعوں پر کون سے تحائف دیے ہیں اور جواب میں بتانے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ اگر بتاتی تو نری بے عزتی تھی سراسر ذلت...... حقیقت میں بھی اسے شہریار کا وہ تنگ رویہ سخت ناپسند تھا۔ وہ اس کے یوں نظر انداز کیے جانے پر سخت دکھی ہوتی اور ایسے ہی دنوں میں اس نے ارسلان حیدر جیسے سطحی اور ہلکے انسان کی حوصلہ افزائی کر ڈالی تھی جس کے بہت بھیانک نتائج سامنے آئے تھے۔

اپنے جذبوں کو اپنے ہی ہاتھوں پامال کرنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ شہریار عادل تو آج بھی اس کے روم روم میں بسا ہوا تھا چاہے وہ لاکھ اسے ڈانٹے دھتکارے لیکن دل صرف اسی کا تمنائی ہے۔ اس دن پولیس موبائل اپنے اہلکاروں کے حوالے کرکے خود ٹیکسی روک کر ایک غیر معروف بازار سے اس کے لیے دوپٹہ اور جوتے خریدنے کے بعد وہ اسے گھر لے آیا تھا بغیر اس سے کلام کیے۔ سیمل سارا راستہ ہچکیوں میں روتی آئی تھی فرخندہ و غزالہ کو اس نے کچھ کہہ کر مطمئن کردیا تھا کہ راستے میں ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے گاڑی الٹی پڑی تھی زخمیوں اور لاشوں کو دیکھ کر سیمل کو رونا آ گیا تھا' وہ تو وہ کوڑی کی ہو کر رہ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

دھیمی آواز میں مومل نے میوزک لگا رکھا تھا سارے گھر

میں وارنش کی بو پھیلی ہوئی تھی ابھی ابھی مزدور پینٹ کا کام مکمل کرکے رخصت ہوئے تھے۔ مومل اپنے دو سالہ اسعد کو فرخندہ کے حوالے کرکے بری کے جوڑوں کو انتہائی نفاست سے پیک کررہی تھی۔

"ارے شہری سے کہو مہمانوں کی لسٹ ایک بار پھر دیکھ لے کہیں کوئی رہ نہ جائے۔ میرا تو پہلا اور آخری بیٹا ہے' سب کو بلاؤں گی۔" فرخندہ کو یاد آیا تھا۔

"ویسے شہریار ہے کہاں؟"

"اپنے کمرے کو ڈیکوریٹ کرا رہے ہیں' بے چارے ڈیکوریٹر کو اپنی مرضی سے کام ہی نہیں کرنے دے رہے۔ سارا انسٹرکشن تو خود دے رہے ہیں۔" دانت میں دبی پن نکال کر مومل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"سیمل! بیٹا ذرا چوڑیاں پہن کرو دیکھو مجھے لگتا ہے سائز کچھ بڑا بن گیا ہے۔" خاندانی جیولر ابھی ابھی سارے زیورات دے گیا تھا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے غزالہ ڈبے کھولنے لگیں۔

"امی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ مدھم لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولی ایک لمحے کو اسے اپنی آواز بھی اجنبی سی محسوس ہوئی تھی۔

"حالانکہ ناپ بالکل ٹھیک دیا تھا پھر بھی کنگن اتنے بڑے بنائے ہیں' میری بچی اتنی دبلی پتلی ہے کوئی بارہ سن کی بچی ہو جیسے یہ کنگن جا کر اسے فٹ آئیں گے۔" غزالہ کو جیولر پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا اس لیے سیمل کی بات بھی سنی ان سنی رہ گئی تھی۔

"سیمل! تم ذرا انگوٹھی دیکھو تو...... مجھے میری اماں نے دیا تھا موتی میں نے تبدیل کروائے ہیں ذرا سی پالش سے کیسا حسین لگ رہا ہے۔ پتا ہے مجھے بھی اماں کو ان کی ساس یعنی میری دادی......"

"امی! پلیز میری بات سنیں۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جارہی تھیں کہ وہ بے ساختہ انہیں ٹوک گئی تھی۔

"ہاں بیٹا! بولو کیا بات ہے؟" اس کا چہرہ اتنا سنجیدہ اور لہجہ قطعی تھا کہ غزالہ نے زیورات سے نظر ہٹا کر غور کر اسے دیکھا۔

وہ کب سے نوٹ کررہی تھیں کہ سیمل بہت کم گو اور اپنے آپ سے بے پروا ہوتی جارہی ہے لیکن جب سے شادی کی تاریخ پکی ہوئی تھی اس وقت سے بولنا تو دور کی بات اس کا کھانا پینا بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"امی! میں شہریار سے شادی نہیں کرسکتی' آپ پلیز چچی کو منع کردیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی۔ ان چند الفاظ کی ادائیگی میں اس کے جسم و جاں کی جیسے ساری توانائیاں صرف ہوئی ہوں۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے انکار کروں...... کل تمہاری مایوں ہے' کارڈ بٹ چکے ہیں' کچھ دیر بعد مہمان آنے والے ہیں اور میں انکار کردوں؟" غزالہ کا دل چاہا اسے پیٹ ڈالیں غصے سے بلڈ پریشر ایک دم شوٹ کر گیا تھا۔

"پڑھا لکھا' شریف اور نیک اطوار انسان تمہارا نصیب بن رہا ہے اس لیے تمہیں کھجلی پڑ رہی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں اتنے نیک' شریف انسان کی مجھ سے شادی سراسر زیادتی ہے۔" وہ بھرآئے ہوئے لہجے میں بولی۔ آنسو لڑیوں کی صورت میں رخساروں پر بہتے جارہے تھے۔

"ساری زندگی میرا جی جلایا اب بڑھاپے میں بیوہ ماں کے سر پر مٹی ڈلوا رہی ہو جو کچھ بھی تم نے میرے سامنے کہا ہے کسی اور کے سامنے کہا تو میں تمہاری جان لے لوں گی سمجھیں۔" انتہائی سخت لہجے میں اسے تنبیہہ کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں کہ معاً کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی' دونوں نے تیزی سے دروازے کی سمت دیکھا تو شہریار دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آ گیا۔

"چچی! آپ کو امی بلا رہی ہیں۔" غزالہ کچھ کہے بنا باہر چلی گئیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بیڈ پر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ سیمل کی آنکھوں سے ہنوز آنسو جاری تھے۔

بہت سے غم بیان نہیں ہوسکتے بہت سے صدمے کہے نہیں جاسکتے' اس کے لب خاموش تھے بس آنسوؤں سے واردات دل کی تھوڑی بہت ترجمانی ہورہی تھی لیکن شہریار

اس کے سوگوار سکوت اور غم انگیز خوشی کا سبب بخوبی جانتا تھا۔

"لوگوں کی لو اسٹوری میں ٹوئسٹ اس وقت آتا ہے جب کوئی "کیدو ٹائپ" محبت کا دشمن ایک بھڑک دار انٹری دیتا ہے کہ یہ شادی نہیں ہوسکتی لیکن یار! اپنی ہی لو اسٹوری میں تم یہ رول کیوں ادا کررہی ہو؟" بے حد دوستانہ اور نرم لہجے میں بولتے ہوئے شہریار نے اپنی انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"لو اسٹوری......؟" سیمل نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاں میری اور تمہاری لو اسٹوری......" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے شہریار نے اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکا تو اسے وہاں صاف اپنا عکس نظر آیا تھا۔

"کیا یہ لازمی ہوتا ہے کہ ہر لو اسٹوری میں دو محبت کرنے والے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چاہت و الفت کے نغمے سارے جہاں کو سناتے پھریں، کیا اپنی محبت کا خیال رکھنا، اپنے چاہنے والے کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنا، اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچانا، کیا اہل محبت کا شعار نہیں ہوتا؟" شہریار کا لہجہ اتنا نرم میٹھا اور دل نشین تھا کہ سیمل کو لگا جیسے ایک طلسم سا اس کے گرد بندھ گیا ہو اگر اس نے سر اٹھایا یا منہ سے کوئی لفظ نکالا تو یہ طلسم ٹوٹ جائے گا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے برگشتہ کیوں ہوگئیں، میرا رعب جمانا تمہیں برا لگتا تھا، میری روک ٹوک تم پر گراں گزرتی تھی بھی تو تم انتقاماً وہ رنگ ڈھنگ اپناتی گئیں جو مجھے سخت ناپسند تھے۔ ارسلان کے جال میں دانستہ پھنسنا بھی اسی انتقام کی ایک کڑی تھی۔" وہ بولتے بولتے رک گیا تھا، سیمل نے اپنے ہونٹ اتنی شدت سے کاٹے تھے کہ خون چھلک آیا۔

"تمہیں کبھی میری محبت کا اندازہ نہیں ہوا ہاں اگر میں تمہارے حسن کی مدح سرائی کرتا، اپنے وحشت و جنون کے قصے تم سے بیان کرتا یا تمہارا ہاتھ پکڑ کر کسی لو پوائنٹ پر ڈنر کرانے لے جاتا تو سوچو اس گھر میں تمہاری ہم عمر میری ایک بہن بھی تھی اس کی سیرت و تہذیب متاثر نہ ہوتی؟" سیمل کا دل چاہ رہا تھا یہ وقت تھم جائے، یہ ساعتیں رک جائیں۔ ہر وقت تیوریاں چڑھائے دہاڑتا، چنگھاڑتا بندہ بھی محبت کرسکتا ہے۔

وہ اس سے محبت کرتی تھی شہریار یہ تسلیم کرچکا تھا اور شہریار اس سے شدید محبت کرتا ہے اس کا اظہار بھی وہ کرچکا تھا اب کہنے سننے کو کیا باقی رہ گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چونکے تھے شہریار نے ایک گہری سانس کھینچی تھی۔ سیمل کو بھی احساس ہوچکا تھا کہ وہ کل سامنے بیٹھے شخص کے نام کی مہندی اپنے ہاتھوں پر رچانے والی ہے یوں منہ کھول کر اس کے سامنے بیٹھنا مناسب نہیں اپنی جگہ سمٹ گئی تھی۔ خوامخواہ دوپٹے کو سر پر ٹھیک کیا تھا۔ چہرے کی زردی پر شرم کی لالی غالب آنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے سامنے سے اٹھتی شہریار نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سنا ہے لوگ خود ساختہ وہموں، بے بنیاد خدشوں میں کڑھ کڑھ کر خود کو گھلاتے رہے ہیں۔ چچی نے ناپ ٹھیک دیا تھا، جیولر کی بھی غلطی نہیں بس تم خود ہی گھل گھل کر آدھی رہ گئی ہو چلو یہ کنگن پہن کر دکھاؤ کتنے کھلے لگتے ہیں۔" اس نے باکس سے کنگن نکال کر اس کی کلائی میں چڑھا دیے تھے۔ مارے شرم کے سیمل سے بیٹھنا دشوار ہورہا تھا......

شہریار نے اس کی گھنیری پلکوں کی لرزش اور گلابی ہونٹوں کی تھرتھراہٹ کو بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"سنو! زندگی کی شاہراہ بہت واضح، کشادہ اور صاف ہے بہت خوب صورت اور خوشبو بھری...... ہماری محبت کے دیے اس کو روشن اور تاباں بھی بنادیں گے ان دیوں کی لو کبھی تھرتھرانے نہ دیں گے۔ کیا ان دیوں کو تاحیات فروزاں رکھنے میں میرا ساتھ دوگی ناں؟"

وہ ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھ رہا تھا، شہریار کے ہاتھ میں ابھی تک اس کا ہاتھ تھا۔ سیمل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا کہ محبت کا جواب محبت سے دینا بھی تو سرشت عشق میں شامل ہے۔

میرے روز و شب بھی عجیب تھے نہ شمار تھا نہ حساب تھا
کبھی عمر بھر کی خبر نہ تھی، کبھی ایک پل کو صدی کہا
مجھے جاننا بھی کوئی نہ تھا میرے بے نیاز تیرے سوا
نہ شکست دل نہ شکست جاں کہ تیری خوشی کو خوشی کہا

"نورا پلیز بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" زوہیب رحمان نے ایک لاچار نگاہ سرد مہر بیٹھی نور العین پر ڈالی اور آخری کوشش کی کو کہ یہ سب بے سود ہی تھا۔

"اس بات پر کوئی سمجھوتہ نہیں زوہیب! میں آپ پر اپنا سب کچھ وار سکتی ہوں مگر......" بات ادھوری چھوڑ کر وہ لب بھینچ گئی جیسے لفظوں کے توسط سے نکلنے والی اذیت کے لیے در مقفل کررہی ہو۔

"اگر ہمارے لیے کاروبار نفع بخش ثابت ہوجاتا ہے تو میں تمہیں ایسی دس بالیاں بنوادوں گا۔" زوہیب رحمان نے اپنی سی کوشش کی۔

"کیا ان بالیوں میں میرے باپ کی محنت کے پیسے شامل ہوں گے؟ ان میں اپنی میری ماں کی چاہت کا لمس محسوس کرپاؤں گی میں؟ جو کسی بھی خوشی سے زیادہ اہم اور جس کا احساس پُرمسرت و سکون پر سب سے زیادہ حاوی ہے۔" آنکھوں میں آنسو بھر کر اس نے گویا شکوہ کیا۔ زوہیب رحمان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور چند لمحے اس کے گلابی چہرے کو بغور تکتا رہا۔ جس کے تاثرات میں کچھ قیمتی متاع کھونے کا خوف کھل سا گیا تھا اور پھر اٹھ کر چل دیا بحث کا کوئی جواز باقی نہ تھا۔ زوہیب رحمان کا اس طرح دہلیز عبور کرجانا نور العین کے وجود کو پژمردہ اور نڈھال کر گیا۔ اسے اپنا آپ پہلے سے بھی زیادہ شکست خوردہ محسوس ہونے لگا۔

زوہیب اور نور العین کا تعلق معاشرے کے ان گھرانوں سے تھا جو خط غربت سے بھی نیچے زندگی بسر کررہے تھے۔ مفلسی اور کسمپرسی کے باوجود احساس آشکر نے دامن نہ چھوڑا نور العین نے آٹھویں جماعت کا امتحان بہترین نمبروں سے پاس کرنے کے ساتھ وظیفہ حاصل کرنے کی اہل بھی ٹھہری تھی۔ اپنی بیٹی کی اس قابلیت سے خوش ہوکر اس کے والد نے نور کو سونے کی بالیاں بنوادیں جو اس کی سنہری رنگت پر خوب جچتی تھیں۔ نور العین کے والد کوئی لینڈ لارڈ یا بزنس ٹائیکون نہیں تھے البتہ سفید پوشی کا بھرم بخوبی قائم رکھے ہوئے تھے اور زندگی کچھ حد تک آسودہ

وطمئن گزر رہی تھی جب نور العین کے والد کی دائمی جدائی نے اسے زندگی کے اصل معانی و مطالب سمجھا دیئے۔

وہ اپنے پیچھے کوئی ترکہ تو نہ چھوڑ گئے تھے کہ سہل طریقے سے زیست کا سفر طے ہوتا نہ کوئی مضبوط معاشی سہارا تھا۔ جیسے تیسے زندگی کی گاڑی کھینچتے ہوئے وہ دونوں ماں بیٹی صابر و شاکر تھیں، فاقوں کی نوبت آنے کے باوجود انہوں نے سونے کی بالیاں نہیں بیچی تھیں اور پھر جو نور العین نے ذرا سا جوانی کی دہلیز کو چھوا تو اسے زوہیب کے سنگ سادگی سے رخصت کر کے ابدی نیند سو گئیں۔

زوہیب کا حال بھی ان سے کچھ مختلف نہ تھا والدحیات نہ تھے ایک چھ سال کا دیور شاہ زیب تھا جو زوہیب سے سترہ برس چھوٹا تھا اور ساس بہت خاموش طبع تھیں۔ شاہ زیب اس وقت بہت چھوٹا تھا جب زوہیب اور نور العین کی شادی ہوئی اب اس کی شادی کو تین برس گزر چکے تھے شاہ زیب اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔

زوہیب ایک پرائیوٹ فرم میں چند ہزار کی تنخواہ پر ملازم تھا ملازموں کی چھانٹی ہوئی تو اسے بھی فارغ کر دیا گیا۔ دوسری نوکری کے لیے بہت جوتے گھسائے لیکن کچھ بھی سودمند ثابت نہ ہوا آخر کار اس نے ایک دوست کے ساتھ شراکت داری کر کے نیا کاروبار چھوٹے پیمانے پر شروع کرنے کا سوچا اور کچھ رقم ادھار دوست احباب سے لی اور بقیہ رقم وہ نور العین کی بالیاں بیچ کر پوری کرنا چاہتا تھا کہ وہ مستقبل کی تابناکیوں کے لیے پُرامید تھا مگر نور العین کے صاف جواب پر وہ رنجیدہ و ملول تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی ان بالیوں میں اس کی جان اٹکی رہتی ہے۔

❁ ❁ ❁

"کیا پکایا ہے نورا بہت بھوک لگی ہے۔" مٹی سے اٹے پیروں پر جلدی جلدی پانی ڈالتے ہوئے وہ بولا۔ اس کے ہر انداز سے عجلت بڑی واضح ہو رہی تھی چھ سالہ شاہ زیب نے زوہیب کی دیکھا دیکھی اسے نورا ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

"دال پکائی ہے آ جاؤ۔" وہ ہاتھ منہ دھو کر آیا تو نور نے اس کے سامنے چارپائی پر دال اور چپاتی رکھ دی۔ شاہ زیب جلدی جلدی نوالے پر نوالا ٹھونسنے لگا۔

"آرام سے کھاؤ، جلدی کس بات کی ہے؟" نور نے اسے ٹوکا۔

"پڑوسی بکرا لائے ہیں نورا بہت پیارا ہے پپو اس کے لیے چارہ لایا ہے، ہم دونوں مل کر اسے کھلائیں گے اور پھر پورے محلے کی سیر کروائیں گے۔" اس کا چہرہ انجانی خوشی سے چمک اٹھا تھا اس کے معصوم انداز پر نور کو ٹوٹ کر پیار آیا تھا اس نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

"ایک بات تو بتاؤ نورا سب لوگ جانور کیوں خرید رہے ہیں؟" وہ متحیر تھا۔

"قربانی کی عید ہے نا اس عید پر تمام لوگ جانور قربان کر کے سنتِ ابراہیمی ادا کرتے ہیں۔"

"تو کیا ہم بھی یہ سنت ادا کریں گے؟" شاہ زیب کے اس قدر غیر متوقع سوال پر نور گڑبڑا کر رہ گئی۔

"بتاؤ نا......؟" اسے خاموش پا کر شاہ زیب نے پھر پوچھا۔

"جاؤ تمہیں پپو کے گھر جانا ہے نا؟ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" نور نے اسے ٹالا اپنی بے بسی کا اظہار کم از کم وہ اس کے معصوم ذہن میں نہیں انڈیلنا چاہتی تھی نہ ہی وقت سے پہلے اسے ذمہ داریوں اور احساسِ محرومی سے آشنا کرنا چاہتی تھی۔

"اوہ میں تو بھول ہی گیا۔" اس نے اپنے سر پر چپت رسید کی جیسے اپنی یادداشت کو کوس رہا ہو اور پھر ہرن کی طرح قلانچیں بھرتا دہلیز عبور کر گیا۔

❁ ❁ ❁

زوہیب نے اپنا گھر، اپنا واحد آسرا گروی رکھ کر رقم کا بندوبست کیا اور تندہی سے کاروبار میں جت گیا۔ ابتدائی مراحل تھے محنت کی سخت ضرورت تھی اور وہ اسی میں جتا تھا بہرحال نور العین کے فیصلے نے اسے زبردست دھچکا دیا تھا وہ ابھی تک بے یقین سا تھا۔

اتنے دن گزر جانے کے باوجود اس کی ناراضگی بدستور قائم تھی۔

"کھانا لاؤں؟" شاہ زیب کو بہلا کر وہ اس کے پاس آئی جو بہت سر دھڑ اوندھے بڑے سا لگ رہا تھا۔

"نہیں...... مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے کھرا سا جواب دیا اور چادر تان کر لیٹ گیا جس کا مطلب تھا وہ مزید بحث کا ارادہ نہیں رکھتا۔

"زوہیب آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟" اس کی مسلسل بے رخی نے اسے اندر سے توڑ ڈالا تھا آنسو پھل پھل بہنے لگے اس کے دامن میں محبت کے علاوہ تھا ہی کیا۔

"مجھ سے بات کریں ورنہ میں......"

"ورنہ کیا کرو گی تم......؟" وہ اٹھ بیٹھا۔ جواباً وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر سسکنے لگی۔

"کہتے ہیں میاں بیوی ایک دوسرے کا سایہ ہوتے ہیں مگر تم نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا تمہیں مجھ سے زیادہ وہ بالیاں عزیز ہیں۔" اس نے تاسف سے نظریں پھیریں۔

"میں بے بس ہوں میں آپ کا ساتھ دینا چاہتی ہوں مگر کیا کروں ان میں مجھے اپنے والدین کا عکس نظر آتا ہے۔ انہیں سنبھال کر مجھے لگتا ہے میں ان پر اپنی توجہ و التفات برسا رہی ہوں۔ ان بالیوں کی موجودگی میں عجیب سی سرشاری محسوس ہوتی ہے۔" بھاری گلے کے ساتھ وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

زوہیب نے نور کے گلابی اور تپتے ہوئے چہرے کو بغور دیکھا اس کی بے رخی کے بڑے جاں گسل تاثرات وہاں پر رقم تھے۔ وہ اسے ضرورت سے زیادہ سزا دے چکا تھا لہٰذا کچھ بھی کہے بغیر روتی بسورتی نور العین کو خود میں سمو لیا۔

❁ ❁ ❁

"اب کہاں سے لاؤں پیسہ، بال بال قرض میں ڈوبا ہے کاروبار ابھی شروع کیا ہے فی الحال منافع کے کوئی چانسز نہیں۔ اوپر سے شاہ زیب کی یہ نئی ضد۔" زوہیب سر پکڑ کر بیٹھ گیا نور چارپائی پر بے سدھ پڑے شاہ زیب کے سر پہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی جو بخار کی شدت سے

رانی ملک

السلام علیکم اتمام قارئین کیسے ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں کہ ٹھیک ہوں گے۔ آپ سب اور آپ کا آنچل مجھے بہت پسند ہے بس کبھی لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اب میں چلتی ہوں اپنے تعارف کی طرف، میرا نام تبسم ہے سب مجھے رانی کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں نے میٹرک کیا ہے میری تاریخ پیدائش یکم اپریل ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں اور سب سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میری فرینڈز عابدہ، اقراء، صفیہ، شعبیا، تو یہ سب میری فرینڈز ہیں۔ سب کے لیے میری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہیں۔ میں ہر رنگ کے کپڑے پسند کرتی ہوں اور مجھے غصہ جلدی آ جاتا ہے لیکن اب اپنی اس عادت کو تبدیل کر رہی ہوں۔ خامی یہ ہے کہ میں کسی پر بھروسہ نہیں کرتی اور اگر کوئی مجھ سے ایک بار جھوٹ بولے تو وہ پھر اگر سچ بھی کہے تو مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے جو کام کرنا ہو یا ارادہ کر لوں تو کر لیتی ہوں اور اس بات سے لوگ کیا سوچیں گے مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اپنا تعارف اور باقی پسند نہ پسند پھر کبھی بتاؤں گی اگر موقع ملا تو...... اللہ حافظ۔

تپ رہا تھا۔

"نورا کیا ہم قربانی نہیں کریں گے؟" ذرا سا ہوش آیا تو اس نے بڑی آس سے پوچھا اور پھر غنودگی میں چلا گیا۔ زوہیب سے برداشت نہیں ہوا تو اٹھ کر باہر نکل گیا نور نے بے ساختہ اسے خود میں بھینچ لیا۔

عید الاضحیٰ میں دو دن باقی تھے پورے محلے سے جانوروں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، پہلے پہل شاہ زیب محلے کے بچوں کے جانوروں کے ساتھ کھیل کود کر اپنا شوق پورا کرتا رہا مگر اب اس کی ضد تھی کہ اس کا بھی اپنا بکرا ہو جسے وہ باہر لے کر جائے، خود چارہ کھلائے اور پپو کو بتائے کہ وہ لوگ بھی قربانی کر رہے ہیں۔ نور العین نے اسے بہت

بہلانے پھسلانے کی کوشش کی مگر سب بے سود اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اب بخار میں پھنک رہا تھا۔ نور اسے دوائیں دے کر ہار گئی مگر اس نے منہ نہیں لگایا اپنی بے بسی اور لاچارگی پر نور کو شدت سے رونا آیا تھا وہ پریشان سی وہیں ڈھے گئی۔

❁......❁......❁

"یہ لو پیسے اور شاہی کو بکرا لا دو۔" چاند رات پر اس نے زوہیب کو ہرے ہرے نوٹ تھمائے تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہارے پاس کہاں سے آئے اتنے پیسے؟" وہ جتنا حیران ہوتا کم تھا جو ایلو وہ نظریں چرا گئی۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں میں؟" وہ مشتعل ہوا۔

"جہاں سے بھی آئے ہیں آپ بس اب شاہ زیب کو بکرا خرید دیں۔" اس نے بات گول کی۔

"پہلے میرے سوال کا جواب دو؟" اس بار لہجہ سخت تھا ہر قسم کی لچک سے عاری۔

"میں نے اپنی بالیاں بیچ دیں میں ہزار میں۔" اس نے گویا بم پھوڑا۔

"مگر کیوں......؟" اس کے منہ سے بے تکا سا سوال پھسلا گو کہ وجہ بڑی واضح تھی زوہیب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس احساس کا اظہار کرے۔

"حوا کی بیٹی کے کتنے روپ ہیں اور ہر روپ دوسرے سے مختلف منفرد اور جدا ہے۔ کبھی انتہائی کٹھور اور کبھی اتنی نرم کہ چھونے سے بکھر جائے۔ عورت کے اور کتنے روپ ہیں اور کس روپ میں کیا راز پنہاں ہے کون جانے۔ کچی مٹی کا کچا گھڑا ہے جو پانی کی بوندوں سے خود گھل کر پانی میں حل ہو جاتا ہے مگر خود سے منسلک ہر شے کو پرسکون کر جاتا ہے۔" وہ متحیر سا سوچ گیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا نورا میں جانتا ہوں وہ تمہارے لیے کتنی اہم تھیں؟"

"زوہیب پلیز مجھے شرمندہ مت کریں یہ سب میں نے اپنی خوشی سے کیا ہے حالات سے یا شاہ زیب سے پریشر ائز ہو کر نہیں کیا۔ بے جان بالیاں مجھے ایک انسان کی خوشی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتیں۔ مردہ لوگوں کے لمس سے زیادہ مجھے زندہ لوگوں کا احساس اور ساتھ عزیز ہے زوہیب اور والدین کی تلاش چیزوں میں نہیں بلکہ روحوں اور دلوں میں ان کا ٹھکانہ ہے جو زندگی دھڑکن اور سانسوں سے مشروط ہیں۔" اس نے آسودگی سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

"نورا تم نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے تم بہت اچھی ہو۔" بکرے کی رسی تھامے وہ پورے صحن میں گھومتا اور چلاتا پھر رہا تھا۔

"میں پپو کو دکھاتا ہوں کہ میرا بھی بکرا آ گیا ہے پھر ہم دونوں اپنے اپنے بکرے کو سیر کروانے لے جائیں گے۔" اس کے چہرے پر فرشتوں سی معصومیت چھائی تھی۔

وہ مسرت و شادمانیوں کے جگنو چہرے پر سجائے اس سے مخاطب تھا اور نور کے اندر اطمینان و سکون کی لہریں سرایت کرتی جا رہی تھیں۔ شاہ زیب کے چہرے پر چھلکتی خوشی اور انبساط کی کرنیں دنیا کی کسی بھی دولت سے زیادہ قیمتی تھیں۔

"کیا اس مسکان سے مجھے جو روحانی اور معصوم خوشی ملی ہے وہ دنیا کے تمام انمول خزانے لٹا کر بھی حاصل ہو سکتی تھی؟" اس نے اپنا من ٹٹولنا چاہا۔

"نہیں...... کبھی بھی نہیں۔" اس کے باطن نے فی الفور اسے مثبت جواب دیا۔

"یہ احساس بہت انمول ہے یہ اطمینان اور مسرت ہر قیمتی اور زیور پر بھاری ہے۔" اس کے لب گنگنا اٹھے اور رنگت میں سرخیاں گھلنے لگی تھیں۔

دور کھڑے زوہیب نے اس کے چہرے پر بکھرتے خوشی کے ہر رنگ کو ملاحظہ کیا اور خدا کی اس قدر خوب صورت اور داؤ پیچ میں الجھی تخلیق جسے عورت کہا گیا ہے کو دیکھ کر سرشاری سے مسکرا دیا۔

❁

خطا کسی کی ہو لیکن سزا کسی کو ملے
یہ بات جبر نے چھوڑی ہے ہر صدی کے لیے
اسے خبر ہے کہ اس کا کوئی نہیں اپنا
اک آشنائی بھی کافی ہے اجنبی کے لیے

ہزار ہزار کے پچیس نوٹوں کو اس نے کوئی پانچ بار گنا تھا' تب جا کے اسے اطمینان حاصل ہوا تھا' چہرے پر آسودہ والوہی مسکراہٹ سجائے اس نے وہ تمام کے تمام نوٹ اپنے مجازی خدا حسنین کی ہتھیلی پر تھما دیے تھے۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو اپنے پاس ہی رکھو ابھی تو عید میں بیس دن باقی ہیں۔ ابھی سے قربانی کے لیے بکرا منگواؤ گی کیا؟" حسنین نے حیرت سے اپنی زوجہ حمیرا کی جانب دیکھا۔

"آپ کی پوری بات سنے بغیر سوال کرنے کی عادت نہیں جائے گی کبھی' آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں ابھی سے بکرا منگوا رہی ہوں یہ پیسے تو میں نے آپ کو اس لیے دیے ہیں کہ آپ بجٹ وغیرہ بنا لیں کہ کتنے کا بکرا آئے گا۔ اس کے بعد جو پیسے بچیں اس سے گھر کی کچھ سیٹنگ وغیرہ کرا لیں۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا حمیرا! اچھا بھلا صاف ستھرا گھر ہے اس کی کیا سیٹنگ کرو گی اور میں نے دن رات ایک کر کے پائی پائی جمع کر کے اتنے پیسے صرف اس لیے جمع کیے تاکہ زندگی میں ایک بار ہی سہی قربانی کر سکوں اور تمہاری بھی یہ شدید خواہش تھی کہ تم اس بار قربانی کرو جو پیسے بچیں گے میں انہیں آڑے وقت کے لیے اٹھا کے رکھ دوں گا تاکہ فالتو خرچ کے لیے......" حسنین نے اس کی بات کاٹ کے اسے دو ٹوک اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"آپ کب اپنی یہ قناعت پسندی کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں گے' میں آپ کی لاڈلی بھابی صبا کی طرح نہیں ہوں جو ہر سال قربانی کر کے صرف رشتہ داروں کے ہاں گوشت تقسیم کر کے پورا مہینہ دعوت اڑاؤں۔ میں پہلی دفعہ قربانی کر رہی ہوں اور میں سب سسرال والوں کو بلاؤں گی' دیکھنا کیسی شاندار دعوت کروں گی۔ آخر انہیں بھی تو پتا چلے کہ قربانی کرنا کسے کہتے ہیں بس اسی لیے گھر کی چھوٹی موٹی

سیٹنگ تبدیل کررہی ہوں۔ اللہ اللہ کرکے تو تھوڑے پیسے جمع ہوئے ہیں ورنہ تو ہمیں آپ کی یہ قناعت پسندی ہی لے ڈوبتی ہے۔'' اس کے لہجے میں حسنین کے فیصلے کے خلاف سراسر بغاوت تھی۔

''تم بھی سدھرنا مت' پتا نہیں صبا نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو ہمہ وقت اسی کی حرص میں لگی رہتی ہو۔ ارے وہ اپنے گھر میں خوش ہے' تم اپنے گھر میں سکون سے رہو' انسان کو اپنی چادر دیکھ کے پاؤں پھیلانا چاہیے نہ کہ اونچی اڑان اڑنی شروع کردینی چاہیے' آئی سمجھ۔'' بات کچھ کی کچھ ہو چلی تھی مگر اس بار بھی حسنین نے حمیرا کو سمجھانا ضروری سمجھا تھا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنی روش کبھی نہ بدلے گی۔

''بس کردیں آپ تو میرے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں' نہیں کررہی میں سیٹنگ پر پیسے خرچ' اب خوش' کیٹرین میں دعوت ضرور کروں گی اب آپ آفس جائیں صبح صبح موڈ خراب کردیا۔'' چہرے پر بیزاریت سجائے اس نے چڑ کے کہا تھا۔ حسنین نہایت افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گیا' اب تو صرف اللہ سے کسی معجزہ کی ہی امید تھی جس سے وہ بدل سکتی اور ہمہ وقت اپنی زوجہ کی ہدایت کے لیے دعا گو رہتے۔

❁......❁......❁

حسنین میاں آفاق احمد اور صبیحہ آفاق کے نہایت سیدھے سادے نیک اور قناعت پسند بیٹے تھے' ان کا نمبر گھر میں سب سے بڑا تھا اس کے بعد اللہ نے آفاق اور صبیحہ کو ایک بیٹا احمد اور دو بیٹیوں آمنہ اور فاطمہ سے نوازا تھا۔ یہ ان کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کے چاروں بچے نہایت شریف اور اصولوں کے پکے تھے۔ حسنین میاں نے پرائیوٹ بی کام کررکھا تھا اور ایک نجی آفس میں جاب کررہے تھے۔ تنخواہ بہت زیادہ نہ تھی لیکن گزر بسر اچھا ہو جاتا تھا جبکہ احمد نے کیمسٹری میں ماسٹرز کررکھا تھا' اسی بناء پر اسے ایک اچھی ریسرچ کمپنی میں ملازمت مل گئی تھی جہاں تنخواہ کے ساتھ ساتھ دیگر سہولیات بھی تھیں۔ ایسا نہ تھا کہ آفاق میاں نے بچوں کی پڑھائی پر کوئی پابندی عائد کررکھی تھی یہ ان کی اپنی ذاتی ترجیحات اور قسمت کی بات تھی۔ دونوں بہنوں کی شادی کے بعد صبیحہ نے دونوں بیٹوں کی شادی اپنی دور پرے کی جاننے والوں میں ایک ساتھ کردی تھی۔ حمیرا اور صبا ایک ایک دن کے فرق سے ان کے آنگن میں خوشیاں بکھیرنے چلی آئی تھیں' صبیحہ بیگم کو لگا تھا کہ اب وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئی ہیں اور اب ان کے آنگن میں صرف سکون ہی سکون ہوگا مگر یہ محض ان کی خام خیالی ہی ٹھہری تھی۔

شادی کے کچھ ماہ تو سکون سے گزر گئے تھے مگر جلد ہی حمیرا کی جلد باز اور اسراف پسند جھگڑالو طبیعت نے ان کے آنگن میں بدگمانی اور بے سکونی کا درخت اگا یا تھا جس کی جڑیں دن بہ دن ان کے گھر کو کھاتی جارہی تھیں۔ صبا نہایت ملنسار اور سمجھدار لڑکی تھی ان کی نسبتاً اس نے سارے گھر کو سنبھال رکھا تھا نہ صرف آفاق اور صبیحہ بلکہ حسنین بھی ہمہ وقت اپنی بھاوج کے دم بھرتے نظر آتے تھے ایسے میں صبا کے خلاف حرص' کینہ و کدورت حمیرا کے دل میں اپنا جال مضبوط کرتی گئی تھی۔ آئے دن صبا سے انہیں بات بے بات پر جھگڑے' حمیرا کا معمول بن گئے تھے ایسے میں آفاق صاحب نے نہایت عقل مندی کا فیصلہ کیا تھا اور حسنین کو الگ کردیا تھا وہ ان کا خون تھا جانتے تھے کہ حمیرا یہاں نہیں رہنا چاہتی' اس لیے انہوں نے کسی پر ان سے ملنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی نہ ہی دل میں کوئی کدورت رکھی تھی یوں حسنین خفا خفا سے ماں باپ کے فیصلے کا بھرم رکھتے ہوئے دو کمروں پر مشتمل اس چھوٹے سے گھر میں شفٹ ہوگئے تھے اس امید پر کہ شاید ان کی ازدواجی زندگی میں سکون آجائے۔

❁......❁......❁

''مٹن روسٹ' کلیجی تکہ اور اس جیسی بے شمار ریسپیز وہ پرانے جرائد و رسائل سے نکال کر اپنی ڈائری میں لکھ رہی تھی جب ہی ادھ کھلے دروازے پر دستک دے کر برابر والی نسیمہ خالہ اندر آئی تھیں' حمیرا نے اس نے کھڑے ہوکے ڈائری سائیڈ میں رکھ دی تھی۔

''ارے خالہ آپ' آئیے نہ اس بار اتنے دن بعد آئی ہیں۔ میں تو کب سے آپ کی راہ دیکھ رہی تھی۔'' اس نے اخلاق نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی' محلے میں ایک نسیمہ خالہ ہی تھیں جن سے وہ اپنی باتیں اور اپنی تنہائی بانٹ لیا کرتی تھی ورنہ تو حسنین صبح کے گئے شام میں ہی لوٹتے تھے۔

''بس بیٹا کیا بتاؤں اس جوڑوں کی درد نے تو اب مجھے کہیں آنے جانے کے قابل نہیں چھوڑا آج بھی بڑی مشکل سے ہی ہمت کرکے تمہاری طرف چکر لگایا ہے اور سناؤ ویسے تم یہ اتنی ساری ترکیبیں کیوں جمع کررہی ہو خیر سے کھانا پکانا تو تمہیں اچھا آتا ہے۔'' انہوں نے نیچے دھرے مختلف رسائل پر درج ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا۔

''کھانا تو پکانا آتا ہے خالہ مگر اس بار ہمارا ارادہ قربانی کا ہے' اب گھر میں قربانی ہوگی بہت سارا گوشت ہوگا' کیوں نہ اچھی اچھی چیزیں پکا کر اپنا شوق پورا کرلوں۔ کون سا روز روز یہ سب پکا سکتے ہیں اور میں تو پہلی دفعہ ہی قربانی کررہی ہوں۔'' حمیرا کے لہجے میں حد درجہ اشتیاق تھا۔

''تمہری بات ہے بیٹا ایسا نہیں کہتے کہ اتنا سارا گوشت ہوگا' قربانی تو انسان صرف اللہ کی رضا کے لیے ہی کرتا ہے نہ کہ اپنے چٹخارے کے لیے اور اس کا گوشت بھی نہ صرف غرباء و مسکینوں میں تقسیم کرنا چاہیے بلکہ نیت بھی یہی رکھنی چاہیے کہ اللہ مجھے ہمیشہ ایسی ہی قربانی کرنے کی توفیق دے۔ تم تھوڑا بہت گوشت اپنے استعمال کے لیے رکھ کے باقی سب اپنے غریب رشتہ داروں اور محلے داروں میں بانٹ دینا بیٹا!'' اپنے طور پر انہوں نے اسے نیک اور اچھا مشورہ دیا تھا لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ بعض

ثناء ثوبیہ

آداب عرض ہے میری عزیز ترین قارئین بہنوں کیا حال چال ہیں؟ امید کرتی ہوں حال تو ٹھیک ہوں گے۔ 18 اکتوبر کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کے چھوٹے سے گھرانے میں پیدا ہونے والی خاندان بھر کی اکلوتی لڑکی ثناء ثوبیہ۔ ہم دو بہن بھائی ہیں' بھائی ایف ایس سی کررہا ہے اور راج کماری بی ایس سی کررہی ہیں۔ میری بیسٹ فرینڈز میں میری ڈائری اور مائرہ بٹ شامل ہیں اسی لیے بہت سی دعائیں میری پھولوں جیسی سویٹ فرینڈز کے نام سدا خوش رہو آمین۔ اپنی تعریف تو میں خود نہیں کرسکتی نا' اپنی بری عادتیں بتاتی ہوں آپ کو مجھ میں عقل کی کمی ہے۔ ہر ایرے غیرے کو اپنا سمجھ بیٹھتی ہوں پھر زبردست دھوکہ بھی کھاتی ہوں۔ لوگوں میں فرق کرنا نہیں آتا' کافی حد تک بور بھی ہوں اور اکتائی ہوئی بھی کیونکہ میرے ساتھ کبھی کچھ اچھا نہیں ہوتا۔ حد سے زیادہ غصہ آتا ہے' جنونی بھی ہوں پر ہمیشہ غصہ درود شریف پڑھ کے دور کرتی ہوں۔ کافی حد تک گھریلو ہوں' سوسائٹی میں نام پیدا کرنا چاہتی ہوں لوگ مجھے میرے نام سے جانیں۔ میری زندگی کا مقصد آرمی جوائن کرنا اور کیپٹن بننے کا ہے' اگر آپ کی دعا نے ساتھ دیا تو ان شاء اللہ یہ خواب ضرور پورا ہوگا۔ پاکستان کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں' مما اور آنٹی کو حج کروانے کا ارادہ ہے جاب کے بعد' ان شاء اللہ۔ اچھا اب میں چلتی ہوں اپنا بہت خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

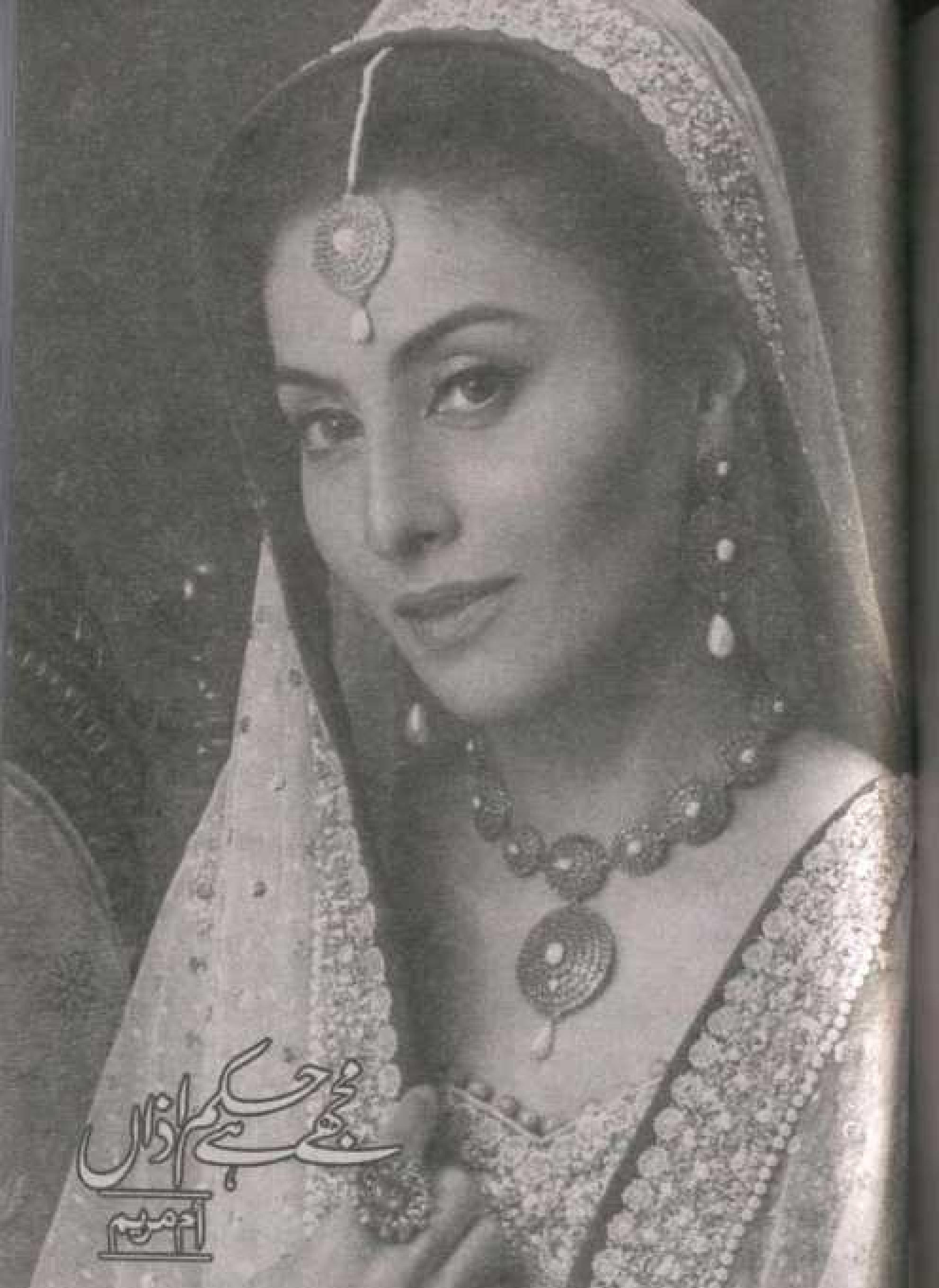

دفعہ انسان کو سچ نصیحت کرنے والے بھی غلط لگتے ہیں۔ ایسے ہی اسے بھی اس وقت نسیمہ خالہ اپنی دشمن ہی لگی تھیں سو اس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کے ان کے لیے چائے بنانے کھڑی ہوگئی۔

حمیرا کے اسراف اور حسنین کی قناعت پسندی کی نوک جھونک میں عیدالاضحی کا دن بھی آن پہنچا تھا یہ حسنین کی قناعت پسندی و اچھی تربیت تھی کہ اس نے نہ صرف قربانی کے لیے اچھا صحت مند بکرا خریدا بلکہ بچ جانے والی رقم اگلے سال کے لیے اٹھا کے رکھ دی یہ اسی کی ہی اچھی نیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قربانی کا شرف بخشا تھا' حمیرا کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اس نے گوشت کی تقسیم کا انتظام اسے ہی سونپ دیا تھا مگر دل اس کی ہدایت کے لیے دعا گو تھا۔ حمیرا کی ہی ضد تھی کہ وہ سب سے پہلے گوشت اپنے سسرال میں دے گی اس کے بعد محلے اور غریبوں میں جبکہ اپنے استعمال کے لیے اس نے گوشت کی وافر مقدار فریج میں محفوظ کرلی تھی' حسنین کی نگاہیں سراپا احتجاج تھیں اور یونہی خفا خفا سے وہ اس کے ہمراہ اپنے گھر چلے آئے تھے حسنین نیچے بائیک کھڑی کرنے کی غرض سے رک گئے تھے جبکہ حمیرا گوشت کا شاپر ہاتھ میں اٹھائے اندر کی جانب آگئی تھی جہاں صبا بڑے وثوق سے بیٹھی گوشت کی تقسیم میں اپنی ساس کے ساتھ مصروف تھی۔ ان کی نظر ابھی حمیرا کی جانب نہیں پڑی تھی اس سے پہلے کہ حمیرا خود آگے بڑھتی کن سوئیاں لینے کی پرانی عادت سے مجبور ہو کے وہ وہیں دروازے کی اوٹ پر رک گئی تھی۔

"بیٹا تم نے گھر کے استعمال کے لیے گوشت نہیں رکھا کیا' یہ تو سارا غربا، مسکینوں کا ہے اور باقی رشتہ داروں کا۔" گوشت کی تھیلیوں پر نظر جماتی یہ آواز صبیحہ بیگم کی تھی۔

"رکھا ہے نہ امی اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ قربانی انسان صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے' اگر اللہ نے ہماری استطاعت سے بڑھ کر دیا ہے قربانی کا شرف بخشا ہے تو ہمیں بھی اس کا شکر ادا کرتے ہوئے محروم لوگوں کی مدد کرنی چاہیے کہ کوئی گھر ہمارے عزیز واقارب میں یا محلے میں یا آس پاس میں عید کی خوشیوں سے محروم نہ رہ جائے۔" درمیانی پتیلی میں موجود گوشت کی جانب اشارہ کرکے صبا نے نہایت محبت سے اپنی ساس کا دل جیتا تھا وہ جو سمجھتی تھی کہ اس کی دیورانی سارا گوشت صرف فریج میں ہی محفوظ کرکے رکھ دیتی ہے تاکہ مہینہ بھر استعمال کرسکے۔

حمیرا نے کیا سوچا تھا اور وہ کیا نکلی تھی' اس اک لمحہ میں اسے اپنی ذہنیت اپنی سوچ پر افسوس ہو رہا تھا اس سے چھوٹی ہو کہ بھی وہ اس سے آگے بڑھ گئی تھی اور اس نے اپنی نادانی میں اپنوں کو ہی کھو دیا تھا اور آج وہ اپنے اللہ کو بھی ناراض کرنے چلی تھی' اک فیصلہ اس کے دل نے ابھی ابھی کیا تھا اپنے ملال کے آنسو چھپا کے وہ نہایت محبت سے اپنائیت سے آگے بڑھی تھی کہ اسے ابھی نہ صرف اپنے رویوں کی بدصورتی کی معافی مانگنی تھی بلکہ گھر جا کر فریج میں رکھا تمام گوشت بھی اپنے ہاتھوں سے اپنے رب کی بارگاہ میں صدقہ کرنا تھا اس کی آنکھوں میں ابھرتے ملال اور اس اک لمحے کی آگہی کی بدولت اس کے بدلتے روپ کو حسنین نے نہایت محبت سے دیکھا تھا اور دل سے بے اختیار اپنے رب کی مہربانی کا اعتراف کیا تھا۔

تو کہ سمٹا تو رگ و جاں کی حدوں میں سمٹا
میں بکھرا تو سمٹا نہ گیا تیرے بعد
یہ الگ بات ہے کہ افشا نہ ہوا تجھ پہ ورنہ
کتنا محسوس کیا میں نے تجھے تیرے بعد

گزشتہ قسط کا خلاصہ

حویلی میں لاریب سے سامنا ہونے پر عباس اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگتا ہے جس پر لاریب اس کی دوسری شادی کی مبارک باد دیتے اسے حیران کردیتی ہے۔ اس کے منہ سے یہ حقیقت جان کر عباس بوکھلا جاتا ہے کہ کہیں وہ فاطمہ کے متعلق باقی گھر والوں کو بھی آگاہ نہ کردے۔ فراز کا تنفر سے بھرپور انداز اریبہ کو اذیت میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ فراز کے رویوں سے مایوس ہوتے وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے اس کے اس اقدام پر فراز مزید خائف ہوجاتا ہے جب ہی اریبہ اسے اپنے جذبات کی صداقت سے آگاہ کرتے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ لیتی ہے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ فاطمہ اور زینب کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو عباس سن لیتا ہے اور یہ اندازہ لگاتا ہے کہ فاطمہ کے حاسدانہ رویوں کے سبب ہی عریشہ زندگی کی بازی ہار گئی جبکہ فاطمہ ان الزامات پر ششدر رہ جاتی ہے۔ لاریب ایمان کی تلاش میں علوی ہاؤس پہنچتی ہے وہاں فراز سے سامنا ہونے پر وہ شرجیل کے متعلق استفسار کرتی ہے۔ دوسری طرف فراز یہ جان کر حیران رہ جاتا ہے کہ وہ ایمان کی بہن اور سکندر کی بیوی ہے وہ اسے تمام معلومات سے آگاہ کرتا ہے ایمان کے کومے میں جانے کی خبر سن کر لاریب اپنا ضبط کھو بیٹھتی ہے۔ دوسری طرف سکندر نہ صرف لاریب کو علوی ہاؤس کے گیٹ پر دیکھ لیتا ہے بلکہ اسے فراز کے ساتھ جاتے دیکھ کر شدید صدمے کا شکار ہوتا ہے کہ وہ صرف ایمان کی تلاش میں یہاں آئی تھی اپنی ذات کی تحقیر پر وہ اندر ہی اندر خائف رہتا ہے۔ جب ہی صالحہ ان حالات کا فائدہ اٹھاتے سکندر کی طرف پیش قدمی کرتی ہے لیکن سکندر شدید غصے کا شکار ہوتے اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے اور اسے کمرے سے نکال دیتا ہے۔ بابا جان اور امامہ بھی ایمان سے ملنے اسپتال پہنچتے ہیں وہاں لاریب شدید غصے کا شکار ہوتے ایمان کی حالت کا ذمہ دار شرجیل کو قرار دیتی ہے شرجیل بابا جان سے معافی مانگنے کے بعد انہیں زارون سے ملانے کی خاطر گھر لے آتا ہے فراز چاہتا ہے کہ وہ لاریب کو سکندر کی یہاں موجودگی کے متعلق سب کچھ بتا دے لیکن سکندر سختی سے فراز کو ایسا کرنے سے منع کردیتا ہے۔ دوسری طرف فاطمہ عباس کے بے بنیاد الزامات پر شدید کرب کا شکار ہوتے بیمار ہوجاتی ہے لیکن عباس بدگمانی میں اسے بھی اس کی کوئی سازش قرار دیتا ہے جبکہ دوسری طرف فاطمہ کی سانسیں ڈوبنے لگتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......◉......❀

وہ زینب کے گلے لگ کر رو رہی تھی زینب پریشان ہوکر اسے چپ کرانے کے جتن کررہی تھی۔ زینب کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔ ایسے شدتوں سے ٹوٹ کر وہ تب ہی روئی تھی جب عباس حیدر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔

"کیوں ہلکان مت ہو، کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" زینب نے اس کا سر تھپکتے ہوئے پیار بھرے انداز میں آنسو پونچھے

"مجھے لگ رہا ہے میں ہار گئی ہوں زینی، ان کا شک مجھے ہر لمحہ موت کے قریب لے جارہا ہے۔" وہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔

"کیسا شک فاطمہ؟" زینب پریشان ہوئی۔

"وہ مجھے عریشہ کا قاتل سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ میں نے ان کی خوشیوں کو غاصبانہ نظر سے دیکھا ہے وہ بہت زیادہ خفا ہیں مجھ سے زینب، مجھے وہ اپنی اس ناراضگی سے ماردیں گے۔ میں ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی مگر میرا نصیب دیکھو میں نے انہیں زاروقطار روتے اور تڑپتے دیکھا ہے، کاش عریشہ کی جگہ میں مرگئی ہوتی۔" وہ ایک بار پھر بلک رہی تھی، زینب کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس پاگل لڑکی کو کیسے سمجھائے۔

"تمہیں ایک بار کھل کر ساری بات عباس کو بتانی چاہیے فاطمہ، خاص طور پر یہ کہ تم اس کی خوشیوں کی دشمن کبھی نہیں رہی۔ تم اسے بتاؤ کہ تم اس کی خیر خواہ ہو اس کے بچوں کو اپنے نہیں دیکھ سکتیں اور اس وقت ان کی ذمہ داری قبول کی تھی جب ان کے خونی رشتے بھی منہ موڑ چکے تھے۔" زینب کو غصہ نہیں آتا تھا یا فاطمہ نے اسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا مگر اس پل وہ جھنجلائی ہوئی تھی اسے عباس جیسے سمجھدار آدمی پر غصہ تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ فاطمہ کی طرح عباس بھی اسیر محبت تھا۔ محبت بھی وہ جو کھوگئی تھی یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں اچھے بھلے ہوش مند انسان بھی حواس کھو بیٹھتے ہیں۔

فاطمہ اس کی بات سن کر جیسے سناٹے میں گھر گئی۔

"یہ سراسر احسان جتلانے والی بات ہوئی زینب اور محبتوں میں احسان نہیں ہوتے، پھر اگر سچائی سے تجزیہ کیا جائے تو میں نے نہ عباس پر احسان کیا تھا نہ ہی بچیوں پر میں نے درحقیقت خود پر احسان کیا تھا خود کو خوشی دی تھی۔ عباس سے وابستہ ہر چیز ہر رشتہ میرے لیے قابل محبت قابل احترام ہی تو ہے۔" اس کے لہجے میں ایک جذب تھا ایک عقیدت مندانہ خوشبو بھرا احساس جو اتنا اثر پذیر تھا کہ سامنے والے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔ پھر عباس پر اثر کیوں نہ ہوا؟

"چلو مانا پہلے کی بات اور تھی مگر فاطمہ تمہیں اب ضرور عباس کو اپنی شدتوں میں بتلا دینی چاہیے اور کچھ نہیں تو وہ تمہیں غلط سمجھنا تو چھوڑ ہی دیں گے نا۔" فاطمہ اس کی بات پر دل سوز انداز میں مسکرادی۔

"میرے نزدیک یہ میری محبت کی شان میں گستاخی ہوگی زینب کہ میں اسے آشکار کرکے اس کا بدل مانگوں، میں ایسا نہیں کرسکتی زینی اس لیے بھی کہ مجھے ان کے ہر اس احساس سے محبت ہے جو پوری سچائی سے خالصتاً میرے لیے ان کی زبان اور آنکھوں سے نکل کر مجھ تک پہنچتا ہے اور ایسا ابھی تو ممکن ہے نا کہ میں انہیں سب کچھ بتاؤں اور وہ یقین نہ کریں۔ میری محبت مجھے اپنی اس بے حرمتی پر کبھی معاف نہیں کرے گی کہ میں نے کسی کو اس عبادت میں شامل کرنے کی جرأت کی۔" اس کا انداز ہنوز دوٹوک تھا اور زینب گنگ ہوتی اس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

عباس دروازے کے باہر ہی ٹھٹک گیا مگر یہ لمحاتی تاثر تھا اگلے لمحے وہ پھر اسی تنفرانہ انداز میں سر جھٹک چکا تھا اس کے خیال میں یہ بھی فاطمہ کی سازش تھی محض اسے متاثر کرنے کی سازش، اس کا خیال تھا کہ وہ اسے دروازے کے پار دیکھ چکی ہے جبھی جذباتی ڈائیلاگ بول رہی تھی۔

❀......◉......❀

فراز گاڑی ڈرائیو کررہا تھا جب اس کا سیل فون مخصوص ٹون کے ساتھ گنگنایا اس کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔ نمبر دیکھے بنا وہ جان سکتا تھا کہ فون کرنے والی اریبہ ہے اس نے اسٹیرنگ سے ہاتھ اٹھا کر کوٹ کی جیب سے فون نکالا۔

"جی جناب، خیریت ہمارے بغیر دل نہیں لگ رہا؟"

اس کا لہجہ شوخ و شنگ اور کھنک دار تھا۔ اریبہ کی جانب سے غلط فہمی کی آخری چھانس جو اٹکی رہ گئی تھی وہ بھی خود بخود نکل گئی ہر گزرتا دن ثابت کررہا تھا کہ اریبہ اس سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ اس کا محبت بھرا انداز اور چہرے پر فراز کی قربت میں پھوٹنے والی الوہی چمک بتاتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے یہی یقین فراز کی آسودگی کا باعث تھا۔

"آپ اس وقت گھر آسکتے ہیں مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" اریبہ سنجیدہ تھی۔

"نہیں یار اس وقت تو بالکل نہیں سکندر کے گھر جارہا ہوں تمہیں پتا تو ہے اس نے گھر کی تمام ذمہ داری مجھے سونپی ہوئی ہے راجا احمد صاحب اب جلدی میں ہیں بیوی لانے کو اس لیے دن رات ایک کر رکھا ہے اس کے بعد ایک اور بہت اہم کام ہے مجھے۔" اس کی تفصیلات کے جواب میں اریبہ نے ٹھنڈا سانس بھرا تو فراز کو شرارت سوجھی۔

"تم بے فکر رہو رات کو تو تمام پر آجاؤں گا تم سے زیادہ مجھے بے چینی ہوتی ہے تمہیں دیکھنے کی۔" اس کے بہکے ہوئے شوخ انداز پر اریبہ شرما گئی۔

"ٹھیک ہے پھر اب رات کو ہی ملاقات ہوگی۔"

"ارے رے...... رے سنو تو یار فون پر کرلو اگر اتنی ضروری بات ہے۔" فراز نے بے اختیار ٹوکا تو اریبہ نے ہنستے ہوئے انکار کردیا۔

"یہ فون پر کرنی والی بات نہیں ہے۔"

"کہیں تم مجھے پاپا بننے کی خوشخبری تو نہیں سنانا چاہ رہی ہو؟" اس کے فلمی انداز پر فراز کو پھر شرارت سوجھی تو اریبہ جھینپتی ہوئی رابطہ منقطع کرگئی۔

فراز نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھا ہی تھا کہ سکندر کی کال آگئی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

"تم ابھی تک آفس کیوں نہیں پہنچے فراز، پتا بھی ہے کہ کتنی اہم میٹنگ ہے بارہ بجے، چاچو اور تاؤ جی ایسے مواقع پر ایسے چپ سادھ لیتے ہیں کہ جیسے میری صلاحیتوں کی کمزوریوں کو لوگوں کے سامنے آشکار کرکے انہیں مجھ پر ہنسنے کا موقع دینا چاہتے ہوں۔" سکندر نے بے حد خفگی اور سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

"میں آرہا ہوں، مگر سن اب میرا اسہارا لینا چھوڑ دے سمجھا، تیری طرح میں نے بھی امیر ترین بننے کا سوچ لیا ہے تیرے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہوگا اب۔" اس نے مسکرا کر کہتے رابطہ منقطع کردیا۔

چندرہ منٹ کی مزید ڈرائیونگ کے بعد وہ مطلوبہ اپارٹمنٹس کی بلند بلڈنگ کے سامنے کھڑا تھا گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرکے وہ تیز قدموں سے چلتا لفٹ تک آیا اور مطلوبہ فلور کا بٹن دبا کر لفٹ میں داخل ہوگیا جس وقت وہ فلیٹ کے دروازے پر کھڑا اطلاعی بیل بجا رہا تھا اس کا دل بہت تیز دھڑکنا شروع ہوگیا۔

"شرجیل بھائی مجھے دیکھ کر کیسا ری ایکٹ کریں گے؟" اس نے مسکرا کر تصور کرنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی بند دروازہ کھل گیا فراز اپنے سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر حیران پریشان یہ سوچنے پر مجبور ہوا تھا کہیں وہ غلط جگہ تو نہیں آگیا؟

❁......◉......❁

اس نے گود میں سوئے زاروں کو جھک کر پیار کیا تو آنکھوں میں اترے آنسو بے تابی سے لپک کر اس ننھے فرشتے کے گلاب جیسے گال بھگو گئے۔ وہ لوگ شرجیل کے بے پناہ اصرار کے باوجود وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے تھے۔ واپسی کے وقت لاریب نے جانے کس جذبے سے مجبور ہوکر زاروں کو سمعیہ کی گود سے لیتے ہوئے ایک بار پھر بے تحاشہ پیار کرتے ہوئے اچانک اور بے اختیاری کی کیفیت میں شرجیل سے اسے ساتھ لے جانے کی فرمائش کردی تھی تب امامہ نے بھی فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آپ فکر نہ کریں شرجیل بھائی ہم اسے بہت اچھے طریقے سے سنبھال لیں گے۔" شرجیل مدھم سا مسکرا دیا تھا۔

"یہ بات نہیں ہے، میں تو یہ سوچ کر اللہ کا شکر ادا کررہا ہوں کہ ایک وقت تھا جب میرے بیٹے کے پاس تو جو محبت کی بہت کمی تھی اور یہ جیسے لاوارث ہوگیا تھا مگر اب...... میں سمعیہ کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا۔" وہ بے حد ممنون نظر آرہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں شرجی بھائی اللہ نے جس طرح ہمارے زاروں کو باقی رشتوں سے نوازا ہے بالکل اسی طرح اس کی ماما کی گود بھی اسے نصیب فرمادے گا اور زاروں کو جانے دیں پلیز، ان رشتوں کا بھی بہت حق ہے اس پر۔" سمعیہ کے کہنے پر امامہ کے رکے ہوئے آنسو پھر

سے بہنے لگے۔ شرجیل نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

"آپ کو پتا ہے گڑیا، ایمان سب سے زیادہ آپ کو یاد کرتی تھی آپ کے لیے فکر مند ہوا کرتی تھی بابا جان اس نے وہ قدم میرے مجبور کرنے پر اٹھایا تھا میں نے اس کے لیے کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ آپ سے بچھڑ کر کبھی خوش بھی نہیں رہ سکی۔" شرجیل تمام تر حوصلے کے باوجود ان کمزور لمحوں میں بار بار بکھر رہا تھا۔

لاریب کو اس کی محبت اس کی وفا پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہا ساری کہانی جان لینے کے بعد وہ دل میں اس کے لیے بہت احترام محسوس کررہی تھی کہ حالات کی نزاکتوں کے باوجود اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس لڑکی کو تحفظ بھی دیا تھا اور ایمان کے ساتھ وفاداری بھی نبھائی۔

"ہم زاروں کو لے جارہے ہیں بھائی، ساتھ میں سمعیہ بھی چلیں گی کیونکہ وہ اپنی اسی بوا کا عادی ہے اس بہانے آپ اور ابراہیم بھائی بھی ہمارے یہاں چکر لگالیں گے کیوں بابا جان؟" لاریب نے اس دوران پہلی بار گفتگو میں شامل ہوکر فیصلہ بھی صادر کردیا جس کا خیر مقدم کرتے ہوئے شرجیل کے ساتھ سمعیہ اور ابراہیم احمد بھی مسکرانے لگے۔

"یہ سوگیا ہے لاریب، اسے لٹا دیں ورنہ اس کی نیند خراب ہوجائے گی۔" سمعیہ تولیے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی بولی لاریب نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"چائے پیوگی سمعیہ، میں خود بنانے جارہی ہوں بہت اسپیشل قسم کی۔" لاریب نے زاروں کو لٹانے کے بعد اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ لاکھ کوشش کرتی خود کو فریش ظاہر کرنے کی مگر ایمان کے حوالے سے خدشات اسے گہری سوچ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ صرف اس کے ہی نہیں امامہ اور بابا جان کے بھی سجدے دراز ہونے لگے تھے۔

"میں چائے بنا لائی ہوں، بس آجائیں آپ بھی۔" امامہ ٹرے اٹھائے اندر آئی اس کی بھیگی پلکیں بھی گریہ کی گواہ تھیں۔

وہ لاریب اور بابا سائیں سے کہیں زیادہ اپ سیٹ تھی وقاص اسے لینے آیا تو اس نے بے حد لجاجت آمیز انداز میں اس سے مزید یہاں ٹھہرنے کی اجازت مانگی۔

"مجھے کسی بھی لمحے سکون نہیں ہے وقاص میں وہاں جاکر بھی آپ کو پریشان کرتی رہوں گی آپ پلیز مجھے کچھ دن مزید یہاں رکنے دیں اور دعا کیجیے گا کہ باجو جلد ٹھیک ہوجائیں۔"

اب وہ ہر دل کی بات بلا جھجک اس سے کہہ دیا کرتی تھی وجہ وقاص کی سرتاپا تبدیلی تھی۔ وہ ان زیادتیوں کی تلافی میں ہر دم کوشاں رہتا تھا جو اس نے کبھی امامہ سے روا رکھی تھیں۔

"جب باجو ٹھیک ہوجائیں گی تو میں ان سے لڑائی ضرور کروں گی اس بات پر کہ بجو نے اگر میری بیٹی کو پیار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تو اس کی وجہ انہی کا بیٹا بنا ہے اور یہ بھی دیکھیے گا میں باجو سے ان کا بیٹا بھی ان سے چھین لوں گی پتا ہے کیسے، میں نور (امامہ کی بیٹی) کی شادی زاروں سے طے کروں گی، ابھی جب شرجیل بھائی آئیں گے میں زاروں کو رنگ پہنا کر باقاعدہ نسبت طے کروں گی۔" لاریب کی آنکھیں بے اختیار بھیگتی چلی گئیں وہ امامہ کی کیفیت کو سمجھتی تھی بہانے بہانے ایمان کا ذکر کرکے دل بہلائے رکھنا اور مستقبل کے حوالے سے سنہرے سپنے سجا کر دل کو ڈھارس دینا مقصد تھا۔

"سمعیہ آپ ہمیں باجو کی وہ باتیں بتائیں نا جو آپ کے ساتھ اکٹھے رہتے وقت وہ آپ سے کرتی تھیں۔" امامہ کہہ رہی تھی اور لاریب اس کی بے کلی دیوانگی کو دیکھتی ہونٹ کچلنے لگی تھی۔ سمعیہ پھر سے وہی باتیں انہیں سنا رہی تھی جو ان دو دنوں میں وہ لاتعداد بار ان کے سامنے دہرا چکی تھی۔

❁......◉......❁

فاطمہ نے جھکا سر اٹھا کر ایک نظر اپنے ہمسفر کو دیکھا۔ آج اسے اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تھا۔ جتنے دن وہ وہاں ایڈمٹ رہی وہ اگر وہاں آتا بھی تھا تو فاطمہ سے ملنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تھا، ڈاکٹرز یا نرسوں سے اسے پتا

چلا دو آیا تھا شاید اتنا خفا تھا اس سے کہ شکل دیکھنے کا بھی روا دار نہیں تھا۔

کئی بار تو فاطمہ کو یہ سوچ کر اپنی دھڑکن رکتی محسوس ہونے لگی تھی اگر اس نے اس مقام پر جدائی کا فیصلہ کرلیا تو کیا کرے گی وہ اسے یاد تھا جب پہلی بار اسے پتا چلا اس کا اصل نام ساحر نہیں عباس حیدر ہے تو اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں زینب سے اس کے نام کا مطلب جاننا چاہا تھا۔

"یہ دونوں نام شیر کی کیفیات کو ہی واضح کرتے ہوئے مطلب رکھتے ہیں۔ عباس اور حیدر بھی انہیں کیفیات کو اجاگر کرتے ہیں۔" زینب کے انداز میں دوستانہ شرارت کا رنگ تھا، فاطمہ کتنا جھینپ گئی تھی اس وقت۔

"تمہیں یقین ہے زینب وہ مجھے مل جائے گا۔" وہ بہت جلد سنجیدہ ہوگئی۔ اس کا دامن اس پل بہت مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں، میں اللہ سے ہمیشہ بہت اچھی امید ہی رکھتی ہوں اور اللہ ہماری جائز خواہشات کو کبھی رد نہیں کرتا لیکن اگر وہ نہ دے تو ہمیں اس کی رضا کو اپنی مرضی پر مقدم ضرور رکھنا چاہیے۔" زینب نے اپنے دھیمے پرتاثر لہجے میں کہا تھا پھر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا تب وہ ماضی سے حال میں واپس لوٹی تھی اس کی نظر کھڑکی سے باہر گئی سگنل گرین ہوچکا تھا آگے پیچھے گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں فاطمہ نے ایک نظر اس غافل و بے نیاز ہمسفر پر ڈالی۔

"ہائے...... ساحر بھائی، میں فراز علوی کیسے ہیں آپ؟" اسے اپنے خیالات سے چونکانے کا باعث جو مردانہ آواز بنی تھی اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ عباس حیدر کی جانب کھڑکی پر جھکا وہ خوش پوش نوجوان کتنے والہانہ انداز سے عباس سے مصافحہ کررہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ نے پہچانا نہیں۔" فراز اس گمبھیر تاثر سے بھی قیاس کرسکا تھا۔

"میں پہچان چکا ہوں فراز کیسے ہیں آپ؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"تھنک گاڈ مائے سن۔" معاً اس کی نگاہ فاطمہ پر پڑی تو یکدم پہچان کا مرحلہ طے کرتا کتنا حیران نظر آنے لگا تھا۔

"تو وہ...... مس ہمدانی ہاؤ آر یو؟ مجھے ہرگز توقع نہیں تھی آپ سے دوبارہ ملاقات ہوسکتی ہے وہ بھی ساحر بھائی کے ساتھ آپ تو ہم سے بھی پہلے وہ کام چھوڑ چکی تھیں نا؟" وہ بے تکلفی سے ہنستا ہوا ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میرا نام فاطمہ ہے، میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔" وہ اس پروقار انداز میں گویا ہوئی جو کسی بھی غیر مرد سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں خصوصیت سے رکھائی کے احساس سمیت اتر آتا تھا۔

"ماشاء اللہ، بہت مبارک ہو آپ کو آج کل کہاں ہوتی ہیں آپ؟" فاطمہ نے اس سوال پر بے چین ہوکر عباس کی طرف دیکھا مگر وہ بے نیاز ہی نہیں بے مہر بھی نظر آرہا تھا۔

اس نے جھکی پلکوں کے ساتھ گویا اس پل اپنے ساتھ اس شخص کا بھی بھرم رکھا تھا جسے شاید اس بات کی بھی پروا نہیں تھی۔

"سگنل کھل گیا ہے فراز ٹیک کیئر۔" وہ بھاری آواز میں بولا تب فراز ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور بہت عجلت میں دونوں کو وش کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں بہت شوق ہے تمہیں اس رشتے کی تشہیر کا مگر سنو، میں پسند نہیں کرتا اس بات کو سو بی کیئر فل ہو کے۔" اس کا لہجہ خوفناک حد تک روکھا تھا۔

"رشتوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانے کو انہیں نام اور پہچان دینا ازحد ضروری ہوا کرتا ہے عباس، ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے معاشرے میں میری پوزیشن کو مستحکم اور کلیئر رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے میں آپ سے بس ایک یہی تقاضا کرتی ہوں پلیز اس سے محروم نہ کریں مجھے۔" اس نے جیسے عباس کی منت کی۔

"شٹ اپ، اب تم سبق پڑھاؤ گی مجھے؟" وہ غرایا تو فاطمہ سہم کر رہ گئی۔

"سمجھنے کی کوشش کر، ضد نہ کر میرے بھائی۔" فراز سکندر کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بیٹھا تھا مگر وہ بے نیازی سے اپنے کام میں مجو رہا گویا اپنے کہے سے دستبردار ہونے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس کا گھر مکمل ہوچکا تھا سکندر آج شفٹنگ کا ارادہ رکھتا تھا مگر اکیلا نہیں نبیل اور فراز کے ساتھ۔ نبیل کو تو خیر خبر نہیں تھی البتہ فراز ضرور سکندر کو سمجھا سمجھا کر عاجز ہوگیا تھا تب سکندر نے کہا۔

"میں یہ گھر اس گھر کے دیگر مکینوں کے لیے چھوڑ رہا ہوں مگر تم اور نبیل ہی نہیں شرجیل بھائی بھی میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو فراز، میں رشتوں کو ترسا ہوا انسان ہوں ان محبتوں کو خاص طور پر کھونا نہیں چاہتا جن کے اخلاص پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔" اس پل وہ کتنا عاجز کتنا ٹوٹا ہوا لگنے لگا تھا۔

"اور جو تمہاری بھابی جوں والی بیوی کو تمہارا یہ اقدام پسند نہیں آیا اور انہوں نے اگر ہمیں ہمارے سامان سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا تو کتنی توہین ہوگی یار اندازہ تو کر۔" اس کا احتجاجی رنگ لیے مصنوعی لہجہ اور غیر سنجیدہ انداز صاف لگ رہا تھا وہ بات مذاق میں اڑانا چاہ رہا ہے سکندر کے چہرے کے زاویے پھر بگڑنے لگے۔

"اسے میں اتنی جرات نہیں دوں گا کہ وہ میرے سر پر چڑھے۔" اس کا لہجہ غضب کی تپش سموئے ہوئے تھا۔

"کیا ہوگیا ہے تجھے، اتنا غصہ کیوں کرنے لگا ہے؟" فراز نے پریشان کن نظروں سے اس کی شکل دیکھی۔

"تم بس مجھے یہ بتاؤ آج میرے ساتھ شفٹ ہورہے ہو یا نہیں۔" اس کے تیور ہنوز تھے۔

"ٹھیک ہے جیسے تیری مرضی۔" فراز کو شکست تسلیم کرنی پڑی۔

"محبتوں میں احسان نہیں ہوا کرتا فراز یہ میری خواہش ہے اسے پورا کرو، چند سال بعد تم لوگ بے شک الگ ہوجانا کمپنی کی طرف سے تمہیں گھر اور گاڑیاں تو ملیں گی ہی، اگر تم سمجھتے ہو تمہاری عزت نفس مجروح ہوتی ہے تو......"

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ
AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
ماہنامہ نئے افق
دنیا کو تسخیر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر نچانے والے ذات کے قصے کا احوال امجد جاوید کی قلم سے تحریر
عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے لیے بطور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول
تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی ایسی دلگداز داستان جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے
AANCHALNOVEL.COM
قارئین کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے
خوشبوئے سخن، منتخب غزلیں، نظمیں، ذوق آگہی، اقتباسات، اقوال زریں، احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانیے
(021-35620771/2)

"ایسا کچھ مت سوچو سکندر، مجھے تمہاری محبت تمہارے اخلاص پر شک و شبہ نہیں ہے۔" فراز کے متانت سے کہنے پر سکندر تشکرانہ نظروں سے اسے تکتا آگے بڑھ کر اسے گلے لگا چکا تھا۔

"یار میرے پاس تمہیں دینے کو بہت اہم خبریں تھیں تم نے اپنا رولا ڈال کر دھیان ہی ہٹا دیا۔" وہ پھر سے اپنے موڈ میں آ چکا تھا سکندر نے اسے گھورا تو فراز ہنستا چلا گیا۔

"تمہیں پتا ہے پرسوں میں کس سے ملا تھا؟" اس نے چمکتی نظروں سے اسے دیکھا تو سکندر نے بے اعتنائی کے مظاہرے سمیت کاندھے اچکائے۔

"شرجیل بھائی سے رئیلی امیزنگ سکندر وہ تو بالکل بدل گئے ہیں اور ایسا اللہ جانے ان کی بھابی کی وجہ سے ہوا ہے یا پھر ابراہیم بھائی کی قربت کا شاخسانہ ہے۔"

"ایک منٹ...... ابراہیم صاحب کون؟" سکندر نے اسے بے اختیار ٹوکا۔

"ابراہیم احمد سعیہ کے ہزبینڈ ہیں سعیہ ہماری وہی کزن یار جسے شرجی بھائی یہاں سے اپنے ساتھ لے گئے تھے تمہیں پتا ہے ابراہیم صاحب فارنر تھے اسلام قبول کیا ہے انہوں نے مگر یار وہ ایسے کامل مسلمان ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہمارا ایمان تازہ ہو جائے، مجھے تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے ایسی باتیں بتائیں کہ میرا پھر ان سے ملنے کو دل کر رہا ہے۔" وہ بے حد اشتیاق سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں تو پھر مل لینا، شرجیل کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟"

"ہم دونوں میں ہمیشہ بہت بے تکلفی اور محبت رہی ہے سکندر، شرجیل بھائی کو نہ مجھ سے پہلے کبھی شکایت تھی نہ اب ہے لیکن وہ میرے ساتھ یہاں آنے پر آمادہ نہیں تھے۔" فراز کے لہجے میں ڈھیروں ملال اتر آیا تھا۔

"ارے ہاں سکندر یاد آیا یار وہ ایک لڑکی تھی ناں، جسے فلم میں میرے ساتھ ہیروئن بننا تھا۔" سکندر کی نافہم نظروں کے تاثر کو دیکھتا وہ زچی سے جھنجلایا۔

"یار وہی ہندو لڑکی، جس کا تمہیں بتایا تھا کہ بہت خوبصورت لگتی تھی ساحر...... مطلب عباس بھائی کے [illegible] کل میں نے پھر اسے عباس بھائی کے ساتھ دیکھا ہے پتہ نہیں کس حیثیت سے......؟" وہ بات ادھوری چھوڑ کر سسپنس کا تاثر قائم کرتے ہوئے کھلکھلایا۔

"ان کی مسز کی حیثیت سے قسم سے یار میں تو بھونچکا ہی رہ گیا اس حسین اتفاق پر تمہیں پتا ہے وہ مسلمان ہو چکی ہیں جب وہ شوٹ پر تھیں ہمارے ساتھ تب بھی کئی بار ایسا لگا تھا جیسے ان کی دلچسپی کسی کام میں نہیں ہیں عباس بھائی میں ہے، جب وہ انہیں دیکھتی تو باقی سب بھول جاتی تھیں......!"

"تم سوئے نہیں اب تک، یہ لو دودھ پی لو۔" بغیر دستک کے اندر گھسنے والی تائی ماں نے فراز کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی تھی مگر اگلے لمحے جب سکندر سے مخاطب ہوئی تو لہجے میں شیرینی گھل چکی تھی۔

"یار اس دودھ کو ضائع کر دیا کرو مجھے لگتا ہے تائی ماں اس میں کوئی تعویذ گھولتی ہیں تاکہ تم خود کبھی کرن کی بیٹی سے عقد کرلو۔" فراز نے سکندر کے کان میں گھس کر جتنے رازدارانہ انداز میں کہا تھا سکندر کے لیے مسکراہٹ ضبط کرنا محال ہو گیا۔

"یہ لوگ کبھی تمہیں تمہاری حیثیت سمیت قبول نہ کرتے سکندر اگر تمہارے پاس اس ساری جائیداد کے اصل کاغذات نہ ہوتے۔" اسے فراز کی بات یاد آئی تھی۔

"تم کیا ہر وقت یہاں گھسے رہتے ہو، جاؤ اپنے کمرے میں سکندر بیٹے سے کچھ بات کرنی ہے۔" تائی ماں کا لہجہ فراز کے لیے خاصا جنگ آمیز تھا ان کا یہی انداز سکندر کو گراں گزرتا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے جو آپ میری موجودگی میں نہیں کر سکتیں؟" اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا فراز نے خود ہی حساب بے باک کر دیا۔

"جو بھی ہو تمہیں اس سے کیا تم جاؤ۔" تائی ماں کا لہجہ انداز خاصا بے دید تھا۔

"فراز کہیں نہیں جائے گا تائی ماں، میری کوئی بات

فراز سے چھپی ہوئی نہیں ہے، آپ کہیے جو کہنا چاہتی ہیں۔" سکندر کا لہجہ برہم تھا۔

"ٹھیک ہے، میں پھر کسی وقت بات کرلوں گی۔" وہ خود اٹھ کھڑی ہوئیں تو فراز نے مسکراہٹ دبائی۔

"پھر شاید آپ کو یہ موقع نہ ملے تائی ماں دراصل سکندر نے اپنا دوسرا گھر لے لیا ہے، یہ وہیں رہے گا اب۔" اس اطلاع نے واقعی تائی ماں کا رنگ فق کر دیا۔

"کیوں بیٹے ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے؟" وہ یک دم بہت ہی ہراساں ہوگئی تھیں۔

"جی ہاں، کوتاہی تو ہوئی تھی مگر اٹھائیس سال پہلے یاد تو ہوگا آپ کو، سکندر نے اس جرم کی سزا آپ کو نہیں دی کیا یہ کافی نہیں ہے۔" فراز کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ تائی ماں اس کی تاب نہیں لا پائی تھیں جبھی گڑبڑا کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ فراز نے سر جھٹک کر گہرا سانس لیا اور سکندر کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتا خود بھی چلا گیا۔ سکندر اس ضروری بات کے متعلق سوچنے لگا جو تائی ماں اس سے کرنا چاہتی تھیں مگر تائی ماں نے اس الجھن سے بھی اسے جلد نکال دیا کہ فراز کے جانے کے محض پانچ منٹ بعد پھر ان کی آمد ہو گئی تھی مگر اس مرتبہ وہ اکیلی نہیں تھیں تاؤ جی بھی ان کے ساتھ تھے سکندر الجھن زدہ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تمہاری تائی ماں بتا رہی تھیں تم جا رہے ہو یہاں سے، کیوں؟" تاؤ جی نے اپنے مخصوص انداز میں استفسار کیا۔

"میں خود مختار ہوں بالغ ہوں میرا خیال ہے میں اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں۔" جواب دینے کا انداز ایسا تھا کہ تائی ماں گڑبڑا گئیں جبھی تاؤ جی کو سرزنش والا ٹہوکا مار کر خود بات سنبھالنا چاہی۔

"ارے نہیں بیٹے آپ برا نہیں مناؤ بالکل آپ اپنی مرضی کر سکتے ہو میرا مقصد تو یہ تھا کہ وہاں اکیلے گھر میں آپ کو پریشانی کا سامنا ہوگا کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کے سو مسئلے ہوتے ہیں گھر عورت کے وجود کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم شادی کرلو لڑکی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اپنی صالحہ ہے ناں۔" بالآخر تھیلے سے بلی باہر آ گئی تھی سکندر نافہم نظروں سے انہیں سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی اس عزت افزائی کے لیے شکریہ، معذرت چاہوں گا تائی ماں میں آپ کی یہ آفر قبول نہیں کرسکتا دراصل میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔" اس کی بات سن کر تائی ماں حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"مذاق کر رہے ہو بیٹے؟" انہیں پتا نہیں کیوں یقین ہی نہیں آیا۔

"نہیں میں ایسا کیوں کروں گا بھلا؟" سکندر نے نرمی سے نفی کی اسے اس بوڑھی عورت پر ترس آنے لگا۔ البتہ تاؤ جی یوں ہونٹ بھینچے بیٹھے تھے جیسے کسی طوفان کو دبانا چاہتے ہوں۔

"ہوگئی تمہاری تسلی کروالیا مزید ذلیل، اب اٹھو۔" غصے سے کہتے وہ باہر نکل گئے۔

وہ سر جھکائے کنفیوژ سی سب کے درمیان بیٹھی تھی۔ سب جو اس کے سسرالی رشتہ دار تھے اماں جان دونوں بیٹیوں کے ہمراہ پہلی بار بیٹے کے گھر اچانک چلی آئی تھیں، فاطمہ تو انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی مگر عباس خاصا جزبز نظر آ رہا تھا پتا نہیں کیوں اس کیوں کا جواب بھی اسے جلد مل گیا تھا جب اماں جان نے فاطمہ کی حالت دیکھ کر عباس کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

"تم نے بہو کا چیک اپ نہیں کرایا عباس، کیا حالت ہو رہی ہے بچی کی۔"

"کرا لیا ہے اماں جان، اب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ فکر نہ کریں۔" عباس کی ناگواریت کو محسوس کرتے فاطمہ نے گڑبڑا کر وضاحت اور صفائی پیش کی تھی مگر معاملہ سنورنے کے بجائے گمبھیر ہونے لگا۔

"سچ بتانا عباس تم نے بچی کا ابارشن تو نہیں کروا دیا، ارے مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا میرا اندازہ غلط نہیں۔ خوف خدا تو جیسے آج کل کے نوجوانوں میں ختم ہو گیا ہے بہو کی چاہے جان چلی جاتی۔"

وہ اپنی سوچ اپنے یقین پر عباس کو بری طرح ڈانٹ رہی تھیں اور عباس...... اس کا بس نہ چلتا تھا کہ خود کہیں بھاگ جائے۔ معاملہ ایسا تھا کہ فاطمہ عادت کے مطابق عباس کی پوزیشن بھی کلیئر نہیں کر پا رہی تھی کہ شرم کے باعث زبان ہی تالو سے چپک گئی۔

"اماں جان، فار گاڈ سیک آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے آپ کی لاڈلی محترمہ کو بخار تھا پچھلے دنوں اس وجہ سے ویک ہیں اور کچھ نہیں ہوا ہے کیا میں آپ کو اتنا گرا ہوا نظر آتا ہوں۔" فاطمہ پر دہکتی نگاہ ڈالتا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"مجھے لگتا ہے عباس خفا ہو گیا ہے اماں جان آپ بھی حد کرتی ہیں آتے ہی انہیں لتاڑنا شروع کر دیا۔" مہرو آپا نے اماں جان پر گرفت کی تو وہ کھسیانی سی ہو گئیں۔

"ارے غلط فہمی بھی انسان کو ہی ہوتی ہے خیر میں خود منا لوں گی اپنے بیٹے کو۔" فاطمہ اٹھی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو بیٹا۔" ان کے انداز میں محبت تھی۔

"آپ کے بیٹے کو دیکھیں گی نا اب اماں کے خراب کیے موڈ کو بیوی ہی بحال کرے گی نا۔" زینب نے حسب عادت شگوفہ چھوڑا تھا فاطمہ کی کندنی رنگت لمحوں میں دہک اٹھی اور چہرے پر دھنک بکھر گئی۔

"ہم... میں...... دیکھتی ہوں چائے کیوں تیار نہیں ہوئی...... ابھی تک اور بچوں کو دیکھوں اٹھ تو نہیں گئے؟" وہ بوکھلا کر بولی تو زینی زور سے ہنس پڑی۔

"اگر تم یہ کہہ دیتی کہ میں عباس کو دیکھتی ہوں تو بھی ہمیں اعتراض نہیں ہونا تھا آخر وہ شوہر ہیں آپ کے مگر یہ شرم و حیا بھی خوب ہے لیکن شادی کے اتنے عرصہ بعد بھی آخر کیسے شرما لیتی ہو۔" زینی کو اسے چھیڑنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ اس چھیڑ چھاڑ سے فاطمہ کے چہرے پر اترتے حجاب خفت اور گریز کے رنگ اسے بہت بھاتے تھے۔ فاطمہ کی جھینپ کچھ اور بڑھ گئی۔ جواب دیے بغیر وہ تیزی سے نکل گئی۔ البتہ ان تینوں کی دلفریب ہنسی کی آواز اس کے تعاقب میں آئی تھی۔

"جب میں خود مسلمان نہیں ہوا تھا تو اسلام کی سچائی کو بھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ میں نے مذہبی اسکالر ابو طلحہ کو بھی بہت زچ کیا تھا۔ میں آخر یا ہر روز ہی ان کے پاس اپنے لاتعداد سوال لے کر پہنچ جایا کرتا۔ میں سلام پیش کرتا ہوں اس باحوصلہ اعلیٰ ظرف انسان کو جو کبھی مجھ سے یا میرے سوالوں سے چڑے ہوں۔ میں اکثر لمبی بحث کیا کرتا۔" وہ فراز سے گفتگو تھا۔

"آپ سے مل کر مجھے روحانی خوشی ہوتی ہے ابراہیم بھائی، مجھے شرجیل بھائی نے بتایا تھا کہ آپ اپنی گمشدہ بہن کی تلاش میں ہیں کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" فراز کے لہجے و انداز میں اس کے لیے سچی عقیدت و پیار تھا ابراہیم احمد نرمی سے مسکرایا۔

"جی ضرور کیوں نہیں، مگر میرے پاس اول تو کیتھی کی کوئی تصویر نہیں، دوسری بات یہ کہ میں اس کی تصویر اخباروں میں شائع کرانا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"اٹس اوکے ابراہیم بھائی آپ بس مجھے ان کے مکمل کوائف لکھ کر دے دیں ہم اخبار میں اشتہار دے دیں گے۔ ویسے یہ کام نیٹ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔" فراز کے کہنے پر ابراہیم نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"میں کوشش کر چکا ہوں فراز کیتھی غالباً انٹرنیٹ یوز نہیں کرتی اگر کرتی بھی ہو گی تو کسی اور نام سے میں نے کیتھی اور سندی نام کی لاتعداد لڑکیوں سے رابطہ کیا مگر ناکامی رہی۔"

"کیا مطلب کیتھی اور سندی، میں سمجھا نہیں۔ کیا آپ کو کسی سندی کی بھی تلاش ہے؟" وہ واقعی الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ سندی نام پر اس کے حواس الرٹ ہو چکے تھے۔

"کیتھی کے دو نام ہیں محمد فراز احمد، بچپن میں ہمارے فادر اور مدر دو مختلف مذاہب سے تھے دونوں نے ہمیں اپنے اپنے مذہب کے نام دیے تھے، کیتھرائن کا نام مما نے سندی رکھا تھا۔" ابراہیم مسکرا کر نرم انداز میں وضاحت دے رہا تھا

اور فراز ایک دم حیران ہو گیا۔

"کیا ان کا پورا نام سندی گریوال تھا؟" اس نے چونکتے ہوئے ابراہیم سے سوال کیا اس سے قبل کہ ابراہیم احمد کچھ کہہ پاتا دونوں شرجیل کی بلند آواز پر گھبرا کر پلٹے تھے۔ جو فون پر بات کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر اس پل کتنی پریشانی تھی۔

"آپ نے خیریت سے کال کی ہے نا ڈاکٹر صاحب پلیز بتا دیں مجھے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" وہ فق چہرے کے ساتھ کہتا بے دم سا ہو کر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟" فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس کے چہرے پر تغیر تھا اور آنکھیں اس پل سمندر بن کر ابل پڑیں۔ وہ یونہی سسکتا ہوا بے قراری سے سجدے میں گر گیا۔

"کیا ہوا بھائی مجھے بتائیں۔ فار گاڈ سیک مجھے بتائیں ابی بھابی تو ٹھیک ہیں نا؟" وہ اس سے سوال کرتا کسی قدر سراسیمہ لگ رہا تھا شرجیل نے سجدے سے سر اٹھایا اور اسے گلے لگا لیا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"فراز، اللہ نے میری آزمائش ختم کر دی، ڈاکٹر نے ابھی بتایا ہے کہ ابی کومہ سے باہر آ چکی ہے۔" وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"مبارک ہو شرجیل احمد۔" ابراہیم نے بڑھ کر شرجیل کو گلے لگاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ شرجیل شدت جذب سے بے اختیار سسک اٹھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اس احسان کے بدلے رب کا شکر کیسے ادا کرے۔

"چلیں بھائی اسپتال چلتے ہیں بھابی سے ملنے۔" فراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خوشی سے لرزتی آواز میں کہا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ہوں بالکل اور ہمیں یہ خوشی کی خبر ایمان بھابی کے پیرنٹس کو بھی دینی چاہیے۔" ابراہیم احمد کے کہنے پر شرجیل بھی نم آنکھوں سے مسکرانے لگا پھر چند منٹ بعد اس کی گاڑی اسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔

اماں جان اور مہرو آپا وغیرہ کی آمد سے یہ ضرور ہوا تھا کہ بچوں کو ہر دم وہ خود اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھیں۔ بچے بھی مانوس ہو رہے تھے ورنہ تو سوائے فاطمہ کے وہ کسی کے پاس کم ہی خوش رہتے تھے۔ اب ذرا فرصت تھی تو فاطمہ نے رات کے کھانے کی تیاری اپنی نگرانی میں کرانا شروع کی۔ اس کے نزدیک عباس کے رشتے بہت اہم تھے جبھی وہ جی جان سے ان کی خدمت کرنا چاہ رہی تھی۔

"سلیم تم باہر جاؤ ذرا۔"

فاطمہ دروازے کی جانب سے رخ پھیرے کوکنگ رینج کے آگے کھڑی بریانی کا مصالحہ تیار کرنے میں مصروف تھی کہ عباس کی مخصوص آواز سن کر اپنا دل تھمتا محسوس کیا۔ گو کہ وہ اس سے مخاطب نہیں تھا مگر پھر بھی وہ پوری حسیات سے متوجہ ہونے سے خود کو روک نہیں سکی۔

"رات کو بیڈ روم میں آ جانا سونے کے لیے، میں نہیں چاہتا اماں جان کو کسی قسم کا بھی کوئی شک ہو۔" اب کہ وہ اس سے مخاطب تھا۔ خشک و سپاٹ تحکم بھرا انداز لیے اس کے باوجود فاطمہ کو لگا تھا اس کے اطراف میں لاتعداد جگنو جگمگانے لگے ہوں۔

پھر اس وقت ہی نہیں وہ بعد میں بھی عباس کی موجودگی میں نہ پلکیں اٹھا سکی نہ اس سے نظر چار کر سکی۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا، عباس خاصی دیر تک اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بیٹھا رہا۔ جبکہ فاطمہ بچوں کے ساتھ دیگر کام بھی دیکھنے لگی کچن اپنی نگرانی میں صاف کرا کر فارغ ہوئی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ عباس کے علاوہ اماں جان اور مہرو زینی بھی سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

فاطمہ نے چونکہ بچوں کو ان کے کمرے میں ہی سلایا تھا جبھی اس سمت آ گئی تھی کہ انہیں لے کر عباس کے کمرے میں جائے گی مگر کمرا خالی تھا یقیناً عباس بچوں کو پہلے ہی کمرے میں لے گیا تھا خود فاطمہ کو جھجک اور حجاب نے آن گھیرا۔ اسے عباس کے کمرے میں جاتے جھجک آ رہی تھی مگر جانا تو تھا اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ وہ سو چکا ہو گا اور واقعی جب وہ کمرے میں آئی عباس بے خبری کی

نیند میں گم تھا اس کی ہموار سانسوں کا زیر و بم اس کی گہری نیند کا پتا دیتا تھا اور نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے ساحرانہ نقوش کی دلکشی کو نگاہ کرتے دل میں سموتی فاطمہ کی آنکھیں بے مائیگی کے شدید احساس سمیت بھیگتی چلی گئی تھیں۔ گو کہ اس بلاوے میں کوئی امید تھی نہ معنی خیزی محض ایک بھرم تھا دنیاداری کا تقاضا تھا۔

وہ رات کا ہی کوئی پہر تھا جب کسی احساس کے تحت وہ نہ صرف جاگ اٹھی بلکہ اپنے اوپر بھاری بھرکم بوجھ محسوس کرتے ہی اس کے حلق سے زوردار چیخ نکل گئی۔ جس کا گلا درمیان میں ہی اس کے ہونٹوں پر آہنی ہاتھ جما کر گھونٹ دیا گیا تھا۔

"میں ہوں عباس اور تمہارے حسن سے متاثر ہو کر ہرگز تمہارے پاس نہیں آیا بے فکر رہو۔ تجھے کیوں لیٹی ہو اندھیرے میں مجھے الہام ہوا تھا بھلا؟ چوٹ لگوا دی مجھے۔" عباس کی آواز غیض سے بھرپور تھی۔

"ضرورت کیا تھی تمہیں آخر اس فضول حرکت کی؟" وہ اٹھ کر لائٹ آن کر چکا تھا۔

"آپ نے کہا تھا کمرے میں آ کر لیٹوں۔" فاطمہ نے صفائی دی تو اس نے جواباً کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو نیچے لیٹنے کو تھوڑی کہا تھا صوفے پر لیٹ سکتی تھیں وہ بیڈ تھا۔" وہ اسی طرح بھڑک کر بولا۔

"آئی ایم سوری کہاں چوٹ لگی ہے آپ کو؟" فاطمہ نے گریزاں انداز میں اسے ایک نظر دیکھا۔ عباس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

عباس واپس کمرے میں آیا تو دیا نے کسمسا کر رونا شروع کر دیا تھا۔ فاطمہ جو گم صم بیٹھی تھی چونک گئی، عباس نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ وہ دیا کو اٹھا کر کاندھے سے لگائے تھپکتی اور ٹہلتی رہی۔ عباس بستر پر جا لیٹا۔

اس کا خیال تھا فاطمہ دیا کے بہانے ضرور بستر پر اس کے برابر آئے گی اس کی توجہ حاصل کرنے کا فرسودہ طریقہ جو ازل سے ایسی نفس پرست عورتیں اپنے پسندیدہ مرد کو دام میں جکڑنے کو آزماتی آئی ہیں اس کے ہونٹوں پر زہر خند بکھر گیا وہ سلگ رہا تھا اس کے پور پور میں نفرت تھی گیس وہ منتظر ہی رہا مگر فاطمہ کی جانب سے ایسی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ دیا کے سونے کے بعد وہ اسے بستر پر لٹا کر خود واپس صوفے پر چلی گئی۔ لائٹ اس نے دوبارہ بند کر دی تھی۔ عباس اپنے اندازے کی غلطی پر حیران تھا۔

"تو کیا یہ وہ نہیں ہے جو میں اسے سمجھتا ہوں؟"

اس نے خود سے سوال کیا جواب میں اس کے اندر سناٹا چھایا رہا تھا۔ حالانکہ جواب تو تھا اس کے پاس جب اس نے فاطمہ کی آزمائش کرنی چاہی تھی اور وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

❁ ……◉…… ❁

شرجیل کو اس نے اس کا وعدہ یاد دلانے کو فون کیا تھا۔ مقصد شکوہ کرنا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کو بھی بھول گیا ہے مگر جو خوش خبری شرجیل نے اسے سنائی اس نے لاریب کو ہی نہیں حویلی کو خوشی سے لبریز کر دیا تھا۔ امامہ تو اس خوشی میں بھی رونے لگی تھی اور بابا سائیں نے فوری صدقہ کرنے کا کہہ کر خود سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ اگلے چند منٹ بعد وہ لوگ ذارون اور سمعیہ سمیت کراچی روانہ ہو چکے تھے۔

"بہت مبارک ہو بیٹا۔ اللہ نے بہت احسان کیا۔" دروازہ چونکہ شرجیل نے ہی کھولا تھا جبھی بابا سائیں اسے گلے لگا کر خوشی سے کہا۔

"سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بابا جان۔" شرجیل کی آواز میں اظہار تشکر تھا۔ لاریب اور امامہ وہاں رکے بغیر تقریباً دوڑتی ہوئی اندر آئی تھیں جہاں ایمان سامنے ہی بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز فراز کی کسی بات پر دھیمے سے مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت کمزور تھی مگر اللہ کا شکر تھا کہ اس کے تمام حواس سلامت تھے۔ انہیں روبرو پا کر اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی اتر آئی۔ لاریب اور امامہ نے ایک ساتھ لپک کر اسے محبت سے تھام لیا اور ملن کا یہ منظر بہت جذباتی تھی۔ فراز ایمان کے سامنے ڈھیر سے ڈھیرے سارے حقائق رکھ چکا تھا یہی وجہ تھی کہ ایمان، لاریب اور

امامہ کے ساتھ بابا سائیں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی منتظر تھی۔

"تم کیسی ہو مانو بلی؟ بہت اچھا کیا تم نے شرجی بھائی کے ساتھ آ کر ورنہ ہم تو اتنے اچھے اور پیارے بہنوئی سے محروم ہی رہتے۔" فراز نے سمعیہ کا سر تھپکا جوابا ایم احمد کی موجودگی کے باعث جھینپی شرمائی بے حد پیاری لگ رہی تھی اس کی بات پر جھینپ کر کھو اور سرخ پڑنے لگی۔ وہ اس سے گھر کے ایک ایک فرد کا پوچھ رہی تھی۔

"سب ہی ٹھیک ہے انہیں بھلا کیا ہونا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ وہاں صورت حال ہنوز وہی ہے کوئی تمہیں اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتا۔" فراز کا لہجہ متاسفانہ تھا۔

"یہ دیکھیں آپ کا بیٹا کتنا پیارا ہے۔" ایمان کو اس جذباتی کیفیت سے نکالنے کی غرض سے ہی لاریب نے اسے بابا سائیں کے کاندھے سے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے اور ذارون کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ ایمان کچھ تانیے ساکن ہو کر رہ گئی۔

"یہ اتنا بڑا ہو گیا لاریب؟" وہ حیرانی سے کہتی جھکی اور بچے کو پیار کیا۔

"ہاں تم بہت عرصہ غائب رہی ہو مجھ سے ابھی۔" جواب شرجیل نے دیا تھا ایمان کی آنکھیں پھر سے چھلکنے لگیں۔

"میں آپ سب لوگوں کی مجرم ہوں۔" وہ بابا سائیں کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگاتی پھر سے سسکی۔

"ایسا نہیں سوچو بابا کی جان، آپ اپنے بابا کی بیٹی نہیں بیٹا بن کر رہا کرتی تھیں۔" بابا سائیں نے نرمی و محبت سے کہتے اس کے ریشمی بال سہلائے۔

"ہاں بالکل اور بیٹوں کی خطائیں باپ جلدی معاف کر دیا کرتے ہیں اس لیے آپ بالکل بھی دل پر بوجھ نہ لیں بس آج آپ رشتہ پکا کریں اپنے بیٹے کا میری بیٹی نور سے۔ بتا رہی ہوں انکار ہرگز نہیں سنوں گی۔" امامہ نے بڑے انداز سے بڑے دھونس سے کہا تھا تو سب ہنس پڑے مگر ایمان چونک اٹھی۔

"ارے میری ننھی پری تمہاری شادی ہو گئی اور بیٹی بھی ہے؟" وہ کتنی حیرانی اور غیر یقینی سے امامہ کو دیکھ رہی تھی۔ جواب میں وہ معصومانہ انداز میں گردن اکڑا کر فرضی کالر کھڑے کرنے لگی تو لاریب کی ہنسی نکل گئی۔

"کس سے ہوئی تمہاری شادی؟" ایمان نے اسے بے اختیار تھام کر اسے گلے لگا کر چوما وہ یقیناً اس تلخ یاد کو فراموش کر چکی تھی جو کبھی اس پر قہر بن کر ٹوٹی تھی۔

"وہ بھی میری طرح بہت خوب صورت ہیں ملا دوں گی آپ سے فی الحال تو ساتھ نہیں لائی انہیں۔ آپ بات نہیں بدلیں اپنے بیٹے کا رشتہ دیں مجھے۔" لاریب اور بابا سائیں کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو ایک نگاہ دیکھتے امامہ نے بہت سمجھداری سے بات کو بدل دیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے اللہ پاک دونوں کے نصیب اچھے کرے، رشتہ تو طے کر لیا تم نے اب مجھے میری بہو بھی دکھاؤ۔" ایمان نے ہنستے ہوئے کہہ کر اس سے بچی کو لے لیا تھا۔ انداز میں شرارت تھی جس سے محظوظ ہوتے سبھی ہنس پڑے۔

"تمہارے کتنے بچے ہیں لاریب؟" ایمان نے ایک دم سے مخاطب کیا۔ لاریب پہلے تو ہونق ہوئی پھر اس کے صبیح چہرے پر خفت و خجالت کی لالی دوڑ گئی۔

"کیا مطلب، اگر تم دونوں یہ کارنامہ انجام دے چکی ہو تو ضروری نہیں کہ میں بھی……" اس کی ادھوری بات پر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"بھئی اب میرا کیا قصور ہے اگر امامہ کا بچہ تھا تو میں سمجھی تم بھی……" ایمان نے خفت زدہ انداز میں سرخ چہرے کے ساتھ وضاحت پیش کی۔

"لیں اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے بھلا؟ شادی ہوئی ہے تو بچے بھی ہونے ہی ہوتے ہیں۔" امامہ نے مسکراہٹ دبا کر بظاہر بے پروائی سے کہا۔

"ویسے باجو بجو کی شادی مجھ سے بعد میں ہوئی ہے ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔" امامہ کی وضاحت پر ایمان کی متبسم نظریں پھر سے لاریب کی سمت گھومیں۔

"کس کے ساتھ ہوئی لاریب کی شادی؟" اس کے

لہجے میں پُرشوق سا تجسس تھا۔
"آپ کے خیال میں کس سے ہوسکتی تھی، یاد ہے باجو میں نے ایک بار آپ سے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ سکندر بھائی بجو میں انوالو لگتے ہیں۔" وہ چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر شرارت لیے ایمان سے مخاطب تھی۔
"ہاں ہاں...... تو......؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔
"تو یہ کہ بس وہی لے اڑے ہیں انہیں، ہمارا گمان سچ کر دکھایا انہوں نے۔"
"رئیلی لاریب، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟" ایمان بھونچکی رہ گئی۔
"محبت کا کرشمہ ہے۔" امامہ نے اسی شریر انداز میں لقمہ دیا پھر ایمان کی سمت جھک کر اسے رازدارانہ انداز میں تفصیلات سنانے لگی۔ لاریب نے ایمان کی آنکھوں میں اترتی حیرت کو محسوس کیا اور بے چین ہو کر نظریں چرالیں۔
"تم خوش ہو نا لاریب؟" لاریب وہاں سے اٹھ کر جا رہی تھی جب ایمان نے کتنی بے چینی سے سوال کیا۔
لاریب نے ایک نظر اس کے سفید ہاتھ پر ڈالی جو اس کے ہاتھ پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ پھر محض سر کو اثبات میں ہلا دیا وہ فی الحال اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

❁ ❁ ❁

اس نے اضطرابی کیفیت میں پیشانی کے بالوں کو مٹھی میں دبوچا اور سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ بے نام سی اداسی اور یاسیت تھی۔ فراز کے ذریعے اس تک بھی ایمان کی تندرستی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ ہر سو خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ پورا خاندان اکٹھا تھا سوائے اس کے کسی نے اسے نہیں بلایا کسی نے اسے یاد نہیں کیا، شاید نہیں یقیناً اس کی ضرورت نہیں تھی۔ فراز نے یہ تو بتایا ہی نہ تھا کہ وہ اس کا ذکر کر چکا ہے کہ نہیں اس نے ریوالونگ چیئر چھوڑی اور کھڑکی کی سلائیڈ پیچھے کر کے باہر جھانکا۔ نیچے مصروف شاہراہ پر ٹریفک رواں دواں تھا زندگی اپنے پورے طمطراق سے جاری و ساری تھی۔
جمود اس پر چھا گیا تھا اس نے لاریب کی وجہ سے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا اس کی آنکھیں شدتوں کی جلن سمیت لائین فون کی گھنٹی بج رہی تھی اسے پلٹ کر میز تک آنا پڑا۔
"ہیلو...... نہیں میٹنگ کے لیے منع کر دیں۔ ہاں کل یا پرسوں کا کوئی بھی ٹائم دے دیں ان کو...... اور نہ ڈسٹرب کی، اوکے۔" اس نے قدرے سختی سے اپنی سیکریٹری کو کہا تھا۔ ریسیور پٹخ کر سر اٹھایا اور اپنے سامنے موجود بابا سائیں کو دیکھ کر اسے اپنی بصارتوں پر دھوکے کا گمان گزرا تھا۔ جبھی چونکتا ہے تو ساکن کھڑا رہ گیا پلکیں تک جھپکے بغیر۔
"کیسے ہو سکندر بیٹا؟" وہ مسکرا کر کہتے آگے بڑھے تب سکندر کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر ان کی جانب آیا تو انہوں نے کھلے بازوؤں میں بھر کر اسے سینے سے بھینچ لیا۔
"مجھے یقین نہیں آ رہا بابا سائیں آپ میرے سامنے ہیں، میرے پاس۔" اس کی بے خودی کا عجیب عالم تھا بابا سائیں نرمی سے محبت سے مسکرانے لگے۔
"تمہیں ڈھونڈنے میں ہی بہت وقت لگ گیا سکندر ورنہ میں تو بہت پہلے تمہارے پاس آ جاتا۔" انہوں نے اسی محبت و پیار سے تھپکا تو سکندر ان سے الگ ہو کر جھینپی ہوئی مسکراہٹ سے انہیں تکنے لگا۔
"آئی ایم سوری بابا سائیں میں نے نالائقی کی حد کر دی، پتا نہیں میں اس غفلت میں کیوں پڑ گیا تھا۔" ان کی فراخدلی نے اسے اتنا شرمسار کر دیا تھا کہ وہ از خود اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا نہ شکوہ نہ شکایت وہ کتنی محبت سے اسے اس کی کامیابیوں کی مبارک باد دے رہے تھے۔
"کوئی بات نہیں بیٹا، میں جانتا تھا تم یہاں مسائل میں الجھے ہو گے تمہارے والدین اور لاریب کو بھی یہی کہہ کر تسلی دیتا تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے تمہیں سرخرو کیا ہمیشہ زندگی میں ہر مقام پر کامیابی پاؤ۔" وہ اس کا کاندھا تھپتھپا رہے تھے سکندر کا چہرہ ایک نام پر لو دے اٹھا۔
"میں جلد آپ سے ملنے آؤں گا ایمان بی بی کے متعلق بھی مجھے پتا چلا ہے آپ کو بہت مبارک ہو بابا سائیں۔" انٹرکام پر چائے کا آرڈر کرنے کے بعد وہ

خوشگوار انداز میں گوگفتگو تھا۔
"ہاں بیٹے ضرور، میں انتظار کروں گا آپ کی بہت اہم باتیں ہیں میرے پاس۔" ان کے لہجے میں اب کے ذمہ داری کا احساس دلانے والا انداز تھا۔ سکندر ایک بار پھر خفت کا شکار ہوا۔
"آیئے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں، ابھی تو آپ ایمان بی بی کی طرف ہی ہوں گے نا؟" چائے پینے کے بعد وہ جانے لگے تو سکندر نے اسی سابقہ انداز میں بڑھ کر انہیں تھاما تھا۔
"جیتے رہو بیٹا، نیچے ڈرائیور کے ساتھ وہ بچہ بھی ہے کیا بھلا سا نام ہے اس کا......؟"
"محمد فراز علوی، بابا سائیں آپ کے اس نالائق بیٹے کا کزن ہوں غلطی سے۔" اس وقت فراز نے اندر قدم رکھتے بے حد جھک کر کہا۔ سکندر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تو گویا یہ اس کا کارنامہ ہے۔
(کتنے احسان کرو گے مجھ پر فراز علوی، میں تمہاری محبتوں کے کتنے قرض اتاروں گا بھلا۔ مگر اس بے غرض عنایت کا فائدہ نہیں ہے۔ لاریب کو آج بھی میری ضرورت نہیں میں جانتا ہوں)
اس کا دل بے تحاشا بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اوہو احسان بابا آپ کو تو بالکل بھی مساج کرنا نہیں آتا، نیچے سے اوپر کو ہاتھ لے کر جائیں اور ذرا دبا کر بہت درد ہے مجھے۔" فاطمہ عباس کے لیے دودھ کا گلاس رکھنے آئی تھی۔ جب وہ بستر پر لیٹا احسان بابا سے مخاطب تھا۔ شرٹ اور بنیان سے بے نیاز وہ تکیے میں منہ دیے اوندھا لیٹا ہوا تھا اور احسان بابا ہاتھ میں کوئی دوا پکڑے مساج کرنے میں مصروف تھے۔ عباس کی بات سن کر قدرے خفت زدہ ہوئے۔
"صاحب دراصل میں نے ایسا کام کبھی نہیں کیا ہے تو تجربہ بھی بالکل نہیں ہے۔" وہ کھسیا کر وضاحت دے رہے تھے۔
"چلیں پھر آپ رہنے دیں۔"
عباس نے سیدھے ہوتے انہیں ٹوکا تو وہ چلے گئے تب ہی نگاہ فاطمہ پر اٹھ گئی تھی۔ جو اس کے غضب کی مردانگی سمیٹے لمبے چوڑے وجود سے نگاہ چرائے پلٹ کر اسی خاموشی سے جا رہی تھی۔ جب عباس نے بالکل غیر متوقع طور پر اسے پکارا۔
"بات سنو۔" اس نے صرف کہا نہیں بلکہ اس کی کلائی بھی پکڑ لی۔
"کیا ثابت کرنا مقصود ہے کہ تم بہت پاکباز ہو؟" وہ غصے میں بپھر سا گیا تھا آج تک بھلا ایسا کب ہوا تھا ایسا کہ کوئی اسے نظر انداز کر جائے وہ بھی فاطمہ؟
"بیٹھو یہاں مساج کرو میرے کاندھوں پر مسلز پرابلم ہو رہی ہے مجھے۔" اس کے ہاتھ چھوڑ کر وہ اس کے سامنے دوا پھینکتا ہوا بولا۔ وہ صرف اس کی قربت سے ہی نہیں اس کی پرتپش نظروں کی آنچ سے بھی پگھل رہی تھی۔ اس نے عباس کے لیٹنے کے بعد مساج شروع کر دیا تھا۔
مگر اس کے ہاتھوں کی لرزش اس کام کو مشکل بنا رہی تھی۔ عباس کی سانسوں کی تپش، وجود کی گرمی اور نظروں کا طلسم اس کے سراپے میں ذو معنی سنسنی پھیلا رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی اس طرح آخر وہ اسے کیوں حراساں کر رہا ہے؟ اسامہ نیند میں کسمسایا تھا فاطمہ نے تیزی سے اٹھنا چاہا عباس نے سلگتی نظروں سے اسے تکتے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"کہاں جا رہی ہو؟" فاطمہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔
"بہت پسند ہوں نا تمہیں میں اور بہت محبت بھی کرتی ہو مجھ سے پھر اب تو ہماری شادی بھی ہو چکی ہے اس طرح گریزاں کیوں رہتی ہو مجھ سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" ایک ایک لفظ انگارہ تھا اور ایک ایک جملہ کاٹ دار تھا۔ اگلے لمحے اس نے تنفر آمیز انداز میں فاطمہ کو زور سے جھٹک دیا تھا۔
"دفع ہو جاؤ یہاں سے، میں لعنت بھی نہیں بھیجتا تم پہ سنا تم نے؟" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا۔

ابراہیم احمد عشا کی نماز پڑھ کر آیا تھا اور کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہا تھا۔ لاریب کو وہ بہت اچھا لگتا تھا یا تو وہ خاموش رہتا اگر کچھ بولتا تو گویا الفاظ کی صورت میں موتی بکھرنے لگتے۔ اس کے خیال میں سمعیہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو لاریب؟" ایمان نے پیچھے سے آکر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو لاریب گہرا سانس بھر کر مسکرا دی اور پلٹ کر امامہ کو دیکھنے لگی جو نور کو سلاتے ہوئے خود بھی غنودگی میں چلی گئی تھی۔

"یہ ابھی تک ویسی ہی ہے معصوم سادہ سی۔" ایمان نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا پھر آگے بڑھ کر امامہ کو لٹانے کے بعد سر کے نیچے نرمی سے تکیہ رکھ دیا۔

"تم نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا تھا لاریب کہ امامہ کی شادی وقاص سے ہوئی ہے؟" وہ دکھی تھی، لاریب پھر ہراساں ہونے لگی۔

"میں حیران ہوں اگر یہ میرا تاوان تھا تو امامہ خوش کیسے نظر آتی ہے۔ کیا وہ اتنی مجبور ہوگئی ہے لاریب کہ ہم سب کو بہلانے کو.....؟"

ایمان کی آنکھوں میں وحشت سی اتر رہی تھی۔ لاریب نے بوکھلا کر اسے دیکھا، پھر نرمی و محبت سے اسے تھام لیا تھا۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے باجو یہ تاوان نہیں تھا اس بندھن میں وقاص اور امامہ دونوں ہی کی رضامندی شامل تھی، امامہ واقعی خوش ہے ٹرسٹ می۔"

"تم مجھ سے جھوٹ تو نہیں بول رہیں نا لاریب؟" ایمان نے اس کا ہاتھ ایسے پکڑا جیسے تسلی کی شدید طلب ہو وہ سر تا پا کانپ رہی تھی اور ہر لمحہ سرد ہوتی جا رہی تھی۔ لاریب کو سب کچھ بھول کر اس کی فکر ہونے لگی۔

"میں ایسا کیوں کروں گی باجو، کہیں تو ابھی وقاص سے آپ کی بات کرادوں اطمینان ہو جائے گا آپ کو۔" لاریب نے بوکھلاتے ہوئے کہا تھا ایمان نے ایک نظر اس کے متوحش چہرے کو دیکھا اور تھکے ہوئے انداز میں خود کو بستر پر گرا دیا۔

"اگر ایسا ہی ہے جو تم کہہ رہی ہو لاریب تو وہ آیا کیوں نہیں، یہ غیر اہم بات تو نہیں تھی ہم سب جمع ہیں تو اسے بھی آنا چاہیے تھا اصولاً۔" اس کی آنکھوں میں ہنوز تشویش اور فکر تھا۔ لاریب نے خود کو سنبھال کر اس کا گال محبت سے تھپکا۔

"وہ آپ سے جھجک رہا ہے شاید پرانے تعلق کی بنا پر۔" لاریب نے نظریں چرا کر بات بنائی ایمان نے اذیت سے گزرتے آنکھیں موند لیں۔

"وہ اچھا انسان نہیں تھا لاریب بابا جان کو یوں امامہ سے اس کی شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔" اس کی آواز میں شدید کرب کی آمیزش تھی لاریب کا دل بھرانے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتی بھلا وہ کیا کچھ نہیں سہہ چکی تھی اپنی جان پر گزر کر اس نے خود کو سنبھالا تھا اپنے لیے نہ بھی سہی اپنے رشتوں کی خاطر ضرور جبھی بولی تو اس کا لہجہ و انداز نارمل تھا بلکہ ڈھارس بندھاتا ہوا۔

"وقت سب سے بڑا استاد ہے باجو امامہ کہتی ہے وہ یکسر تبدیل ہو چکا ہے۔" لاریب نے اس کے ساتھ اپنی بھی تسلی کی تھی ایمان پوری آنکھیں وا کیے اسے دیکھتی رہی گویا سچ اور جھوٹ کی پرکھ کر رہی ہو اور لاریب اپنے سارے حوصلے آزماتی خائف تھی۔

"کیا ہوا خیریت ایمان۔" فراز اور شرجیل ایک ساتھ دستک کے بعد اندر آئے تھے۔ ایمان کو یوں بے دم انداز میں لیٹے اور لاریب کو پریشان پا کر شرجیل کی تشویش اور گھبراہٹ فطری تھی۔ ایمان نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا۔

"میں ٹھیک ہوں جسٹ ریلیکس۔" اس نے شرجیل کا چہرہ دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا خیال ہے ہمیں باہر چلنا چاہیے بے چارے شرجی بھائی تو ڈھنگ سے اپنی بھابی کو دیکھ بھی نہیں سکے ہم مسلسل کباب میں ہڈی بنے ہوئے ہیں۔" فراز سنجیدگی کے ساتھ لاریب سے مخاطب تھا۔

"آپ مائنڈ نہیں کرنا لاریب، اسے فضول ہانکنے کی عادت ہے۔" لاریب رواداری سے مسکرا دی۔

"رات بہت ہو چکی ہے میں خود بھی آرام کا سوچ رہی تھی باجو میں چلتی ہوں شب بخیر۔" کہتے وہ کمرے سے نکل گئی۔ فراز تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوسکا لاریب نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کرلیا تھا۔

"آپ بہت بدل گئے ہیں شرجیل۔" شرجیل نے عادت کے مطابق سونے سے قبل نوافل ادا کیے پھر بستر پر آیا تو زارون کو گود میں لٹائے پیار کرتی ایمان نے اسے مخاطب کیا۔ شرجیل لمحہ بھر کو اپنی جگہ تھم گیا پھر چہرا موڑ کر محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ بتاؤ یہ تبدیلی کیسی لگی تمہیں؟" شرجیل نے اپنا بازو اس کے کاندھے پر پھیلا کر فاصلہ مٹایا۔ ایمان کے چہرے پر مسکان سورج کی کرنوں کی مانند جھلملانے لگی۔

"بہت پیاری، بہت خاص۔" اس کا لہجہ بے ساختہ تھا۔

"جب تم نے مجھ سے ہاتھ چھڑایا تھا اور غافل ہو گئیں مجھے تنہا کر کے تو میں نے جانا تھا ایمان میں بھی تمہارے ساتھ یہی کر چکا ہوں حالانکہ تمہاری یہ غفلت میری طرح دانستہ بھی نہیں تھی تم اس میں قصور وار بھی نہیں تھیں پھر بھی میں بہت ہرٹ ہوا میں نے خود کو بہت تنہا محسوس کیا اور بہت اذیت کے ساتھ بہت زیادہ پچھتاوے میں بھی گھر گیا۔ ایمان یہیں سے میں نے سمجھا تھا تمہاری اذیت کو تمہاری تکلیف کو جو تم نے اس وقت کی جب میں تم سے نظریں پھیر چکا تھا۔ میری غفلت تو دانستہ تھی اس لحاظ سے تمہاری تکلیف میں شدت رہی ہوگی میں ہی تھا جس نے تمہیں غلط راستے پر چلایا تھا۔ تمہاری مشکلات کا ذمہ دار بھی میں ہی تھا پھر اس پر مزید کم ظرفی و ستم ظریفی یہ کہ تم سے نگاہیں بھی پھیر لیں بہت بڑا جرم سرزد ہوا تھا مجھ سے ایک میں ہر روز جینے مرنے لگا۔ زیادتی کا یہ احساس بہت شدید تھا میں خود سے بھی نظریں چار نہیں کر پاتا تھا وہ بہت کٹھن وقت تھا ایسے حالات نے ہر طرف سے مجھ پر گرفت تنگ کر دی تھی مگر میں ہارنا نہیں چاہتا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اللہ کو میری ہار منظور نہیں تھی۔ جبھی اپنے پرہیز گار بندے کو میرا غم گسار بنا کر بھیج دیا۔ ہر سو اندھیرا تھا جب ابراہیم احمد جگنو کی طرح اندھیروں میں جگمگا کر روشنی دکھانے لگا۔ یہ راستہ اللہ کا راستہ تھا جس پر میں نے قدم رکھا تو راستے آسان ہوتے چلے گئے بس مجھے اتنا پتا ہے ایمان اس کے بعد مجھے کبھی نہیں لگا کہ میں تنہا ہوں اللہ ہر لمحہ ہر پل میرے ساتھ تھا۔" وہ خاموش ہوا تو ایمان کو بے آواز روتے پا کر اتنا بے چین ہوا کہ جھک کر اس کے بھیگے گالوں کو عقیدت بھرے انداز میں چوم لیا۔

"میں اس سلوک پر تم سے شرمندہ ہوں ایمان جو نادانی میں تم پر ہوا.....!" ایمان نے اپنا نازک ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھا تو بات ادھوری رہ گئی۔ دونوں یونہی بھیگی آنکھوں سے ایک دوجے کو دیکھتے رہے تھے پھر شرجیل نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"آپ آئندہ کبھی اس بات کو دوبارہ نہیں یاد کریں گے شرجیل ہمیں سب بھول جانا چاہیے۔" وہ شرجیل کے کاندھے سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"مجھے اللہ نے سب حسب خواہش دیا ہے گویا مجھے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا ہے مجھے اور کیا چاہیے۔" وہ بھیگی آواز میں کہہ رہی تھی اور شرجیل کو ابراہیم احمد کی کہی بات یاد آنے لگی اس نے کہا تھا۔

"جب انسان کے جائز کام بنا کسی رکاوٹ کے ہونے لگیں اور زندگی میں سکون کا چاہے ہلکا سا ہی احساس جاگنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہے۔ پھر ایسے میں انسان کو اپنی شکر گزاری بڑھا دینی چاہیے۔" اور اس کی زندگی میں تو کوئی تشنگی کوئی کمی رہی ہی نہیں تھی پھر وہ شکر کیوں ادا نہ کرتا۔

"ہاں..... ہاں مجھے پتا ہے، ڈونٹ وری میں پہنچ جاؤں گا۔" فاطمہ بیڈ کی چادر بچھا رہی تھی جب عباس فون

پر بات کرتا اندر داخل ہوا اور فون کان سے ہٹا کر وہ وارڈ روب کی جانب بڑھا اور سیل فون بستر پر پھینک دیا۔
"اسے چارجنگ پر لگاؤ۔" اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔ فاطمہ نے اپنا کام ادھورا چھوڑ کر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا فون اٹھا لیا۔ فون کو چارجنگ پر لگا کر اپنے دھیان میں پلٹی تو عباس حیدر کے فولادی وجود سے ٹکرا گئی۔ عباس کو اپنی سمت متوجہ پا کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔
"میں محسوس کر رہا ہوں تم بچوں کی طرف سے غافل ہو رہی ہو، اس کی کوئی خاص وجہ؟" اس فرد جرم نے فاطمہ کو متعجب کیا یہ سراسر الزام تھا اس کے باوجود وہ اس کی تردید کر سکی نا ہی صفائی پیش کر سکی۔
"اب احمقوں کی طرح میرا منہ کیوں دیکھنا شروع کر دیا، جاؤ اور سوئی دھاگہ لے کر آؤ میں جلدی میں ہوں اور شرٹ کا بٹن ڈھیلا ہے۔" اس کی خاموشی و صبر کے جواب میں عباس کی جھنجلاہٹ بھری [illegible] تھی۔
"شش...... شرٹ...... دے دیں۔" وہ اس کی نظروں سے خائف ہکلا کر بولی۔ جواب میں عباس نے اسے غصے سے گھورا۔
"کہاں؟ ٹائم نہیں ہے زیادہ میرے پاس۔" وہ ناچار اس کے قریب آئی عباس کے تیور اس کی نظریں سب سے بڑھ کر اس کی حواس مختل کر دینے والی [illegible] قربت ہی سارا کام خراب کرتی تھی۔ اب بھی انجام سامنے تھا اس کا ہاتھ بہکا اور سوئی عباس کے سینے میں جا لگی فاطمہ کی گھبراہٹ و سراسیمگی کا حال دیکھنے لائق تھا۔ غلطی بھی اس نے کی تھی اور چیخی بھی وہی تھی۔ وہ اتنا بوکھلائی کہ اپنا ہاتھ متاثرہ جگہ پر رکھ کر خون روکنا چاہا۔ اس کے ہر انداز سے ہی اضطراب جھلک رہا تھا۔
"وہ شٹ، بے ڈھنگی عورت ہو پوری کوئی کام جو سلیقے سے کرنا آتا ہو نان سینس، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اسے رونے کو تیار پا کر عباس نے بے حد خشونت سے کہتے اسے بے دردی سے ہاتھ مار کر پیچھے دھکیلا اور اپنا غصہ میز کو ٹھوکر مار کر اتارا۔
"آئی ایم ساری عباس مجھے پتا نہیں چلا پتا نہیں کیسے...... زیادہ لگ گئی ہے نا آپ کو کوئی دوا لگا دوں۔" وہ اتنی مضطرب اور بے چین تھی کہ سارے گریز اور احتیاط بھلائے اس کے پاس آئی اور اس کا بازو پکڑ کر [illegible] چاہا۔ عباس نے جھلا کر اسے دیکھا۔
"بلیوی عباس میں ایسا کبھی نہیں چاہ سکتی کہ آپ کو تکلیف دوں۔" عباس کی نگاہ اس کے اجلے چہرے پر موجود بلا کی جاذبیت اور سحر کن دلکشی میں نا چاہتے ہوئے بھی بھٹکنے لگی اسے چونکانے کا باعث فون کی گھنٹی تھی۔
"السلام علیکم......" اس نے انجان نمبر سے آئی کال کو ریسیو کیا اور اپنے مخصوص دبنگ انداز میں سلام کیا تھا۔ دوسری جانب کی بات سنتے ہوئے اس نے پلٹ کر ایک نگاہ آنسو پونچھتی بے کل سی فاطمہ پر ڈالی۔
"جی...... میں عباس حیدر بول رہا ہوں...... آپ کون؟" دوسری جانب سے جو کہا گیا اسے سنتے ہی اس کی نگاہ میں تپش اترنے لگی تھی۔ اس نے مختصر ہنکارا بھرا اور فون بند کر دیا۔ پھر پلٹ کر فاطمہ کے پاس آیا تو اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔
"تم نے کہا تھا تم انڈیا سے ہو ہے نا؟" فاطمہ نے گھبرا کر محض اثبات میں سر ہلایا۔
"مگر وہ جو تمہارے متعلق استفسار کر رہا ہے اس کا تعلق امریکہ سے ہے کون ہے یہ ابراہیم؟"
اس کی سانسیں چنگاریاں مار رہی تھیں اس کے سرد لہجے میں سخت گیر شوہروں کا سا استحقاق [illegible] تھی فاطمہ کا رنگ بالکل فق ہو کر رہ گیا۔ وہ کسی ابراہیم نامی شخص کو نہیں جانتی تھی اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی کہ وہ عباس کو اس بات کے جواب میں کیا کہے اس کا دل ہولنے لگا اور جیسے پاتال میں گرتا چلا گیا۔

(جاری ہے)

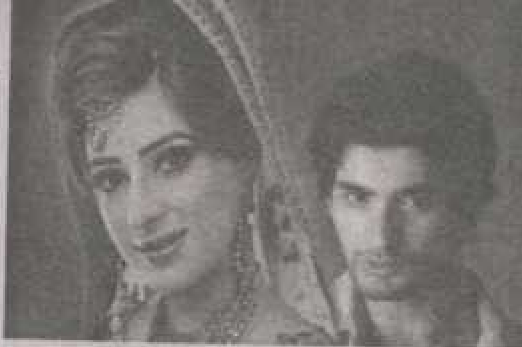

اس رات کی فضا میں چھپی تیری باس ہے
تنہا تو میں نہیں ہوں تیری یاد پاس ہے
تو اس کو دیکھ لے تو میرا غم سمجھ سکے
یہ چودھویں کا چاند بھی کتنا اداس ہے

"ایکسکیوز می...... کون ہیں آپ اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟" ابھی وہ آفس سے آیا ہی تھا کہ اچانک کیاری میں چھپی اس لڑکی پر ابرار کی نظر پڑ گئی وہ گھبرا کر ایک دم سے اٹھی خوف سے اس کا رنگ سرسوں کے پھول جیسا ہو گیا تھا ابرار نے بغور اس کے زرد پڑتے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا اس کی ساحر سی گرین آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔
"گھبرایئے نہیں بتائیں کیا مسئلہ ہے؟" ابرار نے اب کے ذرا نرمی سے پوچھا مگر وہ یونہی سر جھکائے رہی پر بولی کچھ نہیں۔
"زینب...... زینب۔" ابرار نے ملازمہ کو آواز دی جو منٹوں میں حاضر ہو گئی تھی۔
"جی صاحب جی۔" اس نے ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور جواب کے لیے اپنے صاحب کو دیکھا۔
"بواجی کہاں ہیں......؟"
"اماں تو اندر ہیں صاحب جی۔" وہ اندر ہی اندر اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔
"اور احمر (گارڈ) کہاں ہے؟" ابرار کو کھلے گیٹ کا خیال آیا تو فوراً گارڈ کا پوچھا۔
"وہ تو جی آج نہیں آیا۔" زینب نے ڈرتے ڈرتے بتایا کیونکہ دودھ لینے کے بعد وہ گیٹ کھلا چھوڑ گئی تھی ابرار نے ایک گھورتی نگاہ اس پر ڈالی تو وہ اپنی جگہ کانپ سی گئی۔
"یہ کون ہیں؟" ابرار نے اس کی جان بخشی کی۔
"معلوم نہیں صاحب جی۔" ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔
"آؤٹ......" ابرار کو یک دم سے غصہ آ گیا وہ ویسے تھکا ہوا آیا تھا اور یہاں ایک نیا مسئلہ کھڑا تھا۔ "محترمہ آپ کچھ بولیں گی۔" اس کے سخت لہجے پر وہ گھبرا گئی۔
"مجھے بتائیں آپ کون ہیں...... کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ...... اور یہاں آپ کیا کر رہی ہیں؟" ابرار اس کے قریب آ کر نرمی سے بولا تو اس نے اپنی ساحر گرین آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا پھر ان میں پانی بھرنے

لگا ابرار کو اس کی آنکھیں سمندر جیسی گہری لگیں آنسو اب اس کے گالوں پر بہتے ہوئے اس کے دامن میں جذب ہونے لگے۔ اسے لگا وہ ان آنکھوں میں ڈوب جائے گا تبھی وہ تیزی سے رخ موڑ گیا۔ اسے اس کے نہ بولنے پر الجھن ہورہی تھی۔

"وہ مجھے ماردیں گے۔" آواز تھی یا جادو جس نے ابرار کو جکڑ لیا تھا وہ کچھ پل کے لیے اپنی جگہ تھم سا گیا۔

"آیئے اندر چلتے ہیں۔" اس نے کہہ کر اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ بھی وہاں سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی اندر آ گئی۔

❀.......❀.......❀

"اب بتائیں کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ......؟ کون لوگ آپ کو ماردیں گے۔" ابرار کھانے کے بعد چائے لے کر اسٹڈی روم میں آ گیا اور پھر زینب کے ذریعے اس نے اسے بھی بلالیا تھا اس کے پوچھنے پر وہ اپنی نازک انگلیاں مروڑنے لگی اضطراب اس کے انگ انگ سے ظاہر تھا۔

"آپ بغیر کسی خوف کے مجھ پر ٹرسٹ کرسکتی ہیں' آفٹر آل آئی ایم اے پولیس مین۔" ابرار نے اس کی کنفیوژن دور کی تو اس نے تیزی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا جیسے اسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو مگر پھر ڈائننگ ٹیبل پر پڑی اس کی فل یونیفارم تصویر پر نظر پڑی تو اس نے سر جھکا لیا۔ ابرار بڑی بے چینی سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"میرا نام ماولا ہے میں یہاں سے دور ایک گاؤں "راولا کوٹ" کی رہنے والی ہوں اور اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں۔" (وہ گاؤں سے نہیں بلکہ کسی جنت سے آئی ہوئی حور یا جادوگری سے آئی ہوئی کوئی اپسرا لگ رہی تھی) ابرار نے اس کو سننے کے لیے جیسے اپنا سانس تک روک لیا تھا۔ سمندر کی لہریں جیسے خاموشی میں ارتعاش پیدا کررہی ہوں' اس کی آواز بھی یونہی کرے میں گونج پیدا کررہی تھی۔

"ماں کے مرنے کے بعد باپ اور چچا نے مجھے یہ کبھی احساس نہ ہونے دیا کہ میری ماں مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے' چچا تو مجھ پر جان چھڑکتے تھے' مجھے بھی ان سے بہت پیار تھا مگر پھر آہستہ آہستہ مجھ پر اور میرے بابا پر حقیقت آشکار ہوئی کہ میرے چچا کو صرف دولت سے لگاؤ ہے' جب میرے بابا نے میرے نام ساری جائیداد کی تو چچا میری جان کے دشمن ہوگئے اور یہ بات مجھے اور بابا کو اس وقت پتا چلی جب ایک دن چچا میرے لیے دودھ لے کر آئے۔ وہ دودھ میں پینا بھول گئی اور بلی نے پی لیا پھر وہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔" وہ کچھ دیر رکی۔ "میں نے یہ بات بابا کو بتائی تو بابا نے تو یہ بات دل پر لے لی' چچا بھی آتے جاتے کچھ نہ کچھ بابا کو کہہ جاتے پھر ایک رات اچانک بابا بھی مجھے اکیلا چھوڑ گئے ڈاکٹروں نے ہارٹ اٹیک بتایا۔" اس کی آنکھوں میں موتی چمکے تو ابرار کو لگا جیسے صبح کی پہلی کرن پھول کی شبنم پر پڑی ہو وہ بہت ضبط سے بات کررہی تھی اور وہ بغور اس کی طرف دیکھتا اسے سن رہا تھا۔

"اور کل رات چچا نے دوستوں کے ساتھ مل کر مجھے مارنے کا پلان بنایا تھا' اتفاقاً میں نے سن لیا اور موقع ملتے ہی بھاگ نکلی اور آج یہاں پہنچی ہوں' مجھے یوں لگتا ہے وہ میرے پیچھے ہیں میں نہیں جانتی آپ کو میری بات پر یقین آیا ہے یا نہیں مگر پلیز مجھے تحفظ چاہیے جو مجھے میرے اپنوں نے نہیں دیا۔ مجھے بچالیں آپ قوم کے محافظ ہیں' پلیز مجھے میرے اپنوں سے بچالیں۔" وہ سسکیاں لینے لگی ابرار نے اٹھ کر اسے پانی کا گلاس دیا۔

"اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے آپ کی حفاظت کا ذمہ سونپا ہے تو میں ان شاء اللہ اسے نبھاؤں گا بھی فی الحال آپ گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گی' یہاں پر ہے ہی کون' بوا اور زینب...... میں زینب سے کہہ دیتا ہوں وہ آپ کے لیے کمرہ تیار کردے گی مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں' اب اٹھیں اور اپنا منہ دھوئیں رونا اب بالکل نہیں ہے' خدا پر بھروسہ رکھیے ان شاء اللہ وہ بہتر کرنے والا ہے۔"

"زینب......" ابرار نے اسے تسلی دی اور پھر زینب کو آواز دی۔

"جی صاحب جی۔" وہ فوراً حاضر ہوگئی۔

"ان کے لیے کمرہ تیار کرو اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔" اس نے بارعب آواز میں کہا تو زینب نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔" ابرار نے اسے اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑتے دیکھا تو پوچھا۔

"جی...... وہ لوگ...... وہ لوگ اگر مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک آ گئے تو۔" اس نے اپنی پریشانی بتائی۔

"ڈونٹ وری' آپ بے فکر رہیں میں گارڈ کو سمجھادوں گا اب آپ جا کر آرام کریں۔" ابرار نے اس کی مشکل آسان کی تو وہ ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر اٹھ گئی۔

❀.......❀.......❀

زندگی جیسے ایک معمول آ گئی تھی وہ سارا دن زینب کے ساتھ لگی رہتی اور زینب کی بے سروپا باتوں کے جواب دیتی رہتی ابرار نے اس دن کے بعد اس سے سوائے حال احوال پوچھنے کے کوئی بات نہیں کی تھی مگر اس کے بارے میں سوچتا ضرور تھا

"لالہ آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔" وہ کچن میں کھڑی کھانا پکا رہی تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا اور اسے یہاں آئے ہوئے آج دوسرا ہفتہ تھا وہ کچھ حیران سی اسٹڈی روم کی طرف آ گئی۔

"السلام علیکم! آپ نے بلایا تھا۔"

"جی بیٹھیں۔" وہ اس کی آواز کے طلسم سے خود کو بمشکل بچاتے ہوئے بولا اور اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہے یہاں۔" ابرار نے بات کا آغاز کیا تو اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہنوز نظریں جھکائے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ ابرار کو اس وقت اس کی مسکراہٹ چٹختی کلیوں کو مات دیتی لگی اس نے اپنا رخ پھیر لیا۔

"آپ کی ایجوکیشن کیا ہے؟" اب اس نے اس کی

سنولوگو!
میری آنکھیں خریدو گے؟
بہت مجبور حالت میں مجھے نیلام کرنی ہیں
میں تھوڑے دام لے لوں گا
کوئی مجھ سے نقد لے لو
میں تھوڑے دام لے لوں گا
جو پہلی بولی دے گا
بس اسی کے نام کردوں گا
مجھے بازار والے کہتے ہیں
کم عقل تاجر
سنولوگو
نہیں میں حرص کا خواہاں
نفع نقصان کی شطرنج نہیں میں کھیلنے آیا
کوئی بھی کہے نہ منچلا سا بے عقل تاجر
سنولوگو!
بڑی محبوب ہیں مجھ کو یہ میری نیم تر آنکھیں
مگر اب بیچتا ہوں کہ
میں نے اک خواب دیکھا ہے
اسے اپنا بنانے کا اسے دل میں بسانے کا
مجھے اس خواب کا تاوان بھرنا ہے
انہیں نیلام کرنا ہے
انہیں نیلام کرنا ہے

زیبا حسن مخدوم، بشریٰ عابد مخدوم...... سرگودھا

طرف دیکھنے سے گریز کیا اس سوال پر ماولا نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر سر جھکا لیا اور مدھم آواز میں کہا میں ہاؤس جاب کررہی تھی۔

"واٹ......" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جبکہ وہ خاموش ہی رہی۔

"آپ واقعی ڈاکٹر ہیں......؟" اس کی حیرت کسی طور کم نہیں ہورہی تھی (ایک گاؤں کی رہنے والی لڑکی اور ڈاکٹر)

"میں گاؤں کی رہنے والی ضرور ہوں ابرار صاحب مگر میرے گاؤں میں ہر قسم کی سہولت موجود ہے میں اسلام

آباد میں اپنے بنگلے میں رہتی تھی اپنے بابا کے ساتھ۔" ماہ لالہ نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

"اوہ.....!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب آپ کیا کریں گی؟" ماہ لالہ نے سر اٹھا کر ابھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آئی مین کہ آپ گھر میں رہ کر اپنا ٹیلنٹ ضائع......"

"میں کچھ نہیں کرنا چاہتی پلیز۔" اس نے ابرار کی بات کاٹ دی۔

"اس طرح گھر بیٹھ کے آپ نا صرف اپنا بلکہ ان لوگوں کا بھی نقصان کریں گی جو آپ کے ہاتھوں شفا پانے سے محروم ہیں۔" ابرار نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا یہ نا تو اس کے باپ کا گھر تھا اور نہ ہی یہ کوئی ملازم تھا جسے وہ اپنے رعب سے چپ کرا دیتی یا اپنے لاڈ نخرے دکھا کے منا لیتی۔

"آپ نہیں کرنا چاہتی تو میں آپ پر زبردستی نہیں کروں گا آپ جیسے چاہیں رہیں مگر جب فراغت سے تنگ آجائیں تو مجھے بتا دیجیے گا۔" ابرار نے نہایت نرم انداز میں کہا تو اس کی آنکھوں سے موتی گر گر کر اس کی گود میں رکھے گلابی ہاتھوں میں جذب ہونے لگے ابرار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"آپ نے مجھے اپنا سمجھ کر مجھ سے مدد مانگی تھی اور میں آپ کو اپنا سمجھ کر یہ سب کہہ رہا تھا اگر اب آپ مجھے اپنا نہ سمجھ کر اس مشورے کو ہمدردی سمجھیں تو آپ غلط سمجھیں گی۔" اس نے کھڑے ہو کر رخ موڑتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ عجیب سچویشن میں پھنس گیا تھا اس کے آنسو اسے بے خود کررہے تھے وہ اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ ابرار نے ایک طویل سانس سینے سے خارج کرتے جیسے خود کو نارمل کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" اس دن کے بعد اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی اور آج ماہ لالہ نے اس سے بات کی تھی۔ وہ اس وقت اپنے بیڈروم میں آرام کی غرض سے آیا تھا اور اب وہ دروازے میں کھڑی اجازت طلب کررہی تھی۔

"آجائیں۔" وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ خاموشی سے اندر آگئی اور سر جھکائے خاموشی سے اپنے لب کاٹنے لگی۔

"بیٹھیں......" ابرار نے بغیر کسی تکلف کے کہا۔ ماہ لالہ نے ایک پل کے لیے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"بولو۔" وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولا اس کی اس بے تکلفی پر وہ جزبز ہوئی اب کہ ابرار خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کررہا تھا۔

"آپ نے اس دن مجھے جو کہا تھا میں اس پر متفق ہوں مگر بچے جانتے ہیں کہ میں کس ہاسپٹل میں جاب کررہی تھی اور اگر میں اس میں نہ بھی گئی تب بھی وہ مجھے کسی ہاسپٹل میں سے بھیج دیں گے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو ضروری نہیں کہ تم کسی ہاسپٹل میں سرکاری جاب ہی کرو تم خود کو مصروف رکھنے کے لیے عارضی کلینک بھی کھول سکتی ہو اور اس کے لیے میں ہر طرح سے تعاون کروں گا بس ایک مہینہ اور ویٹ کرو رمضان گزر جائے پھر اس کے بعد انشاء اللہ...... اور رمضان مبارک ہو۔"

"سیم ٹو یو......" وہ ذرا سا مسکرائی تھی پھر اٹھ گئی اب اسے کچن میں جانا تھا اور سحری کے لیے چیزوں کی موجودگی دیکھنا تھی۔ کل پہلا روزہ تھا اور وہ ہمیشہ سحری پر خوب اہتمام کیا کرتی تھی یہ رمضان اس کے اپنے گھر میں تو نہ تھا مگر یہاں اپنے پن کا احساس ضرور تھا۔

❁.....❁.....❁

آج تیسرا روزہ تھا سحری کے بعد ہمیشہ کی طرح اس نے نماز پڑھی اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی یہاں تک کہ سورج نکل آیا ابرار تیار ہو کر نکلا تو روز کی طرح وہ لاؤنج میں بیٹھی تلاوت کررہی تھی اس کو دیکھ کر ذرا سا

مسکرائی۔ دوپٹے کے ہالے میں اس کا پاکیزہ چہرہ گلاب کی کلی کی طرح پیارا لگ رہا تھا۔

"اللہ حافظ۔" اسے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل آیا۔ ماہ لالہ نے قرآن مجید الماری میں رکھا اور معمول کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

"السلام علیکم لالہ بی بی!" زینب ہنستی مسکراتی اندر آئی اور آتے ہی ٹی وی کا بٹن پش کیا۔

"تم نہیں سدھرو گی۔" ماہ لالہ نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادی۔

کہ اچانک زلزلے کے خوفناک جھٹکوں نے ہلا کر رکھ دیا وہ ایک دم وہیں بیٹھ گئی اور زینب کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر زیر لب استغفار اور کلمے کا ورد کرنے لگی زلزلہ شدید ترین تھا اور تقریباً بارہ منٹ بعد جھٹکے رکے وہ آنکھیں بند کیے استغفر اللہ کا مسلسل ورد کررہی تھی اور اللہ سے بہتری کی دعا کررہی تھی۔

8:52 منٹ پر آنے والا یہ زلزلہ اتنا شدید ہوگا اور اتنی تباہی پھیلائے گا یہ تو اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔ سب سے پہلے اسلام آباد کے ایک پوش سیکٹر میں ۱۲ منزلہ رہائشی ٹاور کے گرنے کی اطلاع ملی جس میں بے شمار افراد کے دب جانے کی خبر تھی اس نے ٹی وی کے مختلف چینلز تبدیل کرنے شروع کردیے تو خبر ہوئی کہ سرحد، مانسہرہ، آزاد کشمیر اور راولاکوٹ میں بھی کافی تباہی ہوئی ہے اس نے فوراً ابرار کو فون کیا اس کا راولاکوٹ تباہ ہوگیا تھا ابرار اسے تسلیاں دے رہا تھا مگر وہ بہت خوف زدہ تھی۔

ٹی وی پر بار بار کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے مارگلہ ٹاور گر گیا تھا اور اسلام آباد والے سب ہی حرکت میں آگئے تھے۔ راولاکوٹ، باغ، مانسہرہ، آزاد کشمیر میں ڈاکٹروں کی اشد ضرورت تھی وہ خود ایک ڈاکٹر تھی اور اسے وہاں جانا چاہیے یہ سوچ کر وہ ابرار کے پاس آئی جو ابھی کسی کام کے سلسلے میں گھر آیا تھا ایک دم کام کا لوڈ بڑھ گیا تھا۔ پولیس فورس مارگلہ ٹاور کا ملبہ ہٹانے میں مصروف تھی۔

بشریٰ کنول

السلام علیکم! سب سے پہلے آنچل ریڈرز اور رائٹرز کو میرا خلوص اور محبت بھرا سلام۔ کیسے مزاج ہیں شہنشاہوں کے بھئی آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں نظر لگانی ہے کیا؟ اچھا جی ہمیں بشریٰ کنول کہتے ہیں ۷ ستمبر کی سوہانی صبح کو بابدولت دنیا میں تشریف لائیں۔ محترمہ بشریٰ کی پانچ بہنیں اور تین بھائی ہیں اور ہمیں چوتھی پوزیشن دی گئی ہے۔ 9th کلاس کی اسٹوڈنٹ ہوں سائنس سے پڑھنے کا شوق ہے جو ماشاء اللہ سے پورا بھی ہورہا ہے۔ بس آپ میرے حق میں دعا کیجیے گا کہ اللہ مجھے کامیاب کرے۔ اب آتے ہیں جی کھانے کی طرف (سبزیوں میں مجھے کدو اور بھنڈی پسند ہے)۔ بازار کی چیزوں میں برگر پسند کرتی ہوں اور میٹھے میں تو میری جان ہے جیولری میں رنگ اور چوڑیاں تو بے حد پسند ہیں۔ لباس میں لانگ شرٹ، شلوار اور بڑا سا دوپٹہ اچھا لگتا ہے۔ کلرز میں براؤن میرا فیورٹ ہے۔ رائٹرز میں سمیرا شریف طور اور ام مریم اچھی لگتی ہیں اور باقی بھی سب اچھی ہیں۔ دوستوں میں زنیرہ اور نادیہ بیسٹ ہیں بے شک مجھ سے سینئر ہیں۔ ناولز میں سمیرا آپی کا "ڈھل گئی ہجر کی رات" اور "ماہا ملک کا" جو چلے تو جاں سے گزر گئے" ویری بیسٹ ہیں۔ مجھے اپنے تمام اساتذہ، والدین کرام اور بہن بھائیوں، رشتہ داروں سے محبت ہے لیکن مس مہوش از مائی بیسٹ ٹیچر۔ خامی کی بات ہو تو غصہ بہت آتا ہے اور خود کو کنٹرول کرنا محال ہوجاتا ہے اگر خوبیوں کا کہا جائے تو (بہت ساری ہیں) پڑھنے کا بہت شوق ہے گلاب کا پھول میری کمزوری ہے۔ میری پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قائد اعظم اور مس مہوش ہیں۔ ڈاکٹر بننا میری اولین خواہش ہے اپنی آنکھیں اچھی لگتی ہیں۔ اوکے جی اب اجازت چاہیں گے اللہ حافظ۔

"ابرار صاحب! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"ہاں کہو کیا فیصلہ کیا ہے۔" ابرار نے اپنی ساری توجہ

اس پر مرکوز کردی۔

"میں ایک ڈاکٹر ہوں' میرا گاؤں مجھے بلا رہا ہے' مجھے وہاں جانا ہے' میری اشد ضرورت ہے' میرے گاؤں کے لوگوں کو' میری دھرتی مجھے بلا رہی ہے آپ اجازت دیں تو میں چلی جاؤں پلیز۔" اس نے نہایت عاجزی سے پوچھا۔

ابرار نے اس کے پرعزم انداز کو دیکھا پھر ذرا سا مسکرایا۔

"اچھی بات ہے' واقعی تمہیں جانا چاہیے ایک ڈاکٹروں کی ٹیم راولاکوٹ جا رہی ہے' میں بات کرتا ہوں پھر تم بھی ان کے ساتھ چلی جانا' اپنی تیاری کرو اور ہاں گرم کپڑے رکھنا سردی بڑھ رہی ہے۔" ابرار نے کہا تو جیسے اس میں ایک نئی امنگ جاگ گئی تھی۔

"تھینک یو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

میرے پہلو میں لاکھوں غم بھی اکثر سوئے رہتے تھے
یہ کیسا سانحہ آیا کوئی بھی کم نہیں ہوتی......!

وہ اتنی تباہی دیکھ کر چکرا کر رہ گئی تھی' ہر طرف ملبے کے ڈھیر اور ان سے آتی پرامید آوازیں...... انہیں سانس لینے کا موقع بھی نہ ملتا تھا وہ ادھر ایک زخمی کو امداد دے رہے ہوتے تو ادھر سے دوسرا زخمی آ جاتا۔ ملبے کے ڈھیر نے راستوں کی نشاندہی ختم کردی تھی۔ اسے اپنے گھر کا اندازہ نہیں ہوسکا۔

"آپ نے حوصلہ نہیں ہارنا اور جب بھی میری ضرورت پڑے مجھے یاد کرلینا میں پہنچ جاؤں گا۔" وہ جب حوصلہ کھونے لگتی تو ابرار کی کہی ہوئی بات اس میں نئی امنگ پیدا کردیتی' نہ جانے وہ اتنی بہادر کیسے ہوگئی تھی۔ اطراف میں کھلے آسمان تلے نان ونفقے سے محتاج لوگ اس کے حوصلے کا امتحان تھے۔ رات کو البتہ اسے بہت خوف محسوس ہوتا زلزلے کے ہلکے جھٹکے مسلسل آ رہے تھے۔ آج آٹھواں دن تھا' وہ ابھی ایک مریض سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی آج اس کا دل خوب رونے کو چاہ رہا تھا' عجیب سی اداسی ذہن پر سوار تھی۔

"ڈاکٹر ماہ لالہ ملبے سے ایک زندہ شخص نکلا ہے حالت نازک ہے' اسے جلدی چیک کریں پلیز۔" ایک میڈیکل اسٹوڈنٹ نے اطلاع دی' وہ سب کچھ بھول کر جلدی سے اٹھ گئی۔

سامنے کون تھا' وہ بھول گئی تھی کہ اس شخص نے بھی اس کی جان لینے کی کوشش کی تھی' وہ ایک مسیحا ہونے کی وجہ سے اس کا علاج کر رہی تھی اور ہر حال میں اس شخص کو بچانا چاہتی تھی' مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا' بھی وہ دو گھنٹے کی کوشش کے باوجود وہ مردوں میں شامل ہوگیا اور نہ جانے اسے کیا ہوا کہ اس کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔

"ڈاکٹر ماہ لالہ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" شازیہ نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھا تو فوراً اس کے قریب آ گئی۔

"ٹھیک ہوں' مجھے کیا ہوا تھا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں شاید آپ نے کل سے کھانا نہیں کھایا تھا اسی وجہ سے بے ہوش ہوگئی تھیں۔ بہرحال ڈاکٹر احسن کہہ رہے ہیں کہ آپ تیاری کریں' آپ کے گھر جانے کا بندوبست ہوگیا ہے۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا میں بالکل ٹھیک ہوں ڈاکٹر احسن سے کہنا فکر کی کوئی بات نہیں' میں جب خود کو ان فٹ محسوس کروں گی تو خود ان سے کہہ دوں گی۔" وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"او کے میں کہہ دیتی ہوں البتہ آپ گھر فون کرلیں گھر والوں سے بات کریں گی تو ایک نئی امنگ خود میں بیدار ہوتی محسوس کریں گی۔" شازیہ نے جاتے ہوئے پرخلوص مشورہ دیا تھا۔

"کون سا گھر...... کون سے گھر والے...... میرا کوئی نہیں ہے۔" وہ خاموشی سے آنسو بہانے لگی اور وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسلام آباد کے اس گھر میں جس میں اس نے صرف تحفظ کے لیے پناہ لی تھی' اس گھر کی وہ

زندگی بن گئی ہے اور ان آٹھ دنوں میں کسی نے پل پل اس انتظار کیا ہے۔

"ڈاکٹر ماہ لالہ آپ کے گھر سے فون ہے۔" آج بیس دن ہوگئے تھے۔ ٹیلی فون کی سہولت میسر آ گئی تھی' ٹیلی ویژن کے ہر چینل پر نمبر بتائے جا رہے تھے' ابھی امداد کی اشد ضرورت تھی۔ میرا فون' وہ اندر ہی اندر حیران ہوئی' مگر ظاہر نہ کیا اور خاموشی سے پانچ منٹ کے فاصلے پر بنے ایک شیلٹر میں آ گئی' برف باری اور بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا' اسے نہیں معلوم تھا کہ فون کس کا ہے جانے کون سی قوت اسے یہاں تک کھینچ لائی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو ماہ لالہ......" کسی نے نہایت نرم انداز میں پوچھا تھا۔

وہ ایک پل کے لیے ساکت ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا جبکہ اس کا دل رونے کو مچلنے لگا۔

"تم ٹھیک نہیں ہو ماہ لالہ تم واپس آ جاؤ پلیز۔" ابرار نے نہایت عاجزی سے کہا' وہ کیا کہتی وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی اس کا اتنی شدت سے منتظر ہے' اس کے حال کا واقف اور وہ بے خبر تھی۔

"تم چپ کیوں ہو...... آ جاؤ پلیز پھر چلی جانا' میں تمہیں تمہارے فرض سے روکوں گا نہیں مگر پلیز تھوڑا ریسٹ کرلو میری خاطر۔" وہ بہت خلوص سے کہہ رہا تھا اور اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"تم سن رہی ہو ناں......" بے تابی سے پوچھا تھا

وہ رو دی۔

"تم رو رہی ہو۔" اس نے تڑپ کے پھر پوچھا۔

"نہیں......" اس نے خود کو بمشکل سنبھال کر کہا' مگر آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"تم آ رہی ہو ناں۔" اس نے آس سے پوچھا۔

اے کاش......!
جس دور کو بھلا بیٹھا ہے تو ہر پل کے لیے
کہ کشمیر و فلسطین میں بھی
کیسے اجڑ رہے ہیں گلشن
کیسے بکھر رہے ہیں آشیانے
کیوں سو رہا ہے ضمیر تیرا
کیا تجھے خبر نہیں ہے؟
ماؤں کی روتی آنکھیں
بہنوں کے لٹتے آنچل
تجھ کو بلا رہے ہیں
اے کاش! کوئی ابن قاسم
کوئی ہو طارق نصیر جیسا
اٹھے اور بچا لے ان کو
کہ اب ظلم سہنے کی انتہا ہوگئی ہے
اے کاش! کوئی آئے
جوان کو کافروں کے چنگل سے چھڑا لے جائے
اے کاش......!

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

"جی میں کوشش کرتی ہوں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"او کے اللہ حافظ۔" ریسیور رکھ کر وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی' آٹھ دس دنوں سے وہ یونہی رو رہی تھی۔ رات ساری آنکھوں میں کٹتی' بھی تو آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے اور وہ خود برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی۔ اس نے ڈاکٹر احسن سے کہا کہ وہ اب واپس جانا چاہتی ہے اور بھی بہت سے ڈاکٹرز آ چکے تھے۔ ڈاکٹر احسن نے اس کے جانے کا انتظام کردیا' اگلے دن وہ واپسی کا سفر کر رہی تھی اور آج اپنے گاؤں سے آنے کے بعد اسے کسی کا ڈر نہیں تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے یا کوئی اسے مار دے گا۔

ابرار اسے دیکھ کر ایک پل کے لیے تو ساکت ہوگیا' کیا حالت بنالی تھی اس نے اپنی' وہ تڑپ اور بھاگتے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"میرا کوئی نہیں رہا...... بوا کوئی نہیں رہا۔" وہ مسلسل بوا کے سینے سے لگی یہی تکرار کررہی تھی ابرار لب بھینچے خاموشی سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بوا آپ جائیں۔" ابرار نے ان کو اشارے سے باہر جانے کو کہا تو وہ مسکرا کر خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ جانتی تھیں کہ وہ اسے کیا کہے گا۔

"مجھے بہت افسوس ہوا کہ تم مجھے اپنا کچھ نہیں سمجھتی اور میں تمہارا کچھ لگتا بھی نہیں ہوں یہ ایک حقیقت ہے ماہ لالہ تم ایک باشعور لڑکی ہو سوچ سمجھ سکتی ہو اور اپنے حق میں بہتر فیصلہ کرنے کا حق بھی رکھتی ہو اور اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کو آزاد ہو لیکن زندگی کا فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے ضرور سوچنا اگر میں تمہارے لیے پرفیکٹ ہوں تو میں آج ہی تم سے حقیقی رشتہ جوڑنے کو تیار ہوں اور تب تم نہیں کہو گی کہ تمہارا کوئی نہیں...... مجھے اچھی طرح سوچ کر جواب دے دینا اگر جواب ہاں میں ہوتو مجھے خوشی ہوگی اور اگر ناں میں ہوا تب بھی تم اسی وقت تک یہیں رہو گی جب تک تمہیں تمہارا جیون ساتھی مل نہیں جاتا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ اور ماہ لالہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

❁......❁......❁

"ماہ لالہ میں نہیں جانتا مجھے کیوں اور کیسے تم سے محبت ہوگئی مگر شدید ہوئی تمہاری آواز سن کر مجھے ایسا لگتا میں بھٹک رہا ہوں تم میرے لیے اپسرا ہیں۔ پھر اچانک اتنا بڑا سانحہ ہوگیا مجھے تمہارے چلے جانے سے گھر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا تم نے وہاں جا کر جیسے اس گھر کو فراموش کردیا مجھے رات کو عجیب عجیب سے خواب آنے لگے رات رات بھر میں جاگتا رہا پھر وہاں کے کنٹیکٹ نمبرز مل گئے اور میں نے فوراً تمہیں فون کردیا میرا دل چاہتا تھا کہ میں تمہیں اڑ کے لے آؤں مگر میں نہیں جانتا تھا کہ تم میرے کہنے پر آ جاؤ گی مجھے یہی ڈر تھا کہ تم یہ نہ کہہ دو کہ آپ میرے کون ہوتے ہیں؟ جو میں آؤں مگر تم نے کہا میں کوشش کرتی ہوں اور یقین جانو تمہارے ان لفظوں نے مجھے زندگی دے دی تم جب کہو گی میں تمہیں روکوں گا نہیں اور اب تم اس احساس کے ساتھ جاؤ گی کہ تمہارا کوئی ہے جو تمہارا انتظار کررہا ہے۔" ابرار کو اس نے کبھی اتنا بولتے نہیں دیکھا تھا نہ سنا تھا مگر آج دیکھ بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔ اس نے بوا کے ذریعے اپنی رضامندی دے دی تھی۔

اور عید کے دوسرے دن نکاح کی ڈیٹ رکھی تھی اور آج وہ اس کی شریک حیات بن گئی تھی۔

"ماہ لالہ بولو...... کچھ کہو...... تم خوش ہوناں......" ابرار نے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر پوچھا تو وہ آج کسی اور ہی دیس کی لگ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف جھکا تو اس نے ایک دم نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔

"بولو میں سننا چاہتا ہوں تمہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے بولا وہ بہک رہا تھا اور اس کی آواز سرگوشی میں ڈھلنے لگی۔

"پلیز ابرار چھوڑیں۔" وہ اس کی گرفت میں کسمسائی۔

"ایک شرط پر......" ابرار نے کہا۔

"کیا......؟" وہ جلدی سے بولی۔

"تم پورے دس منٹ بولو گی۔" وہ اسے چھوڑتے ہوئے بولا۔

"تو کے آپ ذرا پیچھے ہوکر بیٹھیں۔" اس نے کہا تو ابرار مسکرا کر پیچھے ہوگیا اور وہ تیزی سے بیڈ سے نیچے اتری اور ہنستی ہوئی ڈریسنگ روم میں گھس گئی ابرار اس کی چالاکی پر کھل کر ہنس دیا اب اسے کوئی ڈر نہیں تھا وہ اس کی تھی اور وہ اس پر خوش تھا اور خدا کا بے حد شکر گزار بھی کہ اس نے اس اپسرا کو اس کا مقدر بنادیا تھا۔

❁

پانی کی ضرورت ہے محبت کے شجر کو
پتھر پر کبھی پیڑ اگائے نہیں جاتے
احساس اگر ہو تو وفا پھولے پھلے گی
دستور محبت سکھائے نہیں جاتے

آپ نے کبھی محبت کی ہے؟

کی ہے تو کون سی والی؟ نئی والی یا پرانی والی؟ لڑکپن کی یا جوانی کی؟ سمجھداری کی یا ناسمجھداری کی...... جینے مرنے والی یا بس وقت گزاری والی...... کہیں آپ بھی محبت بھرے جذبات کے انتہائی قیمتی سکے عمر کے کسی بھی حصے میں کسی اجنبی یا آشنا کی جھولی میں ڈالنے کے بعد فراموش تو نہیں کر بیٹھے؟

میری طرح؟ آہ...... یاد ماضی عذاب ہے یارب! لیکن میرا قصور نہیں...... وقت کی تند و تیز لہروں نے میرے وجود کو بے جان تنکے کی مانند تھپیڑوں کی زد میں لیا...... اور اس کے بعد میں سامنے کی باتیں بھول گئی وہ تو پھر ایک محبت کا گزشتہ باب تھا جس میں آنچل سے بندھے انتظار کے چند جگنو آپ اپنی موت مر گئے!

❁......❁......❁

میں رامین جاوید...... اماں ابا کی لاڈلی اکلوتی بیٹیا رانی اور چار کڑیل جوان بھائیوں کی دلاری بہنا...... بے پناہ محبت، بے تحاشا توجہ کے ساتھ یوں سمجھئے کہ پابندی اور نگرانی کے قاعدے قوانین کا حصار میرے اردگرد باندھ دیا گیا، یوں ضرورت سے زیادہ دیکھ بھال نے میری شخصیت پر منفی اثرات مرتب کیے اور رفتہ رفتہ میں اپنے آگے پیچھے پھرنے والوں کی عادی ہوتی گئی، ہر بات ہر کام، ہر ضرورت کے لیے مجھے کبھی خود کوشش کرنی ہی نہ پڑی، کوئی نہ کوئی میری مدد کو موجود ہوتا...... یوں دوسروں پر انحصار کرنا میری شخصیت کی کمزوری بنتا گیا۔

وقت کے سست رفتار قدم کچھ مسافت طے کرکے آگے بڑھے، بچپن پیچھے، بچپنا بھی رخصت ہوا...... سامنے جوانی کی دہلیز کھلے بازوؤں سے میری منتظر تھی، اسکول سے نکل کر کالج کی آزاد روش نے میرے جیسی سہمی ہوئی ہرنی کو مزید سہما دیا۔

بے فکری، دوستوں کے ساتھ مستیاں، اور تفریحات وغیرہ...... ان سب چیزوں سے آشنائی میرے لیے عجیب مشکل سی بن گئی۔ طبیعتاً تنہائی پسند تھی، رہی سہی

ظرافت و شوخیاں گھر کے ماحول نے سلب کرلیں اور میں عرف عام میں ایک خشک مزاج، مغرور لڑکی کے لقب کے ساتھ اپنی کلاس میٹس میں مشہور ہوگئی۔ کامرس کیمپس کے آگے بنے ہرے بھرے لان میں بیٹھ کر سفید سفید نرم ملائم کبوتروں کو دیکھنا میرا محبوب مشغلہ تھا اور مجھے خبر نہ تھی کہ لان کے سامنے بنے کینٹین کی ایک شیشے والی کھڑکی سے کسی کی محبت بھری نگاہ میرے وجود کو بہت توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ امتحانات سے کچھ ماہ قبل کے ایام تھے۔ امتحانی فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ گزر چکی تھی، گزشتہ کئی روز سے ناسازی طبع کے باعث میں کالج سے غیر حاضر تھی (حبہ قریبی دوست) نے فون کرکے مطلع کردیا تھا، مارے باندھے کالج آنا پڑا' کاشف بھائی مجھے کالج ڈراپ کرکے چلے گئے تھے ہاف ڈے پر لوٹ کر مجھے ان ہی کے ساتھ واپس چلے جانا تھا۔ میں جلد از جلد یہ فارم کمیشن کا کام نمٹا دینا چاہتی تھی مگر...... برا ہو میری خبط الحواسی کا...... بے دھیانی میں فیس واؤچر کہیں گرا دیا۔ کچھ یاد نہیں تھا...... نجانے کہاں کھو دیا' ڈھونڈنے کے باوجود نہ ملا۔

نقاہت کے سبب مجھ میں مزید خواری کی سکت نہ رہی تھی۔ سو اپنے سکھ دکھ کے ہمراز نرم و ملائم کبوتروں کے ہمراہ جا بیٹھی۔ سنہری دھوپ میں نہایا تر و تازہ لان جو مجھے ہمیشہ کی طرح اپنی پناہوں میں سمیٹ کر پرسکون کردیا کرتا تھا۔ پر آج میں حد درجہ بددل تھی۔ نجانے میری شکل سے میری پریشانی ہویدا تھی یا پھر کینٹین کی شیشے والی کھڑکی سے جھانکتے اس وجود کو مجھ سے ہمکلامی کا بہانہ درکار تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ میرے سامنے کھڑا ہوا۔

"میں کچھ مدد کروں آپ کی؟" سیدھی سادی آفر تھی۔

"جی......؟" میں ٹھہری سدا کی نروس یا شاید میری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو پہلا ردعمل یہی ہوتا۔

"چہرے سے خاصی پریشان دکھائی دے رہی ہیں نا۔ غالباً بیمار بھی ہیں؟ بہت دنوں سے غیر حاضر بھی تھیں۔" بے تکان بولتا وہ میرے قدرے حواس باختہ چہرے سے نگاہ موڑ کر یہاں وہاں دیکھنے لگا تھا۔

سانولا' لمبا' چوڑے شانوں والا شکل سے تو شریف لگ رہا تھا' سیاہ پینٹ شرٹ پہنے' میرے سامنے ذرا سا بائیں جانب ہٹ کر کھڑا تھا۔ نجانے کون ہے یہ؟ شکل تو جانی پہچانی لگ رہی ہے؟ میں دل ہی دل میں خود کلامی میں مشغول تھی۔

"ہیلو میں......" خاصی طویل خوشی پر اس نے مجھے متوجہ کرنے کو اونچی آواز میں پکارا تو میں نے بلا تامل اسے دیکھا۔

"آپ...... کون؟" دل کا سوال ہونٹوں کی زینت بن گیا۔

"میں وہ ہوں جو کئی روز سے آپ کو غیر حاضر پاکر اب پریشان ہونے لگا تھا۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

نجانے اس کی بات نے مسمرائز کیا تھا' مجھے یا میں اس کی ملاحت بھری مسکان میں گم ہوگئی۔

"میں بیمار تھی۔" بہت دھیمے سے کہا تھا میں نے۔

"وہ تو نظر آرہا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اسی پل ایک ہوا کا جھونکا آیا اور میرے فائل کے اوپر رکھے فارم اور اس میں لگے میرے ڈاکومنٹس وغیرہ اڑ کر ذرا دور جا گرے۔ میں نے اپنی سی کوشش کی تھی انہیں تھام لینے کی مگر ہوا ایک بار پھر اپنی شرارت میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں اسے لینے کے لیے بڑھتی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سارے کاغذات دو منٹ میں سمیٹ لایا۔

"یہ جمع نہیں کروائے ابھی تک؟" مجھے واپس کرتے ہوئے اس نے ازراہ گفتگو پوچھا۔

"میرا واؤچر کہیں کھو گیا ہے۔ دوبارہ سے بنواتا پڑے گا اور میں اتنے پیسے نہیں لائی۔" بات کے آخر تک میرا گلا رندھ گیا۔ طبیعت کی ناسازی نے میرے حوصلے پست کر رکھے تھے' جبھی تو وہ لفظوں کی ہمدردی نے مجھے اس سے بات کرنے پر رضامند کردیا۔

"ارے تو...... میں مدد کروں......؟" وہ پل کے توقف سے وہ پھر مجھے اپنی مدد کی آفر کر رہا تھا۔ میں نے فقط سوالیہ نگاہیں اٹھائی تھیں۔

"لائیں یہ مجھے دیں۔" کہتے ہی اس نے میرے ہاتھ سے پیپر گھسیٹ لیے۔ میں اسے یک ٹک دیکھتی ہی رہ گئی۔ جواب نجانے کہاں جا رہا تھا۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مجھے میرے ڈاکومنٹس لوٹا رہا تھا جس میں فیس واؤچر کی فوٹو کاپی سلپ موجود تھی۔ اس نے میرے واؤچر کی بینک میں جمع شدہ رسید نکلوائی تھی پھر اس کی دو فوٹو کاپی کروا کر مجھے لا تھمائی جن میں سے ایک کالج میں جمع کرانے تھے اور ایک میرے پاس بطور ثبوت موجود رہتا۔

میں نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

پتہ نہیں کیا سوچ کر میں نے اس انجان شخص سے ہیلپ لی تھی۔ شاید کچھ چیزیں ہم جان بوجھ کر یوں کرتے ہیں جیسے نادانستگی میں ہم سے ہوگئی ہوں۔ مگر درحقیقت ہمارا ہر کام ہم اپنی رضامندی سے ہی کرتے ہیں' بعد میں نادانستگی کا رنگ دے دیں تو وہ الگ بات ہے۔

حماد انوار نام کا روزن میری زندگی کو اتنی دلفریب مہکار سے آشنا کر گیا کہ میں نے بنا کچھ سوچے سمجھے اس چور دریچے کے کھلے پٹ سے سر ٹکا کر پلکیں موند لیں اور ارد گرد کی تمام حقیقتیں پس پشت چلی گئیں...... پھر رفتہ رفتہ اس کی نرم دوستانہ طبیعت نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک کردیا' میں جو گھٹے گھٹے ماحول میں رہتے رہتے عجیب آدم بیزاری ہو رہی تھی اب کھل کے سانس بھرتی اور اس فرحت آمیز کیفیت کا لطف لے رہی تھی۔

❁......❁......❁

حماد ایک غریب گھرانے کا ذمہ دار بیٹا تھا' سیکڑوں لڑکوں کی طرح وہ بھی خود محنت مزدوری کرکے اپنی پڑھائی کے اخراجات برداشت کر رہا تھا۔ ماں باپ کی غربت اس قابل نہ تھی کہ اس سمیت اس کے سات بہن بھائیوں کی کفالت کا بوجھ بحسن و خوبی برداشت کر پاتے سو وہ غربت کی اس دلدل سے نکلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا اور اسی تگ و دو میں ہر چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں اس کو ذرا سی عار نہ تھی۔

رامین کے کالج میں بھی بقول حماد کے اسے اس کی کم قسمتی گھسیٹ لائی تھی' کچھ عرصے سے کالج کینٹین کا سپلائر (حماد کا دوست) علالت کے باعث کام سے غیر حاضر تھا' اسی دوران رامین سے شناسائی نے حماد کی کتاب شکوہ میں ایک اور شکایت درج کردی۔

آخر ایسی بھی کیا مجبوریاں؟

نصیب کا اتنا بھی کیا کھوٹا پن؟

افلاس کی اتنی اندوہناک شکل سے بھی کیا وابستگی؟

بہرکیف...... ان تمام شکوہ شکایات کے باوجود وہ خود کو رامین کے ہمراہ محبت کا دم بھرنے سے باز نہ رکھ سکا اور اقرار و اعتراف' اعتبار و اعتماد کے منازل سے گزرتے ہوئے رامین جاوید' حماد انوار کا ہاتھ تھام کر جذبات کے ان تمام رنگوں سے شناسائی حاصل کر رہی تھی جو زندگی کے رنگین لمحات کے امین ہیں۔ خوبصورت وقت...... شام کے شفق آمیز بادل کی طرح ہوتا ہے' ذرا سا رنگ اور پھر ساری سیاہی سے افق کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔

حماد انوار اور رامین جاوید کی زندگی کا خوبصورت وقت بھی مٹھی میں دبی ریت کی طرح پھسل گیا اور اب وقت تھا ہجر کی ڈھیر ساری سیاہی سے نبرد آزما ہونے کا۔

"میرا انتظار کرنا۔" اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرے وہ پوچھ کب رہا تھا' وہ تو حق جتا رہا تھا۔

"حماد......!" رامین کی پکار میں کیسی تڑپ تھی کہ حماد انوار بگھل کر رہ گیا۔

جی چاہا اس نازک سی گڑیا کو بانہوں میں بھرے اور سب سے چھپا کر کسی دور دیس میں لے جائے جہاں کسی احتیاط، کسی رسم و رواج کی زنجیر، کسی امیری غریبی کا فرق ان کے درمیان حائل نہ ہو۔ کوئی کم حیثیتی معیاری اور خاندانی نام نہاد سماج ان کا رستہ نہ روکے۔

"رامین.....!" اس پکار میں محبت کی چاشنی گھلی ہوئی تھی۔

"صرف تمہارے ہی لیے تو یہ سارے ہجر و فراق کے جلتے دریا پار کرنے جا رہا ہوں، تم تک رسائی کے لیے ابھی مجھے کن کن محاذوں پر لڑنا ہے، تمہیں اندازہ نہیں اتنی ساری ذمہ داریوں نے میرے شانوں کو شل کر رکھا ہے، ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ تمہاری محبت ہی تو ہے، تم یوں مت پکارو کہ میرے مضبوط و مستحکم قدم لڑکھڑانے لگیں؟" اس کی آواز جذبات سے لبریز تھی۔ رامین کے گلابی رخساروں پر دو شفاف موتی ٹوٹ کر گرے۔

"میں واپس آنے کے لیے ہی تو جا رہا ہوں۔ مسکرا کر رخصت کرو جان۔" ذرا سے توقف کے بعد اس کا طرز تخاطب اسے جھینپنے پر مجبور کر گیا۔

وہ بھیگی آنکھوں سمیت شرمائی تھی اور حماد انوار کی آنکھیں جگنوؤں کی طرح چمک اٹھیں۔

"دسمبر کے بھیگے موسم میں دھوپ اتر آئے تو نظارہ وہی ہوتا ہے جو ابھی میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔" اس نے رامین کا چہرہ ٹھوڑی سے چھو کر اونچا کیا اور وہ اس کی شاعرانہ تشبیہ پر زور سے ہنس پڑی۔

پھر وہ چلا گیا، سات سمندر پار۔ دسمبر کی طرح سال بھر کی ساری رونقیں، ساری دلکشی، محبت بھری باتیں، ہنسی قہقہے سب کچھ اپنے سنگ سمیٹ کر چلا گیا اور رامین جاوید کے وجود پر خزاں کا زرد رنگ اتر آیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس میں زمانے سے ٹکرانے کا حوصلہ نہیں، چند دنوں کی محبت کے لیے زمانے بھر سے بغاوت کا حوصلہ ہر کسی میں کہاں ہوتا ہے؟ اور رامین میں تو خاص کر یہ حوصلہ نا پید تھا۔ وہ انتظار کرتی بھی تو کس آسرے؟ حماد انوار کی واپسی کا وقت معین بھی کب تھا؟ نجانے اس کی ذمے داریوں کے ہجوم کب چھٹتے، کب وہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے آزاد ہوتا؟ آخر رامین جاوید اپنے گھر والوں کو کس بھروسے پر ٹھہراتی، کئی سوالیہ نشان تھے جن کے جوابات خود رامین جاوید کے پاس نہ تھے تو پھر وہ دوسروں کے خدشات کا جواب کیونکر دے پاتی۔

"کچھ چیزیں کاتب تقدیر پہلے سے رقم کر رکھتا ہے اور کچھ چیزیں انسان خود اپنے نصیب میں اپنے ارادوں، فعل و عمل سے رقم کرواتا ہے، میں واپس آؤں گا رامین! میں نے ہمیشہ تمہاری تمنا بہت دل سے کی ہے، اللہ کو تمہیں مجھے دینا ہوگا، میں تمہیں اس سے لے کر رہوں گا۔ میرے خالص سچے جذبات اللہ کو معلوم ہیں، وہ گواہ ہے اس دل میں تم سے پہلے کوئی نہ تھا اور تمہارے بعد کوئی نہ آئے گا۔ بس تم...... صرف تم...... پھر تم اور ہمیشہ تم۔" حماد انوار کے کہے گئے یہ چند جملے بلکہ مصمم ارادے رامین جاوید کے لیے مٹھی میں بند جگنو ثابت ہوئے۔

❁.....❁.....❁

سرخ لبے بوڑے سے گھونگھٹ میں سر جھکائے قبول ہے، قبول ہے، کہتی رامین کا دل اپنی مٹھی میں بند جگنوؤں کی موت پر بہت تڑپ رہا تھا۔ انسان روئے تو آنسو بہتے ہیں اور جب دل روئے تو لہو رستا ہے۔ رامین سے رامین مہتاب تک کے سفر میں وہ بے موت مری تھی۔ نجانے وہ مری تھی یا اس کے جذبات یا پھر اس کی آس؟ جو بھی تھا جیسے بھی تھا، مگر وہ حماد انوار سے بے وفائی کی مرتکب ضرور ہوئی تھی...... زندگی کے پرچے کے سب سوال مشکل ہیں، سب سوال لازم ہیں۔

رامین مہتاب بھی ایک کے بعد ایک ان تمام سوالیہ نشانات کا حل نکالنے میں مصروف تھی۔ ایک سوال حل ہوتا ہی تھا کہ دوسرا سامنے آن دھمکتا۔

ایک ہفتے قبل اس کا نکاح ہوا، اگلے ہفتے رخصتی طے تھی۔ مگر ہائے نصیب...... رخصتی سے ایک روز قبل وہ بیوگی کی سفید چادر اوڑھ بیٹھی۔ اس کی پیشانی پر بیوگی کا جو داغ لگا تو سبز قدم کا لقب بھی بخش دیا گیا۔

سعود مہتاب (اس کا شوہر) ایک کار ایکسیڈنٹ میں لقمہ اجل بن گیا اور رامین کے سامنے ایک اور سوالیہ نشان آن وارد ہوا...... اب کیا؟

اس نے تو ابھی نوبیاہتاؤں والے بناؤ سنگھار بھی نہ کیے تھے، کوئی خواب، کوئی ارمان، کوئی خواہش بھی تو دل کی زمین سے پھوٹی نہ تھی ابھی...... ابھی تو اسے حماد انوار کو بھولنا تھا، پھر سعود مہتاب میں پناہ تلاشنی تھی، سب دھرا کا دھرا رہ گیا اور وہ وہیں کی وہیں رہ گئی۔ والدین اپنی بچی کو ڈھیر سارا پیار دے سکتے ہیں، بہت سارا مال دے سکتے ہیں، دنیا جہاں کی نعمت بھی دے سکتے ہیں، مگر اچھا نصیب نہیں دے سکتے۔ رامین کی کم قسمتی کے آگے اس کے گھر والے بھی ہار گئے۔

اماں جان...... رامین کی اجاڑ صورت دیکھ دیکھ کر ہولتی رہتیں، ابا کو فالج کا ایسا اٹیک ہوا کہ بستر سے جا لگے اور مہینہ بھر کی اذیت بھری مفلوج حیات کے بوجھ سے بالآخر آزادی حاصل کر کے قبر میں جا سوئے، اماں جان ابا کے غم کا بوجھ نہ سہار سکیں، سو وہ بھی رخصت ہوئیں۔

پیچھے رہے رامین کے بھائی...... اپنی اپنی بیگمات میں مگن، خوشحال، خوش باش بھائیوں کے لیے وہ ایک مارے باندھے سنبھالنے والی ذمہ داری تھی مگر اس کے ساتھ ہی بھابیوں کو رامین سے دستبرداری بھی منظور نہ تھی۔ ہاتھ آئی نعمت سے کون منہ موڑے، صبح سے شام ملازمہ کی طرح گھر کے معمولات نبھاتی اور بھابیوں کی جھڑکیاں کھاتی رامین قابل رحم تھی۔

عمر کے تھال میں برس کے نجانے کتنے سکے گرے تھے، رامین نے عمر کا حساب رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ روتی کرلاتی زندگی صبح سے شام کے محور میں رقصاں تھی اور رامین کا دل، احساس، امید، آس سب کیفیت، ساری امنگیں بھلا کر بے حسی کی آغوش میں محو خواب تھا۔

صبح شام کی انہی بھاگ دوڑ میں ایک دن عجیب سی بات ہوئی۔ بھابی نے سر شام اسے نہا دھو کر تیار ہونے کا آرڈر دیا۔ سوال جواب وہ یوں بھی نہ کرتی تھی سو آج بھی خاموشی سے سر جھکائے چل دی۔

کاسنی رنگ کے پلین جارجٹ کے جوڑے میں بنا

حافظہ فاریہ سرور

آنچل اسٹاف، ڈیئر قارئین اینڈ سوئٹ رائٹرز کو میرا پُرخلوص سلام۔ میرا نام مشاءخواں حافظہ فاریہ سرور ہے، کیم جنوری کو اس ٹھٹھرتی سردی میں اس حسین دنیا میں آنکھ کھولی۔ میں ضلع وہاڑی ماچھیوال سے تعلق رکھتی ہوں، ہم ماشاء اللہ سے چھ بہن بھائی ہیں، میرا نمبر پانچواں ہے میں فرسٹ ایئر کی طالبہ ہوں اور آگے پڑھنے کے ارادے بہت بلند ہیں۔ آنچل سے وابستگی میری تین سال سے ہے۔ آنچل رائٹرز میں مجھے سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، سباس گل، ام مریم، نبیلہ عزیز اور نادیہ فاطمہ رضوی بے حد پسند ہیں۔ اب آتے ہیں جی اپنی خوبیوں اور خامیوں کی طرف، خامیاں تو بہت سی ہیں، سوئی بہت زیادہ ہوں، اعتبار جلد کر لیتی ہوں۔ غصے کی بہت تیز ہوں لیکن بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ ایک خوبی جو کہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے میں اپنے ہی ضلع میں بہت اچھی نعت خواں ہوں۔ ہر ایک سے مخلصانہ رویہ رکھتی ہوں اسی لیے تو میری فرینڈز کی فہرست کافی طویل ہے، حافظہ نازش، سسٹر حافظہ راشدہ، میمونہ، اقرا، راحت، سکینہ، رمشا، تہمینہ، اقصیٰ، حمیرا، کوثر، رضوانہ، مدیحہ بھی فرینڈز بہت اچھی ہیں۔ موسموں میں مجھے موسم سرما نہایت دلعزیز ہے، خوشبو میں گلاب اور کلیوں کی خوشبو بہت پسند ہیں۔ رنگ برنگے کھانے کی بہت شوقین ہوں، فیورٹ ڈش بریانی اور کوئی بھی گوشت۔ سوئٹ ڈش میں آئس کریم اور ربڑی فالودہ بہت پسند ہے۔ کپڑوں میں چوڑی دار پاجامہ اور لانگ قمیص شلوار کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ مجھے شاعری بے حد پسند ہے، پسندیدہ شاعر وصی شاہ، احمد فراز، نازیہ کنول نازی اور پروین شاکر ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

کوئی ہار سنگھار کیے' محض دوپٹہ سر پر جمائے وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو ایک باوقار سی خاتون اور بیس اکیس برس کے قریب لڑکی کو محو انتظار پایا' پڑوسن کی ساس اور خود پڑوسن کی آنٹی بھی براجمان تھیں۔

وہ مہمان گرامی لڑکے کے اہل خانہ تھے اور دل وجان سے رامین کے خواہشمند تھے۔ پینتیس کے آس پاس عمر ہوگی لڑکے کی..... "لڑکا کیا اچھا خاصا مرد ہوا۔" بھابی کو یہ واضح کرنا ضروری محسوس ہوا تھا تو پڑھا لکھا مگر کام یار دوستوں والے۔" ریسٹورنٹ کا اونر تھا۔ خوش شکل ہونا الگ سے پلس پوائنٹ تھا۔

بھابیوں سے رامین کا بھلا ہونا کب ہضم ہوا۔ سو اب بھی دونوں بے تاب و بے چین ہوئی جارہی تھیں..... دونوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا کہ کسی طرح کوئی تدبیر کرکے کل وقتی ملازمہ سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ مگر وائے قسمت اس ضمن میں بروئے کار لایا ہوا ہر طریقہ بے کار گیا۔ غالباً سامنے والوں کی تدبیریں زیادہ کارگر تھیں۔

"شادی پر کسی طرح کا کوئی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں' فقط چار لوگوں میں نکاح کریں گے۔ باقی سنت طریقہ کے مطابق ولیمہ ہم اپنے گھر پر منعقد کریں گے۔" والد صاحب بڑے سجاؤ سے کہہ گئے تھے۔

"بالکل نہیں' جہیز کا تنکا بھی نہیں چاہیے۔ ہم تو صرف بیٹی لے کر جائیں گے۔" واری صدقے جاتی' یہ لڑکے کی ماں تھیں۔

"بھابی' شرارہ کس رنگ میں لیں؟ جیولری ہیوی پسند ہے نا آپ کو بھائی کو تو سرخ رنگ پسند آرہا ہے' برائیڈل ڈریس میں۔" پہلے ایک اور بعد میں تین تین شادی شدہ نندیں رامین سے ملنے آئیں' بطور خاص اہتمام سے تحفے تحائف یوں دیے جیسے برسوں سے آشنا ہیں' میل ملاپ' اپنائیت کے تمام ریکارڈ توڑ مظاہرے رامین کو خبط الحواس کیے دے رہے تھے۔

فکر تو بھابیوں کو بھی تھی' ایسے بھی لعل نہ جڑے تھے رامین میں..... کون اتنا بے لوث طلبگار پیدا ہوگیا آخر؟ لڑکے میں کوئی عیب تو نہیں؟

نفسیاتی نہ ہو؟

اللہ نہ کرے رامین کے ساتھ کچھ.....؟ اچھی طرح سے شوہروں کو بھرا گیا' مگر لڑکے سے بذات خود ملاقات کے بعد بھائیوں نے کان لپیٹ لیے۔

خامی تو دور اچھا خاصا ڈیسنٹ بندہ تھا۔ ڈھونڈنے سے بھی کوئی اعتراض کا پہلو نہ ملا تو بھائیوں نے آپسی معاملات سنبھال لیے۔

جو ہو سو ہو..... اللہ کا نام لے کر رخصتی طے کردی گئی۔

بہرکیف..... بھائیوں سے اپنی اپنی بیگمات کے ناروا سلوک کوئی ڈھکے چھپے تو نہ تھے۔ محض امن کے خدشات کے پیش نظر کوئی کچھ نہ کہتا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ بے خبر ہے..... ان کی زبانیں نہ رکی تھیں نہ رکی..... اور انہی تمام ادھیڑ بن میں رامین کی شادی کا روز آن پہنچا۔

چار بندے کہا تھا تو بلا مبالغہ چار ہی لوگ نکاح کی رسم کے لیے آئے۔

ایک بار پھر وہ لبے سرخ گھونگھٹ میں سر جھکائے طرح طرح کے خدشات وسوسوں میں گھری بیٹھی تھی۔ ٹھنڈے پسینے سے بھیگے مہندی والے ہاتھوں میں قلم پھسل پھسل جارہا تھا۔ بدقت دستخط کرتی وہ اچھی خاصی خوف زدہ اور سہمی ہوئی تھی۔

رخصتی کے بعد گاڑی میں بیٹھی تو بہت انوکھا سا احساس ہوا' برابر بیٹھا وہ شخص جو اب ساری دنیا میں اس کا سب سے بڑا محرم تھا بہت اپنا بہت قریب لگ رہا تھا..... شاید نکاح کے بولوں کا اثر تھا۔

مگر نہیں..... اس کی قربت میں بہت شناسائی تھی۔

دل خوش فہم بے طرح ہمک رہا تھا' کہ گھونگھٹ الٹ کر فقط ایک نظر برابر براجمان اس شخص کو دیکھ لے..... ضروری تو نہیں کہ جو وہ سمجھ رہی ہے وہ صحیح ہوجائے۔

مگر برا ہوا اس شرما شرمی کا..... نجانے گاڑی میں کون کون تھا اور اس کی یہ حرکت کسی کو کتنی ناگوار گزرتی' اور پھر اگر "وہ" وہ نہ ہوا جو اسے لگ رہا ہے تو؟ تب کیا کہے گی؟ اور اگلا کیا سوچے گا بھلا؟

گاڑی میں بھرپور قہقہے بکھرے جارہے تھے اور رامین اضطرابی کیفیت سے مجبور اپنے کنگن کی کلیاں مسل مسل کر پھینک رہی تھی۔ اسی دم اس کے نازک ہاتھوں پر ایک مضبوط مردانہ ہاتھ بڑے استحقاق سے آٹھہرا تھا۔

کیسا پرتپش محبت بھرا لمس تھا۔ رامین نے بے اختیار جھجک کر ہاتھ کھینچ لیے تھے جبھی تو ادھر سے ایک بھرپور قہقہہ آزاد ہوا۔ نجانے سامنے والی نشست سے کیا کہا گیا تھا مگر اس بار رامین کے لبوں کو بھی بڑی شرمیلی مسکان نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

تو اس کا دل صحیح الارم دے رہا تھا..... جو وہ سمجھ رہی تھی؟ وہی سچ تھا نا.....؟ وہ جی بھر کے سرشار ہوئی تھی۔

"ارے..... واہ واہ..... سو واٹ کا بلب روشن ہے تمہارے چہرے پہ..... دیکھو۔" سامنے سے ہٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے میں ابھرتے اس کے سجے سنورے روپ کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔

ابھی ذرا دیر ہوئی وہ اس کے سامنے آکر بیٹھا تھا' انداز میں شوخیاں شرارتیں ضرورت سے زیادہ جھلک رہی تھیں اور وقتاً فوقتاً گلنار تو رامین بھی ہوئی جارہی تھی۔

"یہ بہت جانا پہچانا منظر ہے' میں نے جاگتی آنکھوں سے یہ خواب متعدد بار دیکھا تھا۔" حماد انوار کی خوشی کسی طور نہ سنبھل رہی تھی۔

رامین کی موٹی موٹی آنکھوں میں نمکین پانی امڈ آیا۔ نجانے کیوں؟

"ارے....." وہ بے اختیار سیدھا ہوا۔

"آئی ایم سوری حماد؟" اس نے اپنی نم دار بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں' حماد انوار تو نثار ہی ہوگیا۔

"کم آن رامین' ختم کرو سب کچھ' کسی کا کیا قصور؟ جو نصیب میں ہوتا ہے جیسے ہوتا ہے ویسے ہی ملتا ہے' میں اور تم بس ارادے باندھ سکتے ہیں' ان ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا' نہ پہنچانا' سب وہاں طے ہوتا ہے۔"

اس نے انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ کیا۔

"میں نے کہا تھا نا؟ میں تمہیں پاکر رہوں گا۔" وہ بہت خوش تھا۔

"لیکن ایک بات تو کہنی پڑے گی۔" رامین ہمہ تن گوش ہوئی۔

"ہجر و فراق کے یہ تمام دن..... تمہارے نقرئی رنگ روپ پہ ذرا اثر انداز نہیں ہوئے۔" بہت محبت سے رخسار چھوئے تھے اس نے رامین خود پر جتنا ناز کرتی کم تھا۔

"ایک بات مجھے بھی کہنی پڑے گی۔" رامین نے اس کے مضبوط ہاتھ تھامے۔

"یہ سب محبتیں جو آپ نے بخشی ہیں مجھے' میرے چہرے کی تمام تابناکی ان ہی کے دم سے ہے۔"

"محبت کا اعجاز ہے یہ سب۔"

کتنی دلآویز مسکان تھی' اس لمحے ان دونوں کے لبوں پہ۔ زندگی نے انہیں مسکرا کر دیکھا تھا کیونکہ محبت..... صرف محبت ہوتی ہے۔

بات ساری خلوص کی ہے!
نیک نیتی کی ہے!
سچے من کی ہے.....!!!

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

سحر گھمن...... سید والا

جواب:۔ بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یسین پڑھا کریں روزانہ دعا بھی کیا کریں۔

سیما سحر...... سکھر

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 7074 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ (جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں)

نویلہ سعدیہ...... گجرات

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 7074 مرتبہ اول و آخر درود شریف 11،11 مرتبہ۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں جہاں بہتر ہو۔

شازیہ مزمل

جواب:۔ سورۃ عصر 21 مرتبہ سرہانے کھڑے ہو کر جب خاوند نیند میں ہو اول و آخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔ (نیت میرا کہا مانیں)

یالطیف یا ودود 101 مرتبہ روزانہ اول و آخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔ (دم کر کے پلائیں چائے / شربت روزانہ)

ثمینہ ارشاد...... رحیم یار خان

جواب:۔ (۱) سورۃ حشر کی آخری 3 آیات روزانہ صبح و شام 11،11 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ تیل پر دم کر کے رکھ لیں مالش بھی کیا کریں (41 مرتبہ) درود شریف 3،3 مرتبہ۔

(۲) سورۃ شمس روزانہ 7 مرتبہ پانی پر دم کر کے بچوں کو پلائیں اول و آخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔

اویس الیاس...... لاہور

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ یسین پڑھا کرے روزانہ (اویس) دعا بھی کیا کریں۔

نعمانہ انجم...... فیصل آباد

جواب:۔ (۱) سورۃ لھب 41 مرتبہ روزانہ پانی پر دم کر کے خاوند کو پلائیں روزانہ۔

(۲) سورۃ اخلاص 1 تسبیح روزانہ بعد نماز عشا اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

آئی ایس راجپوت...... گجرات

جواب:۔ بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ کوئی بھی پڑھ سکتا ہے۔ (روزگار کے لیے) دعا بھی کریں۔

سورۃ اخلاص / سورۃ فلق / سورۃ الناس 11،11 مرتبہ روزانہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔

شازیہ مزمل...... بورے والا

جواب:۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ والضحیٰ 21،21 مرتبہ اول و آخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔ (شوہر کا تصور کر کے پڑھیں کہ وہ رابطہ کریں)

بعد نماز عشا یا لطیف یا ودود 313 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف روزانہ (نیت شوہر کے دل میں محبت پیدا ہو رہی ہے۔

حرا...... لاہور

جواب:۔ آپ نے نہ اپنے شوہر کا نام لکھا ہے نہ ساس کا کس طرح حساب نکلے گا؟

بعد نماز عشا 1100 مرتبہ "یا عدل" پڑھیں۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ اپنے مسئلے کے لیے دعا کریں۔ عاجزی کے ساتھ روزانہ۔

صوفیہ شہادت...... راولپنڈی

جواب:۔ مسئلہ نمبر ۱۔ حکیمی علاج کروائیں۔ سورۃ المومنون آیت نمبر 14،12 111 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشا پانی پر دم کر کے بچی کو روزانہ۔ پڑھتے وقت مقصد بھی ذہن میں ہو۔

مسئلہ نمبر ۲۔ یا اللہ یا رحمن یا رحیم۔ والدہ ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ دل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پڑھیں۔ بچی کالا نمک استعمال کیا کرے۔

مسئلہ نمبر ۳۔ بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ معاشی حالات کے لیے پڑھیں۔ دعا بھی کریں صدقہ خیرات بھی دیں۔

کامران، عمران...... حیدر آباد

جواب:۔ گھر میں آسیب ہے۔ جس کی وجہ سے آپ لوگ پریشانی میں ہیں۔ بہتر ہے کسی اور گھر میں شفٹ ہو جائیں۔ یا پھر کسی اچھے عامل سے مکمل علاج کروائیں۔

عاصمہ...... فیصل آباد

جواب:۔ بندش ہے۔ بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء 41 مرتبہ سورۃ فلق اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت تصور ہو کہ رکاوٹ اور بندش ختم ہو رہی ہے۔ دم بھی کریں۔

سنبل ناز...... دہلی کالونی، کراچی

جواب:۔ سورۃ فرقان والا وظیفہ پڑھ سکتی ہیں۔ دونوں بہنوں کا صدقہ دیں (مرغی / بکرا) اس کے بعد وظیفہ کریں۔ جلد اور اچھا رشتہ آ جائے۔

رضوانہ منظور...... جھگی والہ

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۃ یسین پڑھیں۔ اس کے بعد سورۃ الفرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

آپ کے رشتے میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔

شہناز منیر...... شور کوٹ سٹی

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ آل عمران آیت نمبر 38، 111 مرتبہ پڑھا کریں۔ (اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف) دعا بھی کریں۔

بی آئی...... جوہر ٹاؤن، لاہور

جواب:۔ بظاہر آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر سخت جادو ہے۔ رشتے کے لیے لڑکیاں خود پڑھیں۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ دعا کریں جلد اور اچھے رشتے کے لیے۔

بعد نماز مغرب اور عشا سورۃ الفلق، سورۃ الناس 21،21 مرتبہ پڑھ کر دم کریں۔ اثرات ختم ہوں۔

معاشی حالات اور روزگار کے لیے۔ بعد نماز عشا سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

http://facebook.com/elajbilquran

www.elajbilquran.com

> **نوٹ**
>
> جن مسائل کے جوابات دیے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
>
> موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔
>
> اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
>
> ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
>
> rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے نومبر ۲۰۱۴ء

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پذیر ہیں ....

بیاض دل

میمونہ رومان

فصیحہ آصف خان...... ملتان

دن ہمارا بھی عید کا حسین ہوجائے
اسے کہنا کہ چاند رات ہی لوٹ آئے

سباس گل...... رحیم یار خان

تجھ کو دیکھا تو خیال آیا ہے
اپنی خوشیوں کا سال آیا ہے
چاند نکلا ہے وہ بھی عید کا چاند
تحفہ یہ باکمال آیا ہے

الفت اینڈ فائزہ عباسی...... چناری آزاد کشمیر

جو بچھا سکوں تیرے واسطے، جو سجا سکوں تیرے راستے
میری دسترس میں ستارے رکھ میری مٹھیوں میں گلاب دے
کبھی یوں بھی ہو تیرے روبرو، میں نظر ملا کے یہ کہہ سکوں
میری حسرتوں کو شمار کر، میری خواہشوں کا حساب دے

دعا اینڈ مہر گل...... اورنگی کراچی

یا رب اس بار تو ہمیں ایسی عید دے
جو باہمی خوشی کی سبھی کو نوید دے
جھگڑے، لڑائی اور سب بحران ہوں ختم
ہر لمحہ پاکستان کو خوشیوں کی دید دے

صبا...... سرگودھا

خوشیوں سے ہمکنار رہو تم تا حیات
ہر روز روز عید ہو ہر شب شب برات

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

جب بھی ٹھہرا ہے ذرا آ کے تیری دید کا رنگ
دور تک پھیل گیا ہے میری جاں عید کا رنگ

حافظ صبا...... 157 این بی

میں تم سے کچھ نہیں کہتی فقط اتنی گزارش ہے
کہ اتنی بار مل جاؤ جتنا یاد آتے ہو

ارم کمال...... فیصل آباد

اداسیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی پلکوں پر ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکھنا سنبھال کے چند خوشیاں میرے لیے
میں لوٹ آؤں گا تو پھر عید منائیں گے

ثمن گیلانی/ ابن صدیقی...... آزاد کشمیر

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے
کہتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

میمونہ سلیمی...... وہاڑی

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ آج مجھ کو حوصلہ دیتے ہوئے

صدف جبار/ مشا عظمت...... بوسال مصور

نہیں ہوتا تو زخم روح کا چارہ نہیں ہوتا
اے مسیحا گرنہ تیری باتوں میں کیا کیا نہیں ہوتا
جو دامن صاف ہے تو مت الجھو دنیا کی باتوں سے
کہ شب کی سازشوں سے چاند تو کالا نہیں ہوتا

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

بروز عید سب کے گھر آتے ہیں مہمان
قدموں کو تیرے ترستی رہی چوکھٹ میری

حیا خان...... بہاولپور

یوں معصومیت سے انگلیوں پر کیا گنتے ہو؟
میرے خیال میں بھی تم دعا لیے تم نے

ناصرہ فقار احمد...... جڑانوالہ

ہر روز غروب ہوتا سورج یہ پیغام دیتا ہے اقبال
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے

کیمرا غزل صدیقی...... کراچی

قدموں کی چاپ سنتے رہے ہم تمام رات
یوں بھی تو انتظار کے لمحات کٹ گئے

امبر گل...... جھڈو سندھ

اے بھولنے والے تیری خوشبو کی قسم
مجھ کو اب کچھ بھی تیرے غم کے سوا یاد نہیں
چاند دیکھا ہے تو یاد آئی ہے صورت تیری
ہاتھ اٹھے ہیں مگر صرف دعا یاد نہیں

سیدہ حیا عباس...... تلہ گنگ

کس جبر میں جیتی ہے میرے دیس کی عورت
تھوڑی سی کسی داد وفا کیوں نہیں دیتے
اظہار محبت میں بڑی دیر لگا دی
اک روز مجھے آ کے بتا کیوں نہیں دیتے

شگفتہ خان/ ثوبی...... بھلوال

بڑے پرہیزگار ہو گئے ہو صاحب
یاد کرنا بھی گناہ سمجھتے ہو

ثانیہ مغل...... سرگودھا

تنہا چاند ماہ زیست پہ کتنا دشوار لگتا ہے
دوستوں کا ساتھ تھا تو زندگی آسان تھی

اقصیٰ زرگر/ سنیاں زرگر...... جوڑہ

اب تو بس جان ہی دینے کی باری ہے محسن
میں کہاں تک ثابت کروں کہ وفا ہے مجھ میں

مونا شاہ قریشی...... کبیر والا

کوئے محبوب میں ہو گا کہیں مصروف طواف
دل اگر سینے میں ہوتا تو دھڑکتا ضرور

شہزادی شاہانہ...... نواب شاہ

زمانے بھر میں نہیں دل سا خوش گماں کوئی صنم
جو زخم زخم ہے پھر بھی وفا کی آس میں ہے

سامعہ ملک پرویز...... احاطہ ٹیکسلا

غضب کا کمال کرتے ہیں دونوں
اک عشق کا سوگ، اک تیرا روگ

طیبہ...... اٹک

کتنی منہ پھٹ ہیں تمنائیں میری
جیسے بچے امیر لوگوں کے......!

زاہدہ پروین...... سرگودھا

یہ ادائے بے نیازی کہ وہ میرے دل کو لے کر
بڑی بے رخی سے بولے کسی کام کا نہیں ہے

عروسہ علی...... ٹانڈہ

پڑنے لگی ہے تم پہ زمانے کی اب نظر
جلنے لگے ہیں لوگ میرے انتخاب سے

مبشرہ سحر...... عبدالحکیم

سن کر ساری رات میری داستان غم
وہ مسکرا کر بولا بہت بولتے ہو تم

آمنہ امداد...... سرگودھا

فطرت آدم میں جب محبت کم پڑ جائے
پھر چاہ کر بھی اپنوں کے لیے وقت نہیں ملتا

شاہ زندگی...... راولپنڈی

کس قدر دکھ ہیں زندگانی میں
جیسے گھل جائے زہر پانی میں
کتنی صدیوں کا درد شامل ہے
اک انسان کی کہانی میں

ایس آرمسکان...... جام پور

عید کے چاند پہ نظر پڑی تو مسکان
بصارت میں کسی عزیز کی شبیہ ابھر گئی

عمروہ یونس...... چدھڑ، حافظ آباد

یاد آؤں تو اتنی سی عنایت کرنا
اپنے بدلے ہوئے لہجے کی وضاحت کرنا

اقصیٰ افضل وفا...... ضلع ایبٹ آباد

بے چارگی کے زخم ہیں اور بے بسی کے پھول
دامن میں اور کچھ بھی نہیں عید کے لیے

کیمرا حیدر...... سائرہ حیدر

رشوت بھی نہیں لیتی کمبخت جان چھوڑنے کی
تیری یاد مجھے بہت ایماندار لگتی ہے

ثوبیہ کوثر...... ملتان

سحر آئی بھی تو لائی اسی چراغ کی موت
جو ساری رات تڑپتا رہا سحر کے لیے

ناہید شبیر رانا...... رحمان گڑھ

یہ دن یہ رات یہ لمحے مجھے اچھے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تمہی تک فاصلے اچھے لگتے ہیں

میں گھی پکاتے جائیں۔
پیاز اور ٹماٹر کی چٹنی کے ساتھ تناول فرمائیں نہایت لذیذ معلوم ہوگا۔

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

سیخ کے بالائی دار کباب

اجزاء:

روکھا قیمہ	آدھا کلو
پسا ہوا گرم مصالحہ	آدھی چھٹانک
ادرک	ایک چھوٹی گانٹھ
پیاز	دو پوتھیاں
ہری مرچیں	دو عدد
پودینہ	تھوڑا سا
دودھ کی بالائی	آدھا پاؤ
گھی	آدھا پاؤ
ہرا دھنیا	حسب ذائقہ
لال مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
کچا پپیتا	تھوڑا سا (گودے یا خشک چھلکے کی شکل میں)

ترکیب:

سب سے پہلے قیمے کو سل پر پیسیں (اس کا زیادہ سے زیادہ باریک ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا تو کباب ٹوٹ جائیں گے) پھر اس میں سب مصالحے ملا دیں انہیں بھی بہت باریک پیسا گیا ہو۔ اس مرکب میں ادرک، پیاز، ہری مرچیں، دھنیا اور پودینہ بھی بہت باریک کاٹ کر ملا دیں۔

دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ قیمے اور مصالحے کے آمیزے میں ساری بالائی اور آدھا گھی شامل کر دیں۔ ان سب اجزا کو کسی چمچے یا کفگیر سے خوب اچھی طرح ملا دیں اور اسے کافی دیر تک اسی حالت میں پڑا رہنے دیں۔

اس کے بعد اسے ایک بار پھر ملائیں اور آخری مرحلہ یہ ہوگا کہ اسے سیخوں پر چڑھائیں اور دہکتے ہوئے کوئلوں کی آگ پر پکا کر لال کر لیں۔ درمیان

لائبہ منیر..... جہلم

گولا کباب

اجزاء:

قیمہ	آدھا کلو
کچا پپیتا	دو انچ کا ٹکڑا
لونگ	چھ عدد
جاوتری	دو ٹکڑے
خشخاش	چار کھانے کے چمچے
بھنا چنا پسا ہوا	چار چمچے
ہرا دھنیا	کترا ہوا تھوڑا سا
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
پیاز	ایک عدد (آملیٹ کی طرح باریک کتر لیں)

ترکیب:

قیمہ میں نمک اور پپیتا پیس کر ملا لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں باقی تمام مصالحے پیس کر اور ہرا دھنیا، پودینہ اور باریک کٹی ہوئی پیاز ملا دیں یاد رکھیں مصالحہ پیستے ہوئے زیادہ پانی نہ ڈالیں۔ سب کچھ ملانے کے بعد دو گھنٹے تک رکھ دیں۔ پھر گول ٹکیاں بنا کر گھی میں فرائی کر لیں بہت ہلکی آنچ پر ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ ڈالیں۔ اسی طرح تمام گولا کباب تل لیں۔

دعا خان..... کراچی

ولایتی تکے

اجزاء:

گوشت	آدھا کلو
گھی	ایک چھٹانک
پسی ہوئی کالی مرچیں	آدھی چھٹانک
ادرک	ایک چھوٹی گانٹھ
لہسن	آدھی پوتھی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

گوشت کو پانی سے خوب اچھی طرح دھو لیں۔ پھر اس کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کر لیجیے۔ ادرک اور لہسن کو پیس کر مع نمک کالی مرچوں میں ملا دیجیے۔ یہ مرکب مصالحہ بوٹیوں پر اس طرح لگائیں کہ بوٹیاں مرکب میں اچھی طرح مکس ہو جائیں۔

اب آگ جلائیں اور اس پر جالی رکھ کر بوٹیاں جالی پر رکھ کر سینک کر پلٹتے کریں۔ اس دوران ان پر تھوڑا تھوڑا گھی لگاتے رہیں۔ اس طرح گوشت جلد گلتا ہے اور اس کی لذت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

نمرہ نعیم..... کراچی

بارہ مصالحوں والی بریانی

اجزاء:

گوشت	ران کا دو کلو
چاول باسمتی	ڈیڑھ کلو
پیاز	ڈیڑھ پاؤ
لہسن	ڈیڑھ چھٹانک
ادرک	ڈیڑھ چھٹانک
دھنیا پسا ہوا	آدھی چھٹانک
سرخ مرچ، نمک	حسب پسند
ہری مرچ	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
پودینے کے پتے	حسب ضرورت
لیموں	دو عدد
دہی	ایک پاؤ
جاوتری جائفل	پسا ہوا آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	پاؤ چھٹانک
ثابت دھنیا	آدھی چھٹانک
سونف	آدھی چھٹانک
آلو بخارے	ایک چھٹانک

ترکیب:

گوشت دھو کر یخنی بنا لیں ایک ٹکڑا ادرک باریک کاٹ کر ڈال لیں۔ لہسن ڈیڑھ پوتھی پیاز ایک مٹھی، گرم مصالحہ ڈیڑھ چمچ، نمک یہ سب چیزیں گوشت میں ڈال دیں۔ دھنیے کو کپڑے میں باندھ کر ڈال دیں اور اسی طرح سونف کو باندھ کر ڈال دیں۔ اب گوشت کو گلنے دیں چاولوں کو چن کر دھو کر بھگو دیں۔ یخنی تیار ہونے کے بعد گھی میں پیاز لچھے دار کاٹ کر براؤن کر لیں۔ اسی میں گرم مصالحہ ڈال دیں جو باقی بچا ہے اب ادرک لہسن علیحدہ علیحدہ پیس لیں۔ اب پیاز میں لہسن اور آدھی پسی ادرک ڈال لیں۔ تھوڑا سا چمچہ چلائیں پھر دھنیا، سرخ مرچ، نمک ڈال کر خوب بھونیں۔ اس کے بعد دہی ڈال کر بھونیں پھر گوشت ڈال کر بھونیں۔ گوشت میں ادرک، لہسن وغیرہ جو پڑا ہوا ہے وہ بھی ڈال دیں۔ جب بھون جائے تو چاول ڈال دیں۔ پسی ہوئی ادرک، ہرا دھنیا، ہری مرچ، آلو بخارے، جائفل اور جاوتری یہ سب چیزیں ڈال کر دم پر لگا دیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ہمیشہ باسمتی چاول پانی کم اٹھاتا ہے لہذا اتنا پانی ڈالیں کہ صحیح پک کر اتر جائیں جب پک جائیں تو زردے کا رنگ گھول کر تھوڑی تھوڑی دور ڈال دیں۔ جب آپ ڈش میں نکالیں تو پیاز سرخ کر کے چاولوں کے اوپر سجا دیں اور نوش کریں۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

شاہی قلعہ مٹن چانپس کڑاہی

اجزاء:

بکرے کی چانپیں	آدھا کلو
ٹماٹر	۴ عدد (چوپ کیے ہوئے)
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
دہی	پھینٹی ہوئی (آدھی پیالی)
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
لیموں	۴ عدد
ہرا دھنیا	باریک کٹا ہوا (ایک گڈی)

ہری مرچیں	لمبی باریک کٹی ہوئی ۴ عدد
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
ثابت سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ثابت کالی مرچیں	ایک چائے کا چمچ
ادرک	چوپ کی ہوئی ۲ کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک پیالی
ہرا دھنیا، ادرک	باریک کٹی ہوئی (سجانے کے لیے)

ترکیب:

ثابت دھنیا، زیرہ اور کالی مرچیں ملا کر پیس لیں۔ کڑاہی میں چانپیں، لہسن، ادرک، گرم مصالحہ اور نمک ڈال کر گلنے دیں۔ پانی خشک ہو جائے تو ٹماٹر، پسا ہوا مصالحہ اور تیل ڈال کر درمیانی آنچ پر بھونیں۔ اس میں باقی اجزاء شامل کر کے ڈش میں نکالیں، اسے ہرے دھنیے اور ادرک سے سجا کر پیش کریں۔

قرۃ العین ..... بفرزون، کراچی

پارچہ کباب

اجزاء:

گائے کے پسندے	آدھا کلو
پسا ہوا کچا پپیتا	۲ کھانے کے چمچے
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
بھنا اور پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
پیاز تلی اور پسی ہوئی	۳ کھانے کے چمچے
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
دہی	پھینٹی ہوئی ایک پیالی
بھنا اور پسا ہوا کھوپرا	ایک کھانے کا چمچ
بھنی اور پسی ہوئی خشخاش	ایک کھانے کا چمچ
تیل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا	چھڑکنے کے لیے

ترکیب:

پسندوں کو کسی بھاری چیز کی مدد سے ہلکا ہلکا کوٹ لیں۔ پسندوں میں تمام اجزاء ملا کر ۲ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور پسندوں کو اس میں پھیلائیں اور ڈھکن ڈھانک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ مزیدار پارچہ کباب ہرا دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

ندرت فاطمہ ..... میرپور آزاد کشمیر

سیخ کباب

اجزاء:

بیف کا قیمہ	آدھا کلو
نمک	حسب ذوق
دہی	آدھی پیالی
ادرک لہسن کا پیسٹ	۲ کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
گھی	چوتھائی کپ
جائفل جاوتری	ایک چائے کا چمچ
تلی پیاز	ایک کپ
پسی پیاز	۲ عدد
ہری مرچ	۶ سے ۸ عدد
پسا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
کوئلہ	۲ عدد

ترکیب:

قیمے میں نمک، دہی، ادرک لہسن کا پیسٹ، ہرا دھنیا، زیرہ، جائفل، جاوتری، پسی پیاز، ہری مرچ اور پسا گرم مصالحہ ڈال کر اچھی طرح گوندھ لیں۔ اب سیخ کباب کا شیپ دیں اور انگیٹھی پر سینک لیں۔

عائشہ فرحان ..... بہاولپور

گارلک مصالحہ چاپس

اجزاء:

بیف چاپس	۱۰ عدد
دھنیا	۳ کھانے کے چمچے
زیرہ	۳ کھانے کے چمچے
دار چینی	ایک ٹکڑا
کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچ
سونف	ایک کھانے کا چمچ
سوکھی میتھی	ایک کھانے کا چمچ
پودینے کے پتے	ایک کھانے کا چمچ
کری پتہ	۳۰ عدد
تیز پتہ	۷ عدد
ہلدی	۲ کھانے کے چمچے
لہسن پسا ہوا	۲ کھانے کے چمچے
ادرک پسا ہوا	۲ کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
سرکہ	1/3 کپ
ویجیٹیبل آئل	1/3 کپ
ٹماٹر	4 عدد
ہری پیاز	5 عدد
پیاز	۳ عدد

ترکیب:

ثابت گرم مصالحے کو پانی میں شامل کر کے سیک لیں اور ٹھنڈا کر لیں۔ گرائنڈر میں بھنا مصالحہ اور سوکھا مصالحہ ڈال کر پیس لیں پھر اس میں تیل شامل کریں۔ بیف چاپس کو سرکہ اور تیار پیسٹ لگا کر ۳ گھنٹے تک چھوڑ دیں۔ فوائل میں لپیٹ کر اوون میں ۱۸۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے۔ اب نکال کر پین میں ایک چوتھائی تیل گرم کر کے سینک لیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو کوئلے کا دھواں لگائیں۔ پیاز کے رنگز، چاول اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

سحرش ناز ..... کراچی

مغلائی کٹاکٹ

اجزاء:

تل	ایک کھانے کا چمچ
کھوپرا	ایک کھانے کا چمچ
خشخاش	ایک کھانے کا چمچ
کلیجی	۲۵۰ گرام
گردہ	4 عدد
دل	4 عدد
چانپ	۲۵۰ گرام
مغز	۲ عدد
پیاز	۲ عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
پسا دھنیا	۳ سے ۴ چمچ
ٹماٹر کٹے ہوئے	۵ سے ۶ عدد
گھی	۲ سے ۳ کھانے کے چمچے
قصوری میتھی	ایک کھانے کا چمچ
مکھن	۲ کھانے کے چمچے

ترکیب:

تل، کھوپرا اور خشخاش کو ایک گھنٹہ بھگو کر پیس لیں۔ کلیجی، گردہ، دل، چانپ کو ٹکڑوں میں کاٹ کر گرم پانی میں ڈال کر کچھ دیر تک ابالیں تاکہ بساند نکل جائے۔ مغز کو بھی ابال کر چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ گرم توے پر پیاز اور ادرک لہسن کا پیسٹ شامل کر کے تھوڑا پانی ڈال کر ڈھک دیں تاکہ گل جائے، اب ابلی کلیجی، دل اور چانپ شامل کریں ساتھ ہی پسی لال مرچ، پسا دھنیا، ٹماٹر، کٹی ہری مرچ اور نمک ڈال کر تھوڑا مکس کریں۔ پھر اس میں ۲ سے ۳ کھانے کے چمچے گھی شامل کر کے کسی چمچے یا کٹا کٹ سے اچھی طرح کوٹ لیں۔ جب تمام چیزیں باریک ہو جائیں تو ایک باؤل میں پھینٹا ہوا دہی، پسا تل، کھوپرا، خشخاش، مغز اور ایک کھانے کا چمچ قصوری میتھی شامل کر کے تھوڑا سا پکائیں۔ آخر میں ۲ کھانے کے چمچے مکھن شامل کر کے کٹا ہرا دھنیا، کٹی ہری مرچ اور کٹی ادرک سے گارنش کریں۔ گرم گرم چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

سائرہ ..... بورے والا

روبینہ احمد

حنا، مشرق کا ایک قدیم سنگھار

سولہ سنگھار خالصتاً مشرقی لفظ ہے جس میں سنگھار کے وہ سولہ لوازمات شامل ہیں جنہیں ہر عورت ازل سے اپناتی آئی ہے ان میں چند ایک ایسے ہیں جو آج بھی سنگھار کا جزو ہیں باقی بہت سے متروک ہوچکے ہیں جیسے کاجل، سرمہ، صندل، تیل، پھول اور مہندی وغیرہ آج بھی استعمال میں ہیں اور ان میں سب سے اہم ترین چیز مہندی ہے جو کبھی کسی دور میں بھی متروک نہ ہوئی بلکہ جدید سے جدید انداز میں سامنے آتی رہی۔ ایک دور تھا جب مہندی کے درخت سے مہندی کے پتے توڑ کر اور پیس کر ہاتھوں میں لگائی جاتی تھی۔ جب ڈیزائن وغیرہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ "مہندی کی کون" بھی کبھی ایجاد ہوگی یہ کسی نے بھی سوچا نہ تھا ان دنوں مہندی ہتھیلی بھر کے لگائی جاتی دونوں ہاتھوں کے علاوہ پیروں کے تلوؤں میں مہندی لگائی جاتی سر کے بال مہندی سے رنگنا بھی قدیم ترین فیشن تھا پھر آہستہ آہستہ اس میں جدت آئی اور مہندی کو پیس کر اور باریک کپڑے میں چھان کر اس کا پتلا آمیزہ بنا کے استعمال کیا جانے لگا تب تک کون مہندی کا کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن تیلی کی مدد سے یا بال پن کے ذریعے اتنے خوب صورت نقش و نگار بنا دیئے جاتے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے آج اگر کسی کو یہ بات بتائی جائے تو وہ شاید یقین نہ کرے بلکہ شاید ہی کوئی اس طرح سے مہندی لگا سکے۔ اس کے بعد وقت گزرتا گیا اور اسّی کی دہائی میں کون مہندی کی آمد شروع ہوئی تب بہت کم لوگ جانتے تھے کہ کون مہندی کیا ہے۔ شادیوں کے موقع پر خاص طور پر کون مہندی منگوائی یا بنوائی جاتی جس سے دلہن کے ہاتھوں میں خوب صورت نقش و نگار بنتے اور پھر آہستہ آہستہ یہی کون مہندی عام ہوتی گئی اور باقاعدہ دکانوں میں بکنے لگی اور اب تو یہی کون مہندی لگانے کے لیے عام طور پر استعمال ہورہی ہے اب تو پتے توڑ کر پیسنے کا تصور بھی محال ہے۔ اگر کہیں مہندی کا درخت نظر آ بھی جائے تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ پتے توڑے اور پھر اسے سل پر پیسے آخر اتنا مشکل کام کون کرے جبکہ بنی بنائی کون مہندی جو بازاروں سے ملتی ہے حالانکہ درخت سے توڑی ہوئی مہندی کی بات ہی اور ہے لیکن اس میں ایک دشواری ہے کہ اس سے ڈیزائن نہیں بنائے جاسکتے بس ہاتھوں میں بھر کے لگائے جاسکتے ہیں جبکہ آج کل تو ڈیزائن کا فیشن ہے کون مہندی بننے لگی ہے جس میں مہندی کا عرق ہوتا ہے جسے ناخنوں میں نیل پالش کی طرح لگایا جاتا ہے اور سوکھ جانے پر دھو کر ہاتھوں ناخنوں کو سرخ رکھا جاتا ہے۔

ان دنوں مہندی میں بہت سے ڈیزائن ہیں مگر زیادہ تر اسٹائلش ڈیزائن مقبول ہیں مہندی کے ڈیزائن میں نمایاں تبدیلی آئی ہے اور اب مہندی سے ڈیزائن کچھ اس طرح کا بنایا جاتا ہے کہ ہتھیلی کا زیادہ سے زیادہ حصہ خالی رہے اور ہتھیلی کا سادہ حصہ مہندی کے سرخ کمبی نیشن کے ساتھ زیادہ خوب صورت معلوم ہو۔

مہندی لگانے کے بعد بہت سے اصول ہیں جن سے بہت کم خواتین واقف ہیں۔

1:۔ مہندی لگانے سے پہلے ہاتھوں کو اچھی طرح صابن سے دھو کر صاف کرلیں اور خشک کرلیں۔

2:۔ معیاری کمپنی کی کون مہندی استعمال کریں بہت زیادہ عرصے کی رکھی ہوئی کون مہندی کبھی استعمال نہ کریں یا آپ کے ہاتھوں کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔

3:۔ مہندی لگانے کے بعد اس کے اوپر سے کوئی چیز کبھی مت لگائیں۔ اکثر خواتین مہندی سوکھنے پر لیموں یا چینی کا پانی اوپر سے لگاتی ہیں مگر اس سے مہندی چپکتی ہے اور اسے لگانے کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا مہندی کے اوپر سے کوئی چیز نہ لگائیں۔

4:۔ مہندی سوکھ جانے پر ہاتھ دھو کر خشک کرلیں۔

5:۔ بہتر نتائج کے لیے مہندی ہمیشہ تقریب سے دو

روز پہلے لگائیں کیونکہ مہندی کا رنگ دو روز کے بعد نکھر کر سامنے آتا ہے اور مہندی لگا کر ہاتھ دھونے کے بعد ہی مہندی کی رنگت آہستہ آہستہ نکھرتی ہے۔

اریشہ.....کراچی

آلو اور بیوٹی

آلو نا صرف ایک پسندیدہ سبزی ہے بلکہ صحت کے لیے بھی مفید ہے اس میں وٹامن اے، بیٹا کیروٹین، اینٹی آکسی ڈنٹ موجود ہوتے ہیں جو آپ کی جلد کو نرم اور شگفتہ رکھتے ہیں آلو کی آمیزش سے تیار کردہ فیشل جلد کو نرم بنانے کے لیے بہترین ہیں۔ یہ جلد کو نمی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ موئسچرائزر کا کام بھی کرتا ہے دھوپ سے متاثرہ جلد کا ازالہ کرتا ہے اور جلد کو صحت مند اور شفاف کر دیتا ہے یہ تو طے ہوچکا ہے کہ آلو جلد کی عمر کو بڑھنے سے روکتا ہے آلو میں لفٹ کا قدرتی ذریعہ ہے اور یہ شکنوں کو بھی دور کردیتا ہے آلو کو کاٹ کر اس کے دو سلائس بنالیں اور دس بارہ منٹ تک اس سلائس کو دونوں آنکھوں پر رکھیں۔ اگر آپ چہرے پر لگانا چاہتی ہیں تو اس کے ذریعے ایک فیشل بنالیں دو سے تین ٹیبل اسپون سیب کا جوس اور ایک درمیانے سائز کا آلو گرائنڈ کرکے چہرے پر لگالیں۔ اسے پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں اس کے بعد نیم گرم پانی سے صاف کرلیں۔

آپ آلو کے ذریعے آنکھوں کے نیچے پڑنے والے حلقوں سے بھی نجات حاصل کرسکتی ہیں۔ آلو کے سلائس کو کسی باریک کپڑے میں لپیٹ کر سیاہ حلقوں پر پانچ سے چھ منٹ تک رکھیں اس کے بعد منہ دھولیں۔ سیاہ حلقے غائب ہوجائیں گے یا پھر ہلکے ضرور پڑ جائیں گے۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ ابلے ہوئے آلو کا پانی آپ کے پیروں کے لیے کس قدر مفید ہے؟ ہماری بڑی بوڑھیاں اس پانی کو خزانہ سمجھتی تھیں۔ اونچی ہیل زیادہ دیر پہننے سے پیروں میں درد ہونے لگتا ہے۔ جب جوتے اتاریں تو اپنے پیروں کو ابلے ہوئے آلوؤں کے پانی میں پندرہ سے بیس منٹ تک بھگوئیں پیروں کو آرام ملے گا۔

خام آلو پوٹاشیم سے مالا مال ہوتا ہے جس سے جلد میں خشکی کم ہوتی ہے زخم یا کسی کیڑے کے کاٹنے سے بھی آرام ملتا ہے اور خارش سے متاثرہ جگہ پر چند سلائس رکھیں اور پانچ منٹ تک چھوڑ دیں اگر ایک بار میں آرام نہ آئے تو یہ عمل دن میں کئی بار کریں آلو کو روایتی بلیچنگ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے طریقہ یہ ہے کہ دو عدد آلو لیں انہیں چھیل کر باریک کاٹ لیں۔ اس کو ایک باریک کپڑے کے درمیان رکھیں اور اس میں لیموں کے چند قطرے کس کرلیں اور چند قطرے شہد کے بھی ملالیں اب کپڑے میں بند کرلیں اور گول سی پوٹلی بنالیں اور اسے اپنے چہرے پر رگڑیں یہ عمل مکمل ہوجائے تو چہرے پر دس سے پندرہ منٹ تک جوس کو لگا رہنے دیں اس کے بعد دھولیں۔ یہ عمل ہفتے میں دو بار کریں۔ رنگت نکھر جائے گی۔

آلو کی مدد سے آپ کی جلد نا صرف روشن ہوجاتی ہے بلکہ اس میں قدرتی چمک بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک عدد درمیانہ سائز کا آلو لیں۔ اسے باریک کاٹ کر اس کا جوس نکال لیں۔ سب سے پہلے اپنے چہرے کو صاف کریں اس کے بعد اس جوس کو لگائیں۔ دس پندرہ منٹ کے بعد چہرہ دھولیں۔ آپ کی جلد روشن اور صحت مند ہوجائے گی۔

آلو کے ذریعے کیل مہاسے بھی ختم کیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کچھ کارآمد جزو شامل ہوتے ہیں۔ ڈیڈ سیل آسانی سے باہر آجاتے ہیں اور آپ کی جلد کی سطح ہموار ہوجاتی ہے وٹامن سی اور کلاٹن کی وجہ سے آپ کی جلد بیکٹیریا سے پاک ہوجاتی ہے اور انفیکشن سے بھی محفوظ رہتی ہے۔

سائرہ بتول.....بلدیہ ٹاؤن، کراچی

نیرنگِ خیال

ایمن وقار

غزل

تمام عمر کی دولت میری محبت ہے
دل کی مسرت میری محبت ہے
نفرتوں کی دھوپ میں ہوں تنہا
اب ضرورت میری محبت ہے
مجھ سے نام و نسب کیا پوچھتے ہو
ہر وضاحت میری محبت ہے
چھین لیتی ہے چین اس دل کا
کیا قیامت میری محبت ہے
روٹھتی ہے منا بھی لیتی ہے
کیا محبت میری محبت ہے
اس کو دولت سے پیار اور مجھے
بس غنیمت میری محبت ہے
کیوں سمجھتا نہیں ہے وہ راناؔ
غم کی لذت میری محبت ہے

قدیر رانا...... راولپنڈی

نیلے امبر پر

نیلے امبر پر
تاروں کے سنگ
باریک سا روشن سا
خوشیوں کا محبتوں کا
چاہتوں کا دیکا
پیار بھرے بولوں کا
نظر آ گیا ہے ہم کو......
چاند عید کا
مسکراہٹ لبوں پر بکھری
مبارک ہو چاند عید کا......

صدیقہ خان...... باغ آزاد کشمیر

غزل

مفلس کا ہر اک دور میں نقصان بہت ہے
دنیا میں تو حق تلفی انسان بہت ہے
جینے کے لیے درد کا سامان بہت ہے
اب تک جو ہوا خیر سے نقصان بہت ہے
کچھ روز سے وہ آئے نہیں کوئی بہانے
کچھ روز سے دل اپنا پریشان بہت ہے
دنیا میں تو تم جانے وہ سب شکوے شکایت
لڑنے کے لیے حشر کا میدان بہت ہے
ہونے نہیں دیتا ہے تری یادوں سے غافل
ہر زخم جگر ہم پہ مہربان بہت ہے
ملتے ہیں شب و روز کبھی لوگ شناسا
اک تجھ سے ملاقات کا ارمان بہت ہے
سمجھاؤں اسے کیسے کہ سمجھانا ہے مشکل
ہم دونوں میں یکجہتی کا فقدان بہت ہے
ہم پہ بھی مہربان ہیں بے کار مشاغل
ہم پہ بھی تمناؤں کا احسان بہت ہے
قمر ہے رقابت پہ کمربستہ زمانہ
اب دل کے اجڑ جانے کا امکان بہت ہے

قمر رضا ولی...... لیاقت آباد کراچی

محبت یاد رکھوں گی

تمہارے ہجر کے موسم گوارا ہیں
تمہارے ہجر میں دنیا بھلا دوں گی
تمہارے پیار کی گہری اذیت یاد رکھوں گی
میں سب کچھ بھول جاؤں گی
محبت یاد رکھوں گی

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

یوم دفاع پاکستان...... پاک فوج کے نام

پاک فوج کے جوان تیری عظمت کو سلام
تو ہے جرأت کا نشان تیری عظمت کو سلام
جب بھی دھرتی ماں نے تجھے پکارا ہے
تو نے اپنا تن من اس پہ وارا ہے
تو دھرتی کا مان تیری عظمت کو سلام
تیری جواں مردی کو دشمن بھی مان گئے
تجھ کو ہرانا سہل نہیں یہ جان گئے
استقلال تیری پہچان تیری عظمت کو سلام

سر پہ کفن اور لب پہ نعرۂ تکبیر بلند
تیرے یہ انداز ہیں رب کو کتنے پسند
تجھ پہ خالق کا احسان تیری عظمت کو سلام

سیدہ حیا عباس...... تلہ گنگ

غزل

درد ہوتا ہے جہاں رات گئے
اشک چھپتے ہیں کہاں رات گئے
جب تیری یاد کی چلتی ہے ہوا
رونے لگتا ہے مکاں رات گئے
لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں جب بھی
کون سنتا ہے فغاں رات گئے
لوگ آتے ہیں لیے غم اپنے
کھولے رکھتا ہوں دکاں رات گئے
آنکھیں دہلیز پہ رکھ دیتا ہوں
نیند آتی ہے کہاں رات گئے
چاند جب ڈوبنے لگتا ہے حکیمؔ
دل دکھاتا ہے سماں رات گئے

حکیم خان حکیم...... اٹک

غزل

دل کے اندر دیکھ رہا ہوں
خونی منظر دیکھ رہا ہوں
مدت پہلے چھوڑ گیا تھا
دیوار و در دیکھ رہا ہوں
جانے کس نے نوچ لیے تھے
چڑیا کے پر دیکھ رہا ہوں
کون ہیں میری جان کے دشمن
ہر سو پتھر دیکھ رہا ہوں
تم تک کیسے پہنچ سکوں گا
سات سمندر دیکھ رہا ہوں
سارے موسم بیت چکے ہیں
ایک دسمبر دیکھ رہا ہوں
کاغذ کے دیوار و در ہیں
پانی میں گھر دیکھ رہا ہوں
راشد سر پہ موت کھڑی ہے
سینے میں خنجر دیکھ رہا ہوں

راشد ترین...... مظفر گڑھ

تیرے نام

مل جاتا جو مجھے کاتبِ تقدیر کا قلم اک بار
میں زندگی کی سبھی راحتیں بھی چاہتیں
"تیرے نام لکھ دیتی"
جو چھو کر گزرتی تجھے گرم ہوائیں کبھی
میں اپنے پیار کی ٹھنڈی ہوائیں تیرے نام لکھ دیتی
جو تو کپکپاتا سردیوں کی ٹھنڈی شاموں میں
میں بن کر سورج بھی تمازتیں تیرے نام لکھ دیتی
تو اک بار ساتھ نبھانے کا وعدہ تو کرتا
میں اپنی زندگی کا ہر رنگ تیرے نام لکھ دیتی

روبی علی...... سیدوالہ

دعا مسلم

تیری رضا پہ راضی رہے وہ کمال دے ہم کو
الٰہی! حرصِ متاعِ دنیا سے نکال دے ہم کو
تیری الفت میں جئے ہم تیری الفت میں مرے ہم
اپنے عشق کا ایسا جذبہ لازوال دے ہم کو
حال پہ ہمارے رحم فرما اے خدا بزرگ و بے پروا
لہولہو ہے ملک سارا امن کی کوئی شال دے ہم کو
قائم رہے پاکستان میرا یہی تو ہے ایمان میرا
پرچم توحید نشان میرا حاکم کوئی با اعمال دے ہم کو
ہم جانتے ہیں اپنا ماضی اور عمر سا حاکم
جیسا شاندار ماضی تھا ویسا ہی حال دے ہم کو
شوق فیشن نے ہے چھینا حیا مسلم کو بھی اب
مثل جنود ہیں برہنہ ایسی وضع پہ ملال دے ہم کو
یہ سب ذلت و رسوائی ہے اپنے ہاتھوں کی کمائی
بنا مقدر بھنور پسپائی اس بھنور سے نکال دے ہم کو
محبت ہے دلوں میں اب نہ اتحاد ہے صفوں میں
بجھا دے آتشِ نفرت اتحاد باہم بے مثال دے ہم کو
امت تیرے محبوب کی فرقوں میں بٹی ہے
جو فلسفہ مسلم سمجھائے پھر سے وہ اقبال دے ہم کو
نہیں ہیں ہم بے آسرا وقت اگرچہ ہے برا
ہیں پیکر تسلیم و رضا صبر کی وہ ڈھال دے ہم کو

کچھ ایسا ہوجائے کرم ہر دعا ہو قبول اعظم
حرام سے بچ جائیں ہم ایسا رزق حلال دے ہم کو

محمد زبیر اعظم...... پرسٹ آباد حیدرآباد

بہنیں

وہ چنچل خوش نما اور خوش ادا بہنیں
وہ ہنس مکھ ہنسنے والی باحیا بہنیں
ارمان دل کے آنکھوں میں بسے چپے
اپنے خوابوں کو دل میں سجانے والی بہنیں
دل کے آنگن میں گھر کر جانے والی بہنیں
معصوم شرارتیں کر کے اور روٹھنے کے بعد
احساس اپنائیت دلانے والی بہنیں
بہن بیٹی اور پھر ماں جیسے
رشتے نبھانے والی بہنیں
گھر کے آنگن میں کھلے پھولوں پر
صبح شبنم کے قطروں پر
اپنی محبت کی چاندنی
بکھیرنے والی بہنیں
دکھائی تھیں مجھے جو پیار کے سپنے
بہت یاد آتی ہیں وہ باوفا بہنیں

بلال ایمان...... اٹک

میرے پیارے استادو

قابل قدر ہستی
اور محترم انساں
علم اک سمندر ہے
آپ اس کے ساحل ہیں
آپ کو ستاروں سے کیوں میں تشبیہ دوں؟
علم کے سمندر میں
موتیوں کی خواہش میں
گوہروں کی حسرت میں......
آسماں کے سب تارے
ڈوب جانا چاہتے ہیں
آپ وہ سمندر ہیں
علم ہی وہ موتی ہے
علم ہی وہ گوہر ہے

میرے پیارے استادو!
قابل قدر لوگو
اور عظیم انسانوں
آپ وہ درخت ہیں
جن کا ہر برگ میٹھا ہے
چھاؤں جن کی ٹھنڈی ہے
اور لطیف خوشبو ہے
چاند آپ کو کہہ دوں؟ تشبیہ دوں سورج سے
چاند اور سورج میں
داغ اور گرہن ہے
آپ علم کی صورت
لازوال دولت ہیں
پر سوال اتنا ہے
کیا یہ سب برابر ہے
آپ کو خبر تو ہے
آگ اور پانی کو کب ملایا جاتا ہے
علم پھول ہے پیارا
آپ اس کی خوشبو ہیں
اونچے کوہساروں سے
آبشار کا پانی
جتنا پیارا ہوتا ہے
آپ ایسا چشمہ ہیں
جن سے طالب علموں کا
سیراب قلب ہوتا ہے
میرے پیارے استادو!
قابل قدر لوگو......
مجھ کو کب خبر تھی یہ
حق اور باطل میں
فرق کتنا ہوتا ہے؟
حسن خلق کیا ہوتا ہے؟
کردار کس کو کہتے ہیں؟
مجھ کو کب علم تھا یہ
فرق حق و باطل میں
آپ نے ہی بتلایا

میں تو نا سمجھ تھی پر
آپ نے ہی سمجھایا
مجھ کو راستہ حق کا
آپ نے ہی دکھلایا
آپ کو فرشتے بھی یوں سلام کرتے ہیں
علم سے ہی انسان یہ بالاتر فرشتوں سے
آپ کے علم کا وہ احترام کرتے ہیں
میں سلام کرتی ہوں
علم کے محافظو!
میرے پیارے استادو!
قابل......
اور عظیم انسانوں!!

مدیحہ نورین مہرو...... سیالکوٹ

عید آئی ہے

خوشی کے گیت سناؤ عید آئی ہے
ہنسی لبوں پر سجاؤ عید آئی ہے
پرندے بولتے ہیں دل کی بات کرتے ہیں
تم اپنا حال سناؤ عید آئی ہے
فضا میں رنگ ہیں اور رنگ دلکشیں بکھرے
نظر سے دل میں بساؤ عید آئی ہے
کھلے ہیں پھول چمن میں مہک رہی ہے فضا
دلوں کے درد مٹاؤ عید آئی ہے
چلو کہ دل کی اداسی کو ختم کرتے ہیں
کنول کو ڈھونڈ کے لاؤ بہار آئی ہے

یاسمین کنول...... پسرور

ہار گئے

زندگی تیرے مزاج کا رسے
تیری گفتار سے ہم ہار گئے
اے موسم ہجراں!
شب فراق سے ہم ہار گئے
سمجھے تھے جسے ہمدرد و غمگسار اپنا
وہی سوزش جگر نکلا
اے گردش دوراں تیری
چال سے ہم ہار گئے
زندگی تیری چال سے تیری
رفتار سے ہم ہار گئے
ہم ہار گئے...... ہم ہار گئے

سارہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

بقر عید

سب غلاظت نکال بکرے کی
دور رکھ دے تو کھال بکرے کی
پھیپھڑے پائے دل اکٹھے کر
خاص چیزیں سنبھال بکرے کی
بوٹیاں سب جما فریزر میں
روسٹ کر ران لال بکرے کی
اک پڑوسی یہ ہنس کے کہتا ہے
ہے سری با کمال بکرے کی
اک سوالی نے یہ صدا دی ہے
دے کلیجی حلال بکرے کی
گھر میں سسرالیوں نے آنا ہے
اوجڑی سب ابال بکرے کی
بھی قدر عظیم ہے راہی
تو بہت دیکھ بھال بکرے کی

برکت راہی...... ڈگری سندھ

غزل

تم آؤ تو میں بھی مناؤں یہ عید کی خوشیاں
تم سنگ ہی وابستہ ہیں میری عید کی خوشیاں
بیتے کئی موسم ہجر میں تیرے جاناں
اب وصل کے موسم میں مناؤں یہ عید کی خوشیاں
بے کل سی رہتی ہے میری ذات ہر گھڑی
تیری ذات میں گم ہو کر مناؤں یہ عید کی خوشیاں
شب بے اعتنائی کا لبادہ اوڑھی اپنی تقدیر کو
صبح محبت میں نہلاؤں اور مناؤں یہ عید کی خوشیاں
خواہش زیست ہے بس مسکان یہی
میں ہوں، تم ہو اور ہو عید کی خوشیاں

تحریم مسکان...... جام پور

دعا

دعا کے لیے

لازم نہیں
گزرتا دعاؤں کے
باغیچے سے
دل سے نکلی
ہر دعا
پھولوں سے
بھی دلکش
ہوتی ہے.....!

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

غزل

نہ رنگ و بُو ہے نہ پھول کلیاں نہ کوئی باغیچہ کھلا ہوا ہے
میرے چمن کی بہار میں بھی خزاں کا موسم بسا ہوا ہے
نہ میرے ماضی کی تلخیاں ہیں نہ باغباں کا قصور اس میں
یہ میری قسمت ہے میرے یارو جو زخم پھر سے ہرا ہوا ہے
بچھڑنے والے ذرا بتادے میں اپنے دل کو سکون بخشوں
فراق میرا نصیب کرکے تمہارا کتنا بھلا ہوا ہے
جو میرے ساقی کے پاس جاؤ تو اتنا کہنا سلام کرکے
اداس بیٹھے ہیں رند سارے شراب خانہ جلا ہوا ہے

جگر ناز ساقی...... سانسمرہ

غزل

خواب حقیقت بن سکتے ہیں گر کوشش کی جائے
زخم دلوں کے سل سکتے ہیں گر کوئی سی جائے
آج بھی دنیا میں سچائی اپنا منصب پالے
ہے کوئی سقراط اگر اور جام زہر پی جائے
لازم کب ہے مال و منال و جاہ و حشمت دے دو
بہت بڑا تحفہ ہے میٹھی بات اگر کی جائے
مہر بہت مشکل ہے جیون کٹے نہ کاٹا جائے
پر مشکل حل ہوجائے گر دل سے دعا کی جائے

مہر گل...... اورنگی ٹاؤن کراچی

روشنی لفظوں کی

میرے اندر کی سوچ نے
ذہن کی سمت پرواز کی
پھر دل اور آنکھوں کی کمک نے
ہاتھوں تک کا سفر طے کیا
اور اسے کاغذ کا ہمسفر بنا ڈالا
لفظوں کی روشنی کو قید ہی کر ڈالا
پرکھنے والوں کی دور رس نگاہیں
وہ سب پاگئیں
جو کہ روح میں پنہاں تھا
قبولیت کی سند بخش کر
مجھے معتبر بھی کر ڈالا
محبتوں سے شفقتوں سے
مجھے مقروض کر ڈالا

ام ایمان قاضی...... کوٹ چھٹہ

خواہش

اس عید پر میری بس
اتنی سی خواہش ہے
کہ میں جب چاند دیکھوں جاناں!
تو سامنے چہرہ تمہارا ہو
میں مہندی لگا کر پلکیں بچھا کر
منتظر رہوں گی
دہلیز پر اگر کوئی قدم رکھے تو
وہ پہلا قدم تمہارا ہو
سنا ہے کہ مل جاتے ہیں عید پر بچھڑنے والے
اگر ایسا ہی ہے جاناں
تو وہ پہلا ملن ہمارا ہو
تُو نے بھی خود کو صرف
میرے لیے ہی سنوارا ہو
بس مجھ کو ہی پکارا ہو
تیرے پاس بھی روزِ عید فقط
میرا ہی سہارا ہو
اس عید پر میری بس
اتنی سی خواہش ہے.....!

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آنچل پریوں کے نام

سب سے پہلے نازیہ کنول نازی کو ان کی سالگرہ پر جو کہ 23 اکتوبر کو ہے مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں آمین۔ مدیحہ کنول سرور ماس نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی روزے رکھ لیے ہیں۔ توبیہ ناز، اعوان الطاف آپ کی نئی زندگی کو خوشیوں سے بھرپور کردے اور آپ کے ہمسفر کو بھی خوش رکھے۔ سمیرا جت ففا آپ کا دعائیں دینے کا انداز ہمیں بہت پسند آتا ہے۔ الطاف آپ کو خوش رکھے۔ طیبہ نذیر میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھتی ہوں شکریہ۔ فریدہ جاوید فری آپ کا پیار بھرا سلام جو آپ نے اسلام آباد میں میرے میاں جانی کے ہاتھ بھیجا تھا مجھے خیر و عافیت مل چکا ہے شکریہ۔ منیبہ ناز کوئن آف آنچل کا لقب دینے کا شکریہ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آنچل فرینڈز کے نام

تمام دوستوں کو سب سے پہلے آنچل ٹیم کو سلام جانی کی طرف سے۔ ماہ رخ یارا کہاں غائب ہوگئی ہو کوئی پیغام نہیں آرہا تمہارا۔ خیر ہے ناں اپنی مصروفیات سے آگاہ کرو۔ اپنا تعارف تو بھجواؤ آنچل میں مجھے پڑھنے کی شدید خواہش ہے۔ آصفہ تمہیں بہت شکوہ ہے کہ تمہاری طرف کوئی میسج نہیں آیا اور اب اس میسج میں براہ راست تمہیں ہی آصفہ صفت اصغر کو مخاطب کررہی ہوں مطلب خوب صورت آنکھوں والی لڑکی کو اور یار اپنی لائف کب شروع کررہی ہو اللہ جی تمہیں بے حساب خوشیاں دیں آمین۔ تمہاری فرینڈ شپ بکس ہے یار تمہاری طرح اور فرح اب تمہاری باری ہے ناں اس بار میرا نام شامل کیا ناں آنچل میں ہوں...... اب مسکراؤ اور خوش رہو۔ فی امان اللہ۔

جاذبہ عبدالغفور...... ملیانی سرگودھا

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے ہم تو خیریت سے ہیں جناب ابھی تو شادی زندگی کیسی گزر رہی ہے آپ سے دوستی کی خواہش مند ہوں سب کو میرا آنچل میں شرکت کرنے کیسا لگا خصوصاً میری ڈیئر سسٹر اینڈ فرینڈز کیسا لگا آپ سب کو؟ آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے کب آنچل میں انٹری ماری تو جناب اپنے پیارے آنچل کے لیے ہم بھی ہم ہے میرے پاس۔ ثمینہ کیسی ہو جناب اور پڑھائی کیسی جارہی ہے؟ سب کو سلام کہنا اور نازیہ کنول نازی کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی اگر لائق سمجھیں تو پلیز ضرور ویلکم کیجیے گا۔

رخ کنول شہزادی...... سرگودھا

اپنی پیاری ساسو جی (بشریٰ پروین) کے نام

آپ میری زندگی میں جب آئیں تو میں بہت ڈری اور سہمی ہوئی تھی لیکن آپ نے مجھ سے خلوص و محبت کا رشتہ استوار کیا آپ کے پیار بھرے لہجے اور محبت کے سلوک نے مجھے آپ سے قریب تر کردیا۔ آپ کو یاد ہوگا میں آپ سے اکثر سہیلیوں کی طرح ہنسی مذاق بھی کرتی تھی الٰہی آپ کو خصوصی لگاؤ تھا میرے ہاتھ کا ناشتا کرکے آپ کا انتظار کرتی رہتی لیکن آپ کی نماز ابھی لمبی ہوتی تھی کہ آپ کے بچے کمال (میرے میاں صاحب) کہتے تھے اب امی روٹی کے کھانا ہی کھائیں گی۔ ایک دن میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ اتنے لمبے سجدے میں کیا مانگتی ہیں تو مسکرا کر بولیں "اپنے بچوں کی سلامتی کے علاوہ جو کوئی بھی مجھے دعا کے لیے کہتا ہے میں ایک ایک کا نام لے کر دعا کرتی ہوں" اور میں حیران رہ گئی آپ کی صبح تو تہجد کے ساتھ ہی ہوجاتی تھی۔ سخت سردی میں بھی آپ ٹھنڈے پانی سے وضو کرتیں اور کہتیں "گرم پانی سے مجھے سستی آتی ہے" آپ کا دل بالکل بچوں جیسا تھا اکثر غصہ آتا لیکن تھوڑی دیر بعد ہی بھول جاتیں۔ مجھے بھی اکثر ماؤں کی طرح میاں بیوی میں لڑنے کے گر دیتیں مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں کیونکہ وہ میری پھوپی تھیں اکثر دعا کرتی تھیں "یا اللہ مجھے چلتے پھرتے اٹھانا مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا" اللہ نے ان کی یہ دعا پوری کردی ویسے پھوپو آپ ناراض بھی اکثر ہوجایا کرتی تھیں اور جب میں ناراضی کا سبب پوچھتی تو جواب ملتا آج تم نے مجھ سے کوئی کام نہیں کروایا بس پیاز کٹوایا اور نہ آٹا گندھوایا اور میں بے اختیار ہنستی جاتی۔ کوئی تحفہ دیتا تو بڑی خوش ہوتیں۔ آج آپ ہم میں نہیں لیکن آپ کی پیاری باتیں محبت بھرا لمس دل میں یہ خواہش پیدا کرتا ہے کہ کاش آپ ہمارے اور ہمارے بچوں کے ساتھ کچھ اور وقت رہتیں لیکن اللہ کی رضا ہر حال میں مقدم ہے آپ کی باتیں آپ کی یادیں آج بھی ہمارے اردگرد ایک حفاظتی حصار بنا کر رکھتی ہیں اور یہ آپ کے پیار کا حصار ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف کے نام

السلام علیکم! کیا حال چال ہے آپ دونوں کے؟ یقیناً ٹھیک ہی ہوں گی آپ دونوں کی تحریریں مجھے جان سے بھی پیاری لگتی ہیں پتا نہیں کیوں دل آپ کی جانب کھنچا چلا آتا ہے۔ آپ دونوں مجھے بالکل اپنی بہنوں کی طرح لگتی ہیں تو کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ آپ دونوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کامیابیوں سے نوازے آمین مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

عائشہ مظہر...... گجرات

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم آنچل فرینڈز! کیا حال چال ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب پر خیر و عافیت رکھے اور ماں باپ کا سایہ ہم پر قائم رکھے۔ شبانہ زرگر (جوئیہ) بہت افسوس ہوا آپ کی والدہ کی وفات کا پڑھ کر ناں تو بھولنے والی ہستی ہی نہیں خاص کر بیٹیوں کے لیے۔ ماں تو

خبیوں کی ہر دلعزیز سہیلی ساحلی ہوتی ہے سنیاں آپ کا اور میرا دکھ ایک ہی ہے 5 مارچ کی شام میری ماں بھی ہمیں چھوڑ کے چلی گئی بالکل اچانک جو کبھی سوچا بھی نہ تھا ٹھیک ہوا تھا اگر بیمار ہوتیں تو ہم اپنی ماں کی خدمت کر لیتے پھر اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ سنیاں میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور شہزادی شبانہ (نواب شاہ سندھ) آپ سے بھی دوستی کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ دونوں مجھے مایوس مت کرنا آپ دونوں کے جواب کی منتظر۔

فرحت اشرف جٹ گھمن ۔۔۔ سیدوالا

رافی اقرا اور اسماء کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو تم تینوں امید ہے ٹھیک ٹھاک ہو تم سب؟ سب سے پہلے تو اقراء بیسٹ آف لک انٹری ٹیسٹ۔ میری دعا ہے کہ اس بار ہم اچھے مارکس لے کر میرٹ بنا سکیں تاکہ ڈاکٹر بن کر اپنے ماں باپ کا نام روشن کریں اور یہ ممکن ہے اگر ہم زیادہ محنت کریں گے۔ رافی! کیسی چل رہی ہے تمہاری پڑھائی۔۔۔ بھاگ رہی ہے یا سست چل رہی ہے۔ اسماء محترمہ بھی اپنی کھچڑی کو سائیڈ پر رکھ کر ایک دو میسج ہی کر دیا کرو احسان ہوگا اور ہاں میری برتھ ڈے آ رہی ہے تو گفٹ دینا مت بھولنا ورنہ۔۔۔ میں بھولی بھالی معصوم تم تینوں چالاکوں کا کیا بگاڑ سکتی ہوں ہاہاہا۔ دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

عمیرا ایاز ۔۔۔ ملتان

طیبہ نذیر کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو ڈیئر امید ہے ٹھیک ٹھاک ہو گی شکریہ کسی نے تو میری کمی محسوس کی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر کسی سے بھی تمہارا نمبر نہیں مل سکا چلو کبھی تو ہم بھی بات کر سکیں گے۔ میں 2 ماہ سے اس لیے غیر حاضر رہی کہ میں عمرے پر چلی گئی تھی یہاں ہوتی تو پھر کسی نہ کسی طرح وقت نکال ہی لیتی آتے ہی سب سے پہلے آنچل کو ہی یاد کیا۔ ام مریم، منتہیٰ ناز، امید چوہدری، بشریٰ ملک، دعا نور، فری، فروا، نادیہ جہانگیر، نازیہ کنول نازی، نوشین اقبال، سائرہ مشتاق، سلمیٰ ملک، سحر صدیقہ، سدرہ اعظم، ثوبیہ، سمیعہ مریم، نادیہ، حمیمہ چیمہ۔۔۔ ان سب کے پاس میرا نمبر ہے جس سے بھی تمہارا رابطہ ہو سکے میرا نمبر لے کر مجھ سے رابطہ کر لینا اور میری ان تمام آنچل فرینڈز کو بہت عید مبارک اور میں نے آپ سب کو نام لے کر دعاؤں میں یاد رکھا تھا اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوشیوں سے نوازے اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ دعاؤں کی طالب۔

شگفتہ خان ٹونی ۔۔۔ بھلوال

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تو آنچل اسٹاف اور قارئین کے لیے ایک خوب صورت سی دعا "ہمیشہ خوش رہیں اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین"۔ "آپ آ گئی ہوں اپنی پیاری سی" سی دوست ردشا مرادانی اور حنا کی طرف کیسی ہو جانی اللہ کی پاک ذات سے امید ہے کہ آپ دونوں بخیر و عافیت ہوں گی۔ میری دعا ہے اللہ آپ کی ہر مشکل آسان کرے اور آپ کو مزید عزت اور کامیابی سے نوازے کیونکہ آپ یہ سب ڈیزرو کرتی ہیں اس کے علاوہ ناز آپی، سباس آپی، اقرا اور سیف گل، کشمالہ شاہ، سنڈ ملک، حجاب علی راجپوت، دیا مہر زدیا، حریم چوہدری، اشرف فیصل، آپی سائرہ قریشی، آپی عمیرا ندیم، کیس آپی، شاہ زیب خان، لوبی ڈول، ام مریم، آپی فائزہ بٹ، کشمالہ عزت، نازش آپی، صوبیہ ہانی، بلال بھی، ہانی سویٹ سسٹر ولایا، آفرین، امید قرۃ العین، مریم اور نعیم بھائی کے لیے بھی ڈھیروں دعائیں کوئی رہ گیا ہو تو معذرت امید ہے ہماری یہ دوستی یونہی قائم رہے گی میری دعا ہے کہ آپ سب کے ساتھ ہے ذیا مہر واپس آنے کے لیے شکریہ ڈیئر اللہ حافظ۔

ثمینہ ناز ۔۔۔ سرجانہ

آنچل کی بہنوں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز کیا حال ہے بھئی سب کا؟ ساری کی ساری بلیاں اور چڑیلیں اپنے اپنے کاموں میں بزی ہو گئی ہوں تم لوگوں کی (آہم)۔ شاذ و نادر آپ کو دیکھیں آپ کو بہت مس کیا انٹری مارو بھئی چاہے پریشان پریشان ہی کیوں نہ ہو ہاہاہا۔ گل معراج سالگرہ بہت بہت مبارک ہو شمع بزم شکیل کیسی ہیں؟ آپ پیار جو کسی نکل شاہ آپ نے تو جلدی ہی اپنا شاہ گروپ بنا لیا ہم کہاں گئے اب کل گروپ کہاں سے لاؤں ہاہاہا آنچل گروپ بنانا بھی آنچل ہی تو ہماری ملاقاتوں کا سبب ہے۔ مس اسے آ رہا ہے آپ یقیناً اس وقت چھپ چھپ کر آنچل کا مطالعہ کر رہی ہوں گی پکڑی گئی ناں بھی چھپ چھپ کر ہاہاہا۔ تمام آنچل قارئین آنچل اسٹاف اور فرینڈز کو سلام فی امان اللہ۔

شیریں گل ۔۔۔ تمن

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں اس پُرمسرت موقع پر اپنی پیاری پیاری خوشیوں جیسی بہنوں کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ فریحہ جاوید قریشی، سکینہ صدف، سمیم نیازی، شگفتہ شفیق، فریدہ خانم، فرح طاہر، سباس گل، نوشین، لوٹی، بشریٰ باجوہ، سدرہ شاہین، عاصمہ، غزالہ جلیل، نیلی اعوان، نوزیہ رانا اور سب کو بھی اللہ پاک آپ سب کی زندگی کو خوشیوں سے منور کرے اور ہر لمحہ آپ کے لیے لاتعداد مسرتوں کے پیغام لائے اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے گا۔

نسیمہ صف خان ۔۔۔ ملتان

تمام اساتذہ کے نام

السلام علیکم! ایک قارئین اینڈ اسٹاف آنچل کیسے کیسے مزاج ہیں؟ امید ہے کہ اچھے ہی ہوں گے 5 اکتوبر کو دنیا میں استادوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے تمام اساتذہ کو میری طرف سے یہ عالمی دن بہت بہت مبارک ہو۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ میری پیاری ٹیچر ایمہ جنہوں نے مجھے ابتدا میں قاعدہ پکڑنا اور پنسل پکڑنا سکھایا انہوں نے مجھے اتنا پیار دیا کہ میں ہی کیا کوئی بھی شاگرد اپنے اساتذہ کی محنت محبت اور چاہت کو نہیں بھلا سکتا اور یقیناً میں بھی نہیں بھلا سکی۔

وہ ایک سال پہلے اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ میں تمام آنچل اسٹاف اور قارئین سے ان کی مغفرت کے لیے دعا کی درخواست کروں گی۔ سر ریاست علی، سر محمد طاہر، سر شبیر عباس، سر جعفر اقبال، سر حافظ شہباز، سر لیاقت، سر خالد اور سر دلاور اس کے بعد ٹیچر جمیلہ، مس فردوس، مس مہوش، مس عذرا فردوس، مس عمیرا اقبال، مس طلعت، مس عزت، مس عائشہ، مس اسماء، مس ٹکی، مس صوبیہ، مس شبانہ، مس فرح، مس نادیہ، مس نادیہ، ٹیچر عفیفہ، مس عمیرا، ٹیچر فاطمہ، مس نگہت پرنسپل آف ہائیر سیکنڈری اسکول والا سندھواں، مس روبینہ، مس شبینہ، ٹیچر رضوانہ، ٹیچر شازیہ صاحبہ اور اس دنیا کے تمام اساتذہ کو میری طرف سے یہ عالمی دن مبارک ہو۔ آپی صوبیہ آپ نے مجھے اتنی لیٹ بتایا کہ مجھے انسانیت کی راہ پر گامزن کرنے کی ابتدا کرنے والی ٹیچر بہت دور چلی گئیں انہوں نے آپ سے ہر دفعہ پوچھا کہ نورین کیسی ہے کیا کرتی ہے؟ اور آپ نے مجھے ایک بار بھی ذکر نہیں کیا بہرحال چلیں کوئی بات نہیں ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے اللہ حافظ۔

نورین مسکان سرور ۔۔۔ سیالکوٹ

محبوب شوہر اور رشتہ داروں کے نام

سلام! تمام آنچل قارئین اور پیاری پیاری مصنفین کو۔ میرا پیغام میرے پیارے شوہر کے لیے ہے جن کی 29 ستمبر کو سالگرہ تھی جناب آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو آپ کا ساتھ میرے لیے باعث سعادت ہے اللہ تعالیٰ ہمارے اس ساتھ کو ہمیشہ برقرار رکھے آمین اور جی 20 ستمبر کو عزیز پیاری بھابی اور 24 ستمبر سدرہ بھابی کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔ تم دونوں بہنوں کو اللہ تعالیٰ لمبی زندگی دے آمین۔ باجی مصباح آپ کی دونوں بیٹیوں کو سالگرہ وش کی ہے یاد ہے ناں آپ کو اپنا وعدہ۔ یکم اکتوبر عبداللہ ملک کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ 13 اکتوبر کو پیارے کیوٹ سے بھتیجے علی رضا کو سالگرہ مبارک اور عائشہ بھابی اقبال بھائی کو علی کی سالگرہ کی ڈھیروں خوشیاں مبارک۔ دعاؤں میں یاد رکھنا بھائی اتنا تو حق بنتا ہے ناں اور جناب 24 اکتوبر کو ہمیں یعنی مریم عبدالرحمن کو شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ صاحب ان چار سالوں میں اگر کوئی کوتاہی یا گستاخی ہو گئی ہو تو آپ سے معافی چاہتی ہوں اور آپ کے ساتھ تاقیامت ایسی خوشی رہنا چاہتی ہوں کہیں نا آمین۔ دیں گے نا میرا ساتھ ہر قدم پر؟ اور آپ تو ہیں ہی بہت اچھے ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں میں ہی سست ہوں۔ میری کوشش جاری ہے آپ کے ساتھ چست ہو کر چلنے کی اللہ کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔ سب کو آخر میں سلام خصوصی طور پر عبدالخالق بھائی کو جو کہ پاپا تھا میرا ماموں کے ... پیغام پڑھیں گے تو بھائی آپ کے صدقے سب کے نام عبدالقیوم، حمزہ، نبیلہ، سدرہ آپی، زارا، نوید، عائشہ، اقبال، خدیجہ، عثمان، شیریں، عبدالحمید، سعدیہ، عبدالخالق، کلثوم، دلاور، آمنہ، حسنین اور تمام غیر شادی شدہ بہن بھائیوں کو بہت بہت سلام آپ کی اپنی۔

مریم عبدالرحمن ۔۔۔ سیالکوٹ

سویٹ کزن کے نام

السلام علیکم بہن ڈیئر! کیسی ہو تھوڑا سا ٹوئسٹ کیسا لگا میرا سرپرائز؟ 21 اکتوبر کو تمہاری سالگرہ ہے تو میں نے سوچا کہ اس بار تمہیں الگ انداز سے وش کروں تو اس لیے آنچل نے میری مدد کی تمہیں وش کرنے کے لیے ارے ارے رہنے دو شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں جواب تم مجھے گفٹ دو گی ناں ہمیشہ خوش رہو اللہ پاک سے دعا ہے کہ تمہیں دنیاوی اور اخروی ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ویسے میری سالگرہ بھی تو 21 اکتوبر کو ہی ہے تو کیوں نہ میں بھی موقع پر چوکا لگاؤں اور خود کو بھی وش کر لوں (ہاہاہا)۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو ڈیئر سیدہ کنول۔

سیدہ کنول ۔۔۔ فیصل آباد

بلی اور سویٹ فرینڈز کے نام

او بلی! اب تم کیوں چلی گئیں؟ کتنا مزا آیا تھا تمہارے ساتھ پوری رات ہم جاگتے اور امی سے ڈانٹ بھی کھاتے لڑتے جھگڑتے اور پھر مان جاتے ہی پھر گپ شپ کرتے۔ ساری راتیں کتنی جلدی گزر گئے پتا ہی نہیں چلا لیکن کوئی بات نہیں میری اور بھی بہت ساری فرینڈز ہیں جو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہیں بہت پیار کرتی ہوں اپنی دوستوں سے خاص طور پر مجھ کو فضہ ماریہ ارب سدرہ اور عشرتی سے بہت ڈرتی ہوں دوستوں کو کھونے سے آئی لو یو فرینڈز ڈیسٹری اینڈ کزنز اور بلی آئی مس یو ۔۔۔ پھر کب آؤ گی؟

منیزہ عندلیب ۔۔۔ سکندر آباد

سونیا اعوان گھمیرہ عمران اور فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو فرینڈز؟ سونیا اعوان اور گھمیرہ عمران آپ کی دعاؤں کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے درد کو محسوس کیا آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا اور سب فرینڈز فریحہ شبیر، سارہ چوہدری، طیبہ نذیر، نورین لطیف، نائلہ، نورین ریحان، کوثر، حافظہ، حانہ، ارائنہ، بتول شاہ، طیبہ، بی بی ان سب کے لیے بہت سا پیار اور سلام۔ سونیا اعوان اور گھمیرہ عمران آج سے آپ بھی ہماری فرینڈز لسٹ میں شامل ہو۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ اب اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

شمائل وزیر گل اصغی زرگر ۔۔۔ جوڑہ

ڈیئر سسٹر ای کے نام

مائی سویٹ سسٹر ای آپ کی بڑی بہن جس نے آپ کو لفظ ماں کے نام سے روشناس کروایا آپ سے بے حد محبت کرتی ہے اور میں اپنی پیاری سی آنچل کے ذریعے بے حد پیار اور محبت دینا چاہتی ہوں۔ آج آپ کی کوششوں اور حوصلے سے ہم اس مقام تک پہنچ پائے ہیں کہ سر اٹھا کے جی سکیں۔ آپ کی ساری قربانیوں کو صرف میں ہی نہیں آپ کی چھوٹی بہن اقرا شاہ بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہتی ہے اور سلیوٹ بھی۔ اس کے علاوہ میرے لاڈلے بھائی (ملی تو قمر شاہ آپ ہی) عاصمہ شاہ، آمنہ شاہ اور ایمان شاہ (مسٹرز) آپ کو بھی کہنا چاہوں گی تمہاری شاہ بجو تم سے بے حد محبت کرتی ہے۔ اے اقراء

شاہ (الحمد) تم منہ مت بنانا بھئی تم تو ہو ہی میری سویٹ اور نٹ کھٹ فرینڈ‘ بہنوں میں تم ہی تو ہو جو میری بات کو سمجھ سکتی ہو۔ باقی بھی ذرا چھوٹی ہیں نا اب ابوجی کہیں گے پوری کہانی سے اظہار کر دیا مجھ سے کیا دشمنی ہے بھئی تو پیارے ابوجی آپ کی دلاری بیٹی آپ کو بھی بے حد چاہتی ہے۔ اللہ میرے والدین کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور سب کے والدین کا سایہ اور دست شفقت سروں پر قائم رکھے آمین۔ آخر میں اپنے محبوب آنچل سے کہنا چاہوں گی آنی رنگ رنگیلا تو بوسوچ سلام۔

مونا شاہ قریشی..... کبیر والا

پیاری بہن شاہ جالا کے نام

کیسی ہو؟ میں تو بالکل ٹھیک ہوں تم بھی ٹھیک ہی ہو گی مجھے کیوں نہ پتا ہوں میرے ساتھ جو حق ہوا اچھا بات سنو نا ہے اگلے ماہ جنوری 12 کو تمہاری برتھ ڈے ہے سوچی برتھ ڈے اچھا تم بہت شریر میرا مطلب بھی ہو موٹی ہو جاؤ میری طرح گھر میں کھوں موتی بیکس کیں..... اچھا تم سے جو چھوٹا ہے مجھ سے بڑا ہے تصور شہزادی کی بھی برتھ ڈے ہے تو پچھلی بار سے ہٹ کر اس دفعہ تم دونوں کے لیے دعاؤں کا گفٹ تم دونوں سدا خوش رہو۔

حرا زینب..... بھلوال

مہکتی کلیوں کے نام

اسلام علیکم! آنچل کی سویٹ اینڈ کیوٹ سی فرینڈز کیسی ہو‘ سب سے پہلے تو سیدہ جیا عباس کو شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ نادیہ عباس دیا‘ سباس گل‘ فائزہ بھٹی‘ مدیحہ نورین‘ طیبہ نذیر‘ پروین افضل شاہین‘ ایس انمول‘ مجیبہ عمرانہ‘ شیاں زرگر‘ اقصیٰ زرگر دوستی کرنے اور اتنی محبتیں دینے کا شکریہ‘ شمع مسکان‘ شاہ زندگی‘ مسکان (قصور)‘ ارحا حسب‘ ارم کمال‘ سارہ چوہدری‘ نادیہ کامران‘ لاڈو ملک‘ نادیہ یاسمین‘ امبر گل‘ نوشین اقبال نوشی‘ آنسہ جبیر‘ دلکش مریم‘ کرن وفا‘ فوزیہ سلطانہ اور جو رہ گئی ہیں مجھے یاد کرو‘ بتول شاہ کو (ہاہا) فوزیہ یار ہاشمی آزاد نظم نہیں آرہی عائشہ پرویز یارا کیسی ہی مچھ بھیج کر آم کھائی ہو مجھے بھی آم کھاتے وقت یاد رکھنا۔ مدیحہ کنول منگنی کی مبارک ہو‘ امبر گل آپ کے پاؤں پڑ رہے ہیں مبارک ہو‘ طیبہ نذیر اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ محترمہ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے اور بھائی کی منگنی کی مبارک ہو۔ عائشہ خان آپ کو جنم دن مبارک ہو 25 نومبر پانچ دن میرے سے چھوٹی ہو (ہاہا) اور ہاں آنچل فرینڈز میری برتھ ڈے 20 نومبر کو ہے مجھے ضرور وش کرنا۔ آپ لوگ انا احسن‘ نادیہ کامران‘ مسکان قصور‘ سارہ چوہدری‘ دلکش مریم جلدی سے آنچل میں انٹری دو آپ کے بغیر آنچل ویران ہے۔ علینہ شہزاد یار بہت اچھا لکھتی ہو‘ دیا رضوان بھئی آپ کی عروس عید بہت زبردست تھی۔ اقراء‘ آفرین‘ فائزہ‘ خنساء عبدالمالک آپ سے بھی پکی والی دوستی۔ شیاں زرگر میری بھی ماں دنیا میں نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے ہمارے ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے آمین۔

انسی بتول شاہ..... ایم گجرات

فیملی کے نام

اسلام علیکم! آپ سب خیریت سے ہیں اور میری دعا ہے کہ آپ سب سدا ہنستے مسکراتے رہیں آمین۔ امی ابو میرے سویٹ سویٹ برادرز شعیب‘ زین‘ خدیجہ‘ تجسیم‘ ممتہ اور میری چھٹی سی گڑیا جس کی اس دنیا میں آنے کے بعد یہ پہلی عید ہوگی۔ مجھے اپنی یہ چچا زاد کزن بہت عزیز ہے آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔ اللہ آپ کو ایسی ہزاروں عیدیں منانے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ میری عزیز از جان استاد ام حبیبہ کو بھی عید مبارک۔ میری سویٹ سی کزن خدیجہ کی 25 تاریخ کو برتھ ڈے ہے پیشگی برتھ ڈے والسلام۔

اقصیٰ امل وفا..... حویلیاں

ہم حنا قاسم احمد کے نام

اسلام علیکم! آنچل کے چاہنے والو کیا حال ہے آپ کا؟ امید کرتی ہوں کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ ہم حنا قاسم احمد ناز جو کہ گورنمنٹ انٹر کالج کی وائس پرنسپل ہیں اور بہت ہی اچھی ٹیچر ہیں۔ میں ان سے آنچل کے توسط سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ بہت ہی اچھی ٹیچر ہیں آپ کا پڑھانے کا انداز بہت نائس اور دل میں اتر جانے والا ہے (سوری جی)۔ دل میں نہیں دماغ میں اتر جانے والا ہے۔ ہم آپ کو 26 اگست کو ویڈیو میں بہت اچھی لگ رہی تھیں انشاء اللہ آپ کو سلامت رکھے آمین اور ہاں ایک خاص دن جو آپ کی زندگی میں آیا تھا 26 اکتوبر جس دن آپ بھائی کی دلہن بنی تھیں وہ آپ کو ایڈوانس میں مبارک ہو۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو ہزاروں ایسی شادی کی سالگرہ بھائی کے ساتھ منانے کی توفیق اور لمبی عمر دے آمین۔ اپنی دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

اقراء لیاقت چوہدری..... حافظ آباد

عزیزوں کے نام

اسلام علیکم! ڈیئر فرینڈز کیسی ہیں آپ سب؟ شاہ زندگی میں اللہ کے فضل سے بہتر ہوں اب شہناز اینڈ شازیہ اقبال ام دوست ہونے کا شکریہ۔ تم دونوں تفصیلی تعارف کراؤ ناں ڈیئر! اگر میرے یاد کرنے سے آپ کو خوشی ملتی ہے تو میں ہر بار یاد کروں گی۔ لاڈو ملک کہاں گم ہو؟ نا خان کیا حال ہیں؟ نبی کو پیار اور سب سسٹرز اور امی کو سلام محبت۔ عبدل اب تو کراچی والا رحمن ہوٹل میں ڈنر نہیں؟ آگے تم سمجھدار ہو۔ نازیہ آپی بہت شکریہ سوالوں کے اتنے پیارے جواب دینے کا۔ عائشہ جیا سہروردی آپ کو شادی بہت مبارک ہو منہ تو میٹھا کراؤ۔ سعدیہ‘ اہل کاشف‘ الوت‘ آدھا آنچل میں آ گئی رنگ لائی میں یہ ایس انمول‘ ماہ رخ سیال‘ عشرت‘ سعید‘ رحمانہ‘ راجپوت‘ صبا نواز‘ بھٹی‘ کوثر ناز‘ نادیہ فاطمہ‘ سباس گل آپ سب کو عید الاضحیٰ کی ڈھیروں مبارک باد اور جو فرینڈز مجھے اپنے پیغامات میں یاد رکھتی ہیں ان سب کا شکریہ۔ عائشہ خان (کنڈ محمد خان) دوست بنو گی میری؟ سب آنچل رائٹرز‘ قارئین‘ آنچل ٹیم کو پیار بھرا سلام جن فرینڈز کے

نام رہ گئے ان سے معذرت۔ زندگی نے وفا کی تو پھر آؤں گی آنچل کے دعاؤں میں یاد رکھنا۔

صائمہ سکندر سومرو..... حیدرآباد سندھ

آنچل فیملی کے نام

اسلام علیکم دوستو! میں بالکل ٹھیک ہوں پروین افضل شاہین زرگر کے والدین کی وفات کا پڑھا ہم ان کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں۔ عید پر میں سمبل آف رحیم یار خان چھٹی پر بھی گئی تھی تو میں نے سب کے لیے آنچل فیملی اور خصوصاً پروین افضل اور نزہت جبیں ضیاء کے لیے دعا کی۔ پارس شاہ اور مہر گل میں آپ کو کیسی بھول گئیں۔ شگفتہ خان عمرے کی مبارکباد‘ اللہ ہم سب کو بھی یہ سعادت نصیب فرمائے گڑیا‘ بھرآپ نے بے بی کا نام کیوں نہیں بتایا۔ حافظ انیلہ اور ریحانہ کے لیے دعائیں۔ جیا عباس آپ ہمیشہ خوش رہو۔ کنول رباب خوش آمدید اور فاخرہ ایمان کہاں ہے؟ روبی علی‘ طیبہ نذیر‘ مدیحہ نورین‘ فریحہ شبیر‘ سباس گل‘ سمیرا آپی‘ نازی آپی‘ امبر گل‘ سارہ چوہدری‘ شازیہ فاروق‘ سمیرا غزل‘ بشریٰ باجوہ‘ سویرا فلک‘ سمیرا جبیر‘ آنسہ شبیر‘ ثانیہ مغل‘ نادیہ جہانگیر‘ کرن وفا‘ ام ثمامہ‘ ساحرہ ملک آپ سب بہت اچھی ہو۔ شمع مسکان آپ میری افسانے کی خواہش کب پوری کررہی ہو؟ نبیلہ نازش‘ صبا پرویز‘ حیا نواز اور ایمن وفا تم لوگ کہاں ہو؟ ٹھیک ہو؟ نادیہ کامران‘ فائزہ بھٹی‘ طیبہ‘ بی بی حیا قریشی‘ مون قریشی‘ مدیحہ کنول‘ ضمیر اعوان‘ زنیرہ طاہر‘ دلکش مریم‘ اور تم ٹھیک ہو‘ میں ٹھیک ہوں۔ اللہ ہمارے ملک پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور بری نظر سے بچائے اللہ حافظ۔

نورین شاہد..... رحیم یار خان

میرے بچھڑوں کے نام

میرے جان سے پیارے میرے انمول آپ سب کو سلام۔ تقدیر بھی کتنی عجیب چیز ہے کہ کل میں آپ سب کے درمیان تھی تو آج میں دور ہوں مجھے اس گاؤں کا ہر منظر یاد آتا ہے وہ گلیاں وہ کھیت وہ درخت اور لوگ سب یاد ہیں مجھے۔ میں ان سب کو بھی نہیں بھول سکتی۔ سب سے پہلے میری پیاری امی مجھے دن رات کے ہر لمحے میں آپ ہزاروں دفعہ یاد آتی ہیں۔ ثوبیہ‘ مدیحہ‘ اسماء‘ ابو بکر‘ عزیز میرے پیارے بہن بھائی مجھے ان کے ساتھ گزاری ہر لمحے یاد آتے ہیں مسکان دے جاتی ہیں۔ وہ حرا کے ساتھ کہانیاں پڑھنا ایک سی بحث حنا کے ساتھ مستیاں اپنی کلاس فیلوز اپنی دوست ثوبیہ کا ساتھ اپنے ابو کی آخری آرام گاہ اپنا کیوٹ عبداللہ اور باقی سب لوگ۔ میری دعا ہے کہ آپ سب پر ہمیشہ خوشیاں سایہ فگن رہیں آپ سب کو اس ثوبیہ کی یاد بھی نہ رلائے آپ لوگ ہمیشہ ہنستی رہیں میرے پیارے معصوم سے ابو اللہ آپ کی مغفرت کرے۔ خالہ‘ تسلیم خالہ‘ عزیزہ‘ امی‘ خدیجہ اور سب بڑے چھوٹے کو اسلام علیکم ہو اللہ حافظ۔

ثوبیہ اعوان..... اسلام آباد

میرے دل کے مالک لوگوں کے نام

سویٹ اینڈ کیوٹ سی تمام فرینڈز کو سلام نادیہ کیمپن آئی رنگ لیلو

یوں سوچ آئی تھک تم بہت بزی ہو جلدی انٹری دیا کرو (مجھے انتظار رہتا ہے)۔ آ منہ اداس آپ بھی شکوہ نہ کیا کرو ہم بھی آپ کا نام لکھ دیا (خوش ناں؟) فاطمہ شگفتہ آپ کا انٹرویو اچھا تھا اور ہماری طرف سے اپنی بہنا اور ہماری فرینڈ کیونکہ کو شادی کی اور سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارکباد دے دینا۔ ہم جانتے ہیں ان کی برتھ ڈے 9 اکتوبر کو ہے لیکن وہ بھول گئی کہ اس کی فرینڈ ثوبیہ کی 7 اکتوبر کو ہوتی ہے۔ سمیرا جبیر 10 اکتوبر کو آپ کی سالگرہ کی مبارکباد۔ فصیح شریف 24 اکتوبر اور ریحہ اسماء اور بنت 30 اکتوبر کو آپ کی سالگرہ کی بھی مبارکباد۔ (اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے)۔ کرن کمال ہم جان گئے کہ آپ ہماری پیاری قارئین ارم کمال کی بہن ہیں۔ کشمالہ اقبال 18 اکتوبر کو آپ کی بھی سالگرہ ہے مبارک ہو۔ شاہین رشک کیسی ہیں آپ۔ آسوہ ملک آپ بھی پیارا لکھا کریں ہمیں اچھا لگے گا۔ فریحہ شبیر‘ سارہ چوہدری‘ شمع مسکان‘ مسکان شاہ زندگی‘ صائمہ‘ طاہرہ‘ مدیحہ نورین‘ عائشہ خان‘ سونیہ ملک‘ چندا شاہ‘ سائرہ لشکریاں‘ دلکش مریم‘ سامعہ‘ رشک حبیبہ‘ فاطمہ‘ دیکھ کنول کی گہرائیوں سے اور میری پوری فیملی کی جانب سے عید مبارک۔ رومان ملک اور تانی چوہدری آپ لوگ نجانے کہاں غائب ہو گئے ہو۔ نورین شفیق تم تو شادی کے بعد مصروف ہو گئی ناں۔ آپ سب لوگوں کے لیے اور میرے پیارے پاکستان کے لیے میری نیک تمنائیں اللہ حافظ۔

ثوبیہ کوثر..... ملتان

آنچل فرینڈز کے نام

تمام اہل اسلام کو میرا محبتوں بھرا اسلام اور عید کی ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ سے دعا ہے آپ سب خوش رہیں اور ہمارا پیارا پاکستان بھی امن اور خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔ دلکش مریم‘ نادیہ ظفر‘ بخاری‘ شمع مسکان‘ ڈیئر‘ کیسی ہو آپ سب؟ آپ اچھا یار‘ رنگ لیلی کس پر آپ لوگوں نے فرینڈ شپ کی آفر کی تھی میں نے دل سے قبول کی۔ 12 مئی کو پیارے پاپا جان رضائے الہٰی سے وفات پا گئے پلیز ان کی مغفرت کی دعا کیجیے گا۔ ہادیہ اور شمع مسکان اگر آپ بُرا نہ مانیں تو پلیز اپنا نمبر ضرور دیجیے اور پلیز اپنے بارے میں ضرور بتایئے گا کہ آپ کیا کرتی ہیں؟ ماریہ کی دعا ہے پسند آئی اپنا خیال رکھیے گا اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ نگہبان۔

پلوشہ گل..... کوٹ ادو

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

نعت شریف

فخر دو عالم یا رحمۃ اللعالمین
ہو نظر کرم یا خاتم المرسلین
سجایا گیا جہاں تو صرف آپ ﷺ کے لیے
خادم ہیں عطا ہو نذرانہ یا شاہ ماہ جبیں
طلب ہر سانس میں ہے آپ ﷺ کے دیدار کی
اب پردہ اٹھا دیجیے یا صادق الامین
سر تا پا ہوں عصیاں میں ڈوبا
طالب نظر کرم ہوں یا شافع المذنبین
مجھے ہے جو آپ کی مدح سرائی میں پھیرے آقا
عطا نوری کو ہو ایسی زباں یا قانع الامین

محمد نعیم حمید...... جھنگ صدر

سالگرہ

وقت کی بساط پر
ماہ و سال کے بھاگتے دوڑتے مہرے
تمہاری یادیں، پیار بھری باتیں
Tedy Bear Red Colour
جو تمہاری طرف سے میری سالگرہ کا اکلوتا تحفہ تھا
آج بھی عجب احساس دلاتا ہے
کہ......
ہر بار جلتی ہوئی Candles
Chocolate Cake تمہیں کبھی نہ بھولیں
تم سے تحفے مانگیں......
عمران کو چاہیے کہ جو بچھڑ جائیں
وہ لمحے...... یاد تو آسکتے ہیں اپنے کبھی نہیں ہوتے......

فاطمہ ہاشمی...... جھنگ صدر

پھول کی پتیاں

بچپن میں سنا کرتا تھا کہ حج کے دن میدان عرفات میں حج کرنے والے زائرین کا عظیم انبوہ چٹیل میدان میں قطاریں بنا کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ قطاریں ہی قطاریں، زائرین ہی زائرین تاحد نظر اور پھر بنے سجے اونٹوں کا ایک قافلہ جبل رحمت کی طرف بڑھتا ہے گھنٹوں یہ قافلہ چلتا رہتا ہے۔ جبل رحمت کی چوٹی پر پہنچ کر ہر اونٹ اپنے مخصوص مقام پر ایستادہ ہوجاتا ہے پھر کوئی صاحب خطبہ پڑھتے ہیں اور ہجوم احترام کے جذبے سے سرشار چپ چاپ کھڑا سنتا ہے پھر غروب آفتاب کے قریب جبل الرحمت پر ایستادہ اونٹوں میں سے وہ اونٹنی جو سب سے زیادہ سجی ہوتی ہے اور جو مرکزی مقام پر ایستادہ ہوتی ہے اپنی اگلی ٹانگیں جھکا کر گھٹنوں کے بل کھڑی ہوجاتی ہے پھر آواز آتی ہے "حاجیوں کے حج قبول" جسے سن کر کوئی سفید رومال لہراتا ہے اور جو زائر اس اعلان کو سنتا ہے وہ با آواز بلند اسے دہراتا ہے "حاجیوں کے حج مقبول" ساتھ ہی وہ اپنا سفید رومال لہراتا ہے آن کی آن میں عرفات میں لاکھوں سفید رومال پھریروں کی طرح ہلتے ہیں اور لاکھوں زائر خوشی و انبساط سے نعرے لگاتے ہیں "حاجیوں کے حج قبول" پتا نہیں یہ تفصیلات قیام کے اس خلا کو پر کرنے کی خواہش کے زیر اثر اختراع کی گئی تھیں یا واقعی اس زمانے میں ارباب نظر دمشق نے حج کی رسم کو پرشکوہ بنانے کے لیے ان جزئیات کو رائج کردیا تھا۔

اقتباس: "لبیک" مصنف ممتاز مفتی
انتخاب: عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں جہلم

صرف ایک منٹ......!

آپ کی زندگی کا صرف ایک منٹ بھی آپ کے لیے اجر کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ ایک منٹ ادھر ادھر کی باتوں میں بھی گزارا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ ہمارے نامہ اعمال میں نیک کام میں لکھا جائے تو اس سے بڑھ کر اس وقت کا صحیح استعمال کیا ہوگا؟

صرف ایک منٹ میں آپ سورۃ الفاتحہ 4 سے 5 مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا سورۃ الفاتحہ ہر زہر کے لیے تریاق ہے (دارمی)

سورۃ اخلاص 10 سے 12 مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اسے ثلث (ایک تہائی) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (البخاری الکتاب توحید)

چھوٹی آیات زبانی یاد کرسکتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کم از کم 25 مرتبہ پڑھ سکتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان سے ان کا کہنا نہایت آسان ہے لیکن میزان عمل میں ان کا وزن بہت بھاری ہوگا۔ (صحیح بخاری)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ 40 سے زیادہ مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔

(مشکوۃ) نبی ﷺ کا ارشاد ہے یہ جنت کا خزانہ ہے۔

استغفر اللہ 50 سے زیادہ مرتبہ پڑھ سکتے ہیں۔ جو شخص استغفراللہ کی پابندی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے اور ہر غم سے نجات عطا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ابوداؤد)

سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا ذکر لا الہ الا اللہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ (مشکوۃ)

سر نور جہاں پرویز...... نارتھ کراچی

خواہش

ایک مرغی کا کوے سے رشتہ ہوگیا جب مرغے کو پتا چلا تو وہ مرغی کے پاس آیا اور بولا۔
"مجھ میں کیا کمی ہے اسمارٹ ہوں کوے سے زیادہ خوب صورت ہوں تمہاری برادری کا ہوں میری آواز پورے شہر میں گونجتی ہے مرغوں کی یونین کا پریزیڈنٹ ہوں۔"
"اماں ابا کی خواہش ہے کہ لڑکا ایئر فورس میں ہو۔" مرغی نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

سائرہ...... بورے والا

کچا پل

ایک چیونٹی ہاتھی کے اوپر بیٹھ کر جارہی تھی راستے میں کچا پل آگیا اس کو دیکھ کر چیونٹی بولی "کراس کرو گے یا میں اتروں۔"

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

ذرا پوچھو

❖ رہنے والوں سے نہیں جانے والوں سے پوچھو کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔
❖ پانے والوں سے نہیں کھونے والوں سے پوچھو کہ عزت کیا ہوتی ہے۔
❖ امیروں کو کیا دیکھتے ہو ذرا غریبوں سے پوچھو کہ دولت کیا ہوتی ہے۔
❖ جس نے دل دیا ہے اس سے نہیں جس کا دل ٹوٹا ہے اس سے پوچھو کہ محبت کیا ہوتی ہے۔

آمنہ نثار، اقرا اکبر...... سانگلہ ہل

آنسو

آنسو طاقت بھی ہیں اور کمزوری بھی جب تم ان کو دوسروں کے سامنے بہاؤ گے تو یہ تمہاری کمزوری ہوں گے اور جب تم ان کو اپنے اندر اتار کر ان کو اپنی طاقت اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کو اپنے اندر جمع کرتے جاؤ اور اگر تمہاری برداشت سے بڑھ جائیں تو ایک ذات ایسی ہے جس کے سامنے تم ان کو بہا کر بھی خود کو مضبوط اور طاقت ور پاؤ گے اور وہ ذات بے مثال اللہ رب العزت کی ہے تو اپنے آنسوؤں کو طاقت بناؤ اور ان کو اس کے سامنے بہاؤ جو تمہارے ان آنسوؤں کی لاج بھی رکھے اور تمہارا سہارا بھی بنے۔

مہ جبین ملک...... منڈی بہاؤالدین

شکایت

☆ رخصت کرنے کے بعد اپنے مہمان کی شکایت نہ کر۔
☆ کبھی بھی اپنے ماں باپ اور استاد کی شکایت نہ کر۔
☆ اولاد کے سامنے اپنے بڑوں کی شکایت نہ کر۔
☆ بیوی کے سامنے اپنے میکے والوں کی شکایت نہ کر۔
☆ سب سے اچھا اشرف خدمت خلق ہے۔

نور سحر شاہ...... شکیاری

مسکرائیں

ایک منا اور اس کا بھائی دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ منا بھائی سے پوچھتا ہے بھیا یہ دریا میں پانی کہاں سے آتا ہے بھیا غصے میں بیٹھے تھے کہتے ہیں میرے سر میں سے۔ منا کہتا ہے اسی لیے آپ کی ناک ہر وقت بہتی رہتی ہے۔

نادیہ اسلم...... ننکانہ صاحب

دس چیزیں

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔
عدل ظلم کو
نیکی بدی کو
تکبر علم کو
پشیمانی سخاوت کو
غصہ عقل کو
صدقہ بلاؤں کو
غم عمر کو
غیبت نیک اعمال کو
جھوٹ رزق کو
توبہ گناہ کو

رافیہ کنول...... دائرہ دین پناہ

لذت

محمود غزنوی نے اپنی نوجوانی میں ایک سرسبز و شاداب باغ لگوایا اور اس باغ میں ایک شاندار اور خوبصورت عمارت تعمیر کرائی جب باغ اور عمارت کی تکمیل ہوگئی تو اس نے ایک جشن عام منعقد کیا اور اپنے باپ سبکتگین اور سلطنت کے دوسرے امراء کو باغ میں مدعو کیا باپ نے عمارت دیکھ کر کہا۔ "محمود اگرچہ باغ اور عمارت بہت شاندار اور خوب صورت ہیں لیکن ایسی چیزیں تو تمہارے ملازم بھی بنا سکتے ہیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسی عمارت کی بنیاد ڈالیں جس کی مثال پیدا نہ کی جاسکے غزنوی نے ادب سے پوچھا "آپ کون سی عمارت کی طرف اشارہ کررہے ہیں؟" باپ نے جواب دیا وہ عمارت اہل علم کے دل میں ہے اگر تم ان کے دلوں کی سرزمین میں اپنی محبت اور احسان کے بیج بوؤ گے تو وہ جاوداں ہوں گے ان کے پھل ایسے ہوں گے جن کو چکھنے سے تمہیں سعادت کی لذت ملے گی اور تمہارا نام حشر تک زندہ رہے گا۔

عروسہ شہوار رفیع ..... کالا گوجراں جہلم

رزق

ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامی سے کہا میری عیال زیادہ ہے اور معاش کم آپ نے فرمایا اپنے گھر میں تو جس کو دیکھے اس کا رزق مجھ پر ہے اس کو نکال دے اور جس کو تو دیکھے اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے اس کو گھر ہی میں رہنے دے۔

نبیلہ طاہر ..... مدینہ

دو گھونٹ

دو گھونٹ اللہ کو بہت پسند ہیں۔
صبر کا، غصے کا۔
دو قطرے اللہ کو بہت پسند ہیں۔
جہاد میں خون کا اور تنہائی میں خوف خدا سے نکلا آنسو۔
دو قدم اللہ کو بہت پسند ہیں۔
فرض نماز کے لیے اور کسی بیمار کی عیادت کے لیے۔

دلربا زہرہ ..... سمندری

موتی

✿ ایک پیسہ ایک لاکھ نہیں ہوتا لیکن اگر ایک لاکھ میں سے ایک پیسہ نکال دیا جائے تو وہ ایک لاکھ نہیں رہتا۔
✿ ہمیں اس اگربتی کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو خوشبو پھیلاتی ہے بلکہ اس فانوس جیسا ہونا چاہیے جو امن پکارتی ہے۔
✿ پاگل اور عقلمند دونوں بے ضرر ہوتے ہیں صرف نیم پاگل اور نیم عقل مند خطرناک ہوتے ہیں۔

عائشہ پرویز ..... کراچی

مہکتی کلیاں

◉ تمہاری زندگی کا وہ دن رائیگاں گیا جس دن ڈوبتے ہوئے سورج نے تمہیں کوئی نیک کام کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ (جوبارٹ)
◉ جو شخص تم سے ڈرتا ہے تمہیں بھی اس سے ڈرنا چاہیے (برطانوی کہاوت)
◉ تم میں جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے وہی سب سے بڑا عقل مند ہے (حدیث نبوی)
◉ تم اپنے رشتے داروں سے ملنے ضرور جاؤ لیکن میری یہ بات یاد رکھو کہ ان سے بہت زیادہ قریب نہ ہو (قول)
◉ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ روپیہ سب کچھ کرسکتا ہے تو ان پر یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ روپیہ کی خاطر سب کچھ کرسکتے ہیں (سادولی)

فیاض اسحاق مہانہ ..... سلانوالی

خودداری

ایک بادشاہ نے ایک بزرگ کے لیے نہایت قیمتی لباس بھیجا انہوں نے پسند کیا اور ساتھ ہی فرمایا۔
"میرے پھٹے پرانے کپڑے میرے لیے اچھے ہیں۔"
شاہی ملازموں نے ایک نظر ان کے لباس پر ڈالی اور بولے
"بھلا کہاں اچھے ہیں بوسیدہ ہیں ان پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔"
بزرگ نے کہا۔
"جو کچھ تم نے کہا سچ ہے لیکن یہ میرے اپنے کپڑے ہیں ان کے لیے میں نہ کسی کا احسان مند ہوں نہ کسی کے آگے میری نظر جھکتی ہے۔ وہ قیمتی لباس جو میری نظر جھکا دے میرے کس کام کا۔"

ملالہ اسلم ..... مبارک پور

بقرعید

منڈی مویشیاں میں ساری اتر گئی
بکرے سے پہلے کھال ہماری اتر گئی
اپنا تو خیر نامہ اعمال لے گیا
جس جس کے جو بھی ہاتھ لگا مال لے گیا

انتخاب پروین افضل شاہین ..... بہاولنگر

موت

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بیٹا مر گیا تو ایک صوبے کے عامل نے تعزیت کا خط لکھا آپ نے اپنے میر منشی سے فرمایا۔ میری طرف سے جواب لکھو۔
میر منشی قلم تراشنے لگا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے فرمایا۔ قلم باریک بناؤ کیونکہ باریک قلم کے حروف کاغذ پر دیر تک رہتے ہیں اور میری طرف سے یہ لکھو۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ موت ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے ہم نے اپنے نفسوں کو پہلے سے تیار کر رکھا ہے۔
اس لیے جب وہ آتی ہے تو ہم اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔

طیبہ نذیر ..... شادیوال گجرات

رائٹ کون ......؟

یااللہ مجھے ایسا شوہر ملے
لمبی جس کی ہائٹ ہو
کلر جس کا وائٹ ہو
سیلری جس کی ٹائٹ ہو
جب ساس سے میری فائٹ ہو
تو وہ کہے بیگم بس تم ہی رائٹ ہو

ماریہ کنول ماہی ..... چک دوکاں

انسان

بادل کا دل بھر آتا ہے تو وہ برسات کی صورت میں رو دیتا ہے۔ پہاڑ جب غموں کا بوجھ برداشت نہیں کرتا تو وہ آتش فشاں کے روپ میں اپنا زہر اگل دیتا ہے۔
پھول غموں کی دھوپ میں مرجھا جاتے ہیں۔ دنیا میں ہر جاندار اور بے جان چیز کے اندر دکھ ہوتا ہے اور ہر کوئی اپنے اپنے طریقے سے دل بھر آنے پر دکھوں کا اظہار کرتا ہے بعض انسان بہت بے بس ہوتے ہیں کیونکہ نہ وہ بادل، نہ پہاڑ، نہ پھول ہوتے ہیں اپنے دکھ کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے اور کچھ لوگ ہر غم دکھ بہت جلد دوسرے پر ظاہر کردیتے ہیں اور جو ایسا کرتے ہیں وہ فائدے میں رہتے ہیں مگر کچھ لوگوں کو کسی سے کچھ کہنے کی عادت ہی نہیں ہوتی۔ ایسے انسانوں کا دکھ ان کے وجود کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے جس طرح لکڑی کو دیمک چاٹ جائے تو وہ کھوکھلی ہوجاتی ہے۔
ایسا ہی انسان کا بھی حال ہے اس طرح برسوں کے اس عمل کے بعد انسان ان تمام چیزوں کو شکست دے کر امر ہوجاتا ہے۔

عظمیٰ بٹ ..... سمندری

تم بن

تم بن
کوئی نہیں ہے ہمارا
اسی بات کا
فائدہ اٹھاتے ہو

فریحہ شبیر ..... شاہ نکڈر

کیا آپ جانتے ہیں؟

○ قائد اعظم انگریزی زبان کے شاعر ولیم شیکسپیئر کے مداح تھے۔
○ مینار پاکستان لاہور پر قائد اعظم کے 23 فرمان تحریر ہیں۔
○ قائد اعظم کی والدہ محترمہ کا نام مٹھی بائی تھا۔
○ قائد اعظم کے مزار کا نقشہ یحییٰ مرچنٹ نامی شخص نے تخلیق کیا۔
○ قائد اعظم نے ایمان، اتحاد، تنظیم کا نعرہ 1941ء میں بلند کیا تھا۔
○ قائد اعظم کے مزار کی اونچائی 120 فٹ ہے۔
○ قائد اعظم کے ہوائی جہاز کا نام وائی کنگ تھا۔
○ قائد اعظم کی کراچی میں ذاتی رہائش گاہ کا نام فلیگ سٹاف ہاؤس تھا۔

سنبل زرگر، اقصیٰ زرگر ..... جوڑہ

آثار قدیمہ

شرافت علی سیر و تفریح کی غرض سے کراچی سے لاہور گئے تو اپنی ایک خالہ سے بھی ملنے کے لیے چلے گئے جو خاصی عمر رسیدہ تھیں خاطر مدارت کے بعد خالہ نے پوچھا۔
"اور سناؤ بیٹا لاہور کیسے آنا ہوا؟"
"بس خالہ جان، میں آثار قدیمہ دیکھنے آیا تھا میں نے سوچا پہلے آپ سے ملتا چلوں۔" شرافت علی نے شرافت سے جواب دیا۔

صدف مختار، رومشا عظمت ..... بوسال مصور

اسلام

اسلام کو سمجھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس میں کتنی وسعت ہے۔ یہ تنگ نظری اور تنگ دلی کا دین نہیں ہے جبھی ان دونوں چیزوں کی اس میں کوئی گنجائش ہے یہ "میں" سے شروع ہو کر "ہم" پر

جاتا ہے فرد سے معاشرے تک اسلام آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ 24 گھنٹے سر پر ٹوپی ہاتھ میں تسبیح پکڑے ہر جگہ مصلے پر بیٹھیں ہر بات میں اس کے حوالے دیتے رہیں نہیں یہ تو آپ کی زندگی سے ..... آپ کی "اپنی زندگی" سے حوالہ چاہتا ہے یہ تو آپ سے راست بازی اور پارسائی کا مطالبہ کرتا ہے دیانت داری اور لگن چاہتا ہے اخلاص اور استقامت مانگتا ہے ایک اچھا مسلمان باتوں سے نہیں اپنے کردار سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔ (پیر کامل ص 369)

شیریں گل ...... ثمن

خوب صورت باتیں

+ اپنا خواب کسی ناواقف اور نامہربان سے مت کہو (شیخ فرید)
+ عشق عقل کی بیماری ہے۔ (افلاطون)
+ جو لوگ منانے سے بھی نہ مانیں وہ شیطان ہیں۔ (امام شافعی)
+ اگر تمہیں وہ نہ ملے جسے تم مانگتے ہو تو سمجھ لو کہ تمہیں کسی اور نے اپنے لیے مانگ لیا ہے۔
+ زندگی میں خدا کے سامنے آنسوؤں کا ڈھیر لگاتے جاؤ شاید اسے کوئی نہ کوئی تمہارا آنسو پسند آجائے۔

مریم اشرف آرائیں ...... گوجرانوالہ

یادوں کے روپ

یادوں کے بھی بہت سے روپ ہوتے ہیں یہ کبھی رفاقت کی طرح ہوتی ہیں جو لمحہ بہ لمحہ تعلقات کو مضبوط تر کرتی ہیں تو کبھی باد صبا کے سبک رفتار جھونکے کی طرح جو مضطرب دل کو چھو کر وجود کے ایوانوں میں نغمے بکھیر دیتی ہے۔ کبھی یاد گوشوں میں بجتے پلی کی بازگشت ہے لبوں پر چھوٹی سی مسکراہٹ سجالی ہے تو کبھی کسی دل میں انہونی سی خواہش اور آنکھ میں کسی خواب کا عکس سجاتی ہے۔ یاد کے کتنے روپ ہیں غرض یاد کے ہزاروں روپ ہیں۔

ناہید اختر بیوراجپوت ...... احسان پور

غیبت

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اسی وقت تازہ چھوارے منگوائے اور ایک طاق میں رکھ کر اس شخص کے پاس بطور تحفہ بھیج دیے اور کہا کہ آپ نے میری غیبت کرکے اپنے نیکیوں کو میرے نامہ اعمال میں منتقل کردیا ہے۔ آپ کے اس احسان کا بدلہ میں نہیں چکا سکتا۔ تاہم یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیے۔ وہ شخص حضرت کے اس سلوک کو دیکھ کر شرمندہ ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی کا طلبگار ہوا۔

عظمیٰ کنڈی ...... گل امام

دعا

الٰہی تو ہمیں ہدایت سے نواز کر ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما اور ہمیں عافیت بخش کر عافیت پانے والوں میں شامل فرما اور ہماری سرپرستی فرما کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کی تو نے سرپرستی فرمائی اور ہمیں ان چیزوں میں برکت دے جو تو نے عنایت فرمائی ہیں اور ہمیں اس کے شر سے بچا جس کا تو نے فیصلہ فرمالیا ہے کیونکہ تو ہی فیصلہ فرماتا ہے اور تجھ پر کسی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز ذلیل نہیں ہوسکتا جس کی تو سرپرستی فرمائے اور وہ بھی عزت نہیں پاسکتا جس کو تو اپنا دشمن قرار دے لے تو بڑی برکت والا ہے ہمارے رب اور بہت ہی بلند وبرتر ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے حضور توبہ کرتے ہیں۔ اے اللہ کافروں کو عذاب دے جو تیری راہ سے روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے اولیاء سے برسر پیکار ہیں۔ اے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی مغفرت فرما اور ان کے باہمی تعلقات کی اصلاح فرما اور ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر اور ان کے قلوب میں ایمان وحکمت پیدا کر اور ان کو اپنے رسول ﷺ کی ملت پر جمادے اور ان کو توفیق عطا کر یہ تیرے اس عہد کو پورا کرسکیں جو تو نے ان سے لیا ہے اور ان کی مدد فرما اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اور ان کے دشمنوں کے مقابلے میں اے معبود حقیقی ہماری التجائیں سن لے اور ہمیں بھی انہیں لوگوں میں شامل فرمادے آمین۔

ثمینہ مغل ...... ایبٹ آباد

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

☆ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ اکتوبر کا شمارہ بطور عیدالاضحیٰ نمبر پیش خدمت ہے۔ اس پرمسرت موقع پر آنچل اپنے قارئین کو تہہ دل سے عید قرباں کی مبارک باد پیش کرتا ہے۔ آیئے اب چلتے ہیں آئینہ کے دلچسپ تبصروں کی جانب جس میں آپ سب بہنوں کے تبصرے [illegible] جھلملا رہے ہیں۔

عائشہ پرویز ...... کراچی۔ سویٹ شہلا آپی آنچل اسٹاف قارئین اور رائٹرز کو پیارا سا سلام اور ڈھیر ساری عید مبارک۔ [illegible]

☆ عائشہ ڈیئر! [illegible]

ارم کمال ...... فیصل آباد۔ [illegible]

☆ ارم ڈیئر! آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ [illegible]

آمنہ امداد۔۔۔۔ سرگودھا۔ اسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! ستمبر کا آنچل حیرت انگیز طور پر 21 کو مل گیا تھا ٹائٹل گرل اچھی تھی۔ [illegible]

نوین شاھد۔۔۔۔ رحیم یار خان۔ اسلام علیکم! [illegible]

شمع مسکان۔۔۔۔ جام پور۔ [illegible]

[illegible]

فائزہ بھٹی۔۔۔۔ پتوکی۔ اسلام علیکم! [illegible]

کائنات عابد۔۔۔۔ فیصل آباد۔ اسلام علیکم! [illegible]

اقصیٰ افضل وفا۔۔۔۔ ایبٹ آباد۔ اسلام علیکم! [illegible]

دلکش مریم۔۔۔۔ چنیوٹ۔ اسلام علیکم! ستمبر کا آنچل 20 اگست کو یعنی میری سالگرہ کے دن ملا تو خوشی دوبالا ہوگئی۔ [illegible]

[illegible]

فیضہ اکبر — چکنمبر 132 جنوبی

[illegible]

مون قریشی — عبدالحکیم

[illegible]

آمنہ ملک — ملتان

[illegible]

منزہ جٹی — بنوکی

[illegible]

انیلہ ملک — شور کوٹ

[illegible]

نور سحر — ایبٹ آباد

[illegible]

[illegible]

مسکان جاوید — کوٹ سجاول

[illegible]

رابعہ رحمان — عارف والا

[illegible]

روبی علی — سید والا

[illegible]

نائلہ نور — فتح جنگ

[illegible]

فضہ یونس — گنگاپور

[illegible]

کے صدقے سب لوگوں کو خوشیاں عطا فرمائے آنچل ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا تمام ناول بہت اچھے جا رہے ہیں ام مریم کا ناول "مجھے ہے حکم اذاں" بہت ہی اچھا ہے آپ سے درخواست ہے کہ جلدی سے عاطف کی سچائی عباس پر واضح کردیں [illegible] بہت ہی اچھے تھے خاص طور پر [illegible] کا جواب [illegible] آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ [illegible] اپنی رحمتوں کا سایہ عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

عائشہ حسین۔۔۔ قلعہ دیدار سنگھ۔ السلام علیکم! [illegible] اگست کو میری پیاری [illegible] کی دعا کیجیے [illegible] آپ سب ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے گا پلیز [illegible] آپ کو بتا دوں میں نے [illegible] تمام سلسلے بہت اچھے تھے [illegible] اچھی ہیں اللہ حافظ۔

☆☆ عائشہ ڈیئر! رب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

روبی خان۔۔۔ گوجرہ۔ السلام علیکم! [illegible] آنچل کے سلسلے [illegible] بہت پسند ہیں [illegible] کی وجہ سے اب تک [illegible] آنچل کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں [illegible] آنچل میں سب سے پہلے [illegible] پڑھتی ہوں [illegible] میری دعا ہے کہ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

مدیحہ نورین مہک۔۔۔ وہاڑی۔ سلام آپی کیسی ہیں؟ [illegible] آنچل کا ہر سلسلہ بہترین ہے [illegible] تعریف کروں [illegible] اللہ حافظ۔

رابعہ۔۔۔ بنوں گھر۔ السلام علیکم! [illegible] آنچل [illegible] بہت اچھا لگا [illegible] اللہ حافظ۔

☆☆ رابعہ ڈیئر! آپ کی تجاویز نوٹ کرلی ہیں جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

عقیلہ شمائل۔۔۔ حزانوالہ فیصل آباد۔ السلام علیکم! [illegible] 2011ء کے بعد 2014ء [illegible] اللہ حافظ۔

☆☆ عقیلہ ڈیئر! [illegible] آئینہ میں [illegible]

❖ اب آگے چلتے ہیں [illegible] اس امید کے ساتھ کہ [illegible] خیال رکھیے گا [illegible] آمین۔

تاخیر سے موصول ہونے والے خطوط۔

[illegible]

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین۔۔۔ بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کپڑے جوتے لنڈا بازار سے ملتے ہیں بکرے کیوں نہیں ملتے میں انہیں کیا جواب دوں؟

ج: ان سے کہوں وہاں بہت ہی خاص قسم کے ولایتی والے ملتے ہیں زوردار ٹکر مارنے والے۔

س: میرے میاں جانی بکرا خریدنے گئے تھے بکرا تو گھر آگیا ہے مگر میاں جانی نہیں آئے وہ کہیں دوسری والی۔۔۔ میرے منہ میں خاک؟

ج: ہاں وہ دوسری والی۔۔۔ منڈی چلے گئے ہوں گے آپ کے لیے اوپن ہیئر والا بکرا لینے۔

عائشہ پرویز۔۔۔ کراچی

س: آپی قربانی کے گوشت میں میرا حصہ بھی رکھیے گا؟

ج: ہاں بھئی کہاں آپ کو ملے گی خوش۔

س: آپی جانی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور ساتھ میں بھلا کون؟

ج: یہ تو تم بتاؤ ایسے موسم میں کہاں تھیں؟ کہیں تم دھرنے میں تو۔۔۔۔۔

س: ان کی صورت نظر آئے تو۔۔۔۔؟

ج: بغیر میک اپ بھی چہرے پر نکھار آ جائے۔

عبیرہ انیس۔۔۔ فیصل آباد

س: کل تو میں بھاگتے بھاگتے گھر پہنچی پتا ہے کیوں چلیں آپ بتائیں؟

ج: تمہارے پیچھے جانو بیل جو لگ گیا تھا تمہیں بھی چار چاند لگانے کے لیے نا۔۔۔۔

س: جب بھی کوئی شرارت کرتی ہوں بھائی کہتا ہے تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے کیا اب میں کیا کروں؟

ج: تم اپنی بے چاری بھینس یعنی عقل شریف کو پہلے ہی چارہ کھلا دیا کرنا کہ اسے کہیں جانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔

س: آپی مجھے بلی سے بہت ڈر لگتا ہے اس نے مجھے دم جو ماری تھی کیا کروں؟

ج: تم نے بھی اس کی دم کھینچ کر اس کی ناک میں دم کر رکھا تھا خاطر تواضع تو کرنی تھی ناں اس نے۔

آنیہ ملک۔۔۔ ملتان

س: آپی عید الاضحی کو "بکرا عید" کیوں کہتے ہیں؟

ج: بکرا عید نہیں البتہ بقر عید کہتے ہیں۔

س: اگر میں کہوں کہ آپ مجھے اچھی نہیں لگتیں تو۔۔۔۔؟

ج: کوئی بات نہیں لیکن ہمیں تو آپ دو لگتی ہیں شیطان کی خالہ۔

شمع مسکان۔۔۔ جام پور

س: شمائل آپی آج کل میری ذات پر اداسی کا موسم ہے اور قلب میں اضطراب نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں پلیز اس موسم کے ختم ہونے کی دعا کیجیے ناں کی؟

ج: محکمہ موسمیات سے رجوع کیجیے اور بارش کے تھم جانے کی دعا کیجیے۔

س: آپی پلیز کسی کو دل سے نکالنے کا طریقہ بتادیں؟

ج: جنگل جاؤ شمع کے دل سے نہیں تو آگ بھڑک اٹھے گی۔

س: اجازت دیں بخوبی صورت دعا نصیحت کے ساتھ۔

ج: بقر عید مبارک ہو اپنے بکرے کا بہت خیال رکھنا۔

آسیہ اشرف۔۔۔ گنگا پور

س: آپی اس عید پر عیدی کم کیوں ملتی ہے؟

ج: ساری عیدی بکرے پر جو خرچ کردی جاتی ہے اب بکری کے لیے کیسے بچائیں نا۔

س: آپی کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟

ج: نہیں پہلے تو آنکھوں والی تھی اب شاید بے چاری اندھی ہوگئی ہے جبھی کہتے ہیں اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔

س: آپی آپ کی نظر میں سب سے بڑا بے وقوف کون ہے؟

ج: بے وقوف اگر میں نے بتادیا تو کہیں اسے برا نہ مان جائے۔

کرن ملک۔۔۔ جتوئی

س: آپی میں ہم سفر بنا آئی ہوں میری جگہ کہاں ہے؟

ج: تم کرسی کے اوپر نہیں کرسی کے نیچے بیٹھ جاؤ کیونکہ کرسی کا ہی تو جھگڑا ہے۔

س: اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو آپ مجھ سے کیا سوال کرتیں؟

ج: اللہ دن کبھی نہ دکھائے۔
س: آپی مجھے سب غنی میسی کیوں کہتی ہیں؟
ج: تمہاری تعریف کرتے ہیں تم پھر بھی خوش ہوتیں۔

رخ کومل شہزادی......

س: آپی پہلی دفعہ حاضر ہوں کیسا لگا؟
ج: بہت اچھا لگا خوش فہم لوگو خوش ہو جاؤ۔
س: لوگ اتنی مہنگائی میں دو دو چہرے کیسے افورڈ کرتے ہیں؟
ج: بہت ہی سستے ہیں نا اس لیے۔
س: آپی آپ بہت اچھی ہیں کاش سب آپ جیسے ہو جائیں؟
ج: اتنا مکھن مت لگاؤ ویسے ہی بہت مہنگا ہو گیا ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

س: آپ باورچی خانے میں برتن کیوں پٹختی ہیں؟
ج: سسرالیوں کو غصہ دکھانے کے لیے انہی کے برتن انہی کے گھر۔
س: آپی مت کیا کریں نا اتنی تعریف میری اُف!
ج: کیا کریں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔
س: عشق کے زیروبم تو سمجھائیں مجھے؟
ج: پہلے عشق تو سمجھ لو۔
س: عقل بڑی کہ بھینس؟
ج: اپنے وزن سے اندازہ لگا لو۔
س: چاند کو دیکھ کے بھلا کیا خیال آتا ہے مجھے؟
ج: اپنے میاں جی کا گنجا سر۔

عنزہ یونس چندھڑ...... حافظ آباد

س: جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ...... پہلے سے زیادہ تم پہ مرنے لگا ہوں؟
ج: گانے سن سن کر یہی حال ہوتا تھا۔
س: آپی مجھے آج کل اس کی یاد بہت آتی ہے بولیں کس کی؟
ج: اپنی ساس کی۔

آسیہ...... 113 این بی

س: آپی کبھی نئے آنے والوں کو بھی جگہ دیا کریں نا؟
ج: پرانے جگہ چھوڑیں تب نا۔
س: آپی بعض اوقات اللہ ٹالنے میں دیر کیوں کرتا ہے؟
ج: تم اتنی بے صبری کیوں ہو۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ

س: بجو جان اور دروازہ تو کھول دیں دیکھیں چاند کب سے آپ کے در پہ آیا کھڑا ہے شاید پہلی بار۔
ج: تم پہلے یہ بتاؤ کہ کل کیوں نہیں آئے تھے صفائی کرنے چاند ہمارا خاکروب ہے......
س: کائنات کی سب سے خوب صورت شے کیا ہے؟
ج: میں...... کبھی غرور نہیں کیا۔
س: اچھا بجو جی اب اجازت دیں آپ بھی کیا کہیں گی پہلی بار انٹری ماری ہے اور فضول سوالات کیے جا رہی ہے؟
ج: اور سر اور دماغ کھاتی ہے۔

حباء یوسفزئی...... بہاولپور

س: آپی اعتبار کی دیوار اتنی نازک کیوں ہوتی ہے؟
ج: تو کس نے کہا تھا کہ دیوار پر چڑھ کر ہاتھ پیر تڑوا دو۔
س: شعر مکمل کریں؟
ہم نے کب مانگا ہے تم سے اپنی وفاؤں کا بدلہ
ج: طوطا چشم سے ہم نے کبھی محبت نہیں کی
س: آپی اگر میں شاعرہ ہوتی تو......؟
ج: پھر ہر شعر دم کٹا ہوتا واہ واہ کی جگہ آہ آہ ہوتی۔

عروشہ تصور...... جینجی

س: اپیا جی آپ کی محبتوں نے ہمیں بھی آپ کی محفل میں آنے پر مجبور کر دیا جگہ ملے گی؟
ج: آپ نے تو دل میں جگہ لے لی۔
س: اپیا تنہائی کے لمحات کو کیسے گزارا جائے؟
ج: سسرال کو یاد کیا کریں تنہائی میسر نہیں ہوگی۔
س: کوئی اچھا سا تحفہ بتائیں؟
ج: اب رہنے دیں اس تکلف کی کیا ضرورت ہے بھلا۔

خدیجہ رانا مقامی...... کھڈیاں قصور

س: آپی میرا سب سے بڑا خواب بتائیں وہ بھی جو میں نے سوتی آنکھوں سے ساری رات دیکھا۔
ج: ایک بے زبان شوہر۔
س: آپی بقرعید آرہی ہے آپ کون سا پرندہ ذبح کریں گی قربانی کے نام پر؟
ج: بے فکر رہیں ابھی آپ کی باری نہیں آئی۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد، سندھ

س: اس عید پر میں آرہی ہوں آپ سے ملنے آنے دیں

گی یا دیکھ کر دروازہ بند کر دیں گی؟
ج: اگر گوشت لے کر آئیں تو......
س: آپی میں نے سنا ہے کہ آپ کنجوسوں کی سردار ہیں کیا یہ سچ ہے؟
ج: میں آپ کی غلام ہوں بس یہی سچ ہے۔
س: آپی سچ سچ بتائیں آپ کے سر میں کتنے سفید بال ہیں؟
ج: آپ کے سفید بالوں کی قسم ہمارے سر میں کوئی سفید بال نہیں۔

ثوبیہ کوثر...... ملتان

س: شمع آپی میں دیکھ کر کدھر جا رہی ہیں سلام تو لے لیجیے پھر گولڈن رنگ سے آئیے گا؟
ج: اسلام آباد جا رہے ہیں آ جائیں آپ بھی سب کچھ ہی مل جاتا ہے وہاں......
س: اس بار تو جشن آزادی پر بہت مزا آیا (کیونکہ آزادی کے دن پر ہم نے بھی ملی نغمہ پڑھا تھا)۔
ج: مزا تو آئے گا مفت میں انڈے اور ٹماٹر جو مل ہوں گے نا آپ کو۔

شیریں گل...... تمن

س: اسلام علیکم! شمع کما آپی جب بھی آتی ہوں تو انٹری کا بورڈ لگا ہوتا ہے؟
ج: پھر بھی تم ہمارے گارڈ کو زبردستی دھکا دے کر گھس ہی جاتی ہو۔
س: شمائل آپی آپ نے پہچانا تو ہوگا پہلی مرتبہ جو محفل میں حاضر ہوئی ہوں؟
ج: آپ جیسی شیر کی خالہ آفت کی پرکالہ کو کون نہیں جانتا۔
س: مجھے نیند نہ آئے مجھے چین نہ آئے بتائیں تو کس کے بن؟
ج: ملک کی حالت سے بے خبر تم سونے والی نہیں بھی بتاتی ہو۔

سیدہ حیا عباس...... تلہ گنگ

س: محبت جرم ہے تو سزا......؟
ج: شادی۔
س: جنت میں مردوں کو حوریں اور عورتوں کو؟
ج: آپس میں سکون ملے گا۔
س: سسرال والوں کی دی ہوئی ٹینشن کا آسان سا حل بتائیے؟
ج: اپنی امی کو بلا لیں۔

حمیرا نیازی...... ملتان

س: گرمی آتے آتے جھلک کی جلدی سے ٹھنڈک لانی تو بتائیں؟
ج: صبر کا گھونٹ پی لیں بہت ٹھنڈک ملے گی۔
س: اگر کالج میں ایگزام ہوتے ہی نہیں تو کیا ہوتا؟
ج: تو کوئی فیل نہیں ہوتا خیر سے پاس ہو گئی یا اٹک گئی۔

نفیسہ حبیب...... لودھراں

س: آپی جلدی سے سوئی کے ناکے (سوراخ) میں سے ہاتھی کو گزارنے کی ترکیب بتائیں؟
ج: گزرنا کس نے ہے آپ نے یا ہاتھی نے؟
س: آپی امرد کو تو زن مرید کہا جاتا ہے اور عورت کو؟
ج: پیرانی۔
س: آپی آپ شمائل ہیں کہ سائل (ہاہا)؟
ج: آپ کو کیا لگتا ہے۔

ثناء اجالا...... پھلوال

س: شمائل جی 12 اکتوبر کو میری برتھ ڈے ہے مجھے شعر سے وش کریں۔
ج: طلوع صبح مبارک ہو نیا ہر دن مبارک ہو۔
ہماری طرف سے آپ کو تم دن مبارک ہو ویسے کتنے سال کی ہو گئی؟
س: پاگل ہو جائے تو پھر کسی کی نہیں سنتا......؟
ج: دل ہی ہے عمران خان یا طاہر القادری تو نہیں۔
س: وہ کہتا ہے مجھے بھول جاؤ کیا کروں؟
ج: اس بات پر دھرنا دو اور کان کے نیچے ایک دھر بھی دو زور سے۔

عشرت سید محمد اسلم...... اسلام آباد

س: اگر ہمارے میاں جی کو یہ پتا لگ جائے کہ ہم ان کے گنج کی وجہ سے کتنے پریشان حال ہیں تو کیا ہوگا؟
ج: پھر تو آپ اپنی گنج پر پریشان حال ہوں گی۔
س: ہمارے میاں جی بڑے خوش خوراک اور خوش فہم ہیں بتائیے عید قربان پر کیا قربان کروں؟
ج: اپنی دلی خواہشات پر عمل بس۔

آپ کی صحت

پوچھیے ڈاکٹر ہاشم مرزا

ثمینہ کوثر چک صاحب خان سے لکھتی ہیں کہ ماہانہ نظام کی خرابی ہے 6 ماہ سے نہیں ہوئے جسم پھول رہا ہے۔

محترمہ آپ PITUIRIN 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور PULSATILLA 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن لیں۔

عثمان اشرف گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ خط شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ SALIXNG 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

آفتاب احمد ملتان سے لکھتے ہیں کہ اپنی صحت اپنے ہاتھوں سے برباد کرچکا ہوں۔

محترم آپ ACID HOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کوثر پروین اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ حسن نسواں کی کمی ہے۔ عمر 21 سال ہے۔

محترمہ آپ SABASERULATA کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں اپنا نام پتا مکمل لکھیں BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گی اس کے استعمال سے قدرتی حسن بحال ہوگا۔

نادیہ بی بی راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ نسوانی حسن نا ہونے کے برابر ہے اور بہن کے چہرہ پر چھائیاں ہیں۔

محترمہ آپ SABALSERULATA کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں BREAST BEAUTY کے لیے 550 روپے کا منی آرڈر کردیں۔ بہن کو BERBARIS AQUI Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں ان شاء اللہ آپ کے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

ب ش ابوظہبی سے لکھتی ہیں کہ مجھے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی شوہر ناراض رہتے ہیں میری مشکل کا حل بتائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ ONOSMODIUM-C کے پانچ قطرے ہر پندرہ دن میں ایک بار پیا کریں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

علی گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پٹھوں کی کمزوری ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ مکمل کیفیت لکھیں اس کے بغیر دوا تجویز نہیں ہوسکتی۔

Z نوشہراں نکانہ صاحب سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلے شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور مبلغ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا آپ کو تین چار بوتل استعمال کرنی ہوگی۔

عروسہ رفیق کوٹ ادو سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں آپ APHRODITE منگوانے کا طریقہ بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں آپ کو اتفروڈائٹ گھر پہنچ جائے گا۔

اقرا شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 17 برس ہے میرے چہرے پر باریک باریک دانے نکلتے ہیں پلیز اس کا کوئی حل بتائیں۔

محترمہ آپ NATRUM SULPH 6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں ان شاء اللہ شفا حاصل

ہوگی۔

جیا خان ایبٹ آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح موٹے لمبے بال ہیں میں بہت پریشان ہوں آپ کے اتفروڈائٹ کے متعلق میری ایک دوست نے بتایا ہے میں اس کو منگوانے کے لیے کیا کروں۔

محترمہ آپ میرے کلینک کے نام و پتے پر 900 روپے کا منی آرڈر ارسال کردیں اتفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا دو تین بوتل کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

فرحت محسن سیدوالا سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال لمبے تو ہیں لیکن میں مزید لمبے کرنا چاہتی ہوں تو مجھے ہیئر گروور آئل کی کتنی بوتلیں استعمال کرنا ہوں گی۔

محترمہ آپ کو چار پانچ بوتلیں استعمال کرنا پڑیں گی ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

اریبہ مبارک گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت کمزور ہیں روکھے اور چھوٹے ہیں اس کے لیے کوئی مناسب دوا بتائیں اس کے علاوہ میری نظر بھی کمزور ہے نظر بھی سانولا ہے پلیز دوا بتائیں۔

محترمہ میرے کلینک سے ہیئر گروور منگوالیں 4،5 بوتل کے استعمال سے آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ نظر کی کمزوری کے لیے آنکھوں کے ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں اور رنگت کے لیے JODUM 1000 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پیا کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

عائشہ مہر وہاڑی سے لکھتی ہیں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ شادی سے ایک ماہ پہلے SECALCOR 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیں۔ شادی تک دوا جاری رکھیں چہرے پر چھائیوں کے لیے BERBARIS AQUIF Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں ان شاء اللہ چھائیوں کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ ابو کو COLLEN SOMIA 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

حرا ثانیہ گاؤں باغانوالہ سے لکھتی ہیں کہ جوڈم 1000 زندگی بھر استعمال کرنی ہے کہ یا 6 مہینے استعمال کرنی ہے بچپن میں سر میں پھوڑے تھے پھوڑے والی جگہ پر بال نہیں ہیں۔ کیا ہیئر گروور سے سر کے بال آجائیں گے۔

محترمہ آپ کے لیے JODUM کا 6 ماہ کا استعمال کرنا کافی ہے۔ اسی مدت میں جتنا ہوسکتا ہے آپ کا رنگ صاف ہوجائے گا اور ہیئر گروور کے استعمال سے مکمل سر کے بال آجائیں گے بال گھنے لمبے اور خوبصورت ہوجائیں گے۔

فریال شاہ اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میں نے چہرے کے بالوں کے لیے اتفروڈائٹ آپ سے منگوانی ہے۔ مگر ساتھ کھانے کی کوئی دوا بھی تجویز کردیں جس سے بال جلدی ختم ہوجائیں۔

محترمہ آپ OLIUM JAC 3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں اتفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

محمد شکیل اسلام آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کریں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ استعمال کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

الوینہ جلال پور جٹاں سے لکھتی ہیں کہ میرا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جو میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتی آپ پر اعتماد کرتی ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ علاج میرے مسئلے کا حل بتائیں گے بڑی امید کے ساتھ آپ کو مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاء

انشاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

حنا کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے عمر 14 سال ہے مجھے پلیز ایسی دوا بتائیں کہ میرا قد بڑھ جائے۔

محترمہ آپ قد کے لیے CALCIUM PHOS 30 اور BHERIUM CARB 200 کے ہر آٹھویں دن پانچ قطرے ایک بار پیا کریں اور CALCIUM PHOS 30 کے پانچ پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

نذیر احمد چکوال سے لکھتے ہیں کہ مجھے سارے جسم پر خارش ہوتی ہے کھجانے سے خون نکلتا ہے اور سردی میں زیادہ ہوتی ہے۔

محترم آپ PATROLIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نسیم بانو سکھر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں چہرہ بہت خراب ہوگیا ہے۔

محترمہ آپ BERBARIS AQUIF (Q) کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

فاروق احمد ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن 90 کلو اور عمر 30 سال ہے دوست مذاق اڑاتے ہیں میں بہت پریشان ہوں میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

محترم آپ PHYTOLACA BARI (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مرغن غذا سے پرہیز کریں اور پیدل چلا کریں۔

بدر الدین لاہور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے جسم دبلا پتلا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور گال پچکے ہوئے ہیں کوئی ایسی دوا دیں کہ میرا جسم صحت مند ہوجائے۔

محترم آپ ALFALFA Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ کھانے ناشتے سے پہلے پیا کریں غذا میں پھل کا استعمال زیادہ کریں۔

سلطان احمد قریشی ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پروسٹیٹ کا مرض ہے پیشاب کے لیے بہت دیر بیٹھنا پڑتا ہے تھوڑا تھوڑا آتا ہے پھر بھی لگتا ہے کہ اور آئے گا۔

محترم آپ CUNIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عدنان شیخ سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے عرق النساء کا درد ہے بہت زیادہ تکلیف ہے کوئی کام نہیں کرسکتا۔

محترم آپ COLOCYNTH 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کمال احمد منڈی بہاؤ الدین سے لکھتے ہیں کہ مجھے دائیں کندھے میں شدید درد ہے ہاتھ اوپر نیچے حرکت نہیں کرسکتا ذرا سا چھونے سے شدید درد ہوتا ہے۔

محترم آپ SANGONARIA 30 اور ARNICA 30 کے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پانچ پانچ قطرے تین وقت روزانہ پیا کریں۔

رشیدہ خانم سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ٹائیفائیڈ ہوا تھا اس کے بعد سر کے بال تیزی سے گر گئے میرا سر گنجا ہوگیا ہے بہت ہلکے بال رہ گئے۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں ہیئر گرو آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے بال گھنے لمبے اور مضبوط پیدا ہوں گے۔

صدر الدین سکھر سے لکھتے ہیں کہ میری بیگم کے چہرے پر مردوں کی طرح بال نکلتے ہیں ہم بہت پریشان ہیں اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں اپنا نام و پتا مکمل لکھیں انفرو وائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

سکندر مرزا حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے بادی بواسیر کی تکلیف ہے جس میں شدید ہوتی ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ AESCULUS HIP 3X کے پانچ

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سکینہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 17 سال ہے اور حسن نسواں کی بہت کمی ہے اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SABALSERULATA Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ اس کے علاوہ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا لکھی ہوئی ترکیب کے مطابق استعمال کریں ان شاءاللہ قدرتی خوبصورتی بحال ہوگی۔

طیبہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ شوہر سے ملتے وقت شدید تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

محترمہ آپ ARGENT NIT 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

رضیہ بیگم کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ میں تین بچیوں کی ماں ہوں بیٹا کوئی نہیں ہے کیا میرے مسئلے کا بھی کوئی حل ہے بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں شوہر بھی ناراض رہتے ہیں۔

محترمہ آپ آئندہ پہلے ماہ میں CAL-PHOS-CM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر رات سوتے وقت پی لیں پھر صبح نہار منہ دوبارہ پی لیں اللہ تعالیٰ آپ کی مراد ان شاءاللہ پوری کرے گا۔

سلمیٰ خاتون ہری پور سے لکھتی ہیں کہ مجھے برتھ کنٹرول کے لیے کوئی مناسب دوا بتائیں۔

محترمہ آپ NATRIUMMUR200 کے پانچ قطرے ماہانہ غسل کے تین دن تک پی لیں ان شاءاللہ ایک ماہ تک محفوظ رہیں گی۔ اس طرح ہر ماہ تین دن یہ دوا استعمال کرلیا کریں۔

صدف کراچی سے لکھتی ہیں کہ میری ریڑھ کی ہڈی میں گیپ آگیا ہے کمر میں شدید درد رہتا ہے میں بہت پریشان رہتی ہوں۔

محترمہ آپ THERIDIOM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ فرش پر سویا کریں ان شاءاللہ شفا ہوگی۔

بشیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ سے وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں بہت شرمندگی ہوتی ہے میرے لیے بھی کوئی نسخہ تجویز فرمائیں۔

محترم آپ SELEMIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

محمد نعیم حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرے مسوڑھے پھول جاتے ہیں اور ان سے خون آتا ہے اور بدبو بھی آتی ہے اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ MARC SOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

جنید سکھر سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ SALIXINIG 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون 021-36997059۔ ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک دکان C5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14B نارتھ کراچی، 75850۔

خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

قربانی ایک عظیم عبادت اور قرب الٰہی کا ذریعہ

قربانی کیا ہے؟ قربانی کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ ”قربانی“ شریعت کے مقرر کردہ ہر اس عمل کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عبادت کی نیت سے کیا جائے۔

قربانی ایک عظیم عبادت اور قرب کا ذریعہ ہے۔ قربانی کا لفظ عربی کے لفظ ”قربان“ سے نکلا ہے۔ قربانی کا لفظ اردو اور فارسی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اس کے معنی ہیں کوئی ایسا عمل کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کی جائے۔ شروع میں قربانی کے مفہوم میں تمام صدقات و خیرات شامل تھے کیونکہ صدقات و خیرات کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی خوشی اور قرب حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن اسلام میں قربانی کے معنی کسی جانور کو اللہ کی رضا کے لیے ذبح کرنا ہے۔

قربانی کی عبادت تمام الہامی مذاہب میں مسلمہ عبادت رہی ہے بلکہ غیر اسلامی مذاہب میں بھی قربانی عبادت کے طور پر شامل رہی ہے البتہ بت پرست اقوام یہ قربانی دیوتاؤں کے نام پر کرتی ہے۔ اللہ کے نام پر نہیں جو کھلا شرک ہے۔ اسلام کی شریعت میں قربانی کی یہ عبادت ذی الحج کے تین دنوں تک محدود ہے۔ دس ذی الحج کی عید کی نماز کے بعد بارہ ذی الحج کے غروب سے پہلے تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ ان دنوں کی راتوں میں اگرچہ قربانی کرنا جائز ہے مگر بہتر ہے کہ دن میں کی جائے۔

اسلام میں عید الاضحیٰ کا تصور

قربانی اسلام کے شعار میں سے ہے اور دین اسلام کی امتیازی نشانی ہے اس کی وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”یوم الاضحیٰ“ کو انسان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خون بہانے یعنی ”قربانی کرنے“ سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ کیونکہ قربانی کا یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا مرتبہ پالیتا ہے پس! (اے اہل ایمان) تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔“

(ترمذی وابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسلسل دس سال تک قربانی کرتے رہے۔ حدیث شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کیا ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہمارا کیا نفع ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”قربانی کے ہر بال پر ایک نیکی ملے گی۔“

ذی الحج کے پہلے دس دن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے تین دنوں کو ”ایام التشریق“ قرار دیا ہے جن کے متعلق فرمایا ”یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔“ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحج سے زیادہ عظمت والے کوئی ایام نہیں اور نہ ان دنوں کے عمل سے زیادہ کسی دن کا عمل محبوب ہے۔ لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح، تہلیل اور تکبیر و تحمید کثرت سے کیا کرو۔“ (طبرانی) اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہم ان دس دنوں میں جو عمل زیادہ کریں وہ یہ چار عمل ہیں۔

تسبیح:۔ دین کی اصطلاح میں سبحان اللہ کہنے کو تسبیح کہتے ہیں۔

تہلیل:۔ لاالٰہ الا اللہ کہنے کو دین کی اصطلاح میں تہلیل کہتے ہیں۔

تکبیر:۔ اللہ اکبر کہنے کو کہتے ہیں۔

تحمید:۔ الحمدللہ کہنے کو تحمید کہتے ہیں۔

اسلام کا تیسرا کلمہ ان ہی چاروں اجزا سے مل کر بنا ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک کلمات کی بہت فضیلت بیان فرمائی۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ ”کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو روزانہ احد پہاڑ کے برابر عمل کرلیا کرے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طاقت کس میں ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر شخص میں اس کی طاقت ہے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”اس کی کیا صورت ہے؟“ ارشاد فرمایا ”سبحان اللہ کا ثواب احد سے زیادہ، لا الٰہ الا اللہ کا ثواب احد سے زیادہ الحمدللہ کا ثواب احد سے زیادہ ہے اور اللہ اکبر کا ثواب احد سے زیادہ ہے۔“

(مجمع الزوائد)

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”جن کلمات کی بہت ہی زیادہ فضیلت آئی ہے اس میں تسبیح، تہلیل اور تکبیر و تحمید کے ہر ذکر پر سو مرتبہ پڑھنے کی فضیلت سو غلام آزاد کرنے، سو گھوڑے جہاد میں دینے اور سو اونٹ قربان کرنے کے برابر بیان فرمائی ہے۔“ اس حدیث میں لا الٰہ الا اللہ کے کلمات کو سو مرتبہ پڑھنے کا ثواب یہ بیان فرمایا کہ ”وہ زمین و آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔“

(امام احمد)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب ذی الحج کا مہینہ شروع ہوجائے اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔“

(صحیح مسلم)

یوم العرفہ اور یوم نحر

اس ماہ مبارک کی نویں تاریخ کو ”یوم العرفہ“ کہتے ہیں۔ اس دن کی فضیلت اس عشرے کے تمام دنوں میں سب سے زیادہ ہے یہی وہ دن ہے جس میں تمام حاجی عرفات کے میدان میں ٹھہر کر حج کا سب سے بڑا رکن (وقوف عرفات) ادا کرتے ہیں۔ اس دن کا روزہ ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دن کا روزہ رکھنے سے اگلے اور پچھلے ایک سال کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ دسویں ذی الحج کو ”یوم نحر“ کہتے ہیں۔

قربانی کا جانور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے مقام پر لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ ”گھر کے ہر صاحب نصاب فرد پر ہر سال قربانی واجب ہے۔“

(نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

بکری، بھیڑ اور دنبہ کا ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔ گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لیے کافی نہیں۔ جانور عیب دار نہ ہو۔ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔ ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔ قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں اگر ایسا کیا تو ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

ثمینہ طاہر.....لیاقت آباد، کراچی

حنا کے رنگ — آنچل کے سنگ

تبت
سرد و خشک موسم میں اپنی
جلد کو دیجئے بھرپور تحفظ
TIBET
Cold Cream
TIBET
Honey
Lotion
تبت کولڈ کریم
تبت کولڈ کریم سرد اور خشک موسم میں جلد کو روکھے پن سے محفوظ رکھے۔ اس کا باقاعدہ استعمال جلد کو تروتازہ اور نرم و ملائم بنائے۔
تبت ہنی لوشن
تبت ہنی لوشن جلد کو نرم و ملائم اور شگفتہ بنائے۔ اس میں شامل وٹامن ای، شہد اور روغن بادام جلد کی قدرتی نمی برقرار رکھیں اور اسے بنائے دلکش اور خوبصورت۔